

تاج فقہ اردو

ترجمہ اردو
مولانا محمد رفیع صاحب عثمانی
مولانا حبیب احمد ہاشمی

تالیف عربی
علامہ شیخ محمد خضریٰ بک
پروفیسر جامعہ مصر دہلی

جس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر آج تک ہر دور کے فقہ اسلامی کی مکمل تاریخ
اور خصوصیات نہایت جامعیت کے ساتھ بیان کی گئی ہیں اور ساتھ ہی چاروں ائمہ
یعنی حضرت امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور
انکے شاگردوں کے حالات اور انکے علمی کارنامے اور تصانیف کا مفصل تذکرہ کیا گیا ہے

ناشر

دارالاشاعت

مقابلے مولوی مسافر خانہ کراچی

جملہ حقوق طباعت و اشاعت محفوظ

اشاعت اول	جنوری ۱۹۶۵ء
تعداد طبع	ایک ہزار
باہتمام	محمد رضی عثمانی
طباعت	انٹرنیشنل پریس
قیمت	نور روپے صرف

ناشر

دارالاشاعت ^{مقابل مولوی مسافر خانہ} کراچی

ملنے کے پتے

(۱) ادارۃ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور

(۲) ادارۃ المعارف و اکخانہ دارالعلوم کراچی

(۳) قرآن محل مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی

✓
۲۹۷ ۱۳۹
۱۵۲
۱۲۹۳۶

حرفِ آغاز

از محمد رضی عثمانی

مصر کے مشہور مصنف اور دانشور علامہ شیخ محمد خضریٰ بک کی مشہور عالم کتاب تاریخ تشریح الاسلامی کا اردو ترجمہ ہدیہ ناظرین ہے۔ فقہ اسلامی کی تاریخ پر اردو زبان میں اب تک کوئی ایسی جامع کتاب موجود نہیں تھی جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ آیا فقہ اور قانون اسلامی کوئی جامد چیز ہے یا بدلتے ہوئے زمانہ کی ضروریات اور حالات کے مطابق اس میں رد و بدل ہوتا رہا ہے اور یہ کہ فقہ اسلامی موجودہ زمانہ کے ساتھ کس حد تک ہم آہنگ ہے۔ اس کے لئے اس کی ضرورت تھی کہ اسلامی فقہ کے تمام ادوار کی مفصل تاریخ مرتب کی جائے جس میں ہر دور میں فقہی تغیرات انقلابات اور اس دور کی خصوصیات دکھائی جائیں اور زیر نظر کتاب ان تمام ضروریات کو اور مقاصد کو پورا کرتی ہے فاضل مصنف نے اس موضوع پر قلم اٹھا کر ملک و ملت کی ایک اہم ضرورت کو پورا کر دیا ہے جس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر آج تک ہر دور کے فقہ اسلامی کی مفصل تاریخ اور خصوصیات نہایت جامعیت کے ساتھ بیان کی گئی ہیں اور ساتھ ہی چاروں مشہور ائمہ یعنی امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور ان کے تلامذہ کے حالات اور ان کے علمی کارنامے اور تصانیف کا تذکرہ نہایت شرح بسط کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ کرنے کے لئے احقر نے اپنے برادر عزیز مولانا محمد تقی عثمانی سے کہا جو ما شاء اللہ نوجوان ہونے کے باوجود عربی اردو زبان پر پوری طرح قادر اور علوم اسلامیہ

پر گہری نظر اور استعداد رکھتے ہیں اور جن کی دو کتابیں ہمارے عالمی مسائل اور ضبط و لات عقلی و شرعی
 حیثیت سے دارالاشاعت کراچی سے شائع ہو کر اہل علم اور عوام سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہیں
 اہل حق نے اپنی گونا گوں علمی و تعلیمی مصروفیات کے باوجود اس اہم کتاب کے اردو ترجمہ کا کام شرف
 کر دیا اور ابھی نصف سے کچھ کم کتاب کا ترجمہ کر پائے تھے کہ اچانک بعض دوسری علمی مصروفیات
 کی وجہ سے اس کو پورا نہ کر سکے اس لئے بقیہ نصف کتاب سے زیادہ کا ترجمہ محترم بزرگ مولانا
 حبیب احمد صاحب ہاشمی نے پورا کیا اور الحمد للہ اب یہ کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

فہرست مضامین تالیف فقہ اردو

۴۰	تخیر کے انداز	۹	نصف آغاز
۴۱	قرآن میں کس قسم کے احکام ہیں	۹	بیش لفظ
۴۲	حدیث	۹	تقدم و صنف
۴۳	رفع اہل کی مثالیں	۱۱	پہلا دور
۴۵	قیاس کی صورت	۱۱	نقد رسول اللہ کی زندگی میں قرآن و حدیث
۴۷	صحابہ کا علم حدیث	۱۳	نزل وحی کے دو اہم دور
۴۸	نماز	۱۳	مکی و مدنی سورتیں
۵۰	دور جاہلیت کی نماز	۱۴	سورۃ کی وجہ تسمیہ
۵۱	نماز کے اوقات	۱۵	سورتوں کے نام
۵۲	روزہ	۱۸	نزول وحی کی کیفیت
۵۷	حج اور عمرہ	۲۰	مکی و مدنی سورتوں کے امتیازات
۶۳	حج کے فوائد	۲۱	پہلا امتیاز
۶۴	زکوٰۃ	۲۱	دوسرا امتیاز
۶۶	قرآن کریم کے مزید احکام	۲۱	تیسرا امتیاز
۷۳	جہاد	۲۲	قرآن کے مضامین
۸۰	معاملات اور وثائق	۲۳	قرآن میں اسلامی فقہ کی بنیادیں
۸۳	جنگی قیدی	۲۳	عدم الحرج
۸۴	غلام اور غلامی	۲۴	مکالیف کی کمی
۸۶	جنگ کا مال غنیمت	۲۵	تدریج
۹۲	عائلی نظام	۲۶	قرآن کی حجیت
۹۳	بشادی بیاہ	۲۷	نسخ کا مطلب
۹۹	طلاق	۳۴	طلب اور تخیر کے مسائل میں قرآن کا انداز بیان
۱۱۵	پردہ کے آداب	۳۴	طلب کے انداز
۱۱۷	دارث کا نظام	۳۷	فہرست کے انداز

۱۷۸	حضرت محمد بن مسلم المعروف بابن شہاب ہری	۲۲	معاملات
۱۷۹	حضرت ابو جعفر محمد بن علی بن حسین معروف باباقر	۲۶	سزائیں
۱۷۹	ابوالزنا عبد اللہ بن ذکوان	دوسرا دور	
۱۷۹	حضرت یحییٰ بن سعید انصاری	جلیل القدر صحابہ کے زمانہ میں قانون شریعت	
۱۷۹	حضرت ربیعہ بن ابی عبد الرحمن فروح	۱۳۴ { اللہ سے سنہ ۷ تک اور سیاسی پس منظر	
مکہ کے مفتی		۱۳۵	دور ثانی میں کتاب و سنت
۱۷۹	حضرت عبد اللہ بن عباس بن عبد المطلب	۱۴۳	اس زمانہ میں اجتہاد
۱۸۰	حضرت مجاہد بن جبر مولیٰ بن مخزوم	۱۵۷	حضرت عبد اللہ بن مسعود
۱۸۰	حضرت عکرمہ مولیٰ ابن عباس	۱۵۸	حضرت زید بن ثابت
۱۸۰	حضرت عطاء بن ابی رباح مولیٰ قریش	تیسرا دور	
۱۸۱	حضرت ابوالزبر محمد بن مسلم بن تدرس مولیٰ حکیم بن حزام	چھوٹے صحابہ اور ان سے استفادہ کرتے ہوئے	
کوفہ کے مفتی		۱۶۰ {	تابعین کے زمانہ میں فقہ
۱۸۱	فقیہ عراق علقمہ بن قیس نخعی	۱۶۰	سیاسی پس منظر
۱۸۱	حضرت مسروق بن اجدع ہمدانی	۱۷۳	اس زمانہ میں اجتہاد
۱۸۲	حضرت عبیدہ بن عمرو سلمانی مرادی	۱۷۳	کتاب و سنت
۱۸۲	حضرت اسود بن یزید نخعی	۱۷۴	اس زمانہ کے مشہور مفتی
۱۸۲	حضرت شداد بن حارث کنذی	۱۷۴	مدینہ کے مفتی
۱۸۲	حضرت ابراہیم بن یزید نخعی	۱۷۴	ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ
۱۸۲	حضرت سعید بن جبیر مولیٰ والیہ	۱۷۶	حضرت سعید بن مسیب مخزومی
۱۸۲	حضرت عامر بن شراحیل شجعی	۱۷۶	عروہ بن زبیر بن عوام اسدی
بصرہ کے مفتی		۱۷۶	حضرت ابوبکر بن عبد الرحمن بن حارث بن ہشام
۱۸۳	حضرت انس بن مالک انصاری	۱۷۶	حضرت علی بن حسین بن ابی طالب ہاشمی
۱۸۳	حضرت ابوالعالیہ فیح بن مہران ریاحی	۱۷۷	حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود
۱۸۴	حضرت حسن بن ابی الحسن یسار مولیٰ زید بن ثابت	۱۷۷	حضرت سالم بن عبد اللہ بن عمر
۱۸۴	حضرت ابوالشعثا جابر بن زید مصاحف حضرت عباس	۱۷۷	حضرت ام المؤمنین میمونہ کے مولیٰ بن یسار
۱۸۴	حضرت محمد بن سعید بن ابی حضرت انس بن مالک	۱۷۷	حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر

۲۲۵	ان جلیل القدر فقہار کا ظہور جن کی قیادت کو عوام نے تسلیم کر لیا	۱۸۲	حضرت قتادہ بن دعامہ دوسی
۲۲۵	امام ابوحنیفہؒ		شام کے مفتی
۲۲۸	سفیان بن سعید ثوری	۱۸۵	حضرت عبدالرحمن بن غنم اشعریؒ
۲۲۸	شریک بن عبداللہ نخعیؒ	۱۸۵	حضرت ابوالدین خولانی عاتق اللہ بن عبداللہ
۲۲۸	محمد بن عبدالرحمن بن ابی یلی	۱۸۵	حضرت قتیبہ بن ذویب
۲۲۹	ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم انصاری	۱۸۵	حضرت محمول بن ابی مسلم
۲۲۹	زفر بن ہذیل بن قیس کوفی	۱۸۵	حضرت رجاء حیاء کندیؒ
۲۲۹	محمد بن حسن بن فرقد شیبانی	۱۸۶	حضرت عمر بن عبدالعزیز بن مروان
۲۵۰	حسن بن زیاد لؤلؤی کوفی		مصر کے مفتی
۲۵۱	ابراہیم بن رستم مروزی	۱۸۶	حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص
۲۵۱	احمد بن حفصؒ	۱۸۶	حضرت ابوالخیر مرشد بن عبداللہ نیری مفتی مصر
۲۵۱	بشر بن عیاض مریسی	۱۸۶	یزید بن ابی حبیب مولی ازد
۲۵۱	بشر بن ولید کندی		یمن کے مفتی
۲۵۲	محمد بن سماعہ تمیمی	۱۸۷	حضرت طاؤس بن کسبان جندی
۲۵۲	محمد بن شجاع تلحی	۱۸۷	حضرت وہب بن منبہ صفانی
۲۵۲	ابو سلیمان موسیٰ بن سلیمان جوزجانی	۱۸۸	حضرت یحییٰ بن ابی کثیر مولی طی
۲۵۲	ہلال بن یحییٰ بن مسلم الراستے بصری		بحرہ و رستہ تا ۳۵۰ھ
۲۵۲	ابو جعفر احمد بن ابی عمران قاضی دیار مصر	۱۹۲	سیاسی پس منظر
۲۵۲	کبار بن قتیبہ بن اسود قاضی مصری	۱۹۲	اس دور کی خصوصیات
۲۵۲	ابو حازم عبد الحمید بن عبدالعزیز	۱۹۶	اسلامی غہروں میں علمی حرکت
۲۵۳	ابو سعید احمد بن حسین بروعی	۱۹۷	حفاظ قرآن کی تعدادیں زیادتی
۲۵۳	امام ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامہ اندلی طحاوی	۱۹۹	حدیث کی تدوین
۲۵۳	امام مالکؒ	۲۰۱	مادہ فقہ میں نزاع
۲۵۶	ابو محمد عبداللہ بن وہب بن مسلم قرطبی	۲۰۱	احادیث میں نزاع
۲۵۷	ابو عبداللہ عبدالرحمن بن قاسم عتقی	۲۳۷	اصول فقہ کی تدوین
		۲۴۳	اصطلاحات فقہیہ کا ظہور

۲۶۹	ابو جعفر محمد بن جریر طبری	۲۵۷	اشہب بن عبد العزیز قنسی عامری بخدی
۲۶۹	یوسف بن یحییٰ بوطی مصری	۲۵۷	ابو محمد عبد اللہ بن عبد الحکم
۲۷۰	ابو ابراہیم اسماعیل بن یحییٰ مزنی مصری	۲۵۸	اضیع بن فرج اموی
۲۷۰	ربیع بن سلیمان بن عبد الجبار مرادی	۲۵۸	محمد بن عبد اللہ بن عبد الحکم
۲۷۰	حرملة بن یحییٰ بن عبد اللہ النجیبی	۲۵۸	محمد بن ابراہیم بن زیاد اسکندری
۲۷۰	یونس بن عبد الاعلیٰ صدخی مصری	۲۵۹	ابو عبد اللہ زیاد بن عبد الرحمن قرطبی
۲۷۰	ابو بکر محمد بن احمد المعروف ابن حداد	۲۵۹	عبیسی بن دینار اندلسی
۲۷۱	امام احمد بن حنبل	۲۵۹	یحییٰ بن یحییٰ کثیر اللبثی
۲۷۱	ابو بکر احمد بن محمد بن ہانی	۲۶۰	عبد الملک بن حبیب بن سلیمان سلمی
۲۷۲	اسحاق بن ابراہیم ابن راہوہ مروزی	۲۶۰	ابو الحسن علی بن زیاد تونسلی
۲۷۲	المکتمہ شیعہ	۲۶۰	اسد بن قرات نیشاپوری
۲۷۵	فتا شدہ مذاہب	۲۶۱	عبد السلام ابن سعید تنوخی
۲۷۶	امام اوزاعی	۲۶۲	احمد بن معذل بن عثمان عیدی
۲۷۷	ابو سلیمان داؤد بن علی	۲۶۲	ابو اسحاق اسماعیل بن اسحاق
۲۸۰	ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید طبری	۲۶۳	اہل مدینہ میں امام مالک کے بڑے شاگرد
	محمد بن احمد بن محمد بن ابی شلیح کاتب	۲۶۳	ابو مروان عبد الملک بن عبد العزیز
	ابو الحسن احمد بن یحییٰ منجم نسلم	۲۶۳	امام شافعی رحمہ
	ابو الحسن دسوق حلوانی		امام شافعی کے شاگرد اور ان کے مذہب کے راوی
	ابو انفرج معانی بن ذکریا نہروانی	۲۶۷	ابو ثور ابراہیم بن خالد بن یکان کلبی بخدادی
	مسائل کی جزئیات	۲۶۷	امام احمد بن حنبل
۲۸۳	طلاق بالحساب	۲۶۷	حسن بن محمد بن صباح زعفرانی بخدادی
۲۸۷	مسائل الحیل	۲۶۸	ابو علی حسین بن علی کراہیسی
۲۸۸	احکام میں کتابوں کی تدوین	۲۶۸	احمد بن یحییٰ بن عبد العزیز بخدادی
۲۸۹	مذہب امام ابو حنیفہ کی کتب	۲۶۹	امام شافعی رحمہ کے عراقی شاگرد
۲۹۰	کارنگر کا تاوان	۲۶۹	داؤد بن علی امام اہل ظاہر
		۲۶۹	ابو العباس احمد بن عمر بن سرتج حسین زعفرانی

۳۳۷	ابوالحسن احمد بن محمد قدوسی بغدادی	۲۹۱	زمانہ اختیار میں خدیار کے پاس فروخت شدہ چیز کا ضائع ہونا
۳۳۷	ابوزید عبداللہ بن عمر ربوسی سمرقندی	۲۹۲	بیج جبری
۳۳۷	ابوعبداللہ حسین بن علی صمیری	۲۹۲	شفعہ کے مسائل
۳۳۷	ابوبکر خواہر زادہ محمد بن حسین بخاری	۲۹۳	پڑوس کا شفیعہ
۳۳۸	شمس الائمہ عبدالعزیز بن احمد حلوانی	۲۹۳	افکار کی صلح
۳۳۸	شمس الائمہ محمد بن احمد خرسی	۲۹۳	کتب ظاہر روایت
۳۳۸	ابوعبداللہ محمد بن علی دامغانی	۲۹۵	باب اس شخص کے بارے میں جو کسی شخص کیلئے کسی شخص کو اس لئے پھڑکے تاکہ وہ اس کو قتل کر دے
۳۳۸	علی بن محمد بزودی	۳۰۰	امام مدینہ مالک بن انس کے مذہب کی کتابیں
۳۳۸	شمس الائمہ بکر بن محمد زنجری	۳۰۰	بیمار کی طلاق
۳۳۸	ابواسحاق ابراہیم بن اسماعیل صفار	۳۰۲	اہل صلاح و اہل بدعت کے پیچھے نماز پڑھنا
۳۳۸	طاہر بن احمد بن عبدالرشید بخاری	۳۰۴	امام محمد بن یونس شافعی کے مذہب کی کتابیں
۳۳۹	ظہیر الدین عبدالرشید بن ابی حنفیہ بن عبدالرزاق	۳۰۵	نماز کے متعلق کلام
۳۳۹	ابوبکر بن مسعود بن احمد کاسانی		
۳۳۹	فخر الدین حسن بن منصور اوزجندی		
۳۳۹	علی بن ابی بکر عبدالجلیل فرغانی		
۳۳۹	مالکی مذہب کے بڑے فقہار		
۳۳۹	محمد بن یحییٰ بن لبانہ		
۳۳۹	ابوبکر بن علاق شیرازی		
۳۴۰	ابواسحاق محمد بن قاسم بن شعبان عسلی		
۳۴۰	محمد بن حارث بن اسد خشتی		
۳۴۰	ابوبکر محمد بن عبداللہ معیطی اندلسی		
۳۴۰	یوسف بن عمر بن عبدالبر		
۳۴۱	ابومحمد عبداللہ بن ابی زید عبدالرحمن نقری قزوینی		
۳۴۱	ابوسعید خلف بن ابی قاسم ازدی		
۳۴۱	ابوبکر محمد بن عبداللہ ابهری		
۳۴۲	ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ		
		۳۱۴	سیاسی پس منظر
		۳۱۷	روح تقلید
		۳۲۰	اسباب تقلید
		۳۲۶	مناظرے اور جدل کی اشاعت
		۳۳۲	مذہب اسماعیلی
		۳۳۴	مذہبی تعصبات کا شروع
		۳۳۶	اس دور کے فقہار
		۳۳۶	ابوالحسن عبید اللہ بن الحسن الکرجی
		۳۳۷	ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص
		۳۳۷	ابوجعفر محمد بن عبداللہ بنی ہندوانی
		۳۳۷	ابوعبداللہ یوسف بن محمد جانی

۳۴۶ ابو الحسن علی بن محمد بن محمد بن معروف ابن حاملی
 ۳۴۶ عبداللہ بن احمد معروف بہ ققال
 ۳۴۶ ابواسحاق ابراہیم بن محمد اسفرائینی
 ۳۴۷ ابوالطفیف ظاہر بن عبداللہ طبری
 ۳۴۷ ابوالحسن علی بن محمد ماردی
 ۳۴۷ ابوعاصم محمد بن احمد مہروی عبادی
 ۳۴۷ ابوالقاسم عبدالرحمن بن محمد فورانی مروزی
 ۳۴۷ ابواسحاق ابراہیم بن علی فیروز آبادی
 ۳۴۷ ابوالنصر ابواسبید بن محمد ابن صانع
 ۳۴۷ ابوسعید عبدالرحمن بن مامون
 ۳۴۸ ابوالمعالی عبدالملک بن عبداللہ جوہنی
 ۳۴۸ ابوالحسن عبدالواحد بن اسماعیل رویانی
 ۳۴۸ حجت الاسلام ابو حامد محمد بن محمد بن محمد غزالی طوسی
 ۳۴۸ ابواسحاق ابراہیم بن منصور بن مسلم عراقی
 ۳۴۹ ابوسعید عبداللہ بن محمد بن ہتہ اللہ
 ۳۴۹ ابوالقاسم عبدالکریم بن محمد قزوینی
 ۳۴۹ محی الدین ابو ذکریا یحییٰ بن شرف بن مری نووی

پہچھا دور

۳۵۰ سیاسی پس منظر
 ۳۵۱ اس زمانہ میں اجتہاد
 ۳۵۲ اسلامی شہروں کے علماء کے درمیان انقطاع
 ۳۵۳ ہمارے دور نامہ کی کتابوں میں تعلقات کا انقطاع
 ۳۵۴ اختصار کی وجہ سے مطالب میں خلل
 ۳۵۹ ہر متفقہ فی الدین کی خدمت میں

۳۴۶ ابوالحسن علی بن محمد بن خلف المعافری
 ۳۴۶ قاضی عبدالوہاب بن نصر بغدادی
 ۳۴۶ ابوالقاسم عبدالرحمن بن محمد الحضرمی لبیدی
 ۳۴۶ ابوبکر محمد بن عبداللہ بن یونس صقلی
 ۳۴۶ ابوالولید سلیمان بن خلف باجی
 ۳۴۶ ابوالحسن علی بن محمد ربیع النخعی
 ۳۴۶ ابوالولید محمد بن احمد بن محمد بن اشتر قرطبی
 ۳۴۶ ابوعبد اللہ محمد بن علی بن عمر بن مازی صقلی
 ۳۴۶ ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن عربی
 ۳۴۶ قاضی ابوالفضل عیاض بن موسیٰ بن عیاض حبشی
 ۳۴۶ اسماعیل بن مکی عوفی
 ۳۴۶ محمد بن احمد بن محمد بن احمد بن حمد ابن رشد
 ۳۴۶ ابومحمد عبداللہ بن نجم بن شاس جذامی سعدی
 ۳۴۵ ابواسحاق ابراہیم بن احمد مروزی
 ۳۴۵ ابوالحسن محمد بن سعید بن ابی القاضی خوارزمی
 ۳۴۵ ابوبکر احمد بن اسحاق ضیحیٰ نیشاپوری
 ۳۴۵ ابوعلی حسین بن حسین ابن ابی ہریرہ
 ۳۴۵ ابوالسائب عقیقہ بن عبید اللہ بن موسیٰ قاضی
 ۳۴۵ قاضی ابو حامد احمد بن بشر مروزی
 ۳۴۵ محمد بن اسماعیل معروف ققال کبیر شاشی
 ۳۴۵ ابوسہل محمد بن سلیمان صفورکی
 ۳۴۶ ابوالقاسم عبدالعزیز بن عبداللہ داوکی
 ۳۴۶ ابوعلی حسین بن شعیب سنجی
 ۳۴۶ ابو حامد بن محمد اسفرائینی

پیش لفظ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله وكفى وسلاماً على عباده الذين اصطفى
اسلامی فقہ کی تاریخ "ایک ایسا موضوع ہے جو بہت اہم ہونے کے باوجود زیادہ مصنفین کی توجہ کا مرکز نہیں بن سکا، خود عربی زبان میں اس موضوع کی مبسوط کتابیں بہت کم ہیں اور اردو کا دامن تو ان سے تقریباً خالی ہے۔

"علامہ محمد خضریٰ بک" مصوٰف کے آخری دور میں ایک وسیع الملاحہ عالم گزریں ہیں تاریخ انکا خاص موضوع رہا ہے اپنے لاری فکر اور اسلوب تحریر کے اعتبار سے اگر یوں کہا جائے کہ یہ "مصر کے مولانا شبلی ہیں" تو میرے خیال سے یہ انکا مکمل تعارف ہوگا۔ انھوں نے اسی موضوع پر قلم اٹھایا اور خوب اٹھایا، کافی عرق ریزی اور محنت کے بعد ان کی کتاب تاریخ التشریح الاسلامی "منظر عام پر آئی" اور اسے علمی حلقوں میں بہت کچھ سراہا گیا۔

یہ کتاب چونکہ پاکستان کی بعض یونیورسٹیوں میں داخل نصاب تھی اور یوں بھی یاد دوق حضرات کیلئے اس کا مطالعہ مفید تھا اس لئے ضرورت تھی کہ اسکا کوئی ترجمہ یہاں شائع ہو، مگر پاکستان میں ایسا کوئی ترجمہ دستیاب نہ تھا جو اس ضرورت کو پورا کر سکے، اسلئے دارالاشاعت کے مالک برادر مسکرم جناب مولانا محمد رضی صاحب عثمانی نے اس کام کا ارادہ کر کے راقم الحروف کو حکم دیا کہ اس کا ترجمہ شروع کر دے۔

اتفاق سے ان دنوں احقر کا کچھ وقت خالی تھا جو کسی مناسب کام کا تقاضا کر رہا تھا چنانچہ بنام خدا احقر نے اسکی ابتداء کر دی اور اس کا ایک معتد بہ حصہ (تقریباً ستو صفحات) مکمل کر بھی لیا، پھر اچانک کچھ ایسے وقتی کام پے درپے سامنے آئے کہ میں اس کام کی طرف توجہ نہ دے سکا۔ اور بالآخر جب اس میں غیر معمولی تاخیر ہونے لگی تو "مولانا حبیب صاحب ہاشمی" کے حوالہ کر دیا انھوں نے الحمد للہ پوری دلچسپی کے ساتھ اس کو چند مہینوں میں پایہ تکمیل تک پہنچا دیا، چنانچہ شروع سے "جہاد" کے بیان تک (جو اصل کتاب کے صنف پر ہے) ترجمہ میرا ہے۔ اور باقی سب مولانا ہاشمی صاحب کا۔

یہاں ایک بات ذہن میں رکھنا ضروری ہے اور وہ یہ کہ علامہ خضریٰ "بلاشبہ ایک بڑے عالم ہیں، مگر وہ جس دور سے تعلق رکھتے ہیں، اتفاق سے یہ وہی دور ہے جس میں عالم اسلام پر مغرب کے قلم اور

تلوار کا حملہ ساتھ ساتھ ہوا ہے، اس دور کے وہ علما و محققین نے اپنے علم کا زیادہ دار مطالعہ پر رکھ کر براہ راست مستشرقین کو پڑھا ہے، ان کی تحریروں میں (شعوری یا غیر شعوری طور سے) ایک معروبیت کا احساس پایا جاتا ہے جس کو ان جگہوں پر یہ آسانی پڑھا جاسکتا ہے جہاں انھوں نے اسلام پر کسی "مغربی اعتراض" کا جواب دیا ہے۔ ہندوستان میں مولانا شبلیؒ اور مصر میں علامہ خضریٰؒ علماء کے اسی طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔

ہمیں ان حضرات کی نیک نیتی اور خلوص میں شبہ نہیں، ان حضرات نے خدمت دین کے جذبے میں بڑی محنتیں اٹھائی ہیں اور اسلام پر کئے جانے والے اعتراضات کا دفاع کیا ہے، لیکن اسکو کیا کیجئے کہ اگر اعتراض کر نیوالے کے ہاتھ میں تلوار بھی ہو اور منہ میں تیز زبان بھی اور جواب دینے والے کا ذہن ان دونوں سے معروب نہ ہو تو قدرتی طور پر جواب جواب نہیں رہتا، معذرت بن جاتا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، جہاد، نسخ اور غلامی کے جیسے مسائل پر مستشرقین نے جو اعتراضات کئے تھے، یہ حضرات ان کا جواب خود اعتمادی کے ساتھ سینہ تان کر نہیں دے سکے، بلکہ ایک قسم کی "معذرت" پیش کی، کہ یہ تمام چیزیں دراصل ہمارے یہاں ایک مجبوری کے تحت تھیں، آئندہ ایسا نہیں ہوگا، اور اس میں "معذرت" کے لئے خود شریعت اسلام کے اندر بعض ایسی ترمیمیں کر گئے جو اس کے مزاج سے میل کھانی والی نہیں ہیں۔

یہ ایک غلط طرز فکر کی ابتداء تھی، اور جب یہ ترمیم و تسبیح کا دروازہ کھلا تو دشمنان اسلام کو ایک وسیع میدان ہاتھ آگیا، پھر نت نئے مجتہدین نے اس دروازے کو چوڑا کھول کر اسلام پر وہ مٹم ڈھائے کہ الأمان! اور اسی "خشت اذل" کے "کج" ہو جانے کا نتیجہ یہ ہے کہ آج "تجدد" کا مکتب فکر ناقص و مسلموں کے لئے ایک مستقل خطرہ بن چکا ہے۔

بہر کیف! کہنا یہ تھا کہ زیر نظر کتاب میں بھی دو تین مقام ایسے آئے ہیں جہاں اسی احساس معروبیت کے تحت علامہ خضریٰؒ نے جمہوریت سے اختلاف کیا ہے، جہاد، نسخ اور غلامی پر انھوں نے جہاں گفتگو کی ہے، وہاں صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان مسائل میں خود ان کا ذہن صاف نہیں ہے۔ کتاب کے مطالعہ کے دوران پیش نظر رہتی چاہیے۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو نافع اور مقبول بتائیں، اور اس کی تصنیف طباعت میں حصہ لینے والے ہر شخص کے لئے یہ ذخیرہ آخرت ثابت ہو آمین والہو فیقی الا باللہ۔

محمد تقی عثمانی

دارالعلوم، کراچی نمبر ۳
اگست ۱۹۶۲ء

مقدمہ

اسلامی فقہ کے سرچشمے تین ہیں :-

(۱) قرآن کریم

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ اقوال و افعال جنہوں نے قرآن کریم کی تشریح فرمائی اور

اللہ تعالیٰ کی مراد کو واضح کیا، اصطلاح میں انہی کو "سنت" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

(۳) فقہاء کی اجتہادی آراء، یہ آراء اگرچہ قرآن و سنت ہی سے ماخوذ اور مستنبط ہیں لیکن ظاہر

ہے کہ یہ فقہاء کی فکر و نظر کا نتیجہ ہیں جس پر مختلف زمانوں کے مختلف اثرات پڑتے رہے ہیں، فقہاء کی یہ

فکری کاوش کبھی زمانہ کے مختلف اثرات سے متاثر ہوتی ہے اور کبھی خود ان فقہاء کی نفسیات سے

یہی وجہ ہے کہ فقہ اور فقہاء کی تاریخ لکھنے والا اس کشمکش میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ وہ اپنی تاریخ کو

مختلف زمانوں کے اعتبار سے ترتیب دے یا مجتہدین کے نفسیاتی اختلاف کا لحاظ رکھتے ہوئے ان

کی شخصیتوں کے اعتبار سے،

لیکن غور و فکر کے بعد ہمیں یہی بہتر معلوم ہوتا ہے کہ ہم اپنی اس تاریخ کو مختلف زمانوں کے اعتبار سے

ترتیب دیں، اس لئے کہ انہی زمانوں کے اثرات زیادہ وسیع اور ہمہ گیر ہیں اور جہاں تک فقہاء کی نفسیات

کا تعلق ہے تو ہم آگے کسی مقام پر وضاحت سے بیان کریں گے کہ ان کا اختلاف کوئی حقیقی اختلاف نہیں

بالخصوص وہ فقہاء جو آپس میں ہم عصر ہیں ان کے اختلاف کی بنیادیں اتنی اہمیت کی حامل نہیں کہ ان کے اعتباراً

سے تاریخ فقہ کو ترتیب دیا جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ سے لے کر آج تک فقہ پر کتنے دور گزرے؟ اس

سوال پر جہاں تک ہم نے غور کیا، ہمیں چھ دور بڑے اہم نظر آتے جنہوں نے مسلمانوں کے اجتہاد اور فتویٰ

پر گہرے اثرات مرتب کئے۔

(۱) فقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں :- درحقیقت یہی دور فقہ کی اصل

اور بنیاد ہے، تمام فقہاء نے متفقہ طور پر اسے مستند قرار دیا ہے۔

(۲) کبار صحابہ کا دور :- جو خلافت راشدہ کے اختتام پر ختم ہو جاتا ہے۔

(۳) صفار صحابہ اور تابعین کا دور :- یہ دور پہلی صدی ہجری یا اس کے کچھ بعد ختم ہو جاتا ہے،
 (۴) وہ دور جس میں فقہ ایک باقاعدہ علم بن چکا تھا :- اسی دور میں وہ ماہر فقہاء پیدا ہوئے جنہیں امت نے متفقہ طور سے دینی قائد تسلیم کیا، اس دور میں ان فقہاء کے وہ شاگرد بھی آجاتے ہیں جنہوں نے کوئی اپنی رائے ظاہر کئے بغیر حضرت فقہاء کی آراء کو نقل کیا، تیسری صدی ہجری کے ختم ہوتے ہی یہ دور بھی ختم ہو جاتا ہے۔

(۵) وہ دور جس میں فقہ مناظرہ کا علم بن گیا :- جو مسائل ائمہ مجتہدین سے حاصل کئے گئے تھے ان کی تحقیق و تفتیش کے لئے مناظرے اسی دور سے شروع ہوئے اسی زمانے میں فقہ پر بڑی بڑی کتابیں لکھی گئیں اور بے شمار مسائل کا حل تلاش کیا گیا، یہ دور اس وقت ختم ہوا ہے جب خلافت بنو عباس دم توڑ رہی تھی اور بغداد میں تاتاری غارتگری کا فتنہ سر اٹھا رہا تھا، اس کے بعد کچھ دنوں تک مصر میں بھی دو جہاد جاری رہا ہے۔

(۶) تقلید محض کا دور :- جو آج تک جاری ہے۔

ہم نے اپنی اس کتاب کو انہی ادوار کے لحاظ سے ترتیب دینے کا ارادہ کیا ہے، خدا ہی سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اس ارادہ میں کامیابی عطا فرمائے آمین۔

پہلا دور

فقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں

قرآن اور حدیث

قرآن کریم ۷ ار رمضان سنہ میلادی کی رات سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر رفتہ رفتہ نازل ہونا شروع ہوا، سب سے پہلے غار حرا میں، جہاں آپ بغرض اعتکاف تشریف فرما تھے، یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ، خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ
الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ

وحی والہام کا یہ مبارک سلسلہ ۹ رذی الحجۃ ہجری مطابق سنہ میلادی تک جاری رہا اور سنہ ۱۱ میں عرقہ کے روز آخری آیت نازل ہوئی۔

أَيُّومَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتِمَمْتُ
عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا

آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور
تم پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا اور تمہارے واسطے
اسلام کو بطور دین پسند کیا۔

اس اعتبار سے نزول وحی کی کل مدت بائیس سال دو مہینے اور بائیس دن ہے۔

جس رات قرآن کریم کا نزول شروع ہوا وہ شبِ قدر تھی جس کے بارہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:-

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدَرِ وَمَا أَدْرَاكَ
مَا لَيْلَةُ الْقَدَرِ لَيْلَةُ الْقَدَرِ خَيْرٌ مِنْ
أَلْفِ شَهْرٍ تَنْزِيلُ الْمَلَكَةِ وَارْوَحُ
فِيهَا يَأْذَنُ رَجُلٌ مِنْ كُلِّ أَمْرِ سَلَّمَ

ہم نے اس (قرآن) کو شبِ قدر میں نازل کیا اور تمہیں
کیا معلوم شبِ قدر کیا ہے؟ شبِ قدر ایک ہزار
مہینوں سے بہتر ہے، اس میں فرشتے اور روح
القدس اپنے پروردگار کے حکم سے اترتے ہیں

ہی حتی مطلع الفجر۔ یہ رات طلوع فجر تک (رہتی) ہے۔

اسی رات کے سلسلہ میں ایک دوسری جگہ ارشاد ہے۔

اَنَا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُبَارَكَةٍ اَنَا كُنَّا
مَنْذِرِينَ فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ
أَمْرًا مِنْ عِنْدِنَا اَنَا كُنَّا مُرْسَلِينَ
رَحْمَةً مِنْ رَبِّكَ۔

ہم نے اس (قرآن) کو (لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر) ایک برکت والی رات (شب قدر) میں اتارا ہے ہم گاہ کرنے والے ہیں، اس رات میں ہر حکمت والا معاملہ ہماری پیشی سے حکم ہو کر طے کیا جاتا ہے ہم بوجہ رحمت کے جو آپ کے رب کی طرف سے ہوئی ہے آپ کو پیغمبر بنانے والے تھے

اس میں کسی کو اختلاف نہیں کہ یہ ماہ رمضان کی رات۔ غی چنانچہ خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ
هُدًى لِلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِنَ الْهُدَى
وَالْفُرْقَانِ۔

ماہ رمضان جس میں قرآن مجید بھیجا گیا ہے جس کا (ایک) وصف یہ ہے کہ لوگوں کے لئے (ذریعہ) ہدایت ہے اور (دوسرا وصف) یہ ہے کہ واضح الدلالہ ہے

منجملہ ان کتب کے جو (ذریعہ) ہدایت بھی ہیں اور (حسن و باطل) فرق کرنے والی ہیں۔

اور یہی وہ مہینہ ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے، محمد بن اسحقؒ نے عبید بن عمیرؒ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سال میں ایک مہینہ غار حرا میں قیام فرمایا کرتے تھے یہاں تک کہ جب آپؐ کی بعثت کا سال آیا تو آپؐ ماہ رمضان میں حسب معمول حرا کی طرف جانے کے لئے نکلے۔

لیکن اس مسئلہ میں بڑا اختلاف پھیلا ہوا ہے کہ جس رات نزول قرآن کا آغاز ہوا وہ رمضان کی کون سی رات تھی؟ محمد بن اسحقؒ کا خیال ہے کہ یہ رمضان کی سترھویں رات تھی، اللہ تعالیٰ کے ایک ارشاد سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

اَنْ كُنْتُمْ اٰمِنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَا اَنْزَلْنَا عَلٰی
عَمِلْنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ التَّقٰی الْجَمْعَانِ
باطل جدا ہونے والے تھے اور جس دن دو جماعتیں (لڑنے کے لئے) آپس میں ملی تھیں۔

اس آیت میں جس دن کی طرف "یوم التقی الجمیان" کہہ کر اشارہ کیا گیا ہے اس سے مراد متفقہ طور پر غزوہ بدر کا دن ہے جس کے بارے میں تصریح ہے کہ وہ، ار رمضان کو ہوا ہے اور "یوم الفرقان" سے مراد وہ دن ہے جس میں نزول قرآن کا آغاز ہوا، اس لئے اس آیت سے یہ رہنمائی ملتی ہے کہ یہ دونوں دن

اس اعتبار سے متحد ہیں کہ دونوں سے مراد جمعہ، ار رمضان ہے، اگرچہ یہ دونوں واقعات ایک ہی سال میں
 میں ہوئے بلکہ نزول قرآن کی ابتدا، غزوہ بدر سے کئی سال پہلے ہو چکی تھی،
 تفسیر طبری میں سند کے ساتھ ایک روایت نقل کی گئی ہے فرمایا "لیلة الفرقان یوم التقی الجمعان

ار رمضان ہے۔

علامہ قسطلانیؒ نے بخاری کی شرح میں اس اختلاف کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ محمد بن اسحقؒ کے
 قول کی تائید حضرت زید بن ارقمؓ کی روایت سے بھی ہوتی ہے جسے ابن ابی شیبہؒ اور طبرانیؒ نے روایت کیا ہے،
 خود ہمارا رجحان بھی اسی رائے کی جانب ہے، اس لئے کہ ہمیں تو اس بات کا یقین ہے کہ یہ رات
 بولی ایسی معمولی رات نہ تھی جس کا ذکر قرآن کریم کہیں اشارہ بھی نہ کرتا، بلکہ اس عظیم رات کی قدرومنزلت
 کا تقاضا یہ تھا کہ اس کا ذکر کسی بہتر موقع پر آئے، چنانچہ یہی واقعہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس رات کا
 ذکر نہایت مناسب موقع پر فرمایا ہے، اُس جگہ جہاں آپ غزوہ بدر کے واقعات کا ذکر فرما رہے ہیں
 جس میں اللہ نے مسلمانوں کو عزت و شوکت عطا فرمائی تھی اور اپنی مدد کے ایسے کرشمے دکھلانے تھے جو
 ہر مسلمان کے لئے ہر طرح عزت اور سر بلندی کے ضامن تھے اور اتفاق سے یہی وہ دن بھی تھا جس میں اللہ تعالیٰ
 نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو منصب رسالت سے سرفراز فرمایا تھا۔

یہ مناسبت قرآن کریم کے اس اشارہ کے لئے بہترین مناسبت تھی چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا وما
 انزلنا علی عبدنا یوم الفرقان یوم التقی الجمعان۔

رہا نزول وحی کا اختتام تو اس سلسلہ میں علامہ طبریؒ "الیوم اکملت لکم دینکم" کی تفسیر کرتے
 ہوئے رقم طراز ہیں :-

"علماء نے کہا ہے کہ یہ عرفہ کا دن تھا جس روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حج واداع فرمایا ہے
 اور اس آیت کے بعد نہ کوئی فریضہ مسلمانوں پر وحی کے ذریعہ لازم کیا گیا، نہ کسی چیز کو حرام یا حلال
 قرار دیا گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کے نازل ہونے کے بعد صرف اکیاسی رات
 بقید حیات رہے، یہی بات حضرت ابن عباسؓ حضرت سدیؒ اور ابن جریرؒ سے مروی ہے
 اور عیشا پوریؒ نے اپنی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت نقل کی ہے کہ انھوں نے ایک
 یہودی کے سامنے یہ آیت پڑھی تو اس نے کہا کہ اگر کسی دن یہ آیت ہم پر نازل ہو جاتی تو ہم اس
 دن کو عید بنا لیتے اس پر حضرت ابن عباسؓ نے جواب دیا کہ یہ تو اس دن نازل ہوئی ہے جس
 روز دو عیدیں جمع ہو گئی تھیں ایک جمعہ کا دن اور دوسرے عرفہ کا"

مشرکین کو اس بات پر بڑا اعتراض تھا کہ قرآن تھوڑا مختصر اکیسوں اترتا ہے؟ ایک ہی دفعہ میں پورا کیوں نازل نہیں ہو جاتا؟ اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ اعتراض ذکر فرما کر سورہ فرقان میں اس کا جواب دیا ہے۔
 وقال الذین کفروا لولا نزل علیہ القرآن جملةً واحدة کذلک لنشیت به فؤادک
 کفار نے کہا کہ قرآن ایک ہی مرتبہ میں کیوں نہ نازل کر دیا گیا؟ ایسا ہم نے اس لئے کیا تاکہ اس کے ذریعہ آپ کے قلب کو قوی رکھیں اور ہم نے اس کو بہت
 ورتلنا کہ ترتیلاً۔
 ٹھہرا ٹھہرا کر اتارا ہے۔

اور سورہ اسرار میں ارشاد فرمایا:-

وقرآننا فرقناک لتقلک علی الناس علی
 مکث ونزلناک نزیلاً
 اتارنے میں بھی تدریجاً اتارا،

نزل وحی کے دو اہم دور | نزول قرآن کا زمانہ دو ممتاز مدتوں پر منقسم ہے۔

(۱) پہلا دور وہ ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں قیام پذیر تھے اس دور کی کل مدت بارہ سال پانچ مہینے اور تیرہ دن ہے۔ نزول وحی کا یہ زمانہ ۱۲ رمضان ۱۱ھ میلادی سے لے کر ربیع الاول ۱۱ھ میلادی تک جاری رہا اس عرصہ میں قرآن کریم کی جو سورتیں یا آیات نازل ہوئیں انہیں مکی کہا جاتا ہے،

(۲) دوسرا دور ہجرت کے بعد کا ہے جو نو سال، نو مہینے نو دن پر مشتمل ہے اس کا آغاز ۱۲ھ میلادی سے ہوا اور اختتام ۹ ذی الحجہ ۱۲ھ میلادی مطابق ۱۱ھ ہجری کو، قرآن حکیم کا جو حصہ اس دور میں نازل ہوا اسے مدنی کہتے ہیں، قرآن کریم کا تقریباً ۱۹ حصہ مکی اور تقریباً ۱۱ حصہ مدنی ہے،
مکی اور مدنی سورتیں | کلام پاک میں مندرجہ ذیل سورتیں مدنی ہیں:-

(۱) بقرہ (۲) آل عمران (۳) نساء (۴) مائدہ (۵) انفال (۶) توبہ (۷) حج (۸) نور (۹) احزاب (۱۰) قتال (۱۱) فتح (۱۲) حجرات (۱۳) حدید (۱۴) مجادلہ (۱۵) حشر (۱۶) ممتحنہ (۱۷) صف (۱۸) جمہ (۱۹) منافقون (۲۰) تنابین (۲۱) طلاق (۲۲) تحریم (۲۳) اذا جاء نصر اللہ۔

ان سورتوں کے علاوہ تمام سورتیں مکی ہیں، اور قرآن کریم میں کل ایک سو چودہ سورتیں ہیں جن میں سب سے پہلی سیرۃ فاتحہ اور سب سے آخری سورہ تاس ہے،

سورۃ کی وجہ تسمیہ | اصل میں "سورۃ" بلندی کے مرتبہ کو کہا جاتا ہے، عربی کا مشہور شاعر نابغہ کہتا ہے۔

أَلْحَرَّتْ رَأَتْ اللَّهُ أُعْطَاكَ سُوْرَةً

متری کلّ ملک دونہا تھذیب ذب

”کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ نے تمہیں ایک ایسا بلند مرتبہ عنایت کیلئے جس کے سامنے ہر بادشاہ جھکتا نظر آتا ہے“

شاعر کا مقصد یہ ہے کہ خدا نے تمہیں شرف کے مراتب میں سے ایک مرتبہ عنایت کیا ہے جس کے آگے بادشاہوں کے مراتب بھی پہنچ نہیں۔

اور بعض دوسرے حضرات اسے ”سورہ“ کی بجائے ہمزہ کے ساتھ ”سُوْرَة القرآن“ پڑھتے ہیں اس صورت میں اس کے معنی ہو جائیں گے ”قرآن کریم کا وہ ٹکڑا جو اس کے بقیہ ٹکڑوں سے جدا کر لیا گیا“ اس لئے کہ ”سورہ“ عربی میں ”بچی کچی چیز“ کو کہا جاتا ہے کسی کے جھوٹے پانی کو بھی اسی لئے ”سور“ کہتے ہیں کہ وہ پانی کا باقی ماندہ حصہ ہوتا ہے، اسی ثعلبیہ ایک ایسی عورت کے متعلق کہتا ہے جو اس کے دل میں اپنی محبت کا غم چھوڑ کر کہیں چلی گئی تھی۔

فبانت وقد أسارت في الفؤا

صدعاً على نايها مستطيرا

”وہ چلی گئی اور دل میں ایک بڑا شکاف چھوڑ گئی“

اسی عورت کے بارہ میں اسی کا دوسرا شعر ہے۔

بانت وقد أسارت في النفس حاجتها

بعد ائتلاف وخير الود ما نفعا

”وہ چلی گئی اور الفت کے بعد دل میں اپنی خواہش چھوڑ گئی حالانکہ اچھی محبت تو وہ ہوتی ہے

جو مفید ثابت ہو“

سورتوں کے نام | قرآن حکیم کی ان سورتوں میں سے ہر ایک کا ایک خاص نام ہے جو کہیں سورت کے ابتدائی الفاظ میں سے کسی کو منتخب کر کے رکھ دیا گیا ہے، اور اکثر سورتیں اسی ضمن میں آتی ہیں مثلاً سورۃ انفال کہ اس کی پہلی آیت ہی میں یہ لفظ موجود ہے ”يسئلونك عن الانفال“ سورۃ اسراء بھی ”اسراء“ سے شروع ہو رہی ہے ”سجّٰن الذی اسریٰ یحید“ سورۃ طہ کی ابتدائی آیت ہے ”طہ ما انزلنا علیک القرآن لتشتقی“ سورۃ مؤمنون کی پہلی آیت ہے ”قد اٰفلم المؤمنون“ سورۃ فرقان کی پہلی آیت ہے ”تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ“ سورۃ روم کی پہلی آیت ہے ”الکفر غلبت الروم فی اُدنی الارض“

سورۃ فاطر کی ابتدائی آیت "الحمد لله فاطر السموات والارض" وغیرہ وغیرہ،

اور قرآن کریم میں ۳۵ سورتیں ایسی ہیں جن کا نام شروع میں مذکور نہیں چنانچہ سورۃ بقرہ میں گائے کا واقعہ ۶۵ آیات کے بعد آیا ہے، سورۃ آل عمران میں آل عمران کا واقعہ بھی ۳۲ آیتوں کے بعد مذکور ہوا ہے اسی طرح سورۃ نسا میں لفظ "نسا" کئی جگہ آیا ہے جن میں سے ایک تو شروع ہی کی چند آیتوں کے بعد اور باقی آگے چل کر، سورۃ مائدہ میں لفظ "مائدہ" (جس کے معنی دسترخوان کے ہیں) ۱۱۰ آیتوں کے بعد تقریباً ختم پر آیا ہے،

سورتوں کے نام کس مناسبت سے رکھے گئے ہیں؟ اس سوال کے جواب میں تحقیق و تفتیش کے بعد ہمیں یہی بات زیادہ وزن دار معلوم ہوئی کہ دراصل قرآن کی موجودہ ترتیب وہ ترتیب نہیں جس کے مطابق قرآن نازل ہوا ہے بلکہ نزول کی ترتیب کچھ اور ہے، نہ سورتیں اس ترتیب سے نازل ہوئی ہیں اور نہ آیتیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کم و بیش پانچ پانچ دس دس آیتیں نازل ہوئی تھیں، واقعہ انک میں ایک ہی مرتبہ دس آیات کا نزول صحیح روایتوں سے ثابت ہے اسی طرح سورۃ مومنین کی ابتدائی دس آیتیں بھی ایک ہی مرتبہ نازل ہو گئی تھیں، دوسری جانب ایک صحیح روایت سے یہ بھی ثابت ہے کہ "لا یستوی القاعدون من المؤمنین غیراً ولی الضر والمجاهدون فی سبیل اللہ بأموالهم وأنفسهم" میں صرف "غیراً ولی الضر" ایک مرتبہ نازل ہوا اور باقی پوری آیت پہلے نازل ہو چکی تھی، اسی طرح یہ بھی ثابت ہے کہ "وان خفتم عیلةً فسوف یغذیکم اللہ من فضلہ ان شاء اللہ اللہ علیم وحکیم بعد میں نازل ہوئی اور انما المشرکون نجس" فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامہم هذا پہلے نازل ہو چکی تھی،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُمّی تھے، لکھتے پڑھتے نہیں تھے، جیسا کہ سورۃ عنکبوت میں اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں :-

وما کنت تتلوا من قبلہ من کتاب ولا تحطّہ بیمینک اذا لا رتاب المبطلون
اور آپ اس آیت سے پہلے نہ کوئی کتاب پڑھے ہوئے تھے اور نہ کوئی کتاب اپنے ہاتھ سے لکھ سکتے تھے
کہ ایسی حالت میں یہ ناحق شناس کوئی شبہ نکالتے،

اسی بنا پر آپ حضرت جبریل علیہ السلام سے نازل شدہ آیات سن کر یاد فرمایا کرتے تھے، اسی بات کی جانب اللہ تعالیٰ نے سورۃ قیامہ میں اشارہ فرمایا ہے، لا تحرّک بہ لسانک لتعجل بہ ان علینا جمیعہ وقرآنہ فاذا قرأناہ فاتیّ قراۃ ثمان علینا بیانا نہ (یعنی اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم)

آپ قبل اختتام وحی قرآن پر اپنی زبان نہ ہلایا کیجئے، تاکہ آپ اس کو جلدی لیں، ہمارے ذمہ ہے (آپ کے قلب میں) اس کا جمع کر دینا، اور پڑھو ادینا، جب ہم اسے پڑھیں تو آپ اس کی پیروی کریں پھر اس کا بیان کر دینا، بھی ہمارے ذمہ ہے اور سورہ 'طہ' میں ارشاد فرمایا ہے:-

وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَقْضَى إِلَيْكَ وَحْيُهُ وَقُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا۔

اور قرآن (پڑھنے) میں قبل اس کے کہ آپ اس کی وحی پوری نازل ہو چکے عجلت نہ کیجئے، اور آپ دعا کیجئے کہ اے میرے رب میرا علم بڑھا دیجئے۔

اور سورہ "سج" میں ارشاد ہے:-

سُنْ قُرْآنُكَ فَلَا تَنْسِيَ الْآيَاتِ الْآسَاءَ (اس قرآن کی نسبت ہم وعدہ کرتے ہیں کہ) ہم جتنا قرآن نازل کرتے جائیں (آپ کو پڑھا دیا کریں گے، پھر آپ (اس سے کوئی جن نہیں بھولیں گے، مگر جس قدر بھلا نا) اللہ کو منظور ہو، (کہ نسخ کا ایک طریقہ یہ بھی ہے)

اللَّهُ أَتَى بِعِلْمِهِ الْغَيْبِ وَمَا يَخْفَىٰ وَهُوَ ظَاهِرٌ لِّبَاطِنِ الْغَيْبِ

اور سورہ حجر میں فرمایا ہے:-

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ

ہم نے قرآن کو نازل کیا اور ہم اس کے محافظ (اور نگہبان) ہیں،

پھر جب آپ نازل شدہ آیات کو سمجھ کر یاد فرمالتے تو لوگوں کو سناتے اور کاتبین وحی میں سے کسی کو لکھنے کا حکم دیتے، اور کاتب آپ ہی کے سامنے کھجور کے چھلکے، کسی باریک پتھر یا کاغذ کے ٹکڑوں پر وہ آیت تحریر کر دیتے، آپ نے کئی کاتبین وحی مقرر فرمائے ہوئے تھے جن کی تعداد بعض حضرات کے کہنے کے مطابق چھبیس تھی، اور علامہ حلبیؒ نے سیرۃ العراقی سے نقل کر کے فرمایا ہے ان کی تعداد بیالیس تھی، ان میں سے بعض حضرات تو وہ تھے جو ہمیشہ اس مبارک فریضہ کو ادا کرتے رہے اور بعض وہ تھے جنہوں نے ایک خاص مدت تک یہ فرض انجام دیا، بعد میں چھوڑ دیا،

کاتبین وحی - کاتبین وحی میں سے جو حضرات مشہور ترین ہیں ان کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:-

خلفاء اربعہؓ، حضرت عامر بن فہیرہؓ (جو بادشاہوں کے نام خطوط بھی لکھا کرتے تھے)، حضرت ابی بن کعبؓ، ثابت بن قیس بن شماسؓ، زید بن ثابتؓ، معاویہ بن ابی سفیانؓ، یزید بن ابی سفیانؓ،

۱۔ آپ انصار مدینہ کے پہلے صحابی ہیں جنہوں نے وحی کی کتابت کی اکثر و بیشتر وحی لکھتے رہے ہیں اور آپ ان فقہاء صحابہ میں سے ہیں جو وحی لکھا کرتے تھے ۱۲ منہ، ۱۳ منہ دونوں حضرات ہمیشہ کتابت وحی پر مامور رہے ہیں اس کے علاوہ کوئی اور کام ان کے ذمہ نہ تھا ۱۲ منہ،

غیر بن شعبہؓ، زبیر بن عوامؓ، خالد بن الولیدؓ، عمار بن الحضرمیؓ، عمرو بن العاصؓ، عبداللہ بن الحضرمیؓ، محمد بن مسلمہؓ، عبداللہ بن عبداللہ بن ابی بن سلولؓ،

وحی کا یہ مکتوب حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان مبارک میں رکھ دیا جاتا تھا اور کاتبین خود اپنے لئے بھی ایک نسخہ لکھ لیتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان حضرات کو بتلایا کرتے تھے کہ اس آیت کو کونسی جگہ لکھا جائے؟ اس طرح اُمّی حضرات کے حافظوں، کاتبین کے فحی نسخوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان میں رکھے ہوئے نسخہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت فرمائی اور تمام علماء کا اتفاق ہے کہ سورتوں اور آیتوں کی ترتیب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی بتائی ہوئی ہو۔ اس دور تک قرآن کریم کو باقاعدہ جمع نہیں کیا گیا تھا، البتہ صحابہؓ میں سے بہت سے حضرات نے پورا قرآن حفظ کیا ہوا تھا جن میں سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا اسم گرامی بطور خاص قابل ذکر ہے جو "السابقون الاولون" (شروع ہی میں ایمان لانے والوں) میں سے ہیں اور پورے عہد نبوت میں آنحضرتؐ کے خلص رفیق رہے ہیں، حضرت سالم بن معقلؓ بھی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی طرح شروع میں ایمان لائے تھے اور انہیں پورا قرآن یاد تھا، ان کے علاوہ حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، زید بن ثابتؓ اور ابو زیدؓ (یہ چاروں حضرات انصار میں سے ہیں) اور ابوالدرداءؓ بھی قرآن کو حافظ اور قرآن کے مختلف حصے تو بیشتر صحابہؓ کو یاد تھے،

نزول وحی کی کیفیت

قرآن کریم کی جو آیات احکام سے متعلق ہیں وہ عام طور سے اُن واقعات کے جواب میں نازل ہوئی ہیں جو اسلامی معاشرے میں وقتاً فوقتاً رونما ہوتے رہے، اس قسم کے واقعات کو اصطلاح میں اسباب نزول "یا" شان نزول کا نام دیا جاتا ہے، مفسرین کرام کی ایک بڑی جماعت نے خاص طور سے اسباب نزول پر توجہ دیکر اس موضوع پر کتابیں لکھی ہیں، اور اسے قرآن کے سمجھنے کے لئے اساس اور بنیاد قرار دیا ہے، جس کی تفصیل آئندہ ادوار میں آجائے گی۔

بعض اوقات ایسا بھی ہوتا تھا کہ آیات مسلمانوں کے مختلف سوالات کے جواب میں نازل کی جاتیں، اور کہیں کہیں ان خود بھی احکام نازل فرمائے گئے ہیں، ان تین طریقوں میں سے ہر ایک کی مثال ملاحظہ فرمائیے۔
(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مرثد غنویؓ کو مکہ بھیجا تاکہ جو مسلمان وہاں ابتر زندگی گزار رہے ہیں وہ ان کے ساتھ مدینہ چلے آئیں چنانچہ جب حضرت مرثدؓ مکہ پہنچے تو ایک خوبصورت اور

مالدار عورت نے انہیں زنا کی پیشکش کی مگر ان کے دل میں اللہ کا خوف راسخ تھا اس لئے انہوں نے قبول نہ کیا، پھر اسی عورت نے نکاح کی پیشکش کی تو حضرت مرثدہ راضی ہو گئے اور کہا کہ اسے میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت پر موقوف چھوڑتا ہوں اگر آپ نے اجازت دیدی تو میں راضی ہوں، چنانچہ مدینہ پہنچ کر یہ قضیہ آنحضرتؐ کے سامنے پیش ہوا تو سورہ بقرہ کی یہ آیت نازل ہوئی:-

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُوْمِنُوْا
وَلَا مِمَّنْ مُؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ
وَلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ
حَتَّىٰ يُؤْمِنُوْا وَلَعَدُّ مُؤْمِنٌ خَيْرٌ
مِّنْ مُّشْرِكٍ وَلَوْ اَعْجَبَكُمْ اُولٰٓئِكَ
يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ وَاَللّٰهُ يَدْعُوْا اِلَى الْجَنَّةِ
وَالْمَغْضَرَةِ بِاَذْنِهِ الْخ

سے مغفرت اور جنت کی طرف بلاتا ہے،

(۲) ایسے احکام بھی قرآن کریم میں بہت ہیں جو مسلمانوں کے سوالات کے جواب میں مبتلا کئے گئے

چنانچہ سورہ بقرہ میں ارشاد ہے:-

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ
فِيْهِمَا اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَمَنْفَعَةٌ لِّلنَّاسِ وَ
اِثْمُهُمَا اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا يَسْئَلُوْنَكَ
مَاذَا يَنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ
اَللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ فِى
الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ
الْيَتَامٰى قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ وَّاَنْ
تَخَالَطُوْهُمْ فَاَوْحَ اَنَّهُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ
الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ وَلَوْ شَاءَ اَللّٰهُ
لَاغْتٰكُم اِنَّ اَللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ وَيَسْئَلُوْنَكَ
عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ اَذَى فَاَعْتَزِلُوْا

لوگ آپ سے شراب اور قمار کی نسبت دریافت کرتے ہیں، آپ فرمادیجئے کہ ان دونوں کے استعمال میں گناہ کی بڑی باتیں بھی ہیں اور لوگوں کے لئے (بعض) فائدے بھی ہیں، اور گناہ کی باتیں ان فائدوں سے بڑھی ہوئی ہیں، اور لوگ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ (خیر خیرات میں) کتنا خرچ کیا کریں، آپ فرمادیجئے کہ جتنا آسان ہو۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح احکام کو صاف صاف بیان کرتے ہیں تاکہ تم دنیا اور آخرت کے معاملات میں سوچ لیا کرو، اور لوگ آپ سے یتیم بچوں کا حکم پوچھتے ہیں، آپ فرمادیجئے کہ ان کی مصلحت کی رعایت رکھنا

النساء فی المحیض ولا تقربوہن حتی
یطہرن فاذا تطہرن فأتوہن من
حیت امرکم اللہ ان اللہ یحب التوابین
ویحب المتطہرین

زیادہ بہتر ہے، اور اگر تم ان کے ساتھ خرچ شامل
رکھو تو وہ تمہارے (دینی) بھائی ہیں، اور اللہ تعالیٰ
مصلحت کے ضائع کرنے والے کو اور مصلحت کی
رہایت رکھنے کو اور لوگ آپ سے حیض کا حکم

پوچھتے ہیں، آپ فرمادیجئے کہ وہ گندی چیز ہے، تو حیض میں تم عورتوں سے علیحدہ رہا کرو، اور ان سے قربت
نہ کیا کرو جب تک کہ وہ پاک نہ ہو جائیں، پھر جب وہ اچھی طرح پاک ہو جائیں تو ان کے پاس آجایا کرو،
جس جگہ سے تم کو اللہ نے اجازت دی ہے، یقیناً اللہ تعالیٰ محبت رکھتے ہیں پاک توبہ کرنے والوں سے اور
پاک صاف رہنے والوں سے، (الگ الگ) جانتے ہیں، اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو تم کو مصیبت میں ڈال دیتے،
کیونکہ اللہ زبردست حکمت والے ہیں،

ایک اور جگہ ہے:-

یسئلونک عن الشہر الحرام قتال
فیہ قل قتال فیہ کبیر وصد عن
سبیل اللہ وکفر بہ والمسجد الحرام
واخراج اہلہ منہ اکبر عند اللہ
وافتنۃ اکبر من القتل۔

لوگ آپ سے شہر حرام میں قتال کے متعلق سوال کرتے
ہیں آپ فرمادیجئے کہ اس میں خاص طور پر (عہداً)
قتال کرنا جرم عظیم ہے، اور اللہ کی راہ سے روک
ٹوک کرنا، اور اللہ کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام
(کعبۃ اللہ) کے ساتھ اور جو لوگ مسجد حرام کے اہل

تھے ان کو اس سے خارج کر دینا جرم عظیم ہیں اللہ کے نزدیک، اور فتنہ پردازی کرنا اس قتل سے بھی بڑھ کر ہے،
سورہ نساء میں ہے:-

یستفتونک قل اللہ یفیتکم فی الکلالۃ۔
کہ اللہ تعالیٰ تم کو کلالہ کے بارے میں حکم دیتا ہے۔۔۔۔۔ کہ
اور بھی بہت سی آیات اسی قسم کی ہیں،

(۳) رہے وہ احکام جو بغیر کسی واقعہ یا سوال کے نازل کئے گئے، سو وہ بہت ہی تھوڑے ہیں، اور
شاذ و نادر ہی کوئی حکم ایسا ہو گا جس کا کوئی سبب نزول مفسرین نے بیان نہ کیا ہو،

ملکی اور مدنی سورتوں کے امتیازات

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ نزول قرآن کی دو اہم مدتیں ہیں، ایک ہجرت سے پہلے اور ایک ہجرت کے بعد،

ہیں اس سے ہر ایک کی کچھ امتیازی خصوصیات ہیں جنہیں دیکھ کر وہ لوگوں میں تمیز دینا آسان ہو جاتا ہے اور پڑھنے والے کو ان کی بناء پر یہ پتہ لگانے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی کہ یہ سورت مکی ہے یا مدنی؟

پہلا امتیاز پہلا امتیاز تو یہ ہے کہ مکی آیتیں عام طور سے چھوٹی ہیں اور مدنی آیتیں بڑی، اس کا اندازہ اس طرح یہ آسانی ہو سکتا ہے کہ مدنی سورتیں قرآن کے اجماع حصہ سے کچھ ہی زائد ہے، اور اس کی کل آیتیں ۵۴۱ ہیں، گویا یہ قرآن کی مجموعی آیتوں کے چوتھائی حصے سے کچھ زائد ہیں اس سے زیادہ واضح مثال یہ ہے کہ ”قد سمع اللہ“ کا پارہ پورا مدنی ہے اور اس کی کل آیتیں ۳۷ ہیں اور اس کے مقابلہ میں ”تبارک الذی“ کا پارہ مکی ہے اور اس کی آیات کی مجموعی تعداد ۴۳ ہے، ”عم“ کا پارہ بھی مکی ہے اور اس کی آیتیں ۵۰ ہیں،

ایک اور مثال لیجئے، سورۃ انفال اور سورۃ شعرا میں سے ہر ایک آدھ آدھ پارہ مشتمل ہے، لیکن چونکہ انفال مدنی ہے اس لئے اس کی کل آیتیں ۷۵ ہیں اور دوسری چونکہ مکی ہے اس لئے اس کی مجموعی آیتیں ۲۲۷ ہیں،

لیکن یہ امتیاز ہر جگہ قائم نہیں، اکثر جگہوں کے اعتبار سے ہے چنانچہ بعض جگہ مکی آیتیں مکی اور مدنی آیتیں چھوٹی بھی ہیں،

دوسرا امتیاز دوسرا امتیاز یہ ہے کہ مدنی آیات میں لوگوں کو عام طور پر ”یا ایہا الذین امنوا“ کے ذریعہ خطاب کیا گیا ہے ”یا ایہا الناس“ کے ذریعہ بہت کم خطاب ہوا ہے۔ اس کے برعکس مکی آیات میں عام طور پر ”یا ایہا الناس“ کہہ کر خطاب فرمایا گیا ہے اور کسی بھی مکی آیت میں ”یا ایہا الذین امنوا“ کا انداز خطاب ہمیں نظر نہیں پڑا، البتہ سات مدنی آیات ایسی ہیں جن میں ”یا ایہا الناس“ کہہ کر خطاب ہوا ہے:-

- (۱) یا ایہا الناس اعبدوا ربکم (۲) یا ایہا الناس کلوا مما فی الارض حلالاً طیباً۔ یہ دونوں آیات سورۃ بقرہ میں ہیں (۳) یا ایہا الناس اتقوا ربکم (۴) ان یسأئلاً
- یذہبکم ایہا الناس (۵) یا ایہا الناس قد جاءکم الرسول بالحق من ربکم
- (۶) یا ایہا الناس قد جاءکم برہان من ربکم، یہ چاروں سورۃ نسا میں ہیں، (۷) یا ایہا الناس انا خلقناکم من ذکرٍ وانثیٰ، یہ سورۃ حجرات میں ہے،

تیسرا امتیاز تیسرا ہم امتیاز معنوی ہے اور وہ یہ کہ کسی بھی مکی آیت میں کوئی تفصیلی قانون بیان نہیں ہوا بلکہ زیادہ تر توحید اور وجود خدا کے دلائل، عذاب کی سختیاں، یوم قیامت

کی ہولناکیاں، جنت کی نعمتیں، فضائل اخلاق کی ترغیب اور سابق امتوں کا عبرتناک انجام ان آیتوں کا موضوع ہے اور جہاں تک تفصیلی قوانین کا تعلق ہے تو وہ زیادہ تر مدنی آیات میں نازل ہوئے ہیں۔

قرآن کریم تین چیزوں کو اہمیت کے ساتھ بیان کیا ہے :-

(۱) اللہ، فرشتوں، آسمانی کتابوں، پیغمبروں اور روز قیامت سے

متعلق عقائد و احکام، اس قسم کے مباحث علم کلام کا موضوع ہیں،
(۲) وہ احکام جو قلب کے افعال سے متعلق ہیں، مثلاً فضائل اخلاق و عادات، یہ چیزیں علم اخلاق (تصوف) کا موضوع ہیں،

(۳) وہ احکام جو اعضاء و جوارح کے افعال سے متعلق ہیں، شریعت نے کس چیز کا حکم دیا ہے؟ کس سے روکا ہے؟ کس کی اجازت دی ہے؟ یہ کس علم فقہ کا موضوع ہیں،

۱۲۶۳۶ قرآن میں اسلامی فقہ کی بنیادیں

قرآن کریم نے وضاحت کے ساتھ یہ اعلان کیا ہے کہ وہ لوگوں کی اصلاح کے لئے نازل ہوا ہے، اور اسی لئے وہ کسی چیز کا حکم دیتا اور کسی سے روکتا ہے :-

یا مرہم بالمعروف وینہاھم
عن المنکر ویجعل لھم الطیبات
ویحرم علیھم الخبائث (اعراف)
وہ انہیں نیکی کا حکم دیتا ہے، برائی سے روکتا ہے،
اچھی چیزوں کو ان کے لئے حلال اور گندی چیزوں
کو ان پر حرام قرار دیتا ہے، اس سلسلہ میں شریعت
نے تین بنیادی چیزوں کی بطور خاص رعایت رکھی ہے :-

(۱) عدم الحرج : یعنی اس بات کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ لوگوں پر تنگی نہ ہو،

(۲) تقلیل التکالیف : یعنی یہ کہ تکلیف کم سے کم ہو،

(۳) تدریج : یعنی کوئی حکم دفعۃً نازل نہ کیا جائے بلکہ اس میں تدریج کا پہلو اختیار کیا جائے

عربی زبان میں "حرج" کے لغوی معنی تنگی کے ہیں، اس بات کی بے شمار دلیلیں ہیں کہ یہ
شریعت محمدیہ متنگی رفع کرنے کے اصول پر مبنی ہے، اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ
علیہ وسلم کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

وینضع عنھم اصرھم والاغلال الّتی
کانت علیھم (اعراف)
اور ان لوگوں پر جو بوجھ اور طوق تھے ان کو دور
کرتے ہیں،

ہیں ایک دعا کی تعلیم دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :-

رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا اَصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ
عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلُنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا
مَالَ طَاقَةً لَنَا بِهِ (بقرہ)
ہم کو سہارا نہ ہو

حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دعا کے جواب میں فرمایا کہ :-

فَعَلْتُ يٰنَبِيَّ فِيْ هٰذَا كَمَا كَرِهْتَ اَنْ يَّكُوْنُ اَوَّلُ رَجُلٍ يَّجْعَلُ اللّٰهَ تَعَالٰى كَا اَرْشَادِہٖ :-

(۳) لَا يَكْلِفُ اللّٰهُ نَفْسًا اَلَا وُسْعَهَا
اس کی طاقت اور اختیار میں ہو (بقرہ)

(۴) يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ
بِكُمُ الْعُسْرَ (بقرہ)

(۵) وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ
مِنْ حَرَجٍ (حج)

(۶) يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يَخَفَّ عَنْكُمْ
وَيُخَلِّقَ الْاَنْسَانَ ضَعِيفًا دَسِيسًا

(۷) مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ
مِنْ حَرَجٍ (مائدہ)

اس کے علاوہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بُعِثْتُ بِالْحَنِيفَةِ
السَّمِيحَةِ (یعنی میں سیدھی سادی اور آسان شریعت دیکر بھیجا گیا ہوں)

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک عادت شریفہ حدیث میں مذکور ہے کہ :-

مَا خَيْرَ بَيْنِ امْرٍىنَ اِلَّا اخْتَارَ الْيُسْرَ
مَا لَمْ يَكُنْ اَشْمَا

تا وقتیکہ وہ گناہ نہ ہو،

اس طرح کی بیشمار آیات اور احادیث "عدم الحرج" کے اصول کو ثابت کرتی ہیں، اسی وجہ سے فقہاء

نے اسے شریعت کا ایک بنیادی اصول قرار دیا ہے اور اس سے بہت سے احکام مستنبط کئے ہیں، اسی

اصول کے تحت شریعت نے مختلف حالات میں مختلف سہولتیں عطا فرمائی ہیں، مثلاً مسافر کے لئے افطار اجازت ضرورت کے وقت حرام چیز کا حلال ہو جانا اسی طرح پانی کی عدم موجودگی میں وضو کی اجازت اسی اصول پر مبنی ہے،

یہ ”عدم اطرح“ کا ایک لازمی نتیجہ ہے اس لئے کہ تکلیفوں کے زیادہ ہونے میں تنگی ہے، اگر تکلیفوں کی کمی نہ ہوتی تو لوگ تنگی میں مبتلا ہو جاتے اس لئے تکالیف کے

تکالیف کی کمی

بارہ میں یہ اصول بنا لیا گیا کہ وہ کم سے کم ہونی چاہئیں،

جس شخص کو قرآن کریم سے کچھ مناسبت ہو وہ اس اصول کی صحت کا ضرور قائل ہو جائے گا اس لئے کہ قرآن میں اُسے تکلیفیں کم سے کم نظر آئیں گی اور جتنی ہوں گی ان میں سے ہر ایک کا علم حاصل کرنا بھی آسان ہوگا اور ان پر عمل کرنا بھی، اس میں اتنی تفصیلات بھی نہ ہوں گی کہ لوگوں کے واسطے الجھن کا باعث ہوں، اس اصول کی طرف ہمیں مندرجہ ذیل آیت سے رہنمائی ملتی ہے:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُونَ عَنَ شَيْءٍ
ان تَبَدَّلَ لَكُمْ تَنسَوْهُ وَان تَسْأَلُوا عَنْهَا
حِينَ نَزَّلَ الْقُرْآنَ تَبَدَّدَ لَكُمْ
تَوْتَمَّ مِنْ ظَاهِرِ كُرْدِي جَاتِيں

اے ایمان والو ایسی فضول باتیں مت پوچھو کہ
اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہاری ناگوارى کا سبب
ہو، اور تم زمانہ نزول قرآن میں ان باتوں کو پوچھو

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ان چیزوں کے بارہ میں سوال کرنے سے منع فرمایا ہے جنہیں اللہ نے ابھی تک حرام قرار نہیں دیا، اور فرمایا کہ ہو سکتا ہے تمہارا سوال ان کے حرام ہونے کا سبب بن جائے، اور اگر تم نہ پوچھو تو حسب سابق اس مسئلہ میں کوئی ہدایت نہ آئے اور تمہیں اس کام کے کرنے نہ کرنے کا اختیار ہے،

جب حج کا حکم نازل ہوا تو ایک صحابی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں حج کرنا ہر سال واجب ہے یا ایک مرتبہ کرنے سے ادا ہو جائے گا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں اس وقت ہاں کہہ دیتا تو حج ہر شخص پر ہر سال واجب ہو جاتا، پھر فرمایا کہ جن چیزوں کا بیان میں خود نہ کروں اُس کے بارہ میں زیادہ سوال نہ کیا کرو، سابقہ امتوں کی تباہی کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ وہ سوال زیادہ کیا کرتے تھے

عہ ”تکلیف“ کا مطلب اصطلاح شرع میں کسی چیز کو واجب، جائز یا حرام قرار دینا ہے اس کا اختیار اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں اور اسی بنا پر مانع، عاقل شخص کو مکلف کہا جاتا ہے ۱۲ مترجم ۱۵ یعنی سوال زیادہ کرنے پر جب کوئی چیز حرام یا واجب

کر دی جاتی تو وہ اس کی پابندی نہ کرتے اور نتیجہ عذاب نازل ہوتا ۱۲ مترجم

اور اپنے انبیاء سے اختلاف کرتے تھے، ایک اور جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مسلمانوں میں سب سے بڑا جرم اس شخص کا ہے جس نے کسی مباح چیز کے بارے میں سوال کیا اور اس کے سوال کی بنا پر وہ چیز مسلمانوں پر حرام ہو گئی، ایک اور جگہ آپ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ فرائض مقرر کئے ہیں تم انہیں ضائع نہ کرو اور کچھ حدود مقرر فرمائے ہیں، ان سے تجاوز مت کرو، اور بعض چیزوں کے بارے میں سکوت اختیار فرمایا ہے جس کی وجہ یہ نہیں کہ نعوذ باللہ تعالیٰ اس شے کا حکم بھول گئے ہیں بلکہ اس کی بنیاد صرف شفقت و رحمت ہے اس لئے تم ان چیزوں کی جستجو میں نہ پڑو، سنت کے بیان میں ہم اس کی مزید توضیح کریں گے،

تذکرہ

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور قرآن نازل ہوا تو اہل عرب میں ہیشمار عادتیں جڑ پکڑ چکی تھیں، جن میں سے بعض تو ایسی تھیں جن سے زندگی کے مسائل پر کوئی برا اثر مرتب نہیں ہوتا تھا اور بعض وہ تھیں جو ان کے لئے سخت مضر تھیں اور اللہ تعالیٰ انہیں ان عادتوں سے باز رکھنا چاہتے تھے،

اس قسم کی عادات بد چھڑانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے تقاضا سے کوئی حکم ایک دم نازل نہیں فرمادیا بلکہ اس میں تدریج کا پہلو اختیار فرمایا، یعنی پہلے ان کے ذہن کو آنے والے حکم کے لئے رفتہ رفتہ ہموار کیا اور پھر کوئی حکم نازل فرمایا، اسی ضمن میں بعض اوقات ایسا بھی ہوا کہ جو حکم پہلے نازل ہوا تھا، اب اس کے خلاف کوئی حکم نازل فرمایا گیا، مگر یہ سب مصلحت پر مبنی تھا اور غور کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ نعوذ باللہ سابقہ حکم غلط تھا اور جب اس کی غلطی ظاہر ہوئی تو دوسرا حکم نازل کیا گیا۔

ہم اس بات کو ایک مثال سے واضح کریں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شراب اور قمار کے بارے میں سوال کیا گیا کہ وہ حلال ہیں یا حرام؟ اور یہ دونوں چیزیں اہل عرب کے معاشرے میں بڑی طرح رائج چلی تھیں، جواب میں قرآن نے فرمایا:—
 یسئلونک عن الخمر والمیسر قل فیہما
 اثم کبیر و منافع للناس و اثمہما
 اکبر من نفعہما۔
 لوگ آپ سے شراب اور قمار کے متعلق دریافت کرتے ہیں آپ فرمادیجئے کہ ان دونوں (کے استعمال) میں بڑی بڑی گناہ کی باتیں بھی ہیں اور لوگوں کے

لئے (بعض) فائدے بھی ہیں اور وہ گناہ کی باتیں ان فائدوں سے زیادہ بڑھی ہوئی ہیں، اس جواب میں اللہ تعالیٰ نے صراحت یہ نہیں فرمادیا کہ شراب حرام ہے اسے چھوڑ دو بلکہ صرف یہ کہنے پر

اکتفاء کیا کہ اس کے نقصانات منافع کی نسبت سے زیادہ ہیں، اگرچہ یہ بات بھی ایک سلیم الفکر انسان کے لئے شراب چھوڑنے کا داعیہ بن سکتی ہے کہ جس فعل کے نقصانات غالب ہوں اُسے چھوڑ ہی دینا چاہیئے اس لئے کہ کوئی چیز خواہ کتنی ہی بُری کیوں نہ ہو اس میں کوئی دُکوئی اچھائی کا عنصر بھی ضرور ہوتا ہے کسی فعل کے بُرے یا اچھے ہونے کا فیصلہ اسی معیار پر کیا جاسکتا ہے کہ اس کے نقصانات زیادہ ہیں یا فائدے؟ تاہم اللہ تعالیٰ نے تشریح کی بجائے شراب کے نقصانات واضح فرمادیئے،

پھر حکم نازل ہوا کہ یا ایہا الذین امنوا لا تقر بوالصلوات و انتم سُکاری (یعنی اے مومنو! نشہ کی حالت میں نماز کے قریب بھی مت جاؤ) اس حکم نے پہلے حکم کو باطل قرار نہیں دیا بلکہ اس کی مزید تائید کر دی، اس کے بعد صاف صاف لفظوں میں اللہ جل شانہ نے اعلان فرمادیا کہ :-

یا ایہا الذین امنوا انتہا الخمر و المیسر و الالصاب و الا زلام و حبس من عمل الشیطان فاجتنبوا لعلکم تفلحون انما یرید الشیطان ان یوقع بینکم العداوة و البغضا فی الخمر و المیسر و یصدکم عن ذکر اللہ و سن الصلاة فهل انتم منتهون (المائدہ)

اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب اور جوہا اور بت وغیرہ اور قمار کے تیر، یہ سب گندی باتیں ہیں، شیطان کا کام ہے، سو ان سے بائیں لگ ہوتا کہ تم کو فلاح ہو، شیطان تو یوں چاہتا ہے کہ شراب اور جوہرے کے ذریعہ تمہارے آپس میں بغض اور عداوت واقع کرے اور اللہ کی یاد اور نماز سے تم کو باز رکھے، پس کیا ہو تم باز رہنے والے،

اس تدریج کے اصول سے ایک اور ضمنی اصول بھی نکل آیا اور وہ یہ کہ پہلے احکام اجمالاً بیان کئے جائیں اور بعد میں تفصیلی طور پر اس اصول کا عمل مکی اور مدنی فقہ کے درمیان موازنہ کرنے سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے، اس لئے کہ مکی زندگی میں شاذ و نادر ہی کوئی تفصیلی حکم نازل ہوا ہے اور اس کے برعکس مدنی زندگی میں مکی کی نسبت سے بہت زیادہ تفصیلی احکام نازل ہوتے ہیں، بالخصوص وہ احکام جو تمدنی زندگی سے متعلق ہیں زیادہ تر مدنی دور ہی میں دیئے گئے ہیں، مکی دور میں صرف وہ احکام ہیں جو عقیدہ کو شرک کی آلودگی سے محفوظ رکھتے ہیں مثلاً اُس ذبیحہ کا حرام ہونا جس پر اللہ کا نام نہ پڑھا گیا ہو،

قرآن کی حجیت

قرآن کریم دین کی عمارت کی بنیاد ہے اور یہی وہ رستی ہے جسے مضبوط پکڑنے کا حکم اللہ تعالیٰ

نے ان الفاظ میں دیا ہے :-

واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً لتفرقوا
(آل عمران)

اور مضبوط پکڑے رہو تم اللہ کے سلسلہ کو اور
باہم نا اتفاقی مت کرو!

جہاں تک قرآن کی حجیت کا تعلق ہے سو یہ تو وہ مسئلہ مسئلہ ہے جس پر کوئی دلیل و برہان قائم کرنے کی ضرورت نہیں، البتہ یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا قرآن میں کوئی حکم ایسا ہے جس پر عمل کرنا پہلے ضروری تھا اور بعد میں کسی اور حکم نے اس کی جگہ لے لی اور اس پر عمل کرنا ضروری نہیں رہا؟ بالفاظ دیگر کیا قرآن کی کوئی آیت ہے، یہ سوال خاصی اہمیت کا حامل ہے اور اس کا جواب دینا ضروری ہے، اس لئے ہم اس مسئلہ کو خوب واضح کر دینا چاہتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے،

نسخ کا مطلب

فقہاء کی اصطلاح میں "نسخ" کا اطلاق دو چیزوں پر ہوتا ہے :-
(۱) کسی نئی نص کی بنا پر اس حکم کو باطل کر دینا جو کسی سابقہ نص سے

ثابت ہوا تھا، مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ :-

كنت نهيتكم عن زيارة القبور

ألان فزوروها۔

اس میں پہلی نص نے قبروں پر جانے سے ممانعت کا حکم صادر کیا تھا، دوسری نے اگر اسکی اجازت دی

(۲) نسخ کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ ایک حکم پہلے عام تھا اب کسی دوسری نص کے ذریعہ اس کے

عموم کو ختم کر دیا جائے یا کوئی حکم پہلے مطلق تھا اب کسی نص کے ذریعہ اس میں کوئی قید لگا دی جائے،

مثلاً سورۃ بقرہ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا تھا :-

والمطلقات تیرلجن یا نفسہن

ثلاثة قروء۔

یہ حکم ہر مطلقہ عورت کو شامل تھا کہ جس عورت کو بھی طلاق دی گئی ہو اسے تین ایام ماہواری

گزرنے تک "عدت" میں رہنا چاہیے، اس حکم میں وہ عورت بھی شامل تھی جس کے ساتھ مرد خلوت

کر چکا ہو اور وہ بھی جس کے ساتھ خلوت نہ ہوئی ہو، پھر سورۃ احزاب میں اللہ تعالیٰ نے

ارشاد فرمایا کہ :-

اذا نكحتم المؤمنات ثم طلقتموهن

من قبل ان تمسوهن بما كن علیهن

جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرو (اور) پھر

تم ان کو قبل ہاتھ لگانے کے طلاق دیدو، تو

من عدّة تغتدونها
تمہاری ان پر کوئی عدت نہیں، جس کو تم شمار کرنے لگو
اس نص نے اگر اس عورت کا حکم پہلے حکم سے جدا کر دیا جس کے ساتھ مرد نے تلوت نہ کی ہو، اس طرح
اس آیت نے پہلی آیت کے عموم کو ختم کر دیا،

اسی طرح سورہ نور میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا تھا کہ :-

والذین یرمون المحصنات ثم لم
یاؤا بأربعة شہداء فاجلدوہم
ثمانین جلدۃ
اور جو لوگ (زنا کی) تہمت لگائیں پاکدامن عورتوں
پر اور پھر چار گواہ نہ لاسکیں، تو ایسے لوگوں کو اسی
درے لگاؤ،

یہ حکم ہر تہمت لگانے والے کے لئے عام تھا شوہر اپنی بیوی پر تہمت لگائے تو وہ بھی اسی حکم کے
تحت داخل تھا مگر پھر سورہ نور ہی میں فرمایا کہ :-

والذین یرمون أزواجہم ولم یکن
لہم شہداء الا انفسہم فشہادۃ
أحدہم أربع شہادات باللہ
انہ لمن الصادقین
اور جو لوگ اپنی (منکوحہ) بیویوں کو (زنا) کی تہمت
لگائیں، اور ان کے پاس بجز اپنے اور کوئی گواہ
نہ ہو، تو ان کی شہادت یہی ہے کہ چار بار اللہ کی
قسم کھا کر یہ کہہ دے کہ بیشک میں سچا ہوں،

اس آیت نے پہلی آیت کے عموم کو ختم کر کے تہمت لگانے والے کے لئے ایک مخصوص اور جداگانہ
حکم عنایت فرمایا یعنی پانچ قسموں کو چار گواہوں کے قائم مقام کر دیا اور عورت کے لئے حد زنا سے بچنے کے
لئے علیحدہ پانچ قسمیں تجویز فرمادیں،

یہ دو مثالیں تو وہ تھیں جن میں ایک عام حکم کی آیت کو مخصوص کیا گیا تھا، اب ایک مثال ایسی بھی
دیکھ لیجئے جس میں مطلق حکم کی آیت کو کسی قید کا پابند کر دیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ سورہ مائدہ میں ارشاد فرماتے ہیں
حُرِّمَتْ عَلَیْکُمُ الْمِیْتَةُ وَالْدَّمُ
”خون“ کی حرمت مطلق ہے، خواہ خون بہتا ہو یا نہ ہو ہر ایک کو شامل ہے، پھر سورہ انعام میں ارشاد فرمایا
قُلْ لَا أُجِدُ فِیْہَا وِحٰی اِلٰی مَحْرَمٰ عَلٰی
طَاعِمٍ یطعمہٗ اِلَّا اَنْ یَّکُونَ حِیْتَةً اَوْ
مَسْفُوْحًا اِلٰی
تم پر مردار اور خون حرام کر دیا گیا اس آیت میں
آپ کہہ دیجئے کہ جو کچھ احکام میرے پاس بذریعہ
وحی آئے ہیں ان میں تو میں کوئی حرام غذا پایا نہیں
کسی کھانے والے کے لئے جو اس کو کھائے مگر

یہ کہ وہ مردار (جانور) ہو، یا کہ وہ بہتا ہو خون ہوا

اس آیت نے ”خون“ کے ساتھ مسفوح یعنی بہنے والے کی قید لگا دی جس کا مطلب یہ ہے کہ صرف

ہینے والا خون حرام ہے۔

نسخ کی اس دوسری قسم کے بارے میں علماء کا اتفاق ہے کہ یہ قرآن کریم میں موجود ہے، خواہ ہمیں معلوم نہ ہو نزول کے اعتبار سے وہ آیت مقدم ہے جو عام یا مطلق ہے یا وہ جو خاص یا مقتدہ ہے، اسی طرح بعض اوقات ہمیں اس کا علم بھی نہیں ہوتا کہ آخر میں نازل ہونے والی آیت سابقہ آیت کے فوراً بعد نازل ہوگئی تھی یا کچھ عرصہ کے بعد،

نسخ کی اس قسم کا کیا نام ہے؟ اس کے بارے میں البتہ علماء میں اختلاف ہو گیا ہے، بعض حضرات نے اسے بھی "نسخ" کا نام دیا ہے اور بعض حضرات اسے "تخصیص العام" یا "تقیید المطلق" کے نام سے یاد کرتے ہیں ہم اس اختلاف کو زیادہ اہم نہیں سمجھتے جب دونوں کا مقصد اور مفہوم ایک ہی ہے تو اب خواہ کوئی بھی نام رکھ لیا جائے،

اس قسم کے بارے میں خلاصہ کے طور پر اتنی بات کافی ہے کہ قرآن کی جو نص عام ہوتی ہے اسے مکمل طور پر باطل نہیں کیا جاتا بلکہ وہ "تخصیص" آنے کے بعد بھی مستثنات (EXCEPTIONS) کے سوا دوسری چیزوں میں بدستور کار فرما رہتی ہے اور درحقیقت اس تخصیص کی بنیاد وہی "تدریج" کی حکمت ہوتی ہے، اب دین و شریعت کے مکمل ہو جانے کے بعد عام اور خاص آیتوں کی حیثیت ایک ہی نص کی ہو جاتی ہے جس میں کوئی استثناء (EXCEPTIONS) پایا جاتا ہو، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس بات کی کہیں نشاندہی نہیں فرمائی کہ ان میں سے کوئی آیت پہلے نازل ہوئی اور کوئی بعد میں؟ علماء نے بھی یہ بات جانتا کوئی ضروری نہیں سمجھا، کیونکہ مآلِ کار یہ دونوں آیتیں ایک ہی آیت کے حکم میں ہیں، یہی پہلی قسم (یعنی قرآن میں کسی ایسی آیت کا موجود ہونا جس کا حکم باطل ہو چکا ہو اور اب وہ صرف تلاوت کی عادت ہو اس پر عمل نہ ہوتا ہو) سوا اس کا وجود محض نظر ہے،

اس لئے کہ کسی نئی آیت کا سابقہ آیت کے حکم کو باطل کر دینا دو چیزوں پر موقوف ہے، ایک تو یہ کہ نئی آیت بصرحت یہ اعلان کر دے کہ اس نے سابقہ آیت کا حکم باطل کر دیا ہے، دوسرے یہ کہ دونوں آیتوں میں اتنا تضاد پایا جاتا ہو کہ دونوں پر بیک وقت عمل کرنا ممکن نہ ہو، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا قرآن میں کہیں یہ دونوں باتیں مانی جاتی ہیں یا نہیں؟ اگر ان کا وجود ہو تو ماننا پڑے گا کہ قرآن میں نسخ ہے اور اگر یہ باتیں موجود نہیں تو نسخ کا وجود بھی نہ ہوگا،

مثلاً جب "عدت" کے حکم سے وہ عورت خارج ہوگئی جس کے ساتھ مرد نے خلعت نہ کی ہو تو اس تخصیص کے بعد بھی بقیہ تمام عورتوں پر عدت ضروری رہی ۱۲ مترجم

جہاں کئی پہلی بات کا تعلق ہے تو ہماری نظر میں قرآن کے اندر کہیں یہ بات نہیں کہ اُس نے ماقبل کے کسی حکم کو باطل کرنے کا اعلان کیا ہو جو حضرات قرآن میں نسخ کے وجود کے قائل ہیں وہ زیادہ سے زیادہ تین جگہوں کی نشاندہی کر سکتے ہیں جن میں بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کی آیت نے ماقبل کے حکم کو باطل کر دیا ہے۔ (۱) سورہ انفال میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :-

یا ایہا النبی حرض المؤمنین علی القتال ان یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا مائتین وان یکن منکم مائۃ یغلبوا ألفاً من الذین کفروا بانہم قوم لا یفقیہون ایسے لوگ ہیں جو دین کو کچھ نہیں سمجھتے،

اے پیغمبر! آپ مومنوں کو جہاد کی ترغیب دیجئے اگر تم میں سے بیس آدمی ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو دو سو پر غالب آجائیں گے، اور اگر تم میں سے (اسی طرح) سو آدمی ہوں گے، تو ایک ہزار پر غالب آجائیں گے، اس وجہ سے کہ وہ

پھر اس کے فوراً بعد ایک آیت میں ارشاد ہے :-

الآن خفف اللہ عنکم وعلہ ان فیکم ضعیفاً فان یکن منکم مائۃ صابرة یغلبوا مائتین وان یکن منکم ألف یغلبوا الفین باذن اللہ واللہ مع الصابرین صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں،

اب اللہ تعالیٰ نے تم پر تخفیف کر دی اور معلوم کر لیا کہ تم میں ہمت کی کمی ہے، سو اگر تم میں سے سو آدمی صبر کرنے والے ہونگے تو دو سو پر غالب آجائیں گے، اور اگر تم میں سے ایک ہزار ہوں گے تو دو ہزار پر اللہ کے حکم سے غالب آجائیں گے اور اللہ تعالیٰ

اگرچہ بظاہر یہ آیتیں ایک خبر معلوم ہوتی ہیں کہ کم مسلمان زیادہ کفار پر غالب آجائیں گے مگر حقیقت یہ حکم ہے کہ اتنے مسلمان اتنے کافروں سے مغلوب ہو کر نہ بھاگیں، اس لئے کہ اسی سورت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :-

یا ایہا الذین امنوا اذا القیتم فیہ لے ایمان والو! جب تم کو کسی جماعت (جہاد میں) مقابلہ کا اتفاق ہو تو ثابت قدم رہو،

اس آیت میں تو بغیر کسی تحدید کے ہر حال میں ثابت قدمی کو ضروری قرار دیا گیا ہے مگر پہلی دو آیتوں میں ایک خاص عدد کی تعین کر دی گئی ہے کہ اتنے کفار سے مغلوب ہو کر فرار اختیار کرنا جائز نہیں، چنانچہ پہلی آیت میں تو یہ حد مقرر کی گئی ہے کہ جب اپنے سے دس گنا زائد یا اس سے کم کفار ہوں تو فرار اختیار

کرنا جائز نہیں، اور یہ بات "حکم" کی صورت میں نہیں کہی گئی بلکہ اس میں "خبر" کا انداز اختیار کیا گیا ہے تاکہ ان میں جوش اور غیرت پیدا ہو۔

پھر دوسری آیت آئی جس نے اعلان کر دیا کہ اللہ نے تمہارے ضعف کو دیکھ کر اب تخفیف کر دی ہے مقصد یہ ہے کہ پہلے تم میں ضعف نہ تھا اب ضعف پیدا ہو گیا تو تخفیف بھی کر دی گئی اور اگر پہلے ضعف ہوتا تو سابقہ حکم نازل نہ کیا جاتا،

لیکن اگر اسے نسخ کہنے کی بجائے یہ کہہ دیا جائے تو ہماری نظر میں بیجا نہ ہوگا کہ دراصل دوسری آیت پہلے حکم کے لئے نسخ نہیں بلکہ ضعف کے عارض کی بنا پر اس میں ایک تخفیف پیدا کر رہی ہے اور اگر یہ عارض نازل ہو جائے تو اصل حکم مسترد برقرار رہے گا اور اگر لوگوں میں پھر سے یہ ہی قوت پیدا ہو جائے تو پھر وہی حکم لوٹ آئے گا اگر وہی گئے سے کم ہوں تو راہ فرار اختیار کرنا جائز نہ ہوگا،

اس بات کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ پہلی آیت میں (جس میں) دس گئے کفار سے نہ بھاگنے کا حکم دیا گیا ہے) عشروں کے ساتھ صابرون کی قید لگی ہوئی ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ اگر بیس صبر کرنے والے مسلمان ہوں تو وہ دس کفار کے سامنے مغلوب نہ ہوں، گویا جب تک صبر کی صفت موجود ہو اس وقت تک پہلے حکم کا عمل رہے گا اور صبر نہ ہو تو دوسرا حکم موجود ہے اور قوت صبر کے لوازم میں سے ہے ہماری نظر میں یہ بات بہت بعید ہے کہ دوسری آیت کا حکم ہر حال کو شامل ہے خواہ ضعف ہو یا نہ ہو یہی حکم رہے گا اس اعتبار سے دوسری آیت کو منسوخ نہیں کہا جائے گا۔

(۲) سورہ مزل میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :-

يَا أَيُّهَا الْمَرْمِلُ قَهْرُ اللَّيْلِ إِلَّا قَلِيلًا نَفَقًا
أَوَ الْفَصْ مِنْهُ قَلِيلًا أَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَنَزَلَ
الْقُرْآنُ تَرْتِيلًا أَلَا سَنُلَقِيْكَ عَلَيْهِ قَوْلًا
ثَقِيلًا إِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْأَةً
وَأَقْوَمُ قِيلًا إِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا
طَوِيلًا

رات کے اٹھنے میں دل اور زبان کا خوب میل ہوتا ہے اور بات خوب ٹھیک نکلتی ہے بیشک آپ کو دن بھر بہت کام رہتا ہے پھر اسی سورت کے آخر میں ارشاد ہے :-

إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُومُ أَدْنَىٰ مِنْ
أَبِّكَ رُبَّمَا مَكَانُكَ مَعَكُمْ أَوْ رُبَّمَا مَكَانُكَ مَعَكُمْ

ثُلَاثِي اللَّيْلِ وَنُصْفَهُ، وَتِلْكَهُ وَطَائِفُهُ
 مِنَ الَّذِينَ مَعَكَ وَاللَّهُ يُقَدِّرُ
 اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ، عَلِمَ أَنْ لَنْ تُحْصَوْا
 فَنَابَ عَلَيْكُمْ، فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ
 عَلِمَ أَنْ سَيَكُونُ مِنْكُمْ مَرْضَىٰ وَآخَرُونَ
 يَضُرُّونَ فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُونَ فِي
 سَبِيلِ اللَّهِ فَاقرءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ
 وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ -
 (سورۃ مزمل)

کے لئے ملک میں سفر کریں گے اور بعضے اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے (اس لئے بھی اس حکم کو منسوخ کر دیا)
 سو (اس لئے بھی تم کو اجازت ہے کہ اب تم لوگ جتنا قرآن آسانی سے پڑھا جاسکے پڑھ لیا کرو اور نماز
 (فرض) کی پابندی رکھا کرو اور زکوٰۃ دیتے رہا کرو۔

ان میں پہلی آیت صراحت کے ساتھ یہ حکم دے رہی ہے کہ رات کو تہجد کی نماز پڑھنا ضروری ہے اور
 وہ آدھی رات کے قریب قریب مقدار میں ہونا چاہیئے، اس آیت میں براہ راست خطاب آنحضرت صلی اللہ
 علیہ وسلم سے ہے۔

دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ صحابہؓ کی ایک بڑی
 جماعت بھی اس حکم کی تعمیل میں رات کو تہجد پڑھا کرتے تھے پھر اسی آیت میں فرمایا گیا ہے کہ اب ایک
 سبب پیدا ہو گیا جس کا تقاضا ہے کہ پہلے حکم میں تخفیف کی جائے اور وہ یہ کہ ان (صحابہ) میں سے
 بعض حضرات وہ بھی ہوں گے جو بیمار ہیں بعض مسافر ہوں گے اور بعض جہاد میں مصروف ہوں گے
 اس لئے اب حکم اتنا آسان کر دیا گیا کہ قرآن کریم میں سے جتنا حصہ بہ آسانی پڑھ سکیں اتنا پڑھ لیں،
 لیکن درحقیقت یہاں بھی دوسری آیت نسخ نہیں کر رہی، بلکہ دراصل پہلا حکم آنحضرت صلی اللہ
 علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص تھا، آپ ہی پر تہجد واجب کیا گیا تھا، صحابہؓ نے محض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
 کی اقتدار میں تہجد پڑھنا شروع کر دیا تھا، اس لئے یہ تخفیف بھی انہی کے لئے تھی، رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم پر اس آیت کے نزول کے بعد بھی وہی حکم باقی رہا، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی یہ رائے ہے اور
 اس کے مطابق نسخ لازم نہیں آتا، نسخ تو اس وقت لازم آتا جب دوسری آیت عمومی طور سے ہر ایک

کے لئے تخفیف کرتی، حالانکہ معاملہ ایسا نہیں لہذا اس سے بھی نسخ کا وجود ثابت نہیں ہوتا۔
(۳) سورہ مجادلہ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَاجَيْتُمُ
الرَّسُولَ فَقَدْ مَوَّابِينَ بِيَدِي نَجْوَاكُمْ
صَدَقَ ذَلِكَ خَيْرُكُمْ وَأَطْهَرُ
فَإِنْ لَمْ تَجِدُوا فَنَاتِ اللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ
پھر اگر تم کو (صدقہ دینے کی) مقدور نہ ہو تو اللہ غفور رحیم ہے۔

یہ اسی سورت میں ارشاد ہے :-
مَا أَشْفَقْتُمْ أَنْ تُقَدَّ مَوَّابِينَ بِيَدِي
نَجْوَاكُمْ صَدَقَاتٍ فَإِذَا لَمْ تَفْعَلُوا
وَتَابَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ
وَالْوَاكُفَاتِ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ
کا کہنا مانا کرو۔

ان میں سے پہلی آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خفیہ مشورہ کے لئے کچھ صدقہ کو واجب کرتی ہے، اور دوسری آیت اس وجوب کو ختم کر رہی ہے مگر اس میں نسخ کی تصریح نہیں اس لئے اس سے بھی نسخ کا حتمی وجود ثابت نہیں ہوتا،

یہاں نسخ کا دوسرا طریقہ کے چونکہ دونوں نصوص باہم اس درجہ متضاد ہیں کہ ان میں سے ایک کو نسخ اور دوسری کو منسوخ قرار دینے بغیر چارہ نہیں، تو ہمیں ایسی کوئی صورت بھی قرآن میں نہیں نظر آتی جس پر اس طرح نسخ کا حکم لگایا جائے،

ہم نے اپنی کتاب "اصول الفقہ" میں اس مسئلہ پر مزید تفصیل کے ساتھ گفتگو کی ہے، ان تمام آیتوں کو پیش کر کے جن میں نسخ کا احتمال ہو سکتا ہے ان علماء کی جانب سے جواب دیا ہے جو نسخ کے قائل ہیں علماء سلف میں سے علامہ ابو مسلم اصفہانی جو بڑے درجہ کے مفسرین میں سے ہیں اس بات کے قائل تھے کہ قرآن میں نسخ نہیں، ان کے اقوال ہم پر امام رازیؒ کی تفسیر میں نظر سے گذرے ہیں، امام رازیؒ کے انداز سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس مسئلہ میں علامہ ابو مسلمؒ کی رائے کی جانب مائل ہیں،

طلب اور تحییر کے مسائل میں قرآن کا انداز بیان

لوگوں سے کسی چیز کو طلب کرنے یا انہیں کسی مسئلہ میں خود مختار بنانے کے لئے قرآن نے کسی ایک انداز اور اسلوب کا التزام نہیں کیا، بلکہ مختلف اور متنوع انداز بیان سے وہ طلب اور تحییر کے احکام صادر کرتا ہے، ہمیں قارئین کے سامنے ان تمام اسالیب کو بیان کر دینا مسود مندر معلوم ہوتا ہے، قرآن نے کسی بات کو طلب کرنے کے لئے مختلف انداز اور اسالیب استعمال کئے ہیں :-

(۱) امر صریح، جیسے سورہ نحل میں فرمایا :-

اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ
وَاتِيَاءِ ذِي الْقُرْبٰى -

اور سورہ نساء میں ارشاد ہے :-

اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ اَنْ تُوَدُّوا الْاَمَانَاتِ
اِلٰى اَهْلِهَا وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ
اَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ -
تصفیہ کیا کرو،

(۲) کہیں اس بات کی خبر دیکر حکم لازم کیا گیا ہے کہ فلاں کام تم پر فرض کیا جا چکا ہے، مثلاً سورہ بقرہ میں ہے :-

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقَصَاصُ فِى الْقَتْلِ
(اور)

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدُكُمْ
مَوْتٌ اَنْ يَتْرَكَ خِيَرَتِ
الْوَصِيَّةِ -

(اور)

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ (اور)
وَرَهْبَانِيَّةً اَتَّبَعْتُمْهَا مَا كَتَبْنَا

تم پر فرض کیا جاتا ہے کہ جب کسی کو موت نزدیک معلوم ہونے لگے بشرطیکہ کچھ مال بھی ترکہ میں چھوڑا ہو تو والدین اور اقارب کیلئے معقول طور پر (کہ مجموعہ ایک ثلث سے زیادہ نہ ہو) کچھ بٹلا جاوے (اسکا نام وصیت ہے) تم پر روزہ فرض کیا گیا

اور انھوں نے رہبانیت کو خود ایجاد کر لیا ہم نے

علیہم (اور)

کتاب اللہ علیکم (آمد)

ان الصلوة کانت علی المؤمنین

کتاباً موقوتاً۔

ان پر اس کو واجب نہ کیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے ان احکام کو تم پر فرض کر دیا ہے

یقیناً نماز مسلمانوں پر فرض ہے اور وقت کے

ساتھ محدود ہے۔

(۳) کہیں اس بات کی خبر دی گئی ہے کہ فلاں فعل تمام لوگوں پر یا کچھ مخصوص لوگوں پر واجب مثلاً:-

اور اللہ کے واسطے لوگوں کے ذمہ اس مکان کا حج کرنا

ہے (یعنی) اس شخص کے ذمہ جو کہ طاقت رکھے وہاں

تک کی سبیل کی۔

(۱) وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ

الْبَيْتِ مِنْ اسْتِطَاعَ

اِلَيْهِ سَبِيْلًا۔

(ب) وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَ

كِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ

(ج) وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَلِكَ

(د) وَلِلْمُطَلَّقاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ

حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ

اور جس کا بچہ ہے (یعنی باپ) اس کے ذمہ ہے ان

(مادین) کا کھانا اور کپڑا قاعدہ کے موافق۔

اور مثل طلاق مذکور کے اس کے ذمہ ہے جو وارث ہو

اور سب طلاق دی ہوئی غورتوں کے لئے کچھ

کچھ فائدہ پہنچانا قاعدہ کے موافق (یہ) مقرر ہو

رہے ان پر جو (شرک و کفر سے) پرہیز کرتے ہیں۔

(۴) کہیں یہ انداز اختیار کیا ہے کہ جن لوگوں پر کسی فعل کو واجب قرار دینا ہے ان کے بارے میں

یہ خبر دی گئی ہے کہ وہ لوگ یہ کام کرتے ہیں، اور مقصود یہ ہوتا ہے کہ انہیں یہ کام کرنا چاہیے مثلاً:-

اور طلاق دی ہوئی غورتیں اپنے آپ کو

(نکاح سے) روکے رکھیں تین حیض تک

اور جو لوگ تم میں وفات پا جاتے ہیں اور بیبیاں

چھوڑ جاتے ہیں وہ بیبیاں اپنے آپ کو (نکاح وغیرہ

سے) روکے رکھیں چار مہینے اور دس دن۔

وَالْمُطَلَّقاتِ ثِيْرَتَيْنِ بِأَنْفُسِهِنَّ

ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ وَالَّذِينَ يَتُوفُونَ مِنْكُمْ

وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا ثِيْرَتَيْنِ

بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا

(سورۃ بقرہ)

یہ اسلوب کبھی تو طلب کو نوکد کرنے کے لئے اختیار کیا جاتا ہے جس کی مثال اوپر گزری اور

کبھی مقصود یہ ہوتا ہے کہ اس پر عمل کرنا ضروری نہیں چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہے:-

اور مائیں اپنے بچوں کو دو سال کامل دودھ

پلایا کریں یہ بات اس کے لئے ہے جو کوئی شیر خوارگی

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ

حَوْلِينَ كَامِلِينَ مِنْ أَرَادَاتِ

یتیم الرضاعة -

کی تکمیل کرنا چاہیے۔

دیکھئے یہاں دو سال تک بچے کو دودھ پلانا ضروری نہیں کسی وجہ سے اگر صرف ایک سال دودھ پلایا جائے تو کوئی گناہ نہیں :-

(۵) کہیں "امر" کے صیغہ سے فعل کو واجب کیا گیا ہے مثلاً :-

حافظوا علی الصلوات و
الصلوة الوسطی وقوموا
للہ قانتین (اور)

حفاظت کرو سب نمازوں کی (عموماً) اور درمیان
والی نماز کی (خصوصاً) اور کھڑے ہو اکبر واللہ کے
سامنے عاجز بنے ہوئے۔

ثم لیقضوا تفحصوا ویوفوا
نذورهم ولیطوفوا بابیت
العتیق (ج)

پھر لوگوں کو چاہیے کہ اپنا میل کچیل دور کر دیں اور اپنے
واجبات کو پورا کریں اور ان ہی ایام معلومات میں اس
مامون گھر (یعنی خانہ کعبہ) کا طواف کریں۔

(۶) کہیں "فرض" کا لفظ استعمال کر کے فعل کو واجب کیا گیا ہے مثلاً :-

قد علمنا ما فرضنا علیهم
فی أزواجهم وأما ملک
ایمانهم (احزاب)

ہم کو وہ احکام معلوم ہیں جو ہم نے ان پر ان
کی بیبیوں اور لونڈیوں کے بارے میں مقرو
کئے ہیں۔

(۷) کبھی مطلوب فعل کو کسی شرط کی جزا بنا کر ذکر کر دیا گیا ہے، مگر یہ طریقہ عام نہیں :-

فان احصرتم فما استیسر من الہدی
— فمن کان منکم مریضاً أو بہ
أذى من رأسه فعدیة
من صیام أو صدقة أو نسک
(بقرہ) اور

پھر اگر کسی دشمن یا مرض کے سبب روکنے جاؤ
تو قربانی کا صبا نور جو کچھ میسر ہو (ذبح کرے)
البتہ اگر کوئی تم میں سے بیمار ہو یا اس کے سر پر کچھ
تکلیف ہو (جس سے پہلے ہی سر منڈوانے کی ضرورت
پڑ جائے) تو (وہ سر منڈوا کر) فدیہ (یعنی اس کا شرعی)

دینے (تین) روزہ سے یا (چھ مسکین کو) خیرات دیدے (یا ایک بکری) ذبح کر دینے سے

وان کان ذو عسرة فنظرة
الی میسرۃ (بقرہ)

اور اگر تنگ دست ہو تو مہلت دینے کا حکم ہے
آسودگی تک

(۸) کہیں کسی فعل کے لئے لفظ "خیر" استعمال کیا گیا ہے :-

ولیسئلونک عن البیتانی قل
اور لوگ آپ سے یتیم بچوں کا حکم پوچھتے ہیں آپ فرمادیجئے

کہ ان کی مصلحت کی رعایت رکھنا زیادہ بہتر ہے

اصلاح لہم خیر (بقرہ)

(۹) کہیں کسی فعل کے صلہ میں کسی وعدے کا ذکر ہے جیسے :-

من ذا الذي يقرض الله قرضًا

حسنًا فيضاعفه له أضعافًا

كثيرة (بقرہ)

(۱۰) کہیں کسی فعل کو نیکی قرار دیا ہے یا نیکی کی طرف پہنچانے والا قرار دیا گیا ہے مثلاً

ولكن البر من بالله الخ (بقرہ)

پر یقین رکھے۔

ولكن البر من اتقى (بقرہ)

(چیزوں سے بچے۔

لن نثا لوال البر حتى تنفقوا مما

تحتون

ممانعت کے انداز اس طرح کسی فعل سے روکنے کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے مختلف اسلوب اختیار فرماتے ہیں،

(۱) نہیں صریح، مثلاً :-

وينهى عن الفحشاء والمنكر

والبغي (نخل)

انما ينهواكم الله عن الذين

قاتلوكم في الدين وأخرجوكم

من دياركم وظاهروا على إخراجكم

أن توهم (محققہ)

(لیکن) تمہارے نکالنے میں (نکالنے والوں کی مدد کی ہو)

(۲) صریح طور پر حرام قرار دیا گیا ہے مثلاً :-

انما حرم ربی الفواحش ما ظہر منہا

وما بطن والإثم والبیغ بغیر الحق

آپ فرماتے کہ البتہ میرے رب نے حرام کیا ہے

تمام فحش باتوں کو ان میں جو علانیہ ہیں وہ بھی

وَأَنْ تَشْرُكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يَنْزَلْ بِهِ سُلْطَانًا وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ (اعراف)

اور ان میں جو پوشیدہ ہیں وہ بھی اور ہر گناہ کی بات کو اور ناحق کسی پر ظلم کرنے کو اور اس بات کو کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی ایسی چیز کو شریک ٹھیراؤ جس کی اللہ نے کوئی سند نازل نہیں فرمائی اور اس بات کو کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کے ذمہ ایسی بات رکھو جس کی تم سند نہ رکھو۔

قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبِّيَ كَمَا عَلَّمَنِ الْغَنَامُ كَرَسْنَاؤُنْ جِئْتُكُمْ مِنْ رَبِّهِ تَمَّ بِمَا هُمْ قَرَّبُوا وَحُتِّمَ ذَلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ (نور)

آپ (ان سے) کہئے کہ آؤ میں تم کو وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جس کو تمہارے رب نے تم پر حرام فرمایا ہے۔

اور یہ (یعنی ایسا نکاح) مسلمانوں پر حرام (اور موجب گناہ) کیا گیا ہے۔

(۳) کہیں کسی چیز کے بارے میں حکم صادر فرمایا گیا ہے کہ یہ حلال نہیں مثلاً

لَا يَحِلُّ لَكَ امْرَأَةٌ تَزَوَّاتُ النِّسَاءَ كَرِهَ اللَّهُ

تم کو یہ بات حلال نہیں کہ عورتوں کے جبراً ملک ہو جاؤ اور تمہارے لئے یہ بات حلال نہیں کہ (چھوڑنے کے وقت) کچھ بھی ہو (گو) اس میں سے (ہی) جو تم نے ان کو (مہر میں دیا تھا) مگر یہ کہ میاں بوی دونوں کو احتمال ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ضابطوں کو قائم نہ کر سکیں گے سو اگر تم لوگوں کو یہ احتمال ہو کہ وہ دونوں ضوابط خداوندی کو قائم نہ کر سکیں گے تو دونوں پر کوئی گناہ نہ ہو گا اس (مال کے لینے دینے) میں

وَلَا يَحِلُّ لَكَ امْرَأَةٌ تَأْخُذُ بِالْعَمَاءِ يَتِمُّونَ شَيْئًا إِلَّا أَنْ يَخَافَا أَلَّا يَقِيمَا حَدَّ وَحَدَّهُ (البقرہ)

اور ان عورتوں کو یہ بات حلال نہیں کہ خدا تعالیٰ نے جو کچھ ان کے رحم میں پیدا کیا ہو (خواہ حمل یا حیض) اس کو پوشیدہ کریں۔

(۴) کہیں "نہی" کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے مثلاً کہا گیا کہ ایسا نہ کرو یا کسی فعل کے بارے میں حکم دیا گیا ہے "اسے چھوڑ دو" مثلاً :-

وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ (انعام)

اور یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ مگر (ایسے طریقہ سے) جو کہ مستحسن ہے۔

وَذَرُوا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهُ (انعام)

اور تم ظاہری گناہ کو بھی چھوڑ دو اور باطنی گناہ کو بھی چھوڑ دو۔

اور ان کی طرف سے جو اندر پہنچے اسکا خیال نہ کیجئے۔

وَدَعِ أَذَاهُمْ (احزاب)

(۵) کہیں کسی فعل کو نیکی کے خلاف قرار دیا گیا ہے جیسے :-

کچھ سارا کمال اسی میں نہیں (آگیا) کہ تم اپنا منہ مشرق کو کر لو یا مغرب کو۔

لَيْسَ الْبِرُّ أَنْ تَوَلَّوْا وُجُوهَكُمْ قَبْلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ (بقرہ)

اور اس میں کوئی فضیلت نہیں کہ گھروں میں ان کی پشت کی طرف سے آیا کرو۔

وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا (بقرہ)

(۶) کہیں کسی فعل کی نفی کر دی گئی ہے اور مقصود نہیں ہے :-

اور اگر وہ لوگ (کفر سے) باز آجاویں تو سختی کسی پر نہیں ہوا کرتی بجز بے انصافی کرنے والوں کے۔

فَإِنْ أَنْتَ هُمْ فَلَا تَعْدُوهُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلَى الظَّالِمِينَ (بقرہ)

سو جو شخص ان میں حج مقرر کرے تو پھر (اس کو) نہ کوئی بخش بات (جائز ہے) اور نہ کوئی بے حکمی

فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ (بقرہ)

کسی ماں کو تکلیف نہ پہنچانا چاہیے اس کے بچہ کی وجہ سے اور نہ کسی باپ کو تکلیف دینی چاہیے اس کے بچہ کی وجہ سے۔

(درست ہے) اور نہ کسی قسم کا نزاع جائز ہے۔
لَا تُضَارُّ وَالِدًا وَلَا وَلَدًا (بقرہ)

(۷) کہیں کسی فعل کے بارے میں حکم دیا گیا ہے کہ اس کے کرنے سے گناہ ہوگا جیسے :-

پھر جو شخص اس (وصیت) کے سن لینے کے بعد اس کو تبدیل کرے گا تو اس کا گناہ ان ہی لوگوں کو ہوگا جو اس کو تبدیل کریں گے۔

فَمَنْ بَدَّلَهُ بَعْدَ مَا سَمِعَهُ فَأَمَّا آثْمُ عَلَى الَّذِينَ يُبَدِّلُونَهُ (بقرہ)

(۸) کہیں کسی فعل پر کوئی دھمکی دی گئی ہے مثلاً :-

اور (غایت حرص سے) جو لوگ سونا چاندی جمع کر کر رکھتے ہیں اور ان کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے سو آپ ان کو ایک بڑی دردناک سزا کی خبر سنا دیجئے۔

وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يَنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبِئْسَ مَا كَانُوا يَكْنِزُونَ (توبہ)

اور جو لوگ سود کھاتے ہیں یہیں کھڑے ہونگے

وَالَّذِينَ يُكُونُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ

الَّذِي يَقُومُ الذِّي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ (قیامت میں قبروں سے) مگر جس طرح کھڑا ہوتا
من المثل (بقدرہ) ہے ایسا شخص جس کو شیطان خبطی بنادے
بیشک کر (یعنی حیران و مدہوش)

(۱۹) کہیں کسی فعل کو "نثر" قرار دیا گیا ہے مثلاً :-

وَلَا يَحْسِبَنَّ الَّذِينَ يَبْخُلُونَ (آل عمران)
بِمَا أَنَا لَهُم مِّن فَضْلِهِ هُوَ خَيْرٌ لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَهُمْ
اور ہرگز نہ خیال کریں ایسے لوگ جو ایسی چیزیں بخل
کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے دی ہے
کہ یہ بات کچھ ان کے لئے اچھی نہ ہوگی بلکہ یہ بات ان کی
بہت سی بری ہے۔

تخصیر کے انداز کسی کام میں بندے کو اختیار دینے کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے مختلف اسالیب
استعمال فرمائے ہیں :-

(۱) کہیں "فعل" یا اس سے متعلق کسی چیز کو حلال قرار دیا گیا ہے مثلاً :-

أَحَلَّتْ لَكُمْ بَهِيمَةَ الْأَنْعَامِ (مائتہ)
تہارے لئے چوپائے جو مشابہ انعام (یعنی اونٹ بکری
گائے) کے ہوں حلال کئے گئے ہیں۔

رب، يَسْأَلُونَكَ مَاذَا أُحِلَّ
لَهُمْ قُلْ أُحِلَّ لَكُمْ الطَّيِّبَاتِ
وَمَا عَلَّمْتُم مِّنَ الْجَوَارِحِ
مَكْلَبِينَ - الْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمْ الطَّيِّبَاتِ
وِطْعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ
حِلٌّ لَكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَهُمْ
لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا کیا جانور ان کے لئے حلال
کئے گئے ہیں۔ آپ فرمادیجئے کہ تمہارے لئے کل حلال
جانور حلال رکھے ہیں اور جن شکاری جانوروں کو تم تعلیم
دو اور تم ان کو چھوڑو بھی۔ آج تمہارے لئے حلال چیزیں
حلال رکھی گئیں اور جو لوگ کتاب دئے گئے ہیں ان کا
ذبیحہ تم کو حلال ہے اور تمہارا ذبیحہ ان کو حلال ہے۔

(۲) کہیں یہ فرمایا گیا کہ ایسا کر لے میں کوئی گناہ نہیں اس کے لئے "اثم" کا لفظ استعمال فرمایا گیا۔

فَمِنْ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ
فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ -
پھر بھی جو شخص (بھوک سے بہت ہی) بیتاب ہو جائے
بشرطیکہ نہ تو طالب لذت ہو اور نہ (قدر حاجت سے)

تجاوز کرنے والا ہو تو اس شخص پر کچھ گناہ نہیں ہوتا۔

فَمَنْ تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلَا اِثْمَ
عَلَيْهِ وَمَنْ تَأَخَّرَ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ
پھر جو شخص دو دن میں (مکہ واپس آنے میں) تعجل کرے
اس پر بھی کچھ گناہ نہیں اور جو شخص دو دن میں تاخیر

لست اتقی

فمن خاف من موص جَنَفًا أَوْ أَثَمًا

فَأُصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَا إِثْرَ عَلَيْهِ

شخص ان میں باہم مصالحت کرادے تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔

۱۲) کہیں گناہ کی نفی کی گئی اور اس کے لئے "جَنَاح" کا لفظ استعمال ہوا۔

لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

جَنَاحٌ فِي مَا طَعَمُوا إِذَا مَا تَقَوَّوْا وَأَمْنُوا وَ

عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ - ثُمَّ لَقَوْا وَأَمْنُوا ثُمَّ لَقَوْا

وَاحْسَبُوا (ما شدا)

اور ایمان رکھتے ہوں پھر پرہیز کرنے لگتے ہوں اور خوب نیک عمل کرتے ہوں۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَهْلٌ عَلَيْهِمْ جَنَاحٌ

بَعْدَ هَٰذَا (نور)

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ

اللَّهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ

بِهِمَا

ان اوقات کے سوانح پر کوئی الزام ہے اور نہ بلا اجازت

چلے آنے میں ان پر کچھ الزام ہے۔

صفا اور مردہ منجملہ یادگار (دین) خداوندی ہیں سو جو

شخص حج کرے بیت (اللہ) کا یا (اس کا) عمرہ

کرے اس پر ذرا بھی گناہ نہیں ان دونوں کے درمیان

آمدورفت کرنے میں (جس کا نام سعی ہے)

قرآن میں کس قسم کے احکام ہیں؟

قرآن کریم میں بندوں کو مختلف قسم کے احکام کا تکلف کیا گیا ہے۔

۱) پہلی قسم کے احکام تو وہ ہیں جو عبادات سے متعلق ہیں، یہ براہ راست اللہ اور بندے کا معاملہ

ہے، ان کے صحیح ہونے کے لئے نیت بھی ضروری ہے،

پھر ان عبادات کی بھی تین قسمیں ہو جاتی ہیں، ایک تو وہ جو خالص عبادت ہیں مثلاً نماز اور روزہ،

دوسری وہ عبادت جو مالی بھی ہے اور اجتماعی بھی، یہ زکوٰۃ ہے، تیسری وہ جو بدنی ہے اور اجتماعی ہے،

یہ حج ہے، یہ ان چار عبادتوں کو ایمان کے بعد اسلام کی بنیاد قرار دیا گیا ہے۔

(۲) دوسری قسم کے احکام وہ ہیں جو انسانوں کے باہمی معاملات سے متعلق ہیں انکی بھی کئی قسمیں ہیں

(الف) وہ احکام و قوانین جو دعوت اسلام کے تحفظ سے متعلق ہیں یعنی جہاد کے احکام۔

(ب) خاندانی احکام جو نکاح، طلاق، نسب اور وراثت پر مشتمل ہیں۔

(ج) وہ احکام جن میں لوگوں کے باہمی معاملات سے متعلق ہدایات دی گئی ہیں۔ مثلاً خرید و فروخت

اجارہ وغیرہ اسی قسم کو اصطلاح میں معاملات کہتے ہیں،

(د) تعزیری احکام جن میں قصاص اور حدود کے احکام شامل ہیں، ان کی تفصیل ہم

بعد میں بیان کریں گے،

حدیث

حدیث سے ہماری مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال اور تقریر ہے۔ اس بات میں کسی مسلمان کو شک کرنے کی گنجائش نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچانے والے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک (مائدہ) اے رسول جو کچھ آپ کے رب کی جانب سے آپ پر نازل کیا گیا ہے آپ سب پہنچا دیجئے۔

اور آپ ہی قرآن کے معانی مراد کی تشریح و توضیح فرمانے والے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ مَا نَزَّلَ إِلَيْهِمْ مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَتَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (نحل) اور تاکہ وہ (ان میں) فکر کیا کریں۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کی تشریح کبھی صرف قول سے فرماتے کبھی صرف فعل سے اور کبھی دونوں سے، جبکہ ایک مرتبہ آپ نے نماز پڑھی اور پھر فرمایا ہے۔

صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي اسی طرح نماز پڑھو جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے ایک اور موقع پر آپ نے حج کیا اور ارشاد فرمایا ہے۔

خُذُوا عَنِّي مَنَاسِكَكُمْ مجھ سے اپنے حج کے احکام حاصل کرو

لہ تقریر کا مطلب یہ ہے کہ کسی نے کوئی کام کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی مگر آپ نے کوئی تکبیر نہیں فرمائی ۱۲ مترجم

اس سے واضح ہو گیا کہ حدیث قرآن کریم کی شرح و تفسیر ہے جو قرآن کے مجمل احکام کو واضح کرتی ہو اور بعض اوقات جو بات قرآن میں مطلق ہوتی ہے اس کی تقلید کر دیتی ہے اور جو بات قرآن میں مشکل ہوتی ہے اس کی تشریح و توضیح کر دیتی ہے،

اس بات کو ذہن میں رکھا جائے تو واضح ہو جائے گا کہ حدیث کا کوئی حکم ایسا نہیں جس پر قرآن میں اجمالی طور پر یا تفصیلی طور پر کوئی دلالت موجود نہ ہو، یہ اور بات ہے کہ بعض اوقات یہ دلالت بہت عام اور سمجھ گیر ہوتی ہے۔ مثلاً وہ آیات جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد :-

اور رسول تم کو جو کچھ دیدیا کریں وہ لے لیا کرو اور جس چیز کے لینے سے تم کو روک دیں (اور مجموعہ الفاظ یہی حکم ہے افعال اور احکام میں بھی) تم رک جا یا کرو۔

وما اتاكم الرسول فخذوه
وما نهاكم عنه فانتهوا
(احقر)

اور یہ ارشاد :-

پھر قسم ہے آپ کے رب کی یہ لوگ ایماندار نہ ہوں گے جب تک کہ بات نہ ہو کہ ان کے آپس میں جو جھگڑا واقع ہو اس میں یہ لوگ آپ سے تصفیہ نہ کریں پھر اس آپ کے تصفیہ سے اپنے دلوں میں تنگی نہ پاویں اور پورے طور پر تسلیم کر لیں۔

فلا وربك لا يؤمنون
حتى يحكموك فيما شجر
بينهم ثم لا يجدوا في
انفسهم حرجاً مما قضيت
وليسلموا تسليماً (نساء)

اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد ہے :-

آپ فرمادیجئے کہ اگر تم خدا تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میرا اتباع کرو خدا تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے اور تمہارے سب گناہوں کو معاف کر دیں گے اور اللہ تعالیٰ بڑے معاف کرنے والے بڑی عنایت فرمانے والے ہیں (اور) آپ (یہ بھی) فرمادیجئے کہ تم اطاعت کیا کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی پھر (اس پر بھی) اگر وہ لوگ اعراض کریں سو (سن رکھیں کہ) اللہ تعالیٰ

قل ان كنتم تحبون الله
فاتبعوني يحببكم الله و
يغفر لكم ذنوبكم والله
غفور رحيم قل اطيعوا الله
والرسول فان تولوا فانا
الله لا يحب الكافرين۔

(آل عمران)

لے ان تمام آیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے جسکی صورت صرف یہ ہے کہ حدیث کو واجب العمل قرار دیکر اس پر عمل کیا جائے ۱۲ مترجم

کافروں سے محبت نہیں کرتے

اور بعض آیات ایسی ہیں جن میں کوئی حکم مجمل بیان کیا گیا ہے اس کی پوری کیفیت اس کے اسباب و شرائط اور موانع وغیرہ کا تفصیلی ذکر نہیں کیا گیا، احادیث نے اس اجمال کی توضیح کرتے ہوئے مذکورہ تمام چیزوں کو تفصیل کے ساتھ بیان فرمادیا۔

اور بعض مرتبہ ایسا ہوا ہے کہ قرآن کریم نے کوئی حکم بیان فرمایا، پھر آپ نے ایک اور مسئلہ میں وہی مسئلہ دیکھ کر اسے پہلے مسئلہ پر قیاس فرمایا اور اس کو بھی وہی حکم عطا کیا جو پہلے کا تھا، ہم ہر ایک صورت کی مثالیں دیں گے،

(۱) اللہ تعالیٰ نے قرآن میں طہیات یعنی پاکیزہ چیزوں کو حلال قرار دیا اور خبائث یعنی گندی چیزوں کو حرام فرمایا ان دونوں کے

درمیان بہت سے امور مشتبہ تھے کہ کس چیز کو پاکیزہ اور کسے گندی قرار دیا جائے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ ہر درندہ جانور جس کے "کیلا" دانت ہو وہ حرام ہے، اور ہر وہ پرندہ حمام ہے جو پنچوں سے شکار کرتا ہو اسی طرح آپ نے شہری گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ آپ نے ان چیزوں کو "خبائث" میں سے قرار دیا۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے مشروبات میں سے وہ تمام چیزیں حلال قرار دی ہیں جو نشہ آور نہ ہوں، اور ہر نشہ آور مشروب کو حرام قرار دیا ہے، اب ایک ایسی چیز سامنے آتی ہے جو حقیقتہً نشہ آور نہیں لیکن ان سے نشہ پیدا ہو سکتا ہے مثلاً دبار، مزفت اور نعیر کی نمیزد یہ سب برتنوں کے نام ہیں جس میں ایک سرور انگیز قسم کی شراب تیار کی جاتی تھی،

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بھی نشہ آور اشیاء میں شامل فرما کر انہیں استعمال کرنے سے منع فرمایا، تاکہ شراب نوشی کا مکمل سد باب ہو جائے، پھر کچھ عرصہ کے بعد کچھ لوگوں سے شراب کی عادت اچھی طرح چھوٹ گئی تو آپ نے اصل حقیقت کی طرف رجوع فرمایا کہ تمام اشیاء میں اصل یہی ہے کہ وہ مباح ہوں چنانچہ فرمایا :-

كنت نهيتكم عن الانبثاذ
فانثبذوا وكل مسكر حرام
میں نے تمہیں نمیزد بنانے سے روکا تھا اب تم نمیزد بنا سکتے
ہو اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے سدھائے ہوئے گتے کے کئے ہوئے شکار کو حلال قرار دیا ہے اور اس نے شکار اپنے مالک کے لئے کیا ہو اپنے لئے نہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سدھائے ہوئے گتے کا شکار

تو حلال ہے لیکن جو کتنا سدھایا ہوا نہ ہو اس کا مارا ہوا شکار حلال نہیں اب یہ سوال پیدا ہو گیا کہ اگر کوئی کتا سدھایا ہوا تو ہے مگر اس نے شکار کا کچھ حصہ خود بھی کھا لیا ہے تو اس کے سدھائے ہوئے ہونے کا تقاضا تو یہ ہے کہ اس نے اپنے مالک ہی کے لئے شکار کیا ہو لیکن چونکہ اس نے کچھ حصہ خود بھی کھا لیا ہے اس لئے اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس نے یہ شکار اپنے لئے کیا ہوگا اس مشکل کو حل کرنے کے لئے حدیث نے ارشاد فرمایا کہ اگر کتے نے کچھ حصہ کھا لیا ہو تو تم بقیہ حصہ نہ کھاؤ کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں اس نے شکار اپنے لئے نہ کیا ہو،

(م) اللہ تعالیٰ نے حالت احرام میں ہر شکار مارنے کو ناجائز قرار دیا ہے اور جو شخص جان بوجھ کر ایسا کرے اس پر ایک خاص سزا مقرر کی ہے لیکن ایک مسئلہ یہ رہ جاتا ہے کہ اگر کسی شخص نے حالت احرام میں غلطی سے شکار کر لیا تو اس کا کیا حکم ہوگا؟ اسے بیان کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث آئی جس سے معلوم ہوا کہ اس معاملہ میں دونوں صورتوں میں جزار واجب ہوگی خواہ وہ قتل جان بوجھ کر ہوا ہو یا غلطی سے،

اسی طرح کی بے شمار مثالیں ہیں جن میں سے بہت سی مثالیں آئندہ بھی آپ کے سامنے آئیں گی، قیاس کی صورت یہ ہے کہ قرآن کریم بعض اوقات ایسے اصول بیان فرماتا ہے جن سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ جو صورتیں اس جیسی ہوں گی ان کا حکم بھی یہی ہوگا اور جو بات اس کے اطلاق سے سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہوتی ہے کہ بعض مقید صورتیں بھی اسی جیسی ہیں، اس طرح قرآن کریم حدیث کی توضیح پر اعتماد کر کے کوئی اصل بیان فرمادیتا ہے اس کی قرعہ کو چھوڑ دیتا ہے، یہ مقیس علیہ (یعنی اصل) اگرچہ خاص ہوتی ہے لیکن معنی کے لحاظ سے عام ہوتی ہے، ایسی حالت میں اگر ہمیں قرآن میں کوئی اصل ملے اور حدیث میں بھی کوئی ایسی جیسا حکم آیا ہو تو یہ سمجھنا چاہیے کہ قرآن کی مراد بھی یہی معنی میں خواہ اس حدیث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اجتہاد قرار دیا جائے یا وحی، بہر حال ہمارے خیال میں یہ صورت مقیس اور مقیس علیہ کے قائم مقام ہے، اس کی متعدد مثالیں ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ نے "سود" کو حرام قرار دیا، جاہلیت میں تو سود کی صورت یہ تھی کہ قرض خواہ مقروض سے کہتا تھا کہ یا تو میرا قرض ادا کر دو ورنہ میں سود کی رقم میں اور اضافہ کر دوں گا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :-

سوا الجاہلیۃ موضوع جاہلیت کا سود ختم کر دیا گیا۔

مگر چونکہ اس سود کے حرام ہونے کی وجہ یہ تھی کہ جو سود کی رقم قرض خواہ زیادہ کرتا تھا وہ بغیر عوض

کھانے کی چیزوں میں کیوں حرام ہے؟ کپڑوں وغیرہ میں کیوں حرام اور ناجائز نہیں؟ اس سوال کا جواب اس قدر دقیق ہے کہ مجتہدین پر بھی پوشیدہ رہا کھانے اور کپڑے کا فرق اس قدر باریک تھا کہ حدیث نے اسے خود بیان فرمایا اگر یہ مجتہدین کی سمجھ میں آسکتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے خود بیان فرمانے کی بجائے اسے مجتہدین کی فہم و فراست پر چھوڑ دیتے جس طرح اور بہت سے مسائل چھوڑے گئے ہیں۔ (۲) اللہ تعالیٰ نے صرف ماں بیٹی اور دو بہنوں کو بیک وقت نکاح میں لینے سے منع فرمایا ہے اور اس کے بعد فرمادیا ہے کہ:—

وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَلِكَ
ان کے سوا سب عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں
اس کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوٹی بھتیجی اور خالہ بھانجی کو بھی نکاح میں جمع کرنے سے منع فرمایا، کیونکہ وہ علت جسکی بنا پر ماں بیٹی اور دو بہنوں کو جمع کرنا حرام تھا یہاں بھی پائی جا رہی ہے، چنانچہ اسی حدیث کی بعض روایات میں یہ الفاظ بھی ہیں:—
فَانَكُمْ اِذَا فَعَلْتُمْ ذَلِكَ قَطَعْتُمْ
اس لئے کہ اگر تم نے ایسا کیا تو قطع رحم کے
أَرْحَامَكُمْ۔
مترکب ہو گے،

اسی چیز کا نام قیاس ہے، اور یہ علت اس قیاس کی وجہ بتلاہی ہے۔
(۳) اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کو قتل کر دینے کے عوض دیت (خون بہا) کا ذکر فرمایا ہے مگر مختلف اعضاء کے کاٹ دینے سے کیا دیت آئی گی؟ یہ بیان نہیں کیا اور چونکہ اس دیت کو قیاس سے معلوم کرنا مشکل تھا اس لئے اسے حدیث نے واضح طور پر بیان فرمادیا، گویا قیاس کی مشکل ترین قسم ہے اس کی مثالیں اور بھی آئیں گی۔

قیاس کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اُن وجوہ پر نظر ڈالی جائے جو قرآن کے مختلف دلائل کی قدر مشترک ہیں، اس لئے کہ بعض اوقات قرآن میں اگرچہ مختلف دلائل ہوتے ہیں مگر ان سب کو ایک عام وجہ شامل ہوتی ہیں جو مختلف مصالح کے حکم یا استحباب کے مشابہ ہوتی ہے، اب حدیث اس ایک وجہ کے مطابق وارد ہوتی ہے تو اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ وجہ قرآن کے اس مجموعہ دلائل سے ماخوذ ہے، کیونکہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ حدیث قرآن کی تشریح و توضیح کرنے کے لئے وارد ہوتی ہے، اس طریقے سے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ قرآن کے ساتھ مناسبت کے لحاظ سے حدیث کو کیا

مقام حاصل ہے،

صحابہ کرام رضہ کا علم حدیث۔ صحابہ کرام رضہ اجتماعی طور پر بھی حاصل کرتے تھے اور

عَلَيْكَ مِثْلُ الَّذِي صَلَّيْتَ فَأَغْتَبَضَنِي»
 لَوْ مَا فَاتَكَ لَجَنَّبَ الْمَرْءُ مُفَضَّطَهُمَا

یہاں بھی "صلوٰۃ" سے دعا مراد ہے۔

پھر اس لفظ کے اشتقاق میں دو احتمال ہیں ایک تو یہ کہ "صلوٰۃ" بمعنی لزوم سے مشتق ہو اہل عرب صلیٰ اور اصطلاحی لازم ہونے کے معنی میں استعمال کرتے ہیں اسی سے کہتے ہیں صلیٰ فی النار یعنی وہ آگ میں ہمیشہ کے لئے داخل ہو جاتا ہے اس احتمال کو علامہ ازہری نے پسند کیا ہے کیونکہ "صلوٰۃ" میں اللہ تعالیٰ کے ایک عظیم الشان فرض کا التزام کیا جاتا ہے۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ "صلوین" سے مشتق ہے یہ "صلوین" عربی میں ان دو رنگوں کو کہا جاتا ہے جو اونٹنی کی دم کے قریب ہوتی ہیں نیز ان رنگوں کو بھی کہتے ہیں جو انسان کے رانوں کے جوڑ پر ہیں تو گویا یہ دونوں رنگیں حقیقت میں دم کی ہڈی کے گرد ہوتی ہیں۔

یہاں ایک احتمال تیسرا بھی ہے اور وہ یہ کہ اس کلمہ کی اصل عبرانی زبان کے لفظ "صلوتا" کی معرب شکل ہو "صلوتا" عبرانی میں نماز پڑھنے کی جگہ کو کہتے ہیں قرآن کریم میں بھی "صلوٰۃ" اس معنی میں استعمال ہوا ہے۔

ولولاد رفع اللہ الناس بعضهم
 ببعض لهدمت صوامع وبيع
 وصلوات يذكر فيها اسم الله
 كثيراً (رج)

اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ (ہمیشہ سے) لوگوں کا ایک دوسرے (کے ہاتھ سے) زور نہ گھٹواتا رہتا تو (اپنے اپنے زبانوں میں) نصاریٰ کے خلوت خانے اور عبادت خانے اور یہود کے عبادت خانے اور مسلمانوں کی مسجدیں جن میں اللہ کا نام بکثرت لیا جاتا ہے سب منہدم ہو گئے ہوتے۔

ایک قرأت میں "وَصَلُّوْا" بھی ہے اس صورت میں یہ صلیت کی جمع ہوگی تو شاید اہل عرب نے اسی وجہ سے اسے دعا اور استغفار کے معنی میں استعمال کر لیا ہو جیسے عام طور پر مجازاً ظرف کو مطلق اور حال کو محل کا نام دیدیا جاتا ہے۔

یہ کلمہ قرآن میں بھی اپنے اصلی معنی (دعا و استغفار) کے معنی میں استعمال ہوا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہو۔
 وَصَلَّى عَلَيْهِمَ اِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ
 لَهُمْ (توبہ)

اور ان کے لئے دعا کیجئے بلاشبہ آپ کی دعا ان کے لئے موجب اطمینان (قلب) ہے۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے۔

وَاللّٰهُ وَمَلَائِكَتُهُ يُصَلُّونَ عَلٰی النَّبِيِّ
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا
عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (احزاب)

بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے
ہیں ان پیغمبر پر اے ایمان والو تم بھی آپ پر رحمت
بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کرو۔

دور جاہلیت کی نماز اسلام سے قبل اہل عرب کی نماز معروف نہیں مگر وہ حج کا تلبیہ
پڑھتے وقت کچھ دعا کیا کرتے تھے، اور ان کے ایک اور عجیب
طرز کی خبر خود قرآن نے دی ہے :-

وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ
الْمُكَاوً وَتَصَدِيْقُهُ (انفال)
اور ان کی نماز خانہ کعبہ کے پاس صرف یہ تھی سیٹیاں
بجانا اور تالیاں بجانا۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ قریش ننگے ہو کر کعبہ کا طواف کیا کرتے تھے اور ساتھ ساتھ
سیٹی اور تالیاں بھی بجاتے رہتے تھے۔

حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طواف فرماتے تو کفار عرب
آپ کے سامنے آکر آپ کا استہزار کرتے، سیٹیاں بجاتے اور آپ کے طواف میں گڑ بڑ پیدا کرنے کی
کوشش کرتے، اور حضرت مقاتلؒ فرماتے ہیں کہ جب آپ نماز پڑھتے تھے تو کفار آپ کے دائیں بائیں
کھڑے ہو جاتے تھے اور سیٹیاں اور تالیاں بجاجا کر آپ کی نماز میں گڑ بڑ پیدا کرنے کی کوشش کرتے
تو حضرت ابن عباسؓ کے قول کی بنا پر تو یہ سیٹی اور تالی بجانا ان کے نزدیک ایک عبادت تھی اور
حضرت مجاہدؒ مقاتلؒ کے قول کے مطابق محض نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پریشان کرنا مقصود تھا،
قرآن کریم کے الفاظ سے پہلی بات زیادہ قریب معلوم ہوتی ہے، (تفسیر رازی)

اور دوسرے بعض مفسرین نے روایت کی ہے کہ یہ آیت مسلمانوں کی تادیب کے لئے نازل ہوئی
ہے کہ وہ مشرکین عرب کے رویہ پر عمل نہ کریں بلکہ :-

يَا بَنِي آدَمُ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ
مَسْجِدٍ (اعراف)
اے اولاد آدم کی تم مسجد کی حاضری کے وقت
اپنا لباس پہن لیا کرو۔

وہ مشرکین عرب بیت اللہ کا برہنہ ہو کر طواف کیا کرتے تھے ان کا کہنا یہ تھا کہ ہم ان کپڑوں میں
طواف نہیں کریں گے جس میں گناہ کیا ہے، یہ بات بھی حضرت ابن عباسؓ کے قول کی تائید کرتی ہے۔

بعض حضرات کا خیال ہے کہ شروع میں نماز دن میں صرف دو مرتبہ فرض کی گئی تھی، ایک صبح
اور ایک شام کو :-

وسیع بعد ربک یا العشی والایکار
اور شام و صبح اپنے رب کی تسبیح کرتے
(غافر)

اور رات کی عبادت صرف ترتیل قرآن تک محدود تھی جس کا حکم سورہ مزمل کے شروع میں دیا گیا ہے اور بحث سے کچھ پہلے پانچ نمازیں فرض کی گئیں،

قرآن کریم نے جس قدر اہتمام نماز کی فرضیت بیان کرنے کا کیا ہے اتنا کسی اور فریضہ کا نہیں اسی لئے اس کی فرضیت مختلف انداز سے بیان فرمائی ہے، کبھی صریح حکم سے، کبھی نمازیوں کی تعریف کے ذریعہ اور کبھی نماز نہ پڑھنے والوں کی مذمت کر کے، اسی وجہ سے فرضیت نماز کی آیات کو دیکھ کر آسانی یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ نماز ہی دین کا ستون ہے اور اسلام کا کوئی نفع اس شخص کو نہیں پہنچ سکتا جو اسے چھوڑتا ہو یا اس سے غفلت برتتا ہو یا اس میں دکھلاوے سے کام لیتا ہو،

قرآن کریم نے نمازوں کی تعداد و صراحۃً نہیں بتلائی اور نہ رکعتوں کی تعداد کا ذکر کیا، البتہ اس کے اوقات اجمالی طور پر ذکر فرمائے ہیں۔

نماز کے اوقات

(۱) فُسَبِحَانَ اللَّهِ حِينَ تُمْسُونَ وَ
حِينَ تَصْبِحُونَ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي
السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَعِشْيَا وَحِينَ
تُظْهِرُونَ - (روم)

(۲) أَقِمِ الصَّلَاةَ لَدُلُوكَ الشَّمْسِ
إِلَى غَسَقِ اللَّيْلِ وَقُرْآنَ الْفَجْرِ رُتَّ
قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا -

(اسراء)

(۳) وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفِي النَّهَارِ
وَزُلْفَاءَ مِنَ اللَّيْلِ -

(ہود)

(۴) حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ
الْوَسْطَى -

پھر اس کی کیفیت بیان فرمائی ہے۔

وقت۔
آفتاب ڈھلنے کے بعد سے رات کے اندھیرے
ہونے تک نمازیں ادا کیا کیجئے اور صبح کی نماز
بھی بے شک صبح کی نماز (فشیئتوں کے)
حاضر ہونے کا وقت ہے۔

اور (اے محمد صلعم) آپ نماز کی پابندی رکھئے
دن کے دونوں سروں پر (یعنی اول و آخر میں)
اور رات کے کچھ حصوں میں۔

محافظت کرو سب نمازوں کی (عموماً) اور درمیان
والی نماز کی (خصوصاً)

وقووا للہ قانتین (بقرہ)

(۵) یا ایہا الذین امنوا رکعوا

واسجدوا (حج)

اور گھڑے ہو کر اللہ کے سامنے عاجز بنے رہتے
اسے ایمان والا کہتم رکوع کیا کرو اور سجدہ
کیا کرو۔

پھر سنت نے اس کی کیفیت عملی طور پر واضح فرمادی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا بچوں
نماز میں پڑھاتے تھے اور صحابہؓ آپ کے پیچھے اجتماعی طور سے نماز پڑھتے تھے ساتھ ہی آپ نے
ان سے فرمایا :-

صلوا کما رأتیمونی اُصلی۔

اسی طرح نماز پڑھو جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے۔

قرآن کریم نے نماز جمعہ کو خاص اہتمام سے ذکر فرمایا ہے :-

یا ایہا الذین امنوا اذ اودی للصلوة

من یوم الجمعة فاسعوا الی ذکر

اللہ وذروا البیع۔ (جمعہ)

اے ایمان والو جب جمعہ کے روز نماز (جمعہ) کے
لئے اذان کہی جایا کرے تو تم اللہ کی یاد یعنی نماز
وخطبہ کی طرف فوراً چل پڑا کرو اور خرید و فروخت

(اور اسی طرح دوسرے مشاغل جو چلنے سے مانع ہوں) چھوڑ دیا کرو۔

پھر سنت نے نماز جمعہ اور خطبہ کی عملی کیفیت واضح فرمائی۔

اور قرآن کریم نے ”صلوة الخوف“ کا حکم بھی بیان فرمایا ہے یعنی جب میدان جنگ میں دشمن سامنے

موجود ہو (اور تمام مسلمان ایک ہی امام کے پیچھے نماز پڑھنا چاہتے ہوں) تو اس وقت نماز کی کیا صورت ہو؟۔

واذا ضربتم فی الارض فلیس علیکم

جناح ان تقصروا من الصلوة ان

خفتم ان یفتنکم الذین کفروا

ان الکافرین کانوا لکم عدواً

مبیناہ واذاکنت فیہم فاقمت

لہم الصلوة فلتقم طائفۃ

منہم معک ولیأخذوا اسلحتہم

فاذا سجدوا فلیکونوا من ورائکم

ولتات طائفۃ اخری لریصلوا

فلیصلوا معک ولیأخذوا جزؤہم

اور جب تم زمین میں سفر کرو سو تم کو اس میں کوئی

گناہ نہ ہوگا کہ تم نماز کو کم کرو اگر تم کو یہ اندیشہ

ہو کہ تم کو کافر لوگ پریشان کریں گے بلاشبہ

کافر لوگ تمہارے صریح دشمن ہیں۔ اور جب

آپ ان میں تشریف رکھتے ہوں پھر آپ ان کو

نماز پڑھانا چاہیں تو یوں چلیے کہ ان میں سے

ایک گروہ تو آپ کے ساتھ کھڑے ہو جائیں اور

وہ لوگ ہتھیار لے لیں پھر جب یہ لوگ سجدہ

کر چکیں تو یہ لوگ تمہارے پیچھے ہو جائیں اور

دوسرا گروہ جنہوں نے ابھی نماز نہیں پڑھی آجائے

اور آپ کے ساتھ نماز پڑھ لیں اور یہ لوگ اپنے
بچاؤ کا سامان اور اپنے ہتھیار لے لیں۔

وَالسَّلَاحُ لَهُمْ۔

(تلاء)

پھر فرمایا:-

فَإِذَا أَطْمَأْنَنْتُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ
إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ
كِتَابًا مَوْقُوتًا۔

پھر جب تم مطمئن ہو جاؤ تو نماز کو قاعدہ کے
موافق پڑھنے لگو یقیناً نماز مسلمانوں پر فرض ہے
اور وقت کے ساتھ محدود ہے۔

قرآن کریم نے نماز کے لئے طہارت اور پانی کو شرط قرار دیا ہے:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى
الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ
وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا
بُرُوسَكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ وَإِنْ
كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَى
أَوْ عَلَى سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ
الْمَخَالِطِ أَوْ لَا مَسَاءَ لِلنِّسَاءِ فَلَمْ
تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا
فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ مِنْهُ
(مائہ)

اے ایمان والو جب تم نماز کو اٹھنے لگو تو اپنے
چہروں کو دھوؤ اور اپنے ہاتھوں کو بھی کہنیوں
سمیت اوپار اپنے سروں پر ہاتھ پھیرو اور اپنے
پیروں کو بھی نخنوں سمیت اور اگر تم جنابت کی
حالت میں ہو تو سارا بدن پاک کرو اور اگر تم بیمار
ہو یا حالت سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی شخص استنجے
سے آیا ہو یا تم نے بیبیوں سے قربت کی ہو پھر تم
کو پانی نہ ملے تو تم پاک زمین سے تمیم کر لیا کرو یعنی
اپنے چہروں اور ہاتھوں پر ہاتھ پھیر لیا کرو
اس زمین پر سے۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا
الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَى وَلَا جُنُبًا
لَا عَابِرِي سَبِيلٍ حَتَّى تَغْتَسِلُوا وَإِنْ
كُنْتُمْ مَرْضَى أَوْ عَلَى سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ
مِنْكُمْ مِنَ الْمَخَالِطِ أَوْ لَا مَسَاءَ لِلنِّسَاءِ
فَلَمْ يَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا
لَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ (نساء)

اے ایمان والو تم نماز کے پاس بھی ایسی حالت
میں مت جاؤ کہ تم نشہ میں ہو یہاں تک کہ تم
سمجھنے لگو کہ منہ سے کیا کہتے ہو اور حالت جنابت
میں بھی باستثناء تمہارے مسافر ہونے کی حالت
کے یہاں تک کہ غسل کر لو اور اگر تم بیمار ہو یا حالت
سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی شخص استنجے سے
آیا ہو یا تم نے بیبیوں سے قربت کی ہو پھر تم کو

پانی نہ ملے تو تم پاک ذہین سے تیمم کر لیا کرو (یعنی اپنے چہروں اور ہاتھوں پر پھیر لیا کرو۔
ایک اور جگہ ارشاد فرمایا :-

وَتِيَابِكُمْ فَطَهِّرْ (مدثر) اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو۔

اور حدیث نے ان تمام طہارات کو قوی اور عملی طور پر واضح فرمایا۔

قرآن کریم نے نماز کے لئے تریں (لباس پہننے) کو ضروری قرار دیا ہے :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا صَلَّيْتُمْ كُنْتُمْ مُسَبِّحِينَ (اعراف) اے اولاد آدم کی تم مسجد کی ہر حاضری کے وقت

مسجد (اعراف) اپنا لباس پہن لیا کرو۔

پھر حدیث نے یہ بتلایا کہ اس زینت کی واجب مقدار کیا ہے۔

قرآن کریم نے ہر نمازی کے لئے یہ ضروری قرار دیا ہے کہ وہ نماز پڑھتے ہوئے مسجد حرام کا رخ کرنے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شروع میں بیت المقدس کا رخ فرمایا کرتے تھے پھر قرآن نے اس مسجد
حرام کا رخ کرنے کا حکم دیا جو حضرت ابراہیمؑ و اسماعیل علیہما السلام نے تعمیر فرمائی تھی اور وہی
دنیا کی پہلی مسجد ہے :-

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (نمازیں) مسجد حرام (کعبہ) کی طرف
وحيثما كنتم فولتوا وجوهكم شطرًا (مسجد حرام) کی طرف کیا کرو۔
پھر اپنا چہرہ (نمازیں) مسجد حرام (کعبہ) کی طرف
کیا کیجئے اور تم سب لوگ جہاں کہیں بھی موجود

پھر حدیث نے چند ایسی نمازیں بھی بتلائیں جو واجب نہیں، نقل یا سنت ہیں، ان میں سے بعض
تو فرض نمازوں کے آگے پیچھے پڑھی جاتی ہیں اور بعض ایسی ہیں جو کسی فرض نماز کے ساتھ متصل نہیں
مثلاً نماز عید۔

روزہ

"صوم" عربی زبان کا لفظ ہے جس کے لغوی معنی کسی چیز سے رک جانے یا اسے چھوڑ دینے کے آتے
ہیں، اسی وجہ سے روزہ کو صوم کہتے ہیں کیونکہ اس میں انسان تین قسم کی خواہشات نفسانی
کو چھوڑ دیتا ہے،

روزہ اسلام سے پہلے بھی عرب میں معروف تھا، امام بخاریؒ نے حضرت عائشہؓ سے ایک روایت
نقل فرمائی ہے، وہ فرماتی ہیں کہ قریش زمانہ جاہلیت میں محرم کی دسویں تاریخ کا روزہ رکھا کرتے

تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسے فرض قرار دیا، یہاں تک کہ جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشورا کے روزے کے بارہ میں اختیار دیدیا کہ جو چاہے رکھے اور جو چاہے نہ رکھے،

محمد بن اسحاقؒ نے آغاز وحی کا قصہ بیان کرتے ہوئے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال میں ایک مہینہ غار حرا میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے زمانہ جاہلیت میں قریش کی عبادت گزاری کا طریقہ یہی تھا چنانچہ آپ ہر سال ایک مہینے کے لئے وہاں اعتکاف فرماتے تھے اور ہر آنے والے سکین کو کھانا کھلایا کرتے تھے الخ اور یہی مہینہ رمضان کا تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قریش زمانہ جاہلیت میں روزہ کی عبادت کیا کرتے تھے،

اللہ تعالیٰ نے فرض روزوں کے لئے اسی مہینے کو پسند فرمایا جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف فرماتے تھے، اسی مہینے میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو رسالت کا شرف بھی عنایت کیا، سورہ بقرہ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَعْدُودَاتُ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرٍ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ وَإِنْ تَصَوْمُوا خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ هَذَا شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِنَ الْهُدَى وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرٍ يُدْأَى اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَى

اے ایمان والو تم پر روزہ فرض کیا گیا جس طرح تم سے پہلے (امتوں کے) لوگوں پر فرض کیا گیا تھا اس موقع پر کہ تم (روزہ کی بدولت رفتہ رفتہ) متقی بن جاؤ پھر پڑے دنوں روزہ رکھ لیا کرو پھر (اس میں بھی اتنی آسانی) جو شخص تم میں (ایسا) بیمار ہو (جس میں روزہ رکھنا مشکل یا مضر ہو) یا (شرعی) سفر میں ہو تو دوسرے ایام کا شمار (کر کے ان میں روزہ) رکھنا اس پر واجب ہے اور دوسری آسانی جو بعد میں منسوخ ہو گئی یہ ہے کہ جو لوگ روزہ کی طاقت رکھتے ہوں ان کے ذمہ فدیہ ہے کہ وہ ایک غریب کا کھانا (کھلا دینا یا دیدینا ہے) اور جو شخص خوشی سے (زیادہ) خیر کرے (کہ زیادہ فدیہ دے) تو اس شخص کے لئے اور بھی زیادہ بہتر ہے اور تمہارا

سُورِدْ بِكُمُ الْعُسْرُ وَتُكْفِرُوا الْعُسْرَ
وَتُكْبِرُوا اللَّهَ عَلَى مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ
تَشْكُرُونَ - (بقرہ)

روزہ رکھنا (اس حال میں) زیادہ بہتر ہے اگر تم
روزے کی فضیلت کی (خبر رکھتے ہو) وہ تھوڑے
دن (ماہ رمضان ہے جس میں قرآن مجید بھیجا گیا ہے)

جس کا (ایک) وصف یہ ہے کہ لوگوں کے لئے (ذریعہ) ہدایت ہے اور (دوسرا وصف) واضح الدلالة
بجملہ ان کتب کے جو کہ (ذریعہ) ہدایت (بھی ہیں) اور (حق و باطل میں) فیصلہ (کرنے والی بھی) ہیں سو
جو شخص اس ماہ میں موجود ہو اس کو ضرور اس میں روزہ رکھنا چاہیے اور جو شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو تو
دوسرے ایام کا (اتنا ہی) شمار (کر کے ان میں روزہ) رکھنا (اس پر واجب ہے) اللہ تعالیٰ کو تمہارے
ساتھ (احکام میں) آسانی کرنا منظور ہے اور تمہارے ساتھ (احکام و قوانین مقرر کرتے ہیں) منظور
نہیں اور تاکہ تم لوگ (ایام اور یا قضا کی) شمار کی تکمیل کر لیا کرو (تاکہ ثواب میں کمی نہ رہے) لہذا تم لوگ
اللہ تعالیٰ کی بزرگی (روشنا) بیاں کیا کرو اس پر کہ تم کو (ایک ایسا طریقہ بتلا دیا جس سے تم برکات
و ثمرات صیام رمضان سے محروم نہ ہو گے) اور عذر سے کامل رمضان میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت
اس لئے دیدی تاکہ تم لوگ (اس نعمت آسانی پر اللہ کا) شکر ادا کیا کرو۔

غالباً سنت نے انہیں حکم دیا تھا کہ وہ رمضان کی راتوں میں بھی اپنی عورتوں سے جماع نہ کریں
پھر قرآن کریم نے اُن سے اس سختی کو بھی ختم فرما دیا اور ارشاد ہوا :-

أَحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَى
نِسَائِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ
لَهُنَّ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُونَ
أَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ
فَإِنْ بَاشَرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ
اللَّهُ لَكُمْ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ تَبَيِّنَ لَكُمْ
الْحَبِطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْحَبِطِ الْأَسْوَدِ مِنَ
الْفَجْرِ ثُمَّ أَتُمُوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ
وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ -

تم لوگوں کے واسطے روزہ کی شب میں اپنی بیبیوں
سے مشغول ہونا حلال کر دیا گیا کیونکہ وہ تمہارے
(بجائے) اوڑھنے بچھونے (کے) ہیں اور تم ان
کے (بجائے) اوڑھنے بچھونے (کے) ہو خدا تعالیٰ
کو اسکی خیر تھی کہ تم خیانت (کر) کے گناہ میں
اپنے کو مبتلا کر رہے تھے (مگر) خیر اللہ تعالیٰ نے
تم پر عنایت فرمائی اور تم سے گناہ کو دھو دیا سو
اب ان سے طمعلو اور جو (قانون اجازت) تمہارے
لئے تجویز کر دیا ہے (بلا تکلف) اس کا سامان کر

اور کھاؤ اور پیو (بھی) اس وقت تک کہ تم کو سفید خط (یعنی نور) صبح (صادق) تمیز ہو جائے سیاہ خط
سے پھر (صبح صادق سے) رات تک روزہ کو پورا کیا کرو اور ان بیبیوں سے اپنا بدن بھی مت ملنے دو

جس زمانہ میں کہ تم اعتکاف والے ہو مسجدوں میں
فی المساجد (بقرہ)

رمضان کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بعض ایام کے روزے مستنون قرار دیئے ہیں۔
روزہ کی فرضیت سلمہ میں ہوئی ہے۔

حج اور عمرہ

ہر صاحب مذہب قوم کچھ خاص مقامات مقرر کر لیتی ہے تاکہ وہاں اجتماعی طور پر اللہ کی عبادت
کرے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :-

وَنُكَلِّ اُمَّةًۭۙ جَعَلْنَا مَنَسَكًا۟ لِّیْذَكُرُوْا
اِسْمَ اللّٰهِ عَلٰی مَا رَزَقْنٰهُمْ مِنْۢ بَهِیْمَةٍ
اَلَا تَفْحَامُ
(حج)

اور فرمایا :-

لَکُمْ اُمَّةٌۭ جَعَلْنَا مَنَسَکًا۟ لَّہُمْ نَاسُکُوْۤہُ (حج)
ہر امت کے واسطے ذبح کرنے کا طریق مقرر کیا ہے کہ وہ اسی طریقہ پر ذبح کیا کرتے تھے۔

اسی طرح اہل عرب کی بھی ایک عبادت گاہ تھی جس کا نام "البیت الحرام" تھا، اس کی تعمیر حضرت ابراہیم
اور ان کے صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہما السلام نے کی تھی، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :-

وَ اذِیْرَفِعْ اِبْرٰہِیْمَ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ
وَ اِسْمٰعِیْلَ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ
السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ رَبَّنَا وَ جَعَلْنَا مُسْلِمِیْنَ
لَکَ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِنَا اُمَّةًۭۙ مُّسْلِمَةً لَّکَ
وَ اَرْنَا مَنَاسِکَنَا وَ تَبَّ عَلَیْنَا اِنَّکَ اَنْتَ
التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ (بقرہ)

اور جبکہ اٹھارہ تھے ابراہیم (علیہ السلام) دیوارین
خانہ کعبہ کی اور اسماعیلؑ بھی (اور یہ کہتے جاتے تھے
کہ) اے ہمارے پروردگار (یہ خدمت) ہم سے
قبول فرمائے بلاشبہ آپ خوب سننے والے ہیں جاننے
والے ہیں اے ہمارے پروردگار ہم کو اپنا اور زیادہ
مطیع بنالیجئے اور ہماری اطاعت میں سے بھی ایک ایسی

جماعت (پیدا) کیجئے جو آپ کی مطیع ہو اور نیز ہم کو ہمارے حج (وغیرہ) کے احکام بھی بتلا دیجئے اور ہمارے
حال پر توجہ رکھئے (اور) فی الحقیقت آپ ہی ہیں توجہ فرمانے والے مہربانی کرنے والے۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے :-

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي
بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ فِيهِ
آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَّقَامُ اِبْرَاهِيمَ وَمَنْ
دَخَلَهُ كَانَ اٰمِنًا (آل عمران)

ایک مقام ابراہیم ہے اور جو شخص اس میں داخل ہو جائے وہ امن والا ہو جاتا ہے۔

ایک اور جگہ فرمایا :-

وَاذْكُرْنَا اَنَّا اِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَلَا
تَتْلُوْنَ شَيْئًا وَطَهَّرَ بَيْتِي لِّلطَّائِفِينَ
وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ وَاذْكُرْنَا
فِي النَّاسِ بِاَلْحَجِّ يَا تُوَكِّلُ رَجَالًا وَعَلَى
كُلِّ صَامِرٍ يَاتِيْنِ مِنْ كُلِّ فِتْعٍ عَمِيْقٍ
لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا
اَسْمَ اللّٰهِ فِيْ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمَاتٍ عَلَى
مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْاَنْعَامِ
فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعَمُوْا اِلَآئِسَ الْفَقِيْرَ ثُمَّ
لِيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلِيُوفُوا نَّذْرَهُمْ
وَلِيُطَوُّوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ (حج)

اور (اس لئے آویں گے) تاکہ ایام مقررہ (یعنی ایام

قربانی) میں ان مخصوص جو یا یوں پر (ذبح کے وقت اللہ کا نام لیں یعنی بسم اللہ اللہ اکبر کہیں) جو اللہ تعالیٰ

نے ان کو عطا کئے ہیں سو ان (قربانی کے) جانوروں میں سے (تم کو) کبھی (اجازت مع الاستحباب ہے کہ)

کھایا کرو (اور مستحب یہ ہے کہ) مصیبت زدہ محتاج کو کبھی کھلایا کرو پھر لوگوں کو چاہیے کہ اپنا میل کچیل دوش

کردیں اور اپنے واجبات کو پورا کریں اور (انہی ایام معلومات میں) اس ماموں گھر (یعنی خانہ کعبہ) کا طواف کریں

حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کے زمانے سے لے کر اہل عرب اسی طرح کرتے

چلے آئے، البتہ انھوں نے حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کے طریقہ حج کو بہت کچھ تبدیل کر دیا تھا

اللہ تعالیٰ کے ساتھ بتوں کو شریک ٹھہرا کر ان کی پرستش شروع کر دی تھی اور بیت اللہ میں نیز اس کے

یقیناً وہ مکان جو سب پہلے لوگوں کے واسطے مقرر

کیا گیا وہ مکان ہے جو کہ مکہ میں ہے جس کی حالت

یہ ہے کہ وہ برکت والہ ہے اور جہان بھر کی

ہوتا ہے اس میں کھلی نشانیاں ہیں بخلاف ان کے

ایک مقام ابراہیم ہے اور جو شخص اس میں داخل ہو جائے وہ امن والا ہو جاتا ہے۔

ایک اور جگہ فرمایا :-

اور جبکہ ہم نے ابراہیم کو خانہ کعبہ کی جگہ بتلادی اور حکم

دیا کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک مت کرنا یہ

ان کے مابعد والوں کو سنانا ہے اور میرے اس گھر

کو طواف کرنے والوں کے اور (نمازیں) قیام و

رکوع و سجدہ کرنے والوں کے واسطے پاک رکھنا

اور (ابراہیم سے یہ بھی کہا گیا کہ) لوگوں میں حج کے

فرض ہونے کا اعلان کر دو لوگ تمہارے پاس

(حج کو) چلے آویں گے پیادہ بھی اور دہلی اونٹنیوں

پر بھی جو کہ دور و دراز راستوں سے پہنچی ہوں گی

تاکہ اپنے (دینیہ و دنیویہ) فواید کے لئے آمو جو دیوں

اور (اس لئے آویں گے) تاکہ ایام مقررہ (یعنی ایام

قربانی) میں ان مخصوص جو یا یوں پر (ذبح کے وقت اللہ کا نام لیں یعنی بسم اللہ اللہ اکبر کہیں) جو اللہ تعالیٰ

نے ان کو عطا کئے ہیں سو ان (قربانی کے) جانوروں میں سے (تم کو) کبھی (اجازت مع الاستحباب ہے کہ)

کھایا کرو (اور مستحب یہ ہے کہ) مصیبت زدہ محتاج کو کبھی کھلایا کرو پھر لوگوں کو چاہیے کہ اپنا میل کچیل دوش

کردیں اور اپنے واجبات کو پورا کریں اور (انہی ایام معلومات میں) اس ماموں گھر (یعنی خانہ کعبہ) کا طواف کریں

حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کے زمانے سے لے کر اہل عرب اسی طرح کرتے

چلے آئے، البتہ انھوں نے حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کے طریقہ حج کو بہت کچھ تبدیل کر دیا تھا

اللہ تعالیٰ کے ساتھ بتوں کو شریک ٹھہرا کر ان کی پرستش شروع کر دی تھی اور بیت اللہ میں نیز اس کے

اس پاس صفامردہ پر ہیشمار بت رکھ چھوڑے تھے اور یہ کہتے تھے کہ یہ تقرب الی اللہ کا ذریعہ میں انھوں نے شائع کرچ کر بدل ڈالا تھا اور چوپایوں کو ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کے بجائے بتوں کا نام لیا کرتے تھے پھر چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شہادت ابراہیمی کی تجدید کرنے کے لئے مبعوث فرمائے گئے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ علی صاحبہا السلام کے لئے بھی بیت اللہ کو عبادت گاہ قرار دیدیا اور یہاں آکر حج و عمرہ کرنے کا حکم دیا:-

اور اللہ کے واسطے لوگوں کے ذمہ اس مکان کا حج کرنا ہے یعنی اس شخص کے ذمہ جو کہ طاقت رکھے وہاں تک سبیل کی اور جو شخص منکر ہو تو اللہ تعالیٰ تمام جہاں والوں سے غنی ہیں۔

وَاللّٰهُ عَلَى النَّاسِ حَجُّ الْبَيْتِ مِنْ اسْتِطَاعٍ اِلَيْهِ سَبِيْلًا وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِيْنَ ۔
(آل عمران)

نیز فرمایا:-

وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ (بقرہ)

حج و عمرہ کو اللہ کے لئے پورا کرو۔
اس کے علاوہ توحید کا حکم دیا اور ان افعال سے منع فرمایا جو اہل جاہلیت کیا کرتے تھے، تو تم لوگ گندگی سے یعنی بتوں سے (بالکل) کنارہ کش رہو اور جھوٹی بات سے کنارہ کش رہو اس طور سے کہ اللہ ہی کی طرف جھکے رہو (اور) اس کے ساتھ شریک مت بھراؤ اور جو شخص اللہ کے ساتھ شریک کرتا ہے تو گویا وہ آسمان سے گر پڑا پھر پرندوں نے اس کی بوٹیاں نوح لیں یا اس کو ہوائے کسی دور دراز جگہ میں لے جا بیٹھا۔

فاجتنبوا الرِّجْسَ مِنَ الْكَاثِرَاتِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ حَتَّىٰ تَخْضَعُوا لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهِ وَمَنْ يَشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ وَتَخْطَفُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوٰى بِهٖ الرَّيْحُ فِى مَكَانٍ سَحِيْقٍ
(حج)

حج کا وقت اور اس کے آداب اس طرح بیان فرمائے:-

(زمانہ) حج چند مہینے میں جو معلوم ہیں (شوال ذی قعدہ ذی الحجہ کی دس تاریخیں) سو جو شخص ان میں حج مقرر کرے تو پھر (اسکو) نہ کوئی فحش بات بجاؤ

الْحَجُّ أَشْهُدٌ مَّعْلُومَاتٌ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِى الْحَجِّ (بقرہ)

ہے اور نہ کوئی بے حکمی درست ہے اور نہ کسی قسم کا نزاع زیبا ہے۔
پھر حج کی عبادت کے طریقے اور مقامات مقدسہ بیان فرمائے:-

(۶۰) اِنَّ الصَّافِیَّاتِ الْمُرَوَّۃَ مِنْ شَعَائِرِ
اللّٰهِ فَمَنْ حَاجَّ الْبَیْتَ اَوْ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ
عَلَیْهِ اَنْ یَّطُوَّفَ بِهَآ وَّمِنْ تَطَوُّعٍ
خَیْرًا فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِیْمٌ (بقرہ)

تحقیقاً صفا اور مروہ منجملہ یادگار (دین) خداوندی
ہیں سو جو شخص حج کرے بیت (اللہ) کا یا اس
کا (عمرہ کرے اس پر ذرا بھی گناہ نہیں ان دونوں
کے درمیان آمد و رفت کرنے میں (جس کا نام سعی ہے)
اور جو شخص خوشی سے کوئی امر خیر کرے حق تعالیٰ (اس کی بڑی) قدر دانی کرتے ہیں۔

(ب) فَاِذَا اَفْضَيْتُمْ مِنْ عَرَفَاتٍ
فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ
وَازْكُرُوْهُ كَمَا هَدَاكُمْ وَاَنْ كُنْتُمْ
مِّنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الضَّآلِّیْنَ ثُمَّ اَفِضُوا مِنْ
حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا لِلّٰهِ
اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ فَاِذَا قَضَيْتُمْ مِنْ سَكَمِ
فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اَبَاءَكُمْ وَاَشَدَّ
ذِكْرًا (بقرہ)

پھر جب تم لوگ عرفات سے واپس آنے لگو تو
مشعر حرام کے پاس (مزدلفہ میں شرب کو قیام کے)
خدا تعالیٰ کی یاد کرو اور اس طرح یاد کرو جس طرح
تم کو بتلا رکھا ہے (نہ یہ کہ اپنی رائے کو دخل دو)
اور حقیقت میں قبل اس کے تم محض ہی ناواقف
تھے پھر تم سب کو ضرور ہے کہ تم سب اسی جگہ ہو کر
واپس آؤ جہاں اور لوگ جا کر وہاں سے واپس
آتے ہیں (اور حج میں پرانی رسموں پر عمل کرنے سے)

خدا تعالیٰ کے سامنے توبہ کرو یقیناً اللہ تعالیٰ معاف کریں گے اور مہربانی فرمائیں گے پھر جب تم اپنے اعمال
حج پورے کر چکا کرو تو حق تعالیٰ کا ذکر کیا کرو جس طرح تم اپنے آباء (واجداد) کا ذکر کیا کرتے ہو بلکہ یہ ذکر اس سے
(بدجہا) بڑھ کر ہے۔

(ج) وَازْكُرُوا اللّٰهَ فِیْ اَیَّامٍ مَّعْدُوْدَاتٍ
فَمَنْ تَعَجَّلَ فِیْ یَوْمَیْنِ فَلَا اِثْمَ عَلَیْهِ وَمَنْ
تَاَخَّرَ فَلَا اِثْمَ عَلَیْهِ مِمَّنْ اَتَّقٰ
(بقرہ)

اور اللہ تعالیٰ کا ذکر دیکھی روز تک پھر جو شخص دو دن
میں (مکہ واپس آنے میں) تعجل کرے اس پر بھی
کچھ گناہ نہیں اور جو شخص دو دن میں تاخیر کرے
اس پر بھی کچھ گناہ نہیں اس شخص کی واسطے جو (خدا سے) ڈرے
یہ بات بھی ہو چکی اور (قربانی کے جانور کے متعلق
اور سن لو کہ) جو شخص دین خداوندی کے ان
(مذکورہ) یادگاروں کا پورا لحاظ رکھے گا تو ان کا
یہ لحاظ رکھنا خدا تعالیٰ سے دل کے ساتھ ڈرنے

ذالک وَاَمِنْ یُعْظَمُ شَعَائِرُ اللّٰهِ
فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوٰی الْقُلُوْبِ لَكُمْ فِیْهَا
مَنَافِعٌ اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی ثُمَّ مَحَلُّهَا اِلٰی
الْبَیْتِ الْعَتِیْقِ۔ (ج)

سے ہوتا ہے تم کو ان سے ایک معین وقت تک فواید حاصل کرنا جائز ہے پھر (یعنی بعد ہری بننے کے) اسے

ذبح ہونے کا موقع بیت متیق کے قریب ہے
(۵) وَالْبُذُنَ جَعَلْنَاهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَائِرِ
اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ
عَلَيْهَا صَوَافٍ فَاِذَا وَجِبَتْ جُنُوبُكُمْ
فَاُكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الطَّاعَ وَالْمَعْتَرِ
(حج)

اور قربانی کے اونٹ اور گائے اور اسی طرح بھیڑ
اور بکری کو بھی ہم نے اللہ کے دین کی یادگار بنایا ہے
ان جانوروں میں تمہارے (اور بھی) فایده ہیں سو تم
ان پر کھڑے کر کے ذبح کرنے کے دن اللہ کا نام
لیا کرو پس جب وہ (کسی) کروٹ کے بل گر پڑیں

(اور ٹھنڈے ہو جائیں) تو تم خود ہی کھاؤ اور بے سواالی اور سواالی (محتاج) کو بھی کھانے کو دو۔

(۶) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحْلُوا
شَعَائِرَ اللّٰهِ وَلَا الشُّهُرَ الْحَرَامَ وَلَا
الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَائِدَ وَلَا أَمْثِلَ
الْحَرَامِ يَتَّبِعُونَ فَضْلًا مِّن رَّبِّهِمْ
وَمَرْضَاؤًا۔ (مائدہ)

اے ایمان والو! بے حرمتی نہ کرو خدا پر تعالیٰ کے
نشانیوں کی اور نہ حرمت والے مہینہ کی اور نہ
حرم میں قربانی ہونے والے جانور کی اور نہ
ان جانوروں کی جن کے گلے میں پٹے پڑے ہوں
اور نہ ان لوگوں کی جو کہ بیت الحرام کے قصد سے

جسارہ ہوں اپنے رب کے فضل اور رضا مندی کے طالب ہوں۔

(۷) جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ
قِيَامًا لِلنَّاسِ وَالشُّهُرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ
وَالْقَلَائِدَ

اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو جو کہ ادب کا مکان ہے لوگوں
کے قیام رہنے کا سبب قرار دیدیا اور عزت والے
مہینہ کو بھی اور حرم میں قربانی ہونے والے
جانور کو بھی اور ان جانوروں کو بھی جنکے گلے میں پٹے ہیں۔

(مائدہ)

احصاء اور تنسیخ کے احکام اس طرح بیان فرماتے۔

فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ
وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ
مَحَلَّهُ فَمِنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيضًا اَوْ بِهِ
اَذًى مِّنْ رُّاسِهِ فَعِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ

پھر اگر (کسی دشمن یا مرض کے سبب) روک دئے جاؤ
تو قربانی کا جانور جو کچھ میسر ہو ذبح کرے
اور اپنے سروں کو اس وقت تک مت منڈاؤ جب
تک کہ قربانی اپنے موقع پر نہ پہنچ جائے

لے احصاء کا مطلب یہ ہے کہ احرام باندھنے کے بعد کسی کو کوئی ایسا عذر پیش آجائے جس سے وہ طواف
سعی اور وقوف عرفات پر قادر نہ رہے مترجم لے تنسیخ کا مطلب یہ ہے کہ پہلے عمرہ کا احرام باندھا جائے
اور مکہ میں عمرہ ادا کر کے حج کے لئے دوسرا احرام باندھیں ۱۲

أَوْ صَدَقَهُ أَوْ نُسِكَ فَإِذَا مَنَعْتُمْ فَمَنْ
تَمَنَّعَ بِالْعَمَلِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ
الْهَدْيُ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ
أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ
عَشْرَةٌ كَامِلَةٌ ذَلِكَ مَنْ لَمْ يَكُنْ
أَهْلًا حَاضِرًا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ

(بقرہ)

(اور وہ موقع حرم ہے کہ کسی کے ہاتھ وہاں جالو
بھیج دیا جائے) البتہ اگر کوئی تم میں سے بیمار ہو
یا اس کے سر میں کچھ تکلیف ہو (جس سے پہلے
ہی سہمٹوانے کی ضرورت پڑ جائے) تو وہ
سہمٹو و اگر فدیہ (یعنی اس کا شرعی) دیرے (تین)
روزے سے یا (چھ مسکین کو) خیرات دیدت
یا (ایک بکری) ذبح کر دینے سے پھر جب اس

کی حالت میں ہو (یا تو پہلے ہی سے کوئی خوف پیش نہ آیا ہو یا ہو کر جاتا رہا ہو) تو جو شخص عمرہ سے
اس کی حج کے ساتھ ملا کر شفع ہوا ہو (یعنی ایام حج میں عمرہ بھی کیا ہو) تو جو کچھ قربانی میسر ہو (ذبح)
کرے (اور جس نے صرف عمرہ یا عرف حج کیا ہو) پیرج وغیرہ کے متعلق کوئی قربانی نہیں (پھر جس شخص
کو قربانی کا جانور میسر نہ ہو تو اس کے ذمہ تین دن کے روزے ہیں ایام حج میں اور سات میں جبکہ حج
سے تمہارا لوٹنے کا وقت آجائے یہ پورے دس ہوئے یہ اس شخص کے لئے ہے جس کے اہل (و عیال)
مسجد حرام (یعنی کعبہ) کے قریب میں نہ رہتے ہوں (یعنی قریب ہی کا وطن دار نہ ہو)

اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ کو "حرم" قرار دیا ہے :-

(۱) أَوَّلَهُ يَوْمًا وَآخِرُهُ يَوْمًا جَعَلْنَا حَرَمًا آمِنًا
وَيُحْفَظُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِ -
(عنکبوت)

کیا ان لوگوں نے اس بات پر نظر نہیں کیا کہ
ہم نے امن والا حرم بنایا ہے اور ان کے گرد و پیش
میں لوگوں کو نکالا جا رہا ہے۔

کیا ہم نے ان کو امن و امان والے حرم میں جگہ
نہیں دی جہاں ہر قسم کے پھل کچے چلے آتے
ہیں جو ہمارے پاس سے (یعنی ہماری قدرت
اور رزاقی سے) کھانے کو ملتے ہیں

(ب) أَوَّلَهُ يَوْمًا وَآخِرُهُ يَوْمًا جَعَلْنَا حَرَمًا آمِنًا
يُجِبِي إِلَيْهِ ثَمَرَاتُ كُلِّ شَيْءٍ رِزْقًا
مِّنْ لَّدُنَّا
(قصص)

اور جس شخص نے احرام باندھ لیا ہو اس کے لئے شکار کرنا ناجائز قرار دیا ہے، اگر کوئی ایسا
کر لے تو اس کے لئے ایک سزا تجویز فرمائی ہے :-

لے ایمان والو وحشی شکار کو قتل مت کرو جبکہ
تم حالت احرام میں ہو اور جو شخص تم میں اس کو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْتُلُوا
الصَّيْدَ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ وَمَنْ قَتَلَ مِنْكُمْ

مَتَعْتِدًا فِجْزَاءٍ مِّثْلَ مَا قَتَلَ مِنْ
النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِنْكُمْ
هَدْيًا بَالِغًا الْكَعْبَةِ أَوْ كَفَّارَةً طَعَامٍ
مِثْلَ مَا قَتَلَ ذَلِكُمْ صِيَامًا
(مائدہ)

جان بوجھ کر قتل کرے گا تو اس پر پاداش
واجب ہوگی جو کہ مساوی ہوگی اس جانور کے
جس کو اس نے قتل کیا ہے جس کا فیصلہ تم میں
سے دو معتبر شخص کر دیں خواہ وہ پاداش خاص
جو پایوں میں سے ہو بشرطیکہ نیاز کے طور پر

کعبہ تک پہنچائی جائے اور خواہ کفارہ مساکین کو دیدیا جائے اور خواہ اس کے برابر روزے رکھ لئے جائیں۔
حج ۱۰۰ میں فرض ہوا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی سال عمرہ کے لئے تشریف
لے گئے تھے مگر کفار مکہ نے آپ کو مکہ کے اندر داخل ہونے سے روک تھا پھر آپ نے اس عمرہ کی
قضاء شدہ میں فرمائی پھر ۱۰۰ میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حج کیا اور ۱۰۰ میں
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام مسلمانوں کے ساتھ بہ نفس نفیس حج کے لئے تشریف لے گئے یہی
”حجۃ الوداع“ تھا اسی میں آپ نے لوگوں کو حج کرنے کا طریقہ سکھایا اور فرمایا کہ ”مجھ سے اپنے
ارکان حج سیکھ لو“

حج کے مذکورہ بالا نظام میں مسلمانوں کے بہت سے فوائد تھے

حج کے فوائد

(۱) ایک تو خود اہل مکہ کو حجاج اور عمرہ کرنے والوں سے فائدہ پہنچتا ہے اس
لئے کہ مکہ مکرمہ ایک بے آب و گیاہ وادی ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کے لئے دعا فرمائی تھی کہ:-
رَبِّ اِنَّا اِنِّیْ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ - بَوَّاحٍ
غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ الْمَحَرَّمِ
رَبَّنَا لَیْقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ فَاجْعَلْ اُفْدَۃً
مِّنَ النَّاسِ تَهْوٰی اِلَیْہِم وَاَرْزُقْہِم
مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّہُمْ یَشْکُرُوْنَ (ابراہیم)
اے ہمارے رب میں اپنی اولاد کو آپ کے معظم گھر
کے قریب ایک (کف دست) میدان میں جو
زراعت کے قابل نہیں آباد کرتا ہوں اے ہمارے
رب تاکہ وہ لوگ نماز کا اہتمام رکھیں تو آپ کچھ
لوگوں کے قلوب ان کی طرف مائل کر دیجئے اور
ان کو (محض اپنی قدرت سے) پھل کھانے کو دیجئے تاکہ یہ لوگ (ان نعمتوں کا) شکر کریں۔

(۲) دوسرے تمام اہل عرب کا فائدہ تھا کہ وہ اس حج کی بدولت بہت سے فوائد حاصل کر سکتے
تھے تجارتی کاروبار اور ضروریات زندگی کا تبادلہ ان کے لئے آسان ہو جاتا ہے اس لئے بہت سے حجاج
موسم حج میں اپنا مال تجارت لے آتے ہیں اور ضرورت مند حضرات ان سے خرید لیتے ہیں پھر ان میں
سے ہر ایک شخص بے خوف و خطر ہوتا ہے کیونکہ وہ ایک حرمت والے مہینے میں اور حرمت والے

شہر میں ہوتے ہیں۔

(۳) تیسرا فائدہ تمام مسلمانوں کا ہے کہ وہ وہاں جمع ہو کر آپس میں متعارف ہوتے ہیں ان کی عبادت اور ان کا قلبہ ایکسہ ہوتا ہے، اسی بنا پر مکہ مکرمہ تمام مسلمانوں کا اجتماعی مرکز ہے اور سلطان دور واز کے مالکسہ یہاں پہنچتے ہیں اس طرح ہر انسان ہر شخص اپنی ضرورت کے مطابق دین و دنیا کی معلومات حاصل کر سکتا ہے، یہ کہدینا بعید از قیاس نہیں کہ حج کا دن تمام مسلمانوں کی عید کا دن اس لئے مقرر کیا گیا ہے کہ وہ سب کو اس سلسلہ حدت کی یاد دلاتا ہے اور جس طرح عید الفطر نزولِ قرآن کا آئنا یاد دلاتی ہے اس طرح یومِ حج نزولِ قرآن کے اختتام کی یاد تازہ کرتا ہے کیونکہ قرآن کریم رمضان میں نازل ہونا شروع ہوا اور یہ مبارک سلسلہ حج اکبر کے دن منقطع ہوا۔

زکوٰۃ

”زکوٰۃ“ کے لغوی معنی طہارت اور پاکیزگی، بڑھوتری، برکت اور تعریف کے آتے ہیں، ان میں سے ہر ایک معنی قرآن وحدیث میں مستعمل ہوئے ہیں۔ پھر شریعت نے اس لفظ کو مال کی اس مخصوص اور متعین مقدار کے لئے مستعار لے لیا ہے جو ایک کھٹا وہ دست انسان ہر سال صدقہ کرتا ہے اس لئے کہ یہ فعل اس کے مال کو پاک کر دیتا ہے اور اس میں بڑھوتری اور برکت پیدا کرتا ہے، قرآن کریم میں جہاں یہ لفظ استعمال ہوا ہے وہاں اس سے مراد یہی صدقہ کرنا ہے، قرآن کریم نے زکوٰۃ کو بھی اسی اہمیت سے ذکر فرمایا ہے جس اہمیت سے نماز کو، یہی وجہ ہے کہ اکثر و بیشتر کارا اور زکوٰۃ دونوں کا ذکر ایک ساتھ آیا ہے، البتہ بعض جگہوں پر صرف زکوٰۃ کا ذکر ہوتا ہے، بعض اوقات ”زکوٰۃ“ کے لفظ سے اور بعض اوقات ”صدقہ“ کے لفظ سے۔

وویل للمشرکین الذین لا یؤتین الزکاۃ (نقصلت)

اور ایسے مشرکوں کے لئے بڑی خرابی ہے جو زکوٰۃ نہیں دیتے۔

حُذِّ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةٌ تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا۔

آپ ان کے مالوں میں سے (جس کو یہ لائے ہیں) لے لیجئے جس کے (لینے کے) ذریعہ سے آپ ان کو (گناہ کے آثار سے) پاک و صاف کر دیں گے۔

(توبہ)

(۳) کُلُوا مِنْ ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ (انعام)

ان سب کی پیپا وار کھاؤ جب وہ نکل آئے اور اس میں جو حق (شرع سے) واجب ہے وہ

اس کے کاٹنے (توڑنے) کے دن مسکینوں کو دیا کرو۔

(۴) وَمَا اَتَيْتُمْ مِنْ رِبًّا لِيَرْجُوْا فِىْ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْجُوْا عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا اَتَيْتُمْ مِنْ زَكٰوةٍ تَرْسِدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ۔

(روم)

قرآن کریم نے یہ باتیں تفصیل سے بیان نہیں فرمائیں کہ کون سے اور کتنے مال میں کتنی زکوٰۃ واجب ہے؟ یہ باتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے معلوم ہوتی ہیں۔ آپ نے جن لوگوں کو زکوٰۃ وصول کرنے پر مامور فرمایا تھا انہیں ایک خط دیا تھا جس میں یہ تفصیلات درج تھیں البتہ قرآن کریم نے زکوٰۃ کے مصارف بیان فرمائے ہیں :-

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهِمَا وَالْمُؤْتَفَقَةِ قُلُوْبِهِمْ وَفِى السَّبِيْلِ وَالْغَارِمِيْنَ وَفِى سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةٌ مِّنْ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ۔

(توبہ)

زکوٰۃ کا نظام اسلام کا ایک حلیل القدر نظام ہے جس کی بدولت وہ بغض اور کینہ دور ہو جاتا ہے جو مالداروں کی طرف سے فقراء کے دل میں پیدا ہو سکتا ہے، اس نظام سے اُن لوگوں کی سرپرستی ہوتی ہے جو خود اپنی حاجتیں دور کرنے پر قادر نہیں ہوتے اور اس طرح ان کی بیشتر مصیبتوں کا ازالہ ہو جاتا ہے پھر اس نظام کی بدولت لوگوں میں اجتماعی مصلحتوں پر پیسہ خرچ کرنے کا مفید جذبہ پیدا ہوتا ہے اور اس طرح پورے معاشرے کی اصلاح کا دروازہ کھل جاتا ہے، بالخصوص ”زکوٰۃ“ کا وہ مصرف بڑا نفع بخش ہے جسے قرآن کریم نے ”فِى سَبِيْلِ اللّٰهِ“ کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔

اہل عرب میں پہلے سے جو نظام صدقہ تھا وہ یہ تھا کہ وہ اپنی کھیتوں اور جانوروں کی پیداوار میں سے حصہ ”فِى سَبِيْلِ اللّٰهِ“ کا مطلب یہ ہے کہ کسی ایسے محتاج شخص کو زکوٰۃ دی جائے جو کسی کار خیر میں لگا ہوا ہو اور اسے اس کا مالک بنادیا جائے ۱۲ محمد تقی عفی عنہ

ایک حصہ اللہ کے لئے نکالتے تھے اور ایک حصہ بتوں کے لئے اس کا پورا بیان آگے آئے گا۔

قرآن کریم کے مزید احکام قرآن کریم نے عبادات سے متعلق جو احکام دیئے ہیں ان میں سے ایک "نظام الایمان" (قسموں کا نظام) بھی ہے، سورہ بقرہ

میں ارشاد ہے :-

وَلَا تَجْعَلُوا لِلّٰهِ عُرْضَةً لِأَيْمَانِكُمْ أَنْ تَبَرُّوا وَتَتَّقُوا وَتُصْلِحُوا بَيْنَ النَّاسِ وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ وَلَا يُوَاخِذْكُمْ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَكِنْ يُوَاخِذْكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوبُكُمْ وَاللّٰهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ

اور اللہ کو اپنی قسموں کے ذریعہ سے ان امور کا جواب مت بناؤ کہ تم نیکی کے اور تقویٰ کے اور اصلاح فیما بین خلق کے کام کرنا اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتے ہیں اللہ تعالیٰ تم پر (آخرت میں) دار و گیر فرمائیں گے تمہاری قسموں میں ایسی (بیہودہ قسم پر لیکن دار و گیر فرما دیں گے اس (جہوٹی قسم) پر جس میں تمہارے دلوں نے (جھوٹ بولنے کا) ارادہ کیا اور اللہ تعالیٰ غفور میں حلیم ہیں۔

سورہ مائدہ میں ارشاد ہے :-

لَا يُوَاخِذْكُمْ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَكِنْ يُوَاخِذْكُمْ بِمَا عَقَّدْتُمُ الْأَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشْرَةِ مَسْكِينٍ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعَمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كَسْوَتُهُمْ أَوْ تَخْرِيرُ رَقَبَةٍ مَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ذَلِكَ كَفَّارَةُ أَيْمَانِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ وَاحْفَظُوا أَيْمَانَكُمْ كَذًا لَكُمْ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ

اور اللہ تعالیٰ تم سے مواخذہ نہیں فرماتے تمہاری قسموں میں لغو قسم پر لیکن مواخذہ اس پر فرماتے ہیں کہ تم قسموں کو مستحکم کر دو سو اس کا کفارہ دینا محتاجوں کو کھانا دینا اوسط درجہ کا جو اپنے گھر والوں کو کھانا دیا کرتے ہو یا ان کو کپڑا دینا یا ایک غلام یا لونڈی آزاد کرنا اور جن کو مقدور نہ ہو تو تین دن کے روزے ہیں یہ کفارہ ہے تمہاری قسموں کا جب کہ تم قسم کھاؤ اور اپنی قسموں کا خیال رکھا کرو اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے واسطے اپنے احکام بیان فرماتے ہیں تاکہ تم شکر کرو۔

اور سورہ تحریم میں ہے :-

قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ أَيْمَانِكُمْ كَهَوْلًا لِّعَلَّكُمْ تَزِنُونَ كَفَّارَةَ كَفَّارَةٍ مَّقَرَّرَةٍ مَّقَرَّرَةٍ

اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کے لئے تمہاری قسموں کا کھولنا یعنی قسم توڑنے کے بعد اس کے کفارہ کا طریقہ مقرر فرما دیا ہے۔

پھر سنت سے یہ معلوم ہوا کہ قسم صرف وہ معتبر ہے جو اللہ کے نام سے کھائی جائے۔

کون سے کھانے حلال ہیں اور کون سے حرام؟ قرآن کریم نے اسکی تفصیل بیان فرمائی ہے سورہ اعراف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا :-

وَيَحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتُ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ -

اور پاکیزہ چیزوں کو ان کے لئے حلال بتلاتے ہیں اور گندی چیزوں کو (بدستور) ان پر حرام فرماتے ہیں۔

سو جو چیزیں اللہ نے تم کو حلال اور پاک دی ہیں ان کو کھاؤ اور اللہ کی نعمت کا شکر کرو اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو تم پر تو صرف مردار کو حرام کیا ہے اور خوں کو اور خنزیر کے گوشت (وغیرہ) کو اور جس چیز کو غیر اللہ کے نامزد کر دیا گیا ہو پھر جو شخص کہ باطل بیقرار ہو جائے بشرطیکہ طالب لذت نہ ہو اور نہ حد (ضرورت) سے تجاوز کرنے

اور سورہ نحل میں فرمایا :-
فَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا
وَاشْكُرُوا لِنِعْمَةِ اللَّهِ إِنَّ كُنتُمْ
تَعْبُدُونَهُ أَتَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ
وَالذَّمَّ وَلَحْمَ الْخَنزِيرِ وَمَا غَيْرَ ذَلِكَ
فَمَنْ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ
فِيهِ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ -

والا ہو تو اللہ تعالیٰ بخش دینے والا مہربانی کرنے والا ہے۔

سورہ انعام میں ہے :-

آپ کہہ دیجئے کہ جو کچھ احکام بندیدہ وحی میرے ہیں آئے ہیں ان میں تو میں حرام غذا پاتا نہیں کسی کھانے والے کے لئے جو اس کو کھاوے مگر یہ کہ وہ مردار (جانور) ہو یا یہ کہ بہتا ہو یا خون ہو یا خنزیر کا گوشت ہو کیونکہ وہ باطل ناپاک ہے یا جو (جانور) شرک کا ذریعہ ہو کر غیر اللہ کے نامزد کر دیا گیا ہو پھر جو شخص بیتاب ہو جاوے بشرطیکہ نہ تو طالب لذت ہو اور نہ تجاوز کرنے والا ہو (قد ضرورت سے) تو واقعی آپ کا

قُلْ لَا أُحْدِثُ فِيمَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا
عَلَى طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ
مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ
خَنزِيرٍ فَإِنَّهُ رِجْسٌ أَوْ فِسْقًا
أَجْلًا لِّغَيْرِ اللَّهِ بِهِ فَمَنْ اضْطُرَّ
غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ -

رب غفور رحیم ہے۔

سورہ بقرہ میں فرمایا :-

اے ایمان والو جو (شرع کی رو سے) پاک چیزیں ہم نے تم کو مرحمت فرمائی ہیں ان میں سے (جو چاہو)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ
مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا لِلَّهِ إِنَّ كُنتُم مِّنْ

تَعْبُدُونَ أَتَاهُمْ عَلَيْكَ الْمُتَيَّةَ وَ
الدَّمَّ وَلَحْمَ الْخَنزِيرِ وَمَا أَهْلَ بِهِ
غَيْرِ اللَّهِ فَمَنْ اضْطَرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا
عَادٍ فَلَا أَثَمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ -

کھاؤ (برتنوں) اور حق تعالیٰ کی شکر گزاری کرو اگر
تم خاص ان کے ساتھ غلامی (کا تعلق) رکھتے
ہو اللہ تعالیٰ نے تو تم پر صرف حرام کیا ہے مردار کو
اور خون کو (جو بہتا ہو) اور خنزیر کے گوشت کو
(اسی طرح اس کے سب اجزاء کو بھی) اور ایسے جانور کو جو (بقصد تقرب) غیر اللہ کے نامزد کر دیا گیا ہو پھر
بھی جو شخص (بھوک سے بہت ہی) بیتاب ہو جائے بشرطیکہ نہ تو طالب لذت ہو اور نہ (قدر حاجت سے)
تجاوز کرنے والا ہو تو اس شخص پر کچھ گناہ نہیں ہوتا واقعی اللہ تعالیٰ میں بڑے غفور رحیم۔

سورہ مائدہ میں ارشاد ہے :-

حُرِّمَتْ عَلَيْكَ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ
الْخَنزِيرِ وَمَا أُهِلَ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ
وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْتُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ
وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا
ذَكَيْتُمْ وَمَا ذُكِيَ عَلَى النَّصَبِ

تم پر حرام کئے گئے ہیں مردار اور خون اور خنزیر کا
گوشت اور جو جانور کہ غیر اللہ کے نامزد کر دیا گیا ہو
اور جو گلا گھٹنے سے مر جاوے اور جو کسی ضرب سے
مر جائے اور جو ادبچے سے گر کر مر جائے اور جو کسی
ٹکڑے سے مر جاوے اور جس کو کوئی دہندہ کھلنے لگے
لیکن جس کو ذبح کر ڈالو اور جو جانور پرستش گاہوں پر ذبح کیا جائے اور یہ کہ تقسیم کرو بند بھروسہ کے تیروں کے

سورہ مائدہ ہی میں ہے :-

يَسْأَلُونَكَ مَاذَا أُحِلَّ لَهُمْ قُلْ أُحِلَّ
لَهُمُ الطَّيِّبَاتُ وَمَا عَلَّمْتُم مِّنَ الْجَوَارِحِ
مَكَلَّيْنِ تَعْلَمُونَهُنَّ مَا عَلَّمَ اللَّهُ فَكُلُوا
مِمَّا أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ
عَلَيْهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَرِيعٌ
الْحِسَابِ. أَلْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمْ الطَّيِّبَاتُ
وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ
لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَهُمْ -

ایک آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا کیا جانور ان کے
لئے حلال کئے گئے ہیں آپ فرما دیجئے کہ تمہاری
لئے کل حلال جانور حلال رکھے ہیں اور جن شکاری
جانوروں کو تم تعلیم دو اور تم ان کو چھوڑ دو بھی اور
ان کو اس طریقہ سے تعلیم دو جو تم کو اللہ تعالیٰ نے
تعلیم دیا ہے تو ایسے شکاری جانور جس شکار کو تمہارے
لئے پکڑیں اس کو کھاؤ اور اس پر اللہ کا نام بھی لیا
کرو اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو بیشک اللہ تعالیٰ

جلدی حساب لینے والے ہیں آج تمہارے لئے حلال چیزیں حلال رکھی گئیں اور جو لوگ کتاب دے گئے
ہیں ان کا ذبیحہ تم کو حلال ہے اور تمہارا ذبیحہ ان کو حلال ہے۔

اسی میں فرمایا :-

أَحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُ مَتَاعًا
لَكُمْ وَلِلْغَنَاقِ -
تمہارے لئے دریا کا شکار پکڑنا اور اس کا کھانا
حلال کیا گیا ہے تمہارے انتفاع کے واسطے
اور مسافروں کے واسطے۔

سورہ انعام میں ہے :-

فَكُلُوا مِمَّا ذَكَرَ اللَّهُ عَلَيْهِ إِنْ أَكْنْتُمْ
بَايَاتِهِ مُؤْمِنِينَ هُوَ مَا لَكُمْ أَلَا تَأْكُلُوا
مِمَّا ذَكَرَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ
لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرُّتُمْ
إِلَيْهِ -
سو جس جانور پر اللہ کا نام لیا جائے اس میں سے
کھاؤ اگر تم اس کے احکام پر ایمان رکھتے ہو اور تم
کو کون اس امر کا باعث ہو سکتا ہے کہ تم ایسے جانور
میں سے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو حالانکہ
اللہ تعالیٰ نے ان سب جانوروں کی تفصیل بتلا دی

ہے جس کو تم پر حرام کیا ہے مگر وہ بھی جب تم کو سخت ضرورت پڑ جائے تو لالہ ہے۔
پھر فرمایا :-

وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يَذْكُرْ اللَّهُ عَلَيْهِ
وَإِنَّهُ لَفَسْقٌ -
اور ایسے جانوروں میں سے مت کھاؤ جن پر
اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اور یہ امر بے حکمی ہے۔

مشروبات میں سے قرآن نے شراب کو حرام قرار دیا ہے۔

اس کے علاوہ قرآن کریم نے مشرکین کے بہت سے ایسے کھانوں کو ناجائز کہا ہے جو وہ اپنے
خود ساختہ معبودوں کے نام پر رکھا کرتے تھے پچانچہ سورہ انعام میں ہے :-

وَجَعَلَ اللَّهُ مَا ذَرَأَ مِنَ الْحَرْثِ وَ
الْأَنْعَامِ نَصِيبًا فَقَالُوا هَذَا لِلَّهِ بِزَعْمِهِمْ
وَهَذَا لِلشُّرَكَائِنَا فَمَا كَانَ لِشُرَكَائِهِمْ
فَلَا يَصِيلُ إِلَى اللَّهِ وَمَا كَانَ لِلَّهِ فَهُوَ يَصِيلُ
إِلَى شِرْكائِهِمْ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ -
اور اللہ تعالیٰ نے جو کھیتی اور مویشی پیدا کئے ہیں
ان لوگوں نے ان میں سے کچھ حصہ اللہ کا مقرر کیا
اور بزعم خود کہتے ہیں کہ یہ تو اللہ کا ہے اور یہ ہمارے
معبودوں کا ہے پھر جو چیز ان کے معبودوں کی
ہوتی ہے وہ تو اللہ کی طرف نہیں پہنچتی اور جو
چیز اللہ کی ہوتی ہے وہ ان کے معبودوں کی طرف پہنچ جاتی ہے انھوں نے کیا بری تجویز نکال رکھی ہے۔

پھر ارشاد ہوا :-

وَقَالُوا هَذِهِ الْأَنْعَامُ وَحَرِّثُ حِجْرًا
اور وہ اپنے (خیال باطل پر یہ بھی) کہتے ہیں کہ یہ

يُطْعِمُهَا الْآمَنُ نَشَاءُ بِيْزْمِهِمْ وَأَنْعَامُ
حَرَّمَ تَقْهَرُهَا وَأَنْعَامُ لَا يَذْكُرُونَ
اسم اللہ علیہا افتراء علیہ سیجزیہم
بما کا نوا یفترون، وقا لوا ما فی
بطون ہذا لا لانعام خالصۃ لذنکورنا
ومحرم علی أزواجنا وان یکن میتۃ
فہم فیہ مشرکاء سیجزیہم و صغیر
انہ حکیم علیم۔ قد خسر الذین قتلوا
أولادہم سفہا بغير علم وحرّموا
ما رزقہم اللہ افتراء علی اللہ قد
ضلّوا وما کا نوا مہتدین۔

(انعام)

تو اس سے (منتفع ہونے کے جوئے) میں (مرد و عورت) سب برابر ہیں ابھی اللہ تعالیٰ ان کو ان کی غلط بیانی
کی سزا دے دیتا ہے بلاشبہ وہ حکمت والا ہے وہ بڑا علم والا ہے، واقعی خرابی میں پڑ گئے وہ لوگ جنہوں نے
اپنی اولاد کو محض براہ حماقت بلا کسی سند کے قتل کر ڈالا اور جو (حلال) چیزیں ان کو اللہ تعالیٰ نے کھانے پینے
کو دی تھیں ان کو حرام کر لیا محض اللہ پر افتراء باندھنے کے طور پر بیشک یہ لوگ گمراہی میں پڑ گئے اور وہ
کبھی راہ پر چلنے والے نہیں ہوتے۔

پھر فرمایا:-

ومن الانعام حمولة وفرشا كلوا مما
رزقكم الله ولا تبعدوا خطوات
الشيطان انہ لکرمعد و مبین
ثانیۃ ازواج من الاضأن اثنین
ومن المعز اثنین قل الذکرین
حرّم اہم الا نشیین، نبؤنی بعلمان
کنتم صاوقین ومن الاول اثنین

اور مواشی میں اونچے قد کے اور چھوٹے قد کے
جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تم کو دیا ہے کھاؤ اور شیطان
کے قدم بقدم مت چلو بیشک وہ تمہارا صریح
دشمن ہے اور یہ مواشی آٹھ زرمادہ (پیدا کئے)
یعنی بھیر اور دنبہ میں دو قسم (زرمادہ) اور بکری
میں دو قسم (زرمادہ) آپ (ان سے) کہئے کہ کیا
اللہ تعالیٰ نے ان دونوں زروں کو حرام کیا ہے

ومن البقر اثنتین قل الذکرین حرم
 ام الاثنین اما شملت علیہ ارحام
 الاثنین۔

یادوں مادہ کو یا اس (بچہ) کو جس کو دونوں مادہ
 (اپنے) پیٹ میں لئے ہوئے ہیں تم مجھ کو کسی دلیل
 سے تو بتلاؤ اگر سچے ہو اور ادب میں دو قسم اور

گلے (بھینس) میں دو قسم آپ کہتے کہ کیا اللہ تعالیٰ نے ان دونوں نروں کو حرام کہا ہے یا دونوں مادہ کو یا
 اس (بچہ) کو جس کو دونوں مادہ (اپنے) پیٹ میں لئے ہوئے ہوں۔

اور سورہ مائدہ میں فرمایا :-

ما جعل اللہ من بحیرۃ ولا سائبۃ
 ولا وصیلۃ ولا حلیم ولیکن الدین کفر
 یفترون علی اللہ الکذب و اکثرھم
 لا یعقلون۔

اللہ تعالیٰ نے نہ بحیرہ کو مشروع کیا ہے اور نہ سائبہ
 کو اور نہ وصیلہ کو اور نہ حامی کو لیکن جو لوگ کافر
 ہیں وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ لگاتے ہیں اور اکثر
 کافر عقل نہیں رکھتے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین عرب نے اپنی کھیتوں اور جانوروں کی پیداوار کا ایک صدقائی نظام
 بنایا ہوا تھا کہ پیداوار کا ایک حصہ فقراء و مساکین پر تقسیم کر دیتے تھے اور دوسرا حصہ بتوں کے لئے ہوتا
 تھا جس کے مستحق اُن بتوں کے منتظم اور پاسبان لوگ سمجھے جاتے تھے پھر جو حصہ بتوں کے نام کا
 ہوتا تھا اسے ٹھیک ٹھیک ادا کرنے کا وہ پورا اہتمام کرتے تھے چنانچہ اس حصہ میں سے ایک حصہ بھی
 بتوں کے مجاورین کے علاوہ کسی کو نہیں دیتے تھے، مگر اللہ کے نام پر نکالے ہوئے حصہ کا یہ اہتمام نہ تھا
 چنانچہ اس میں سے اکثر و بیشتر بتوں کے منتظمین کو بھی حصہ مل جایا کرتا تھا۔
 دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ جو جانور اور کھیتیاں مشرکین غیر اللہ کے
 نام پر رکھ چھوڑتے تھے ان کی تین قسمیں تھیں۔

(۱) حجر، بد صرف وہی کھا سکتا تھا جسے یہ لوگ چاہیں۔

(۲) وہ چوپائے جن پر سوار بھی حرام کر لی گئی تھی۔

(۳) وہ چوپائے جن پر اللہ کا نام نہیں لیتے تھے۔

یہی وہ اقسام ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے سورہ مائدہ میں "بحیرہ"، "سائبہ"، "وصیلہ" اور "حامی"

کے نام سے ذکر فرمایا ہے۔

پھر تیسری آیت میں جانوروں کے اُن بچوں کا ذکر فرمایا گیا ہے جنہیں مشرکین صرف مردوں کے لئے
 خاص رکھتے تھے، مردان کا دودھ پی سکتے تھے مگر ان کی بیویوں پر یہ حرام کیا ہوا تھا کہ وہ اس سے کچھ

انتفاع حاصل کر سکیں۔

”اللہ تعالیٰ نے انہیں ان نامعقول حرکتوں پر زبرد تواریخ کی ہے جنہیں انہوں نے خود گھڑا تھا مگر اللہ کی طرف ان کی جھوٹی نسبت کرتے تھے۔“

ام كنتم شهداء اذ وصّاكم اللہ بھذا (انعام) کیا تم اس وقت حاضر تھے جس وقت اللہ تعالیٰ نے تم کو اس (تحریم و تحلیل) کا حکم دیا۔

قرآن کریم نے جو تفصیل بیان فرمائی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین عرب نے اسلام سے پہلے بھی صدقات کا ایک نظام بنا رکھا تھا جسے وہ حاجتمند لوگوں پر تقسیم کرتے تھے لیکن اس میں بہت سی ایسی چیزیں ملا دی تھیں جن سے اس نظام کی افادیت پر گلائی ضرب لگتی تھی، یعنی اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا اور بعض چیزوں کو حلال اور بعض کو حرام قرار دینا۔

قرآن کریم نے اگر مشرکین کے اس پوسے نظام کو لغو قرار دیا اور اس کی جگہ ”زکوٰۃ“ کا نظام تجویز فرمایا جس کی اساس اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پر ہے :-
والتوا حقتہ یوم خصا دہ (انعام)

اور تمام چیزوں کو حلال قرار دیدیا صرف وہ چند چیزیں حرام قرار دیں جن کا ذکر مندرجہ ذیل آیت میں ہے :-

قل لا اجد فیما اوحی الیّ محرماً علی طاعم یطعمہ الا ان یکون میتةً اودماً مسفوحاً اود حم خنزیر فائتہ حبس اؤ فسقا اؤ حلاً لغير اللہ یہ فمن اضطر غیر بلاغ ولا عا د فإنا ربک غفور رحیم۔ (انعام)

آپ کہہ دیجئے کہ جو احکام بذریعہ وحی میرے پاس آئے ہیں ان میں تو میں کوئی حرام غذا پاتا نہیں کسی کھانے والے کے لئے جو اس کو کھائے مگر یہ کہ وہ مردار (جانور) ہو یا یہ کہ بہتا ہوا خون ہو یا خنزیر کا گوشت ہو کیونکہ وہ بالکل ناپاک ہے یا جو (جانور) شرک کا ذریعہ ہو کہ غیر اللہ کے نامزد کیا گیا ہو پھر جو شخص بیتاب ہو جائے بشرطیکہ نہ تو طالب لذت ہو اور نہ تجا وز کرنے والا ہو (قدر ضرورت سے) تو واقعی آپ کا رب غفور و رحیم ہے۔

پھر سورہ مائدہ میں اس کی انتہا اس طرح بتلا دی کہ :-

لیس علی الذین امنوا وعملوا الصّالحات جناحٌ فیما طعموا اذا کرے ہو اس چیز میں کوئی گناہ نہیں جس کو ایسے لوگوں پر جو کہ ایمان رکھتے ہوں اور نیک کام کرتے ہوں

وہ کھاتے پیتے ہوں جبکہ وہ لوگ پرہیز رکھتے ہوں
اور ایسا نہ رکھتے ہوں اور نیک کام کرتے ہوں پھر
پرہیز کرنے لگتے ہوں اور ایسا نہ رکھتے ہوں پھر
پرہیز کرنے لگتے ہوں اور خوب نیک عمل کرتے

مَا اتَّقُوا وَاْمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
ثُمَّ اتَّقُوا وَاْمَنُوا ثُمَّ اتَّقُوا وَاَحْسَنُوا
وَاللّٰهُ يَحِبُّ الْمُحْسِنِينَ
(مائدہ)

ہوں اور اللہ تعالیٰ ایسے نیکو کاروں سے محبت رکھتے ہیں۔

حدیث نے بعض دوسرے حیوانات کے کھانے سے بھی منع فرمایا اور یہ قرآن کی مندرجہ
ذیل آیت کے موافق تھا :-

وَمُحَرَّمٌ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثُ
اور گندی چیزوں کو (بدستور) ان پر حرام فرماتے ہیں۔
چنانچہ شکاری (دورندہ) جانوروں میں سے ہر ایک کے لئے دانت (ناب) والے جانور کو حرام
قرار دیا اور پرندوں میں سے ہر اس جانور کو حرام کہا جو پنجوں سے شکار کرتا ہو، اس کے علاوہ شہری
گدھوں کو بھی ناجائز قرار دیا ہے۔

جہاد

مکی زندگی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تیرہ سال اس شان سے گزرے کہ مشرکین مکہ آپ
کو اور آپ کے صحابہ کرام کو انواع و اقسام کی تکلیفیں پہنچاتے رہے مگر آپ خاموشی کے ساتھ اسلام
کی دعوت و تبلیغ میں مصروف رہے، کفار مکہ لوگوں کو قرآن سننے اور اس کی دعوت کو قبول کرنے سے
روکتے تھے، مکی سورتوں میں اس چیز کا ذکر تفصیل سے آیا ہے۔

مکی مسلمانوں کو دو مرتبہ حبشہ کی جانب ہجرت کرنے پر بھی مجبور کیا گیا کیونکہ وہ مکہ میں رہ کر کفار کے
ظلم و ستم نہیں سہہ سکتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کی مرضی اس میں تھی کہ اسلام کی دعوت کو شریک کے باشندے قبول کریں اور انھوں نے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کر کے معاہدہ کیا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی
ایسی ہی حفاظت کریں گے جیسی کہ اپنی اپنے اموال اور آبرو کی کرتے ہیں چنانچہ آپ نے مکہ سے مدینہ
منورہ کی جانب ہجرت فرمائی اور مدینہ میں تشریف آوری کے کچھ دنوں بعد جہاد شروع کیا گیا۔
جہاد کی اجازت کیوں دی گئی ہے؟ قرآن کریم کے مطالعہ سے اس کے دو اسباب معلوم ہوتے ہیں۔
(۱) اگر کوئی ظلم کرے تو اس کا دفاع کیا جائے۔

(۲) اگر کوئی اشاعتِ اسلام میں رکاوٹ بنے تو اس کا دفاع کیا جائے۔ خواہ یہ رکاوٹ اس شخص کی راہ میں حائل کی جائے جو اسلام کے عقائد کو اختیار کر چکا ہو اور کفار سے انواع و اقسام کی تکلیفیں دیکر دوبارہ شریعت کفر کی طرف بلانا چاہتے ہوں، یا اگر کسی شخص نے اسلام قبول کرنے کا ارادہ کیا ہو اور کفار سے اس مبارک ارادے سے باز رکھنا چاہتے ہوں، یا کسی داعی اسلام کی راہ میں روڑے اٹکائے جائیں، ان تمام صورتوں میں جہاد مشروع ہے۔

انہی مقامات کو قرآن کریم نے مندرجہ ذیل آیات میں بیان فرمایا ہے :-

(۱) سورہ حج میں جہاد کا سب سے پہلا حکم بالفاظِ ذیل نازل ہوا ہے :-

اُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتِلُونَ بِأَنفُسِهِمْ
ظَلَمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ

اس کا مطلب یہ نہیں کہ اسلام صرف دفاعی جنگ کی اجازت دیتا ہے اور از خود اقدام جنگ کو جائز نہیں کہتا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اسلام نے جہاں از خود اقدام جنگ کی ترغیب دی ہے وہ بھی غور کیا جائے تو درحقیقت دفاعی ہی ہے جارحانہ نہیں، کیونکہ اسلام کی نظر میں جنگ کا مقصد حق کی سربلندی ہے اور وہ اس نظام جہاد کے ذریعہ پورے عالم کو ایک ایسے نظام حیات کی طرف بلانا چاہتا ہے جو انسانوں کو امن و سکون عطا کر سکے، جس میں ایک غریب بڑھیا بھی خلیفہ کا دامن تھام سکتی ہو، جس میں انسان کی افضلیت کا سارا مدار اس کے کردار پر ہو، اسلام دوسرے غیر اسلامی ملکوں پر از خود چڑھائی کو جائز ہی نہیں بلکہ بسا اوقات سختن قرار دیتا ہے، اس لئے کہ وہاں طبقات کی تقسیم دولت، جاہ اور مرتبہ کے غیر فطری معیاروں پر ہوتی ہے، جہاں اسلام کا قانون نافذ نہ ہو وہاں ظاہری نظر میں خواہ کتنا ہی امن و سکون نظر آتا ہو مگر وہاں سینکڑوں انسان صرف اس جرم میں جانوروں سے زیادہ برتر زندگی گزارتے ہیں کہ ان کے پاس زیادہ مال و دولت نہیں یا وہ کسی نیچ ذات کے فرد ہیں، ایسے ملکوں کے عوام خواہ زبان سے کسی انقلاب کے خواہاں نہ ہوں مگر ان کا لا شعور و بنی مطلوبیت کے نوچے پڑھتا رہتا ہے اور وہ زبان حال سے کسی ایسے نظام حیات کو مدد کے لئے پکار رہے ہیں جسے کسی بشری ذہنیت نے جنم نہ دیا ہو، جس میں وہ کسی ایسی ذات کو مصیبت کے وقت پکار سکیں جو ہر چیز اور ہر کام پر قادر ہے، یہی وجہ ہے کہ تاریخ اسلام ہمیں یہ بتاتی ہے کہ مسلمانوں نے جس ملک کو بھی فتح کیا وہاں کے عوام نے ان کی حکومت کا غیر معمولی طور پر خیر مقدم کیا، فتح ملک سے لے کر آخری دو تک کی تاریخ کا مطالعہ کر جائیے، جس ملک کو بھی مسلمانوں نے صحیح اسلامی اصولوں کو مد نظر رکھتے

(بقیہ صفحہ نمبر ۷۵ پر)

الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ
 إِلَّا أَنْ يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ وَلَوْ كَلَفَ اللَّهُ
 النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَهْذِهِمْ
 صَوَامِعُ وَبَيْعٌ وَصُلُواتٌ وَمَسَاجِدُ
 يُذَكَّرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا وَيُنْصَرُونَ
 اللَّهُ مَنْ يُنْصِرُهُ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ
 الَّذِينَ أَنْ مَكَّنَّا هُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا
 الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ
 وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ

(رج)

ان پر (بہت) ظلم کیا گیا ہے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ
 ان کے غالب کر دینے پر پوری قدرت رکھتا ہے
 (آگے ان کی مظلومیت کا بیان ہے) جو اپنے
 گھروں سے بے وجہ نکالے گئے محض اتنی بات
 پر کہ وہ یوں کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے اور اگر
 یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ (ہمیشہ سے) لوگوں
 کا ایک دوسرے کے ہاتھ سے زور نہ گھٹواتا رہتا
 تو (اپنے اپنے زمانوں میں) نصاریٰ کے خلوت خانے
 اور عبادت خانے اور یہود کے عبادت خانے اور
 مسلمانوں کی وہ مسجدیں جن میں اللہ کا نام بکثرت

لیا جاتا ہے سب منہدم ہو گئے ہوتے اور بیشک اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے گا جو اللہ کے دین کی مدد کرے گا
 بیشک اللہ تعالیٰ قوت والا اور غلبہ والا ہے (وہ جس کو چاہے غلبہ اور قوت دے سکتا ہے) یہ لوگ ایسے
 ہیں کہ اگر ہم ان کو دنیا میں حکومت دیدیں تو یہ لوگ (خود بھی) نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ دیں اور
 دوسروں کو بھی نیک کاموں کے کرنے کو کہیں اور برے کاموں سے منع کریں اور سب کاموں کا انجام

(بقیہ صفحہ نمبر ۷۶) ہوتے فتح کیا اور وہاں اسلامی نظام رائج کیا اس ملک کے عوام نے ہمیشہ اس کو
 قبول کرتے ہیں بے پناہ جوش و خروش کا مظاہرہ کیا گویا وہ صدیوں سے اس بات کے منتظر تھے کہ کوئی
 مرد مجاہد اٹھے اور انھیں ظلم و ستم کے ان شکنجوں سے نجات دلائے جن میں انسانیت کستی ہوتی سسک
 رہی تھی چنانچہ خالد بن ولیدؓ طارق بن زیادؓ محمد بن قاسمؓ قتیبہ بن مسلمؓ محمد قاسمؓ اور محمود غزنویؓ
 صرف اپنے اصلی مالک ہی کے مایہ ناز فاتحین نہ تھے بلکہ وہ ان تمام مالک کے عوام کی نظر میں بھی ایک
 محبوب ہیرو کی حیثیت رکھتے تھے جنھیں فتح کرنے کے لئے انھوں نے تلوار اٹھائی تھی اس سے واضح
 ہو گیا کہ اسلام نے از خود اقدام جنگ کیا ہے اور اس کی ترغیب دی ہے لیکن درحقیقت یہ اس انسانیت
 کا دفاع تھا جس کا دارِ امن عصمت تار تار کرنے کے لئے بیشمار خود ساختہ نظام و جہود میں آچکے تھے جارحانہ جنگ
 اس وقت مذہبم ہوتی ہے جب اس کی بنیاد ہوس ملک گیری کے سوا کچھ نہ ہو جس کا نتیجہ صرف یہ نکلے کہ ایک امر کی حدود
 سلطنت وسیع ہو جائیں اور اگر وہ پہلے ہزار ہا لوگوں کا خون پیتا تھا تو اب لاکھ کا پینے لگے لیکن جس اقدام
 جنگ کا مقصد زیادہ سے زیادہ انسانوں کو ظلم کے نیچے سے چھڑانا اور انہیں ایک فطری نظام حیات کے تحت زندگی گزارنے
 کے مواقع فراہم کرنا ہو وہ انسانیت پر ایک عظیم احسان ہے اسلام جس جنگ کو جہاد کہتا ہے اس کا مقصد یہی ہے ۱۲ مترجم

تو خدا ہی کے اختیار میں ہے۔

مذکورہ آیت سورۃ شوریٰ (مکی) کی اس آیت کی تفسیر معلوم ہوتی ہے جس میں باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :-

وَمَنْ أَنْتَصِرَ بَعْدَ ظُلْمِهِ فَأُولَٰئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِنْ سَبِيلٍ ۚ أَلَمْ يَكُنِ السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَظْلِمُونَ النَّاسَ وَيَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ۔

اور جو اپنے اوپر ظلم ہو چکنے کے بعد برابر کا بدلہ لے لے سوا ایسے لوگوں پر کوئی الزام نہیں الزام صرف ان لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور ناحق دنیا میں سرکشی (اور تکبر) کرتے ہیں ایسوں کے لئے دردناک عذاب (مقرر) ہے

(۲) سورۃ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :-

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يَقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ۚ وَأَقْتُلُوا هُمُ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُمْ مِنْ حَيْثُ أَخْرَجَكُمُ وَالْفِتْنَةُ أَتَمُّ مِنْ الْقَتْلِ وَلَا تَقَاتِلُوا هُمُ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّى يَقَاتِلُوكُمْ فِيهِ فَإِنْ قَاتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوا هُمُ كَذَلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ۚ فَإِنْ أَنتَهُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۚ وَقَاتِلُوا هُمُ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ ۚ فَإِنْ أَنتَهُوا فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ الظَّالِمِينَ ۚ الشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحَرَامَاتُ قِصَاصٌ ۚ فَمَنْ أَعْتَدَى عَلَيْكُمْ قَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا أَعْتَدَى عَلَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ۔

اور بے تکلف لڑو تم اللہ کی راہ میں ان لوگوں کے ساتھ جو (نقض عہد کر کے) تمہارے ساتھ لڑنے لگیں اور (از خود) حد (میں ہیں) سے نہ نکلے واقعی اللہ تعالیٰ حد (قانون شرعی) سے نکلنے والوں کو پسند نہیں کرتے (اور جس حالت میں وہ خود عہد شکنی کریں اس وقت خواہ) ان کو قتل کرو جہاں انکو پایاؤ اور (خواہ) ان کو نکال باہر کرو جہاں سے انھوں نے تم کو نکلنے پر مجبور کیا ہے اور شرارت قتل سے بھی سخت تر ہے اور ان کے ساتھ مسجد حرام کے قرب (و نواح) میں (کہ حرم کہلاتا ہے) قتال مت کرو جب تک کہ وہ لوگ وہاں تم سے خود نہ لڑیں۔ ہاں اگر وہ (کفار) خود ہی لڑنے کا سامان کرنے لگیں تو تم (بھی) ان کو مارو ایسے کافروں کی (جو حرم میں لڑنے لگیں) ایسی ہی سزا ہے پھر اگر وہ لوگ (اپنے کفر سے) باز آجائیں (اور اسلام قبول کریں) تو اللہ تعالیٰ بخشنے لگے اور ان کے ساتھ اس

حد تک لڑو کہ فساد عقیدہ (شرک) نہ رہے اور ان کا دین (خالص) اللہ ہی کا ہو جاوے اور اگر وہ لوگ (کفر سے باز آجاویں تو سختی کسی پر نہیں ہوا کرتی بجز بے انصافی کرنے والوں کے حرمت والا ہیمنہ ہے بعض حرمت والے ہیمنہ کے اور یہ حرمتیں تو عوض معاوضہ کی چیزیں ہیں سو جو تم پر زیادتی کرے تو تم بھی اس پر زیادتی کرو جیسی اس نے تم پر زیادتی کی ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور یقین کر لو کہ اللہ تعالیٰ ان ڈرنے والوں کے ساتھ ہوتے ہیں۔

اور سورۃ انفال میں ہے :-

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَ
يَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ فَإِنَّ
انْخَضَوْا فَانْأَنَّهُ بِالْعَمَلُونَ بِصِيرٍ
وَإِنْ تَوَلَّوْا فَأَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مُوَلَّاكُمْ
نِعِمَّ الْمَوْلَىٰ وَنِعَمَ النَّصِيرُ۔

اللہ تعالیٰ تمہارا رفیق ہے وہ بہت اچھا رفیق ہے اور بہت اچھا مددگار ہے۔

(۳) سورۃ نساء میں فرمایا :-

وَمَا لَكُمْ لَا تَقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ
اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ
وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ
رَبِّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَذِهِ الْقَرْيَةِ
الظَّالِمِ أَهْلِهَا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ
وَلِيًّا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا

اور تمہارے پاس کیا غدر ہے کہ تم جہاد نہ کرو
اللہ کی راہ میں اور کمزوروں کی خاطر سے جن میں
کچھ مرد ہیں اور کچھ عورتیں ہیں اور کچھ بچے ہیں جو دعا
کر رہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو اس بستی
سے باہر نکال جس کے رہنے والے سخت ظالم
ہیں اور ہمارے لئے غیب سے کسی دوست کو کھڑا
کیجئے اور ہمارے لئے غیب سے کسی حامی کو بھیجئے

(۴) اس سورہ میں مشرکین کی ایک جماعت کے متعلق جو نہ اپنی قوم سے جنگ کرنا چاہتی

تھی نہ مسلمانوں سے ہی بلکہ وہ فتنہ سے ایک کنارہ ہو کر رہنا چاہتے تھے فرمایا

فَإِنْ اعْتَزَلُواكُمْ فَلَاحِقًا تَلَوْكُمْ وَالْقَوَا
لِيَكُمُ السَّلَامُ فَمَا جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ
عَلَيْهِمْ سَبِيلًا

پھر اگر وہ تم سے کنارہ کش رہیں یعنی تم سے نہ لڑیں
اور تم سے سلامت روی رکھیں تو اللہ تعالیٰ نے
تم کو ان پر کوئی راہ نہیں دی۔

نہ کہ اس میں تذبذب ہو، اور اگر ایسے ہوں تو ان کے متعلق حکم کی اس طرح صراحت فرمادی کہ
 مستجدون آخرین یریدون ان
 یا متوکلوا یا متوا قوصہم کلہا ردوالی
 الفتنة اذکسو اقیہا فان لم یعزلوکم
 ویلقوا الیکم السلام ویقفوا ید یہم
 فخذوہم واقتلوہم حیث تقفونہم
 واولئکام جعلنا لکم علیہم سلطانا مبینا
 روکیں تو تم ان کو پکڑو اور قتل کرو جہاں کہیں ان کو پاؤ اور ہم نے تم کو ان پر صاف حجت دی ہے۔
 صلح کے بارے میں سورہ انفال میں یوں ارشاد ہے۔

وان جنحوالسلام فاجنح لہا وتوکل
 علی اللہ انہ ہوالسبیح العلیم وان
 یرید وان یخذ عوک فان حسبک
 ہوالذی ابیدک بنصوہ وبالمومنین
 والفاء بین قلوبہم۔
 نے آپ کو اپنی (غیبی) امداد (ملائکہ) سے اور (ظاہری امداد) مسلمانوں سے قوت دی اور ان کے
 قلوب میں اتفاق پیدا کر دیا۔

اور سورہ توبہ میں فرمایا :-

وان نکثوا ایمانہم من بعد عہد
 وطعنوا فی دینک فقاتلوا یمۃ الکفر
 انہم لا ایمان لہم لعلمہم ینتمون
 الاتفا تلون قوما نکثوا ایمانہم وہموا
 یاخراج الرسول وہم بدوکما دل مرۃ
 اتخشونہم فاللہ احق ان تخشوا
 ان کنتم مومنین۔

اور اگر وہ لوگ عہد کرنے کے بعد اپنی قسموں کو
 توڑ ڈالیں اور تمہارے دین (اسلام) پر طعن
 کریں تو تم لوگ اس قصد سے کہ یہ باز آجاویں
 ان پیشوایاں کفر سے (خوب) لڑو کیونکہ اس
 صورت میں ان کی قسمیں باقی نہیں رہیں، تم
 ایسے لوگوں سے کیوں نہیں لڑتے جنہوں نے اپنی
 قسموں کو توڑ ڈالا اور رسول کے جلا وطن کر دینے

کی تجویز کی اور انہوں نے تم سے خود پہلے چھڑ نکالی کیا ان سے (لڑنے میں) ڈرتے ہو سو اللہ تعالیٰ

اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ تم ان سے ڈرو اگر تم ایمان رکھتے ہو۔

یہ تمام احکام تم کو اس مطلب تک پہنچادیں گے جس کا ہم نے پہلے ذکر کر دیا ہے اور وہ یہ ہے کہ جہاد صرف دشمنی کے دور کرنے اور فتنہ دین میں امن پیدا کرنے کی غرض سے تھا۔

یہود مدینہ نے قریش کو اور منافقین کو مسلمانوں کے خلاف بری طرح بھڑکایا تھا اور مسلمانوں کو غزوہ احزاب میں بچھڑا دیا تھا جس سے ان میں سخت ترزلزل واقع ہو گیا تھا اور یہ سب ان کے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان تحریری اقرارناموں کے بعد ہوا تھا پس انھوں نے معاہدوں کو توڑا اور ان معاہدوں کے مطابق عمل کرنا چھوڑ دیا لہذا مسلمانوں کو ان سے جہاد کرنے کا حکم دیا گیا جیسا کہ سورہ توبہ میں فرمایا۔

قاتلوا الذین لا یؤمنون باللہ ولا
بالیوم الآخر ولا یحرمون ما حرم اللہ
ورسولہ ولا یدینون دین الحق من
الذین اتوا الكتاب حتی یعطوا الجزیة
عن ید وھم صاغرون ہ

اہل کتاب جو کہ نہ خدا پر (پورا پورا) ایمان رکھتے
ہیں اور نہ قیامت کے دن پر اور نہ ان چیزوں
کو حرام سمجھتے جن کو خدا تعالیٰ نے اور اس کے
رسولؐ نے حرام بتلایا ہے اور نہ سچے دین (اسلام)
کو قبول کرتے ہیں ان سے یہاں تک لڑو کہ وہ
ماتحت ہو کر اور رعیت بن کر جزیہ دینا منظور کریں۔

جہاد کا حکم صرف قریش کے لئے اور ان کے یہود مدینہ کے لئے محدود تھا جو مشرکین کی طرف مائل
تھے اور جن کے ساتھ جزیہ عرب کے قبائل متحد ہو گئے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ توبہ میں ارشاد فرمایا
وقاتلوا المشرکین كافة لما یقاتلوکم
کافة واعلموا ان اللہ مع المتقین۔
اور ان مشرکین سے سب سے لڑنا جیسا کہ وہ
تم سب سے لڑتے ہیں اور یہ جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ
متقیوں کا ساتھ دیتا ہے۔

اور قرآن کی مصالحانہ روح کی تائید اور اس کی وضاحت کے لئے سورہ ممتحنہ میں جو ارشاد فرمایا گیا ہے
وہ بہت کافی ہے۔

لا ینھاکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم
فی الدین ولم یخرجوکم من ديار
کم ان تبروھم وتقسطوا الیھم
ان اللہ یحب المقسطین انما ینھاکم
اللہ تعالیٰ تم کو ان لوگوں کے ساتھ احسان اور
انصاف کا برتاؤ کرنے سے منع نہیں کرتا جو
تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑے اور تم کو
تمہارے گھروں سے نہیں نکالے اللہ تعالیٰ انصاف

اللہ عن الذین قاتلوا کفر فی الدین
واخرجوا کفر من دیار کفر وظاہروا علی
اخر اجماع ان تو لو ہم ومن یتولہم
فاولئک ہم الظالمون۔
کا برتاؤ کرنے والوں سے محبت رکھتے ہیں صرف
ان لوگوں کے ساتھ دوستی کرنے سے اللہ تعالیٰ
تم کو منع کرتا ہے جو تم سے دین کے میں لڑے ہوں
(خواہ بالفعل یا بالعزم) اور تم کو تمہارے گھروں
سے نکالا ہو اور (اگر نکالا بھی نہ ہو لیکن) تمہارے نکالنے میں (نکالنے والوں کی) مدد کی ہو اور جو شخص ایسوں
سے دوستی کرے گا سو وہ گنہگار ہوں گے۔

معاهدات اور وثائق

قرآن مجید نے جس امر کی طرف خاص توجہ دلائی ہے وہ عہد ناموں اور اقرارات کی پابندی ہے
اور اس کی خلاف ورزی کی کراہت ہے اور اس کے متعلق بہت تاکیدی احکام دیئے جس میں سے
بعض تو عام ہیں اور بعض خاص۔

علم احکام کی مثالوں میں اولاً سورہ مائدہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

یا ایہا الذین امنوا اوفوا بالعقود
اور اس کے بعد سورہ نحل میں یہ ارشاد فرمایا گیا۔

واؤفوا بعہد اللہ اذا عاہدتم
ولا تنقضوا الا بیہان بعد توکیدھا
وقد جعلتم اللہ علیکم کفیلان اللہ
یعلم ما یفعلون ولا تکلونوا کالتی
نقضت غزیرھا من بعد قوۃ انکاثا
تتخذون ایمانکم دخلاً بینکم
ان تکلون امۃ ہی اسری من امۃ۔

آپس میں فساد ڈالنے کا ذریعہ بنانے لگو محض اس وجہ سے کہ ایک گروہ دوسرے گروہ سے بڑھ جائے
اور سورہ اسرار میں اس طرح ارشاد فرمایا گیا کہ

واؤفوا بالعہد ان العہد
کان مستثلاً۔
اور عہد (مشروع) کو پورا کرو بیشک (ایسے)
عہد کی بات پر اس ہونے والی ہے۔

۱۰ اپنے خصوصی احکام تو جس طرح سورہ براءت میں مشرکین سے براءت کے بعد اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا :-

الا الذین عاہدتم من المشرکین
ثم لم یقصوکم شیئاً ولم یظاہروا
علیکم احداً فأتوا الیکم عہدہم
الی مد تمہ ان اللہ یحب المتقین
ہاں مگر وہ مشرکین مستثنیٰ ہیں جن سے تم نے عہد لیا
پھر انھوں نے تمہارے ساتھ ذرا کمی نہیں کی اور
نہ تمہارے مقابلہ میں کسی کی مدد کی سوا ان کے معاہد
کو ان کی مدت (مقررہ) تک پورا کر دو واقعی
اللہ تعالیٰ (بد عہدی سے) احتیاط رکھنے والوں کو پسند کرتے ہیں۔

اور اسی سورہ میں مذکورہ حکم کے بعد فرمایا کہ
الا الذین عاہدتم عند المسجد
الحرام فما استقاموا لکم فاستقیموا
لہم ان اللہ یحب المتقین۔
مگر جن لوگوں سے تم نے مسجد حرام کے نزدیک عہد
لیا ہے سو جب تک یہ لوگ تم سے سیدھی طرح
رہیں تم بھی ان سے سیدھی طرح رہو بیشک اللہ تعالیٰ
(بد عہدی سے) احتیاط رکھنے والوں کو پسند کرتے ہیں۔

ان احکام سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ بیزاری انہی مشرکین سے کی گئی تھی جنہوں نے یا تو معاہدات
کی خلاف ورزی کی تھی یا ان سے خیانت ظاہر ہونے کے دلائل موجود تھے کیونکہ سورہ کی ابتداء میں تو یہ
فرمایا گیا تھا کہ

براءتکم من اللہ ورسولہ الی الذین
عاہدتم من المشرکین۔
اللہ کی طرف سے اور اس کے رسول کی طرف سے
ان مشرکین کے عہد سے دست برداری ہے جن
سے تم نے (بلا تعین مدت) عہد کر رکھا تھا۔

پھر ان سے ان کو مستثنیٰ فرمایا گیا جن کا ذکر کیا گیا جو دراصل نفاذ ہے ان احکام کا جو سورہ انفال
میں دئے گئے۔

واما تخافن من قوم خیانة فانبذ
الیہم علی سواہ ان اللہ لا یحب
الخنائین۔
اور اگر آپ کو کسی قوم سے خیانت (یعنی عہد شکنی)
کا اندیشہ ہو تو آپ وہ عہد ان کو اس طرح واپس
کر دیجئے کہ آپ اور وہ (اس اطلاع میں) برابر

ہو جائیں بلاشبہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔
اور خوف تو اسی وقت ہوتا ہے جبکہ وہ باتیں ظاہر ہو جائیں جو دشمنی کے اعمال پر دلالت کریں کیونکہ

جس نے اپنے عہد کو توڑا ہوا اور نہ اس نے بحیثیت دشمن کے مظاہرہ کیا ہوا اپنے وعدہ پر قائم ہو تو بموجب نض اس پر تو کوئی راستہ ہی نہیں۔

اور انہی احکام میں سے ایک حکم بھی اس وقت کا ہے جبکہ ان کو ان منافقین کے دور کرنے کی ترغیب دلائی جو ان کے خلاف پوشیدہ کارروائیوں میں مصروف تھے چنانچہ سورہ ناس میں ارشاد الہی ہے۔
 الا الذین یصلون الی قوم بینکم و مگر جو لوگ ایسے ہیں جو کہ ایسے لوگوں سے جالتے
 بینہم میثاق۔ ہیں کہ تمہارے امدان کے درمیان عہد ہے۔

اور یہ حکم معاہدہ کرنے والوں کے ملک کا احترام واجب کرتا ہے اور یہ کہ وہ حفاظت کرتا ہے ان لوگوں کی جو اس زمین سے متصل ہیں۔

اور انہی احکام میں سے ایک حکم یہ بھی ہے کہ جس قوم سے معاہدہ ہو ان کے کسی آدمی کو خطا سے قتل کرنے کا وہی حکم ہے جو ایک مسلمان کو خطا سے قتل کا حکم ہے چنانچہ اسی سورہ میں ارشاد ہے۔

وان کان من قوم بینکم و بینہم
 میثاق فدیۃ مسلمۃ الی اہلہ
 و تحریر قبۃ مومنہ۔
 اور اگر وہ ایسی قوم سے ہو کہ تم میں اور ان میں
 معاہدہ ہو تو خون بہا ہے جو اس کے خاندان
 والوں کو حوالہ کر دی جائے اور ایک غلام یا لونڈی
 مسلمان کا آزاد کرنا۔

اور حکم دراصل وہی ہے جو ایک مسلمان کو خطا سے قتل کرنے کا دیا گیا تھا جیسا کہ ارشاد الہی ہے
 ومن قتل مؤمنا خطاء فتحریر قبۃ
 مومنۃ و دیۃ مسلمۃ الی اہلہ الا ان
 یصدقوا
 اور جو شخص کسی مومن کو غلطی سے قتل کر دے تو
 اس پر ایک مسلمان غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا ہے
 اور خون بہا ہے جو اس کے خاندان والوں کو حوالہ
 کر دی جائے مگر یہ کہ وہ لوگ معاف کر دیں۔

اور دشمن قوم میں سے کسی مسلمان کو قتل کرنے کا معاوضہ اس سے کم رکھا گیا جیسا کہ ارشاد ہے۔
 فان کان من قوم عدو لکم و هو
 مؤمن فتحریر قبۃ مومنۃ۔
 اور اگر وہ ایسی قوم سے ہو جو تمہارے مخالف
 ہیں اور وہ شخص خود مومن ہے تو ایک غلام
 یا لونڈی مسلمان کا آزاد کرنا۔

اور ایک حکم یہ بھی ہے ان مسلمانوں کے بارہ میں جو دشمن کے ملک میں ہوں اور وہاں سے ہجرت کریں جو سورہ انفال میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔

اور اگر وہ تم سے دین کے کام میں مدد چاہیں تو
تمہارے ذمہ مدد کرنا واجب ہے مگر اس قوم
کے مقابلہ میں نہیں کہ تم میں اور ان میں باہم عہد

وان استصو وکم فی الدین فعلیکم
النصر الا علی قوم بینکم و بینہم
میشاق

(صلح کا) ہو کہ معاہدہ کا حق سب حقوق سے مقدم رکھا گیا۔
اور صلح کی کوئی مدت نہیں رکھی بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے قول میں اس کو بالکل غیر مقید رکھا ہے
چنانچہ سورہ انفال میں ارشاد ہے۔

اور اگر وہ (کفار) صلح کی طرف جھکیں تو آپ
بھی اس طرف جھک جائے اور اللہ پر بھروسہ رکھئے
بلاشبہ وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔

وان جنحوا للسلم فاجنح لها
وتوکل علی اللہ انه هو السميع
العلیم۔

جنگی قیدی

قرآن مجید نے جنگی قیدیوں کے احکام صراحت سے بیان کر دیے ہیں چنانچہ سورہ محمد صلعم میں
ارشاد الہی ہے۔

یہاں تک کہ جب تم ان کی خوب خون ریزی
کر چکو تو خوب مضبوط باندھ لو پھر اس کے
بعد یا تو بلا معاوضہ چھوڑ دینا یا معاوضہ لے کر
چھوڑ دینا جب تک کہ لڑنے والے اپنے ہتھیار نہ رکھ دیں۔

حتی اذا انختموہم فشدوا
الوشاق فاما منا بعد واما فداء
حتی تضع الحرب اوزارہا۔

اس طرح اسباب اقتدار کو دو باتوں میں سے کسی ایک کے اختیار کرنے کا اختیار دیدیا ایک تو
احسان جو دراصل معاف کر کے بغیر کسی معاوضہ کے رہا کر دینا اس پر فدیہ یعنی معاوضہ لے کر چھوڑ دینا
لیکن یہ "اشخان فی الارض" کے ساتھ مشروط ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک کفار کی خوب خون ریزی
نہ ہو جائے اس وقت تک جنگی قیدیوں کو معاوضہ لے کر یا بلا معاوضہ رہا کر دینا جائز نہیں چنانچہ جنگ
بدر کے موقع پر جبکہ خون ریزی کی یہ شرط پوری نہیں ہوئی تھی آنحضرتؐ نے قیدیوں کو فدیہ لے کر
آزاد فرمادیا تھا اس موقع پر باری تعالیٰ نے آپؐ پر ایک محبوبانہ عتاب فرمایا چنانچہ ارشاد ہے۔

نبی کی شان کے لایق نہیں کہ ان کے قیدی
باقی رہیں (بلکہ قتل کر دے جائیں) جب تک کہ

ماکان لنبی ان یکون لہ اسری
حتی ینخف فی الارض تریدون

عرض الدنيا والله يريد الآخرة وہ زمین میں اچھی طرح (کفار کی) خونریزی نہ کر لیں
والله عزيز حكيم۔ تم تو دنیا کا مال اسباب چاہتے ہو اور اللہ تعالیٰ

آخرت (کی مصلحت) کو چاہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بڑے زبردست بڑی حکمت والے ہیں۔

اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص اسباب کی بناء پر بعض قیدیوں کے قتل کا حکم صادر فرمایا بدر میں عقبہ بن ابی معیط کے قتل کا اور جنگ احد میں ابی عزرہ عجمی کے قتل کا جس سے جنگ بد میں اقرار لیا گیا تھا کہ آپ کے خلاف کسی کی مدد نہ کرے تو اس نے اپنے اپنے اقرار کو پورا نہ کیا اور جیسے کہ آپ نے بعد فتح مکہ معظمہ مکہ کے آٹھ آدمیوں کا قتل ان جرائم کی بناء پر جس کے وہ مرتکب ہوئے تھے مباح فرمادیا تھا۔

غلام اور غلامی جس وقت اسلام آیا تو عربوں کے ہاتھوں میں غلام موجود تھے تو اسلام نے ان غلاموں کو باقی رکھا جو ان کے قبضہ میں تھے چنانچہ سورہ مومنوں میں جو مکی ہے ارشاد فرمایا۔

والذین هم لفروجهم حفظون اور جو اپنی شرمگاہوں کو احرام شہوت رانی سے حفاظت رکھنے والے ہیں لیکن اپنی بیبیوں سے یا اپنی (شرعی) لونڈیوں سے حفاظت نہیں کرتے (کیونکہ ان پر اس میں) کوئی الزام نہیں۔

اور اسی طرح سورہ معارج میں بھی جو مکی ہے ارشاد فرمایا یعنی مسلمانوں کو کوئی جنگ پیش آنے کے پہلے ہی اور اسی طرح سورہ نساء میں جو مدنی ہے ارشاد فرمایا۔

فان خفتهم الا تعدوا و اقوا احدًا فان خفتهم الا تعدوا و اقوا احدًا پس اگر تم کو احتمال اس کا ہو کہ عدل نہ رکھو گے تو پھر ایک ہی بی بی پر بس کرو یا جو لونڈی تمہاری ملک میں ہو وہی سہی۔

اس کے بعد ان کو غلاموں کے آزاد کرنے اور غلامی کو دور کرنے کے کئی طریقوں سے ترغیب دلائی (اولاً) سورہ بلد میں شکر ادا کر کے اس سے پہلا طریقہ یہ بتلایا کہ وہ غلاموں کو آزاد کرے چنانچہ اس پر اپنے احسان جتانے کے بعد ارشاد فرمایا۔

فلذا اقتسم العقبۃ وما ادبک سورہ شخص ردین کی (گھائی میں سے ہو کر نہ نکلا اور آپ کو معلوم ہے کہ گھائی (سے) کیا ما العقبۃ فک رقبة او اطعام

فی یوم ذی مسغبة یتیم اذا مقربۃ
او مسکینا اذا متربہ شکر کان من
الذین آمنوا وتواصوا بالصبر وتواصوا
بالمرحمة اولئک اصحاب الیمینۃ۔
(مراد) ہے وہ کسی (کی) گردن کا غلامی سے چھڑا دینا
ہے یا کھانا کھلانا فاقہ کے دن میں کسی رشتہ اور
یتیم کو یا کسی خاک نشین محتاج کو (یعنی ان احکام)
الہیہ کو بجالانا چاہیے تھا) پھر سب سے بڑھ کر
یہ کہ ان لوگوں میں سے نہ ہوا جو ایمان لائے اور ایک دوسرے کو (ایمان دہی) پابندی کی فہمائش
کی اور ایک دوسرے کو ترحم (علی الخلق) کی (یعنی ترک ظلم کی) فہمائش کی یہی لوگ داہتے والے ہیں۔
اس طرح غلامی کی آزادی کو ان خصلتوں کا پیشوا بنایا جن کو انسان اپنے مولا کی شکرگزاری کے
طور پر اختیار کرے۔

(ثانیاً) غلامی آزادی کو گناہوں کے اکثر کفالات میں مقدم رکھا مثلاً خطا سے قتل سے کفارہ کے
بارہ میں سورہ نسا میں ارشاد فرمایا۔

وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَاً فَتَحْمِیرُ
رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ ہ
اور جو شخص کسی مؤمن کو غلطی سے قتل کر دے
تو اس پر ایک مسلمان غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا ہے

اور کفارہ ظہار کے بارہ میں سورہ مجادلہ میں ارشاد فرمایا۔

والذین یظاہرون من نسائهم
ثم یعودون لما قالوا فتحریر رقبۃ
من قبل ان یتیمسا۔
اور جو لوگ اپنی بیبیوں سے ظہار کرتے ہیں پھر
اپنی کہی ہوئی بات کی تلافی کرنی چاہتے ہیں تو ان
کے ذمہ ایک غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا ہے قبل اس
کے کہ دونوں (میاں بیوی) باہم اختلاط کریں۔

اور سورہ مائدہ میں کفاریمین (قسم) کے متعلق ارشاد فرمایا۔

فکفارتہ اطعام عشتوۃ مساکین من
اوسط ما تطعمون اہلکم او کسوتھم
او تحریر رقبۃ۔
سو اس کا کفارہ دس محتاجوں کو کھانا دینا اوسط
درجہ کا جو اپنے گھر والوں کو کھائے کو دیا کرتے
ہو یا ان کو کپڑا دینا یا ایک غلام یا لونڈی آزاد کرنا

(سوم) زکوٰۃ کے مصارف کی جہاں تفصیل بیان فرمائی وہاں آٹھ حصوں میں سے ایک حصہ
"آزادی" دلانے کے لئے رکھا گیا یعنی امام وقت جو مسلمانوں سے زکوٰۃ لے گا اس حصہ کی رقم غلاموں
کو آزاد کرانے میں صرف کرے گا۔

(چہارم) حکم فرمایا کہ جو غلام اپنی آزادی کے لئے تحریری معاہدہ چاہے تو اس کو قبول کیا جائے

اور اس تحریری معاہدہ کی بنا پر جس قدر رقم ان سے مطلوب ہو اس کے ادا کرنے کے لئے ان کی مدد کرنے کا حکم دیا چنانچہ سورہ نور میں ارشاد ہے۔

والذین یتبعون الکتاب مہاملکت ایمانکم فکاتبوہم ان علمتم فیہم خیرا و آتوہم من مال اللہ الذی آتاکم۔

اور تمہارے مملوکوں میں سے جو مکاتب ہونے کے خواہاں ہوں تو (بہتر ہے کہ) ان کو مکاتب بنایا کرو اگر ان میں بہتری (کے آثار) پاؤ اور اللہ کے (دئے ہوئے) اس مال میں سے ان کو بھی

دو جو اللہ نے تم کو دے رکھا ہے (تاکہ جلدی آزاد ہو جائیں)

اس کے علاوہ صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وسلم سے غلاموں کے آزاد کرانے کے بارہ میں بڑی ترغیبات مروی ہیں اور بار بار کی وصیتیں ان پر راجع کرنے کے بارہ میں جو ان کے پاس اس بحیثیت غلام موجود تھے فرمائی جاتی تھیں درقرآن میں ایک بھی حکم صریح غلام بنانے کے بارہ میں موجود نہیں ہے یعنی جنگ میں قید ہونے والوں کو غلام بنانے کا حکم نہیں ہے۔

جنگ کا مال غنیمت

عرب کی عادت تھی کہ وہ غنیمتیں حاصل کیا کرتے اور مال غنیمت لڑنے والوں پر تقسیم کیا کرتے اور سردار قوم کے لئے ایک بڑا حصہ رکھا کرتے جیسا کہ ان کے ایک شاعر نے کہلے۔

لک المریاع منها والصفایا وحکم والنشیطة والفضول

تیرے لئے چوتھائی حصہ اور عمدہ چیزیں ہیں اور تجھے فیصلہ کا مکمل اختیار ہے اور نشیط اور فضول بھی ہی تیرے لئے ہے۔

اس میں رباع سے مراد غنیمت کی چوتھائی ہے اور صفایا سے مراد وہ عمدہ چیزیں جو سردار قوم اپنے لئے منتخب کر لے اور نشیط سے مراد وہ چیز جو لڑنے والوں کے ہاتھ میں لوٹ سے پہلے پڑ جائے اور فضول سے مراد وہ چیز جو تقسیم کے بعد زیادہ رہے یعنی تقسیم سے بچ جائے جب اسلام آیا تو سب پہلی غنیمت جو مسلمانوں کو ملی وہ تھی جو ان کو غزوہ بدر میں ملی تھی تو انھوں نے یہ معلوم کرنا چاہا کہ اس غنیمت کی تقسیم کس طرح کی جائے جس پر سورہ انفال میں اس تقسیم کا طریقہ اللہ تعالیٰ نے اس طرح بتلایا

یسألونک عن الانفال قل الانفال للہ وللرسول ولذی ینزل الہام فی الذل

یہ لوگ آپ سے (خاص) غنیمتوں کا حکم دریافت

لے "مکاتب" کا مطلب ہے اپنے غلام کو کچھ مال لے کر آزاد کر دینا ۱۲ م.ت. ۷۔

کرتے ہیں آپ فرمادیجئے کہ یہ غنیمتیں اللہ کی ہیں
اور رسول کی ہیں۔

لہ والرسول

پھر اپنے اس ارشاد سے اس کی تقسیم کی صراحت فرمادی کہ

واعلموا انما غنمتم من شئی فان للہ
خمسہ وللرسول ولذی القربی و
الیتامی والمساکین وابن السبیل۔
اور (ایک حصہ) آپ کے قرابت داروں کا ہے اور (ایک حصہ) یتیموں کا ہے اور (ایک حصہ) غریبوں
کا ہے اور (ایک حصہ) مسافروں کا ہے۔

چنانچہ رسول علیہ السلام مال غنیمت کا پانچواں حصہ لے کر ان لوگوں پر تقسیم فرمادیا کرتے تھے جن
کا ذکر اللہ تعالیٰ نے فرمایا چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :-

لیس لی من مغممکم الا الخمس و
الخمس یرد علیکم۔
مجھے تمہارے مال غنیمت میں سے بجز پانچویں
حصہ کے اور کچھ نہیں ملتا ہے اور وہ پانچواں
حصہ بھی تم پر ہی لوٹا دیا جاتا ہے۔

کیونکہ اس پانچویں حصہ میں سے بڑی مقدار آپ مصالح عامہ میں ہی صرف فرمادیا کرتے تھے۔
اور فی کے بارہ میں سورہ حشر میں فرمایا اور فے سے مراد وہ مال ہے جس کے حاصل کرنے میں
مسلمانوں کو نہ گھوڑے دوڑانے پڑے ہوں اور نہ اونٹ۔

ما افار اللہ علی رسولہ من اهل
القربى فلولہ وللرسول ولذی القربی
والیتامی والمساکین وابن السبیل
کیونکہ دولت بین الاغنیاء متکرم
(آپ کے) قرابت داروں کا اور یتیموں کا اور غریبوں کا اور مسافروں کا تاکہ وہ (مال فے) تمہارے
تو نیکروں کے قبضہ میں نہ آجائے۔

پھر ارشاد فرمایا

للفقراء المہاجرین الذین اخرجوا من
دیارهم واموالهم یربتخون فضلا
اللہ تعالیٰ کے فضل (یعنی جنت) اور رضامندی
کے طالب ہیں اور وہ اللہ اور اس کے رسول

من اللہ ورضوانا وینصرون اللہ و
رسولہ اولئک ہم الصادقون و
الذین یتقوا والایمان من قبلہم
یحبون من ہاجر الیہم ولا یجدون
فی صدورہم حاجۃ مہا و تو ا
و یؤثرون علی انفسہم ولو کان بہم
خصاصۃ ومن یوق شح نفسه
فاولئک ہم المفلحون والذین
جاؤا من بعدہم یقولون ربنا اغفر لنا
ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان
ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین امنوا
ربنا انک رؤوف رحیم۔

(کے دین) کی مدد کرتے ہیں (اول) یہی لوگ
(ایمان کے) سچے ہیں اور (نیز) ان لوگوں کا
(بھی حق ہے) جو دارالاسلام (یعنی مدینہ) میں
ان (ہاجرین) کے (آنے کے) قبل سے قرار
پکڑے ہوئے ہیں جو ان کے پاس ہجرت کر کے
آتا ہے اس سے یہ لوگ محبت کرتے ہیں اور
ہاجرین کو جو کچھ ملتا ہے اس سے یہ (انصار)
اپنے دلوں میں کوئی شک نہیں پاتے اور اپنے
سے مقدم رکھتے ہیں اگرچہ ان پر فاقہ ہی ہو اور
(واقعی) جو شخص اپنی طبیعت کے بخل سے محفوظ
رکھا جائے ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے
ہیں اور ان لوگوں کا (بھی) اس مال فنی میں حق

ہے) جو ان کے بعد آتے جو (ان مذکور دین کے حق میں) دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو
بخشدے اور ہمارے ان بھائیوں کو (بھی) جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ہمارے دلوں میں ایمان
والوں کی طرف سے کینہ نہ ہونے دیجئے اے ہمارے رب آپ بڑے شفیق رحیم ہیں۔

سنت نے ان غزوات میں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود شریک تھے احکام قرآن
کی وضاحت عملاً کر دی جن میں سے بعض کا اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ذکر کیا ہے اور بعض کا نہیں۔
اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مختلف ٹولیاں روانہ فرمائیں وہ سب احکام قرآن
کے مطابق تھے۔

جن غزوات کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے وہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) غزوہ بدر جو سئم ہجری میں واقع ہوا جس کا ذکر سورہ انفال میں اللہ تعالیٰ نے اپنے

اس ارشاد سے فرمایا کہ

جیسا آپ کے رب نے آپ کے گھر (اور بستی) سے
مصلحت کے ساتھ آپ کو (بدر کی طرف) روانہ

کما اخرجک ربک من بیتی باحق
وان فریقاً من المؤمنین لکاہون

کیا اور مسلمانوں کی ایک جماعت اس کو گراں سمجھتی تھی۔

اور سورۃ آل عمران میں بھی اس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد سے فرمایا۔
 وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنْتُمْ كُنْتُمْ أَذِلَّةً -
 اور یہ بات محقق ہے کہ حق تعالیٰ نے تمکو
 بدر میں منصور فرمایا حالانکہ تم بے سرو سامان تھے۔

اور کئی آیات میں اس قصہ کی تکمیل ہوئی ہے۔

(۲) غزوہ احد جو ۳ھ ہجری میں واقع ہوا جس کا ذکر سورۃ آل عمران میں اللہ تعالیٰ نے
 کے اس ارشاد سے شروع ہوتا ہے اور کئی آیات میں اس کی تفصیل ہے۔

وَلَا تَهْتَفُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَانْتُمْ الْأَعْيُنُ
 ان کنتم مومنین۔
 اور تم ہمت مت ہارو اور رنج مت کرو
 اور غالب تم ہی رہو گے اگر تم پیسے مومن رہو۔

(۳) غزوہ حمرہ الاسہ جو اسی مذکورہ بالا سال میں واقع ہوا جس کا ذکر سورۃ آل عمران
 میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں موجود ہے۔

الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِلَّهِ وَالرَّسُولِ
 من بعد ما اصابهم الْقَرْحُ -
 جن لوگوں نے اللہ اور رسول کے کہنے کو
 قبول کر لیا بعد اس کے کہ ان کو زخم لگا تھا۔

(۴) غزوہ بدر آخری جو ۲ھ میں واقع ہوا جس کی طرف سورۃ آل عمران میں قرآن مجید
 نے اس طرح اشارہ کیا ہے۔

الَّذِينَ قَالُوا لِمَنْ لَنَا ان
 الْفِتْنَةُ قَدْ جَعَلَكُمْ فَاحِشَةً
 فَرَادَهُمْ اِيْمَانًا وَقَالُوا حَسْبُنَا
 اللَّهُ وَنَعْمَ الْوَكِيلُ فَانْقَلَبُوا
 بِنِعْمَةٍ مِنَ اللَّهِ وَفَضْلٍ لِّمَنْ
 يَمَسُّهُمْ سُوءٌ وَاتَّبَعُوا رِضْوَانِ
 اللَّهِ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَظِيمٍ
 یہ ایسے لوگ ہیں کہ لوگوں نے ان سے کہا
 کہ ان لوگوں نے تمہارے لئے سامان جمع
 کیا ہے سو تم کو ان سے اندیشہ کرنا چاہیے
 تو اس نے ان کے ایمان کو اور زیادہ کر دیا
 اور کہہ دیا کہ ہم کو حق تعالیٰ کافی ہے اور
 وہی سب کام سپرد کرنے کے لئے اچھا ہے
 پس یہ لوگ خدا کی نعمت اور فضل سے

بھرے ہوئے واپس آئے کہ ان کو کوئی ناگواری ذرا پیش نہیں آئی اور وہ لوگ رضائے
 حق کے تابع رہے اور اللہ تعالیٰ بڑا فضل والا ہے۔

(۵) غزوہ نبی النصیر کہ وہ بھی ۳ھ میں ہی واقع ہوا اور قرآن مجید نے سورہ حشر میں
 اللہ تعالیٰ کے اس قول پاک سے ذکر کیا جو کئی آیات تک مسلسل بیان فرمایا ہے۔

هو الذی اخرج الذین کفروا
من اهل الکتاب من ديارهم
لاول الحشر۔

وہی ہے جس نے (ان) کفار اہل کتاب (یعنی
نبی نصیر، کو ان کے گھروں سے پہلی ہی بار اکھٹا
کر کے نکال دیا۔

(۶) غزوہ احزاب جو ششم میں واقع ہوا اور اس کا ذکر قرآن مجید کی اسی سورت میں ہے
جس کا نام بھی اسی غزوہ کے نام پر رکھا گیا ہے چنانچہ ارشاد الہی اس آیت سے شروع ہو کر کئی
آیات تک چلا گیا ہے۔

يا ايها الذین امنوا اذکروا نعمۃ
الله علیکم اذ جار تکم جنود فاسلنا
علیہم رجاء جنود الم تروہا۔

اے ایمان والو! اللہ کا انعام اپنے اوپر یاد کرو
جب تم پر بہت سے شکر چڑھ آئے پھر ہم
نے ان پر ایک آندھی بھیجی اور ایسی فوج بھیجی
جو تم کو دکھائی نہ دیتی تھی۔

(۷) غزوہ بنی قریظہ اسی سال ہوا جس سال غزوہ احزاب ہوا اور اسی سورہ میں اللہ تعالیٰ
نے اپنے اس ارشاد سے اس غزوہ کا ذکر فرمایا۔

وانزل الذین ظاہروہم من
اهل الکتاب من صیاصیہم
وقذف فی قلوبہم الرعب
فریقا تقتلون وتاسرون فریقا
داور تکم ارضہم و ديارہم و
اموالہم و انصالحم تطوہا
و کان اللہ علی کل شیء قریرا۔

اور جن اہل کتاب نے ان کی مدد کی تھی ان کو
ان کے قلعوں سے نیچے اتار دیا اور ان کے
دلوں میں تمہارا رعب بٹھا دیا بعض کو تم قتل
کرنے لگے اور بعض کو قید کر لیا اور ان کی زمین
اور ان کے گھروں اور ان کے مالوں کا تم کو
مالک بنادیا اور ایسی زمین کا بھی جس پر تم
نے قدم نہیں رکھا اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر
پوری قدرت رکھتا ہے۔

(۸) غزوہ حدیبیہ جو سہم میں ہوا جس کا ذکر سورہ فتح میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اس
ارشاد میں ذکر فرمایا۔

ان الذین یبايعونک انما یبا
یعون اللہ ید اللہ فوق ایدہم

جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے ہیں تو وہ (واقع
میں) اللہ تعالیٰ سے بیعت کر رہے ہیں خدا کا
ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔

(۹) غزوہ خیبر جو شہ میں واقع ہوا جس کی طرف اسی سورہ فتح میں اپنے اس ارشاد سے اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے جس کا سلسلہ کئی آیات تک چلا گیا ہے۔

لقد رضي الله عن المؤمنين اذ
يبياعونك تحت الشجرة فعلم
ما في قلوبهم فأنزل السكينة
عليهم وأثابهم فتحاً قريباً ومغانم
كثيرة يأخذونها وكان الله عزيزاً
حكيماً۔

بالتحقيق اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں سے خوش
ہوا جب کہ یہ لوگ آپ سے ورخت (سمرہ)
کے نیچے بیعت کر رہے تھے اور وہ سکے
دلوں میں جو کچھ تھا اللہ کو وہ بھی معلوم تھا
اور (اس وقت) اللہ تعالیٰ نے ان میں اطمینان
پیدا کر دیا اور ان کو ایک لگے ہاتھ فتح دیدی

اور اس فتح میں (بہت سی غنیمتیں بھی رہیں) جن کو یہ لوگ لے رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ بڑا
زبردست بڑا حکمت والا ہے۔

(۱۰) فتح مکہ شہ میں ہوا اور اسی کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول میں ارشاد
فرمایا ہے۔

لا يستوي منكم من انفق من
قبل الفتح وقاتل اولئك اعطاهم
درجته من الذين انفقوا من
بعد وقاتلوا وكلاً وعد الله الحسنى۔

جو لوگ فتح مکہ سے پہلے (فی سبیل اللہ)
خرچ کر چکے اور لڑ چکے براہر نہیں وہ لوگ
درجہ میں ان لوگوں سے بڑے ہیں جنہوں
نے (فتح مکہ کے) بعد جس طرح کیا اور لڑے اور
(یوں) اللہ تعالیٰ نے بھلائی (یعنی ثواب) کا وعدہ سب سے کر رکھا ہے۔

اور سورہ نصر کی اس آیت میں بھی اسی کی طرف اشارہ فرمایا۔

اذا جاء نصر الله والفتح۔
اور (مکہ کی فتح) (مع اپنے آثار کے) آپہونچے (یعنی واقع ہو جائے)۔

(۱۱) غزوہ حنین جو اسی سال واقع ہوا اور جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے اس
قول میں ارشاد فرمایا ہے۔

لقد بضركم الله في مواطن كثيرة
ويوم حنين اذا عجزتكم كثرتم

تم کو خدائے تعالیٰ نے (لڑائی کے) بہت
موقعوں میں (کفار پر) غلبہ دیا اور حنین

لہ سورہ حدید لہ سورہ توبہ۔

فَلَمْ تَكُنْ عَنْكَ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكَ
الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَتَوَلَّى وَرُيُوْتُ
مَدَبَرِينَ ثُمَّ أَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَةً
عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَنْزَلَ
جُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِينَ
كَفَرُوا وَذَلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ -
کے دن بھی جبکہ تم کو اپنے مجمع کی کثرت سے
غزوہ ہو گیا تھا پھر وہ کثرت تمہارے کچھ کارآمد
نہ ہوئی اور تم پر زمین باوجود اپنی فراخی کے تنگی
کرنے لگی پھر (آخر) تم پیچھے دیکر بھاگ کھڑے
ہوئے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول
(کے قلب) پر اور دوسرے مومنین کے قلوب
پر (اپنی طرف سے) تسلی نازل فرمائی اور (مدد کے لئے) ایسے لشکر نازل فرمائے جن کو تم نے نہیں
دیکھا اور کافروں کو سزا دی اور یہ کافروں کی (دنیا میں) سزا ہے۔

(۱۲) غزوہ تبوک اور یہ "تنگی کا غزوہ" تھا جو شہ میں واقع ہوا اور اس غزوہ کی بہت سی
تفصیلات سورہ توبہ میں ارشاد فرمائی ہیں اور قرآن مجید میں غزوات کے ذکر میں سب سے
زیادہ طویل ذکر کا غزوہ یہی ہے چنانچہ اس غزوہ کا ذکر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے شروع ہوتا
ہے جو آخر سورہ کے قریب تک چلا گیا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ
لَكُمْ أَنْفِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَنْتَاقَلْتُمْ
إِلَى الْأَرْضِ أَرْضَيْتُمْ بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا
مِنَ الْآخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا
فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ -
اے ایمان والو تم لوگوں کو کیا ہوا کہ جب تم سے
کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں (جہاد کے لئے)
نکلو تو تم زمین کو نگے جاتے ہو کیا تم نے
آخرت کے عوض دنیا کی زندگی پر قناعت
کر لی سو دنیاوی زندگی کا تمتع تو آخرت کے
مقابلہ میں کچھ بھی نہیں بہت قلیل ہے۔

اور ان تمام غزروں میں قرآن مجید کے قواعد کے مطابق عمل رہا جن کا قرآن مجید میں ذکر فرمایا
گیا یعنی دشمنوں کا دور کرنا اور امن کے ساتھ دعوت اسلام دینا اور صلح کی طرف صلح کرنے
والوں کے ساتھ میلان اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اسی وقت تک اس دنیا
میں رہی جب تک کہ جزیرہ عرب کل آپ کے تابع نہ ہو گیا۔

عالمی نظام

خانہ داری کے جس نظام کی تفصیلات قرآن مجید نے بیان کی ہیں اور جو احکام دئے ہیں انکی
کچھ تفصیل حسب ذیل ہے۔

شادی بیاہ

قرآن مجید نے نکاح کا حکم دیا اور نکاح کی بندش کا نام "میثاق غلیظ" (یعنی مضبوط عہد) رکھا جیسا کہ سورہ نسا میں ارشاد ہے۔

وَاحِدٌ مِّنْكُمْ مِّثَاقًا غَلِيظًا۔ اور وہ عورتیں تم سے ایک مضبوط اقرار لے چکی ہیں

اور اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے احسانات میں سے شمار کیا ہے کہ اس نے میاں بیوی کے درمیان محبت اور مودت کا مقدس رشتہ قائم کیا چنانچہ سورہ روم میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ۔ اور اسی کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے واسطے تمہاری جنس کی بیبیاں بنائیں تاکہ تم کو ان کے پاس آرام ملے اور تم میاں بیوی میں محبت اور ہمدردی پیدا کی

اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو فکر سے کام لیتے ہیں۔

اور میاں بیوی میں سے ہر ایک کو ایک دوسرے کا لباس قرار دیا جیسا کہ سورہ بقرہ میں ارشاد فرمایا۔

هَٰئِهِنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ۔ کیونکہ وہ تمہارے (بجائے) اوڑھنے بچھونے (کے) ہیں اور تم انکے (بجائے) اوڑھنے بچھونے (کے) ہو۔

اور اس کے معنی یہ ہیں کہ تم ان سے تسکین پاتے ہو اور وہ تم سے تسکین پاتی ہیں۔ ایک اور آیت میں باری تعالیٰ نے رات کو بھی انسانوں کے لئے لباس قرار دیا ہے اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ اس میں تسکین پاتے ہو۔

اور سنت رسولؐ نے بھی نکاح کی شدت کے ساتھ ترغیب دی جس سے امت کی عددی زیادتی کا خیال بھی پیش نظر ہے چنانچہ حدیث شریف میں ہے۔

تَنَاحُوا تَنَاسُلُوا فَإِنَّ مَبَاهَ بَيْتِكُمْ نِكَاحُكُمْ وَادْنَسَلُ بَرْهًا وَكَيْونَكُم مِّنْ تَهْمَارِے۔ نیکاح کرو اور نسل بڑھاؤ کیونکہ میں تمہارے خدیجے دوسری امتوں کے سامنے فخر کرونگا۔

اور قرآن مجید نے نکاح پر اپنے اس قول سے سورہ نور میں ترغیب دلائی کہ۔

وانکحو الایامی منکم والصلحین اور تم میں (یعنی احرار میں) جو بے نکاح ہوں
 من عبادکم واما نکحان یکونوا تم ان کا نکاح کر دیا کرو اور (اسی طرح) تمہارے
 فقراء یغنیہم اللہ من فضلہ غلام اور لونڈیوں میں سے جو اس (نکاح) کے
 واسع علیہم۔ لایق ہو اس کا بھی اگر وہ مفلس ہونگے تو
 خدا تعالیٰ (اگر چاہے گا) انکو اپنے فضل سے غنی کر دے گا اور اللہ تعالیٰ خوب وسعت والا
 ہے خوب جاننے والا ہے۔

چونکہ عربوں کے پاس بیویوں کی تعداد کے لئے کوئی حد نہ تھی کہ اس کی پابندی کرتے اس لئے
 بعض اوقات ایک آدمی دس دس عورتوں سے نکاح کر لیتا تھا۔ قرآن مجید نے نکاح کی تعداد کے
 لئے ایک معتدل حد مقرر کر دی اور ساتھ ہی یہ بھی ارشاد فرمادیا کہ اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ تم بیویوں
 کے درمیان عدل و انصاف سے کام نہ لے سکو گے تو پھر ایک ہی شادی کرو۔
 چنانچہ سورہ نسا میں ارشاد ہے۔

فانکحوا ما طاب لکم من النساء فان خفتم الا تعدوا
 متنی وثلاث وربع فان خفتم الا تعدوا تو اور عورتوں سے جو تم کو پسند ہوں نکاح کرو
 فواحدة او ما ملکت ایمانکم ذلک عدلی ولا تعولوا دو دو عورتوں سے اور تین تین سے اور چار چار
 عورتوں سے پس اگر تم کو احتمال اس کا ہو کہ عدل نہ رکھو گے تو پھر ایک ہی بی بی پر بس کرو
 یا جو لونڈی تمہاری ملک میں ہو وہی سہی اس امر مذکور میں زیادتی نہ ہونے کی توقع قریب تر ہے۔
 ایک سے زیادہ بیویوں کی اجازت چند امور کی بنا پر دی گئی ہے۔

(۱) طبیعت انسانی کی ضرورت، تجربہ نے بتایا کہ اکثر اوقات ایک بیوی کافی نہیں ہوتی۔
 (۲) نسل کی کثرت۔ لیکن یہ مشروط ہے ظلم کا خوف نہ ہونے پر جو ایسی خرابی ہے کہ شارع
 کی نظر میں ان دونوں مصلحتوں پر غالب ہے اور بیویوں کی زیادتی شارع کی نظر میں ان اسلامی
 شعائر میں سے نہیں ہے جس کے بغیر چارہ نہ ہو بلکہ وہ ان مباح امور میں سے ہے جن کے کرنے
 یا نہ کرنے کا فیصلہ خود صاحب معاملہ ہی پر ہے چاہے کرے چاہے چھوڑ دے بشرطیکہ حدود الہی
 سے تجاوز نہ کرے۔

لے مطلب یہ ہے کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ آدمی چار ہی شادیاں کرے لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ جس طرح اس مباح
 کام کو واجب نہیں قرار دیا جاسکتا اسی طرح اسے ممنوع کر دینا بھی کسی صورت جائز نہیں ۱۲ محمد تقی۔

اور قرآن مجید نے ایک مسلمان کے لئے بعض ان عورتوں سے رشتہ نکاح قائم کرنے کو حرام قرار دیا ہے جن سے قرابت یا دودھ یا سسرالی کا کوئی رشتہ ہو جیسا کہ سورہ نسا میں ارشاد ہے۔
 وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ
 إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّ كَانَ فَاحِشَةً
 وَمَقْتًا وَسَاءَ سَبِيلًا حرمت
 عَلَيْكُمْ مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ وَنِسَاءُكُمْ
 وَأَخْوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ
 وَنِسَاءُ إِخْوَانِكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ
 وَأُمَّهَاتُكُمْ وَاللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ
 مِنَ الرِّضَاعَةِ وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ
 وَرِبَايَئِكُمْ اللَّاتِي فِي جُحُورِكُمْ
 مِنَ نِسَائِكُمُ اللَّاتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ
 فَإِنْ لَمْ تَكُونُوا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا
 جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ
 الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ وَأَنْ
 تَجْمَعُوا بَيْنَ الْاِخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ
 سَلَفَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا
 وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ
 أَيْمَانُكُمْ كِتَابَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ۔

کو ایک ساتھ رکھو لیکن جو پہلے ہو چکا ہے شک اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے بڑے رحمت والے ہیں اور وہ عورتیں جو کہ شوہر والیاں ہیں مگر جو کہ تمہاری مملوک ہو جاویں اللہ تعالیٰ نے ان احکام کو تم پر فرض کر دیا ہے۔

اور فسران رسالت پناہی میں کسی عورت کے ساتھ اس کی پھوپھی اور خالہ کو بیک وقت نکاح میں جمع رکھنے کی ممانعت فرمائی ہے اور رضاعت کی وجہ سے ہر وہ عورت حرام ہے جو نسب کی وجہ سے حرام ہے۔

اور قرآن مجید نے اس کو بھی حرام کر دیا ہے کہ کوئی مسلمان کسی مشرک کے ساتھ یا مشرک کسی مسلمان عورت کے ساتھ نکاح کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ میں ارشاد فرمایا ہے۔

ولا تنكحوا المشركات حتی یؤمیت
ولا ممة مومنة خیر من مشرکة
ولو اعجبتکم و لا تنكحوا المشركین
حتی یؤمنا و لعبد مومن خیر من
مشرک ولو اعجبکم و لئن یدعون
الی النار و الله یدعو الی الجنة و
المغضرة باذنہ۔

اور نکاح مت کر دو کہ فر عورتوں کے ساتھ
جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو جائیں اور مسلمان
عورت (چاہے) لونڈی (کیوں نہ ہو وہ ہزار
درجہ) بہتر ہے کا فر عورت سے گو وہ تم کو
اچھی ہی معلوم ہو اور عورتوں کو کہ فر مردوں
کے نکاح میں مت دو جب تک کہ وہ مسلمان
نہ ہو جائیں اور مسلمان مرد غلام بہتر ہے کا فر
مرد سے گو وہ تم کو اچھا ہی معلوم ہو (کیونکہ) بہ لوگ دوزخ (میں جانے) کی تحریک دیتے ہیں اور
اللہ تعالیٰ جنت اور مغفرت کی تحریک دیتے ہیں اپنے حکم سے۔

اور اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح کرنا اپنے اس قول عزیز سے حلال فرما دیا جو سورہ
مائدہ میں ہے۔

والمحصنات من الذین اوتوا الكتاب
من قبلکم اذا آتیتموهن اجورهن
محصنین غیر مسافحین ولا متخذی
اخذان۔

اور پارسا عورتیں ان لوگوں میں سے بھی جو
تم سے پہلے کتاب دے گئے ہیں جب کہ تم ان
کو ان کا معاوضہ دیدو اس طرح سے کہ تم بڑی
بناؤ نہ تو علانیہ بدکاری کرو اور نہ خفیہ آشنائی کرو

اور پاکدامن عورت کا بیاہ زانی کے ساتھ یا پاکدامن مرد کا نکاح زانیہ عورت کے ساتھ
ممنوع قرار دیا چنانچہ سورہ نور میں ارشاد ہے۔

الزانی لا ینکح الا زانیة او مشرکة
والزانیة لا ینکحها الا زان او مشرک
وحریم ذلک علی المومنین۔

زانی نکاح بھی کسی کے ساتھ نہیں کرتا بجز زانیہ
یا مشرکہ کے اور (اسی طرح) زانیہ کے ساتھ
بھی اور کوئی نکاح نہیں کرتا بجز زانی یا

مشرک کے اور یہ (یعنی ایسا نکاح) مسلمانوں پر حرام (اور موجب گناہ) کیا گیا ہے۔
اور جو شخص آزاد عورت کے ساتھ نکاح کرنے کی مالی استطاعت نہ رکھے اس کے لئے لونڈی

لے باندی کے ساتھ شادی کرنے کے لئے یہ قید لازم شافعی کے نزدیک واجب العمل ہے (باقی صفحہ ۹۷ پر دیکھئے)

کے ساتھ نکاح کرنا جائز رکھا ہے چنانچہ سورہ نسا میں ارشاد ہے۔

اور جو شخص تم میں پوری وسعت اور گنجائش نہ رکھتا ہو آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کی تو وہ اپنے آپس کی مسلمان لونڈیوں سے جو کہ تم لوگوں کی مملوکہ ہیں نکاح کرے اور تمہارے ایمانوں کی پوری حالت اللہ ہی کو معلوم ہے تم سب آپس میں ایک دوسرے کے برابر ہو سو ان سے نکاح کر لیا کرو ان کے مالکوں کی اجازت سے اور ان کو ان کے مہر قاعدہ کے

ومن لحد بیت طعم منکم طولاً ان ینکم المحصنات المومنات فمن ماملکت ایما نکم من فتیا تکم المومنات واللہ اعلم بایما نکم بعضکم من بعض فانکھن باذن اہلہن وآلھن اجورھن بالمعروف محصنات غیر مسافحات ولا متخذات اخذان۔

موافق دید یا کرو اس طور پر کہ وہ منکوحہ بنائی جائیں نہ تو علانیہ بدکاری کرنے والی ہوں اور نہ خفیہ آشنائی کرنے والی ہوں۔

سنت نے عقد نکاح کے لئے بعض قیود مقرر کی ہیں اور قرآن مجید نے مرد پر عورت کے لئے مہر کی ادائیگی فرض قرار دی ہے جیسا کہ سورہ نسا میں ارشاد ہے۔

اور ان عورتوں کے سوا اور عورتیں تمہارے لئے حلال کی گئی ہیں یعنی یہ کہ تم ان کو اپنے مالوں کے ذریعہ سے چاہو اس طرح سے کہ تم اپنی بیوی بناؤ صرف مستی ہی نکالنا نہ ہو پھر جس طریق سے تم ان عورتوں سے منتفع ہوتے ہو سو ان کو ان کے مہر و جو کچھ مقرر کر چکے

واحل لکم ما وراء ذالک ان تبتغوا یا موالکم محصنین غیر مسافحین فبا استمتع بہ منھن فانکھن اجورھن فریضة ولا جناح علیکم فیما تراضیتم بہ من بعد الفریضة ان اللہ کان علیما حکیمًا۔

اور مقرر ہوئے بعد بھی جس پر تم باہم رضامند ہو جاؤ اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے جاننے والے ہیں بڑے حکمت والے ہیں۔

(بقیہ صفحہ ۹۶ کا) یعنی جو شخص آزاد عورت سے نکاح کرنے کی استطاعت رکھتا ہو، وہ اس کے لئے باندی سے نکاح کرنا جائز نہیں سمجھتے، مگر امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک باندی سے نکاح کرنا ہر صورت میں جائز ہے خواہ ایک شخص آزاد عورت سے نکاح کرنے کی اہلیت رکھتا ہو، مذکورہ آیت میں ومن لحد بیت طعم منکم طولاً کی قید کو امام ابو حنیفہؒ انفاقی قرار دیتے ہیں جس کے لئے دوسرے دلائل موجود ہیں درالام شافعیؒ اس قید کو احترازی کہتے ہیں ۱۲ محمد تقیؒ

قرآن نے عورت کے سامنے مرد کے مقام کی بھی وضاحت فرمائی چنانچہ سورہ بقرہ میں ارشاد ہے۔
 وَلِلرِّجَالِ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ
 وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ -
 قاعدہ (شرعی) کے موافق اور مردوں کا ان کے مقابلہ میں کچھ درجہ بڑھا ہوا ہے۔

اور سورہ نسا میں ارشاد فرمایا۔

الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ
 اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا أَنْفَقُوا
 مِنْ أَمْوَالِهِمْ فَإِلَّا فَالِصَّاحَاتِ قَانَاتِ
 حَفَظَاتِ لِلْغَيْبِ بِمَا حَفَظَ اللَّهُ وَالَّتِي
 تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاجْهَدِي
 فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ
 فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا إِنَّ اللَّهَ كَانَ
 عَلِيمًا خَبِيرًا

مرد حاکم ہیں عورتوں پر اس سبب سے کہ اللہ تعالیٰ
 نے بعضوں کو بعضوں پر فضیلت دی ہے اور
 اس سبب سے کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کئے
 ہیں سو جو عورتیں نیک ہیں اطاعت کرتی ہیں
 مرد کی عدم موجودگی میں بحفاظت الہی ہنگامہ داشت
 کرتی ہیں اور جو عورتیں ایسی ہوں کہ تم کو ان کی
 بددماغی کا احتمال ہو تو ان کو زبانی نصیحت کرو
 اور ان کو ان کے لیٹنے کی جگہوں میں تنہا چھوڑ دو

اور ان کو مارو پھر اگر وہ تمہاری اطاعت کرنا شروع کر دیں تو ان پر پہانہ مت ڈھونڈو بلاشبہ اللہ تعالیٰ
 بڑے رفعت اور عظمت والے ہیں۔

اور ارشاد فرمایا۔

وَإِنْ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزًا
 أَوْ إِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ
 يَصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ وَأِنْ
 حَضَرَتْ الْأَنْفُسُ الشَّحَّ وَإِنْ تُحْسِنُوا
 وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ
 خَبِيرًا وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدُوا بَيْنَ
 النَّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمِيلِ
 فَتَزِرُ وَهَجَ الْكُلِّ لَعَلَّةٍ وَإِنْ تَصْلَحُوا
 وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا

اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر سے غالب احتمال
 بددماغی یا بے پروائی کا ہو سو دونوں کو اس
 امر میں کوئی گناہ نہیں کہ دونوں باہم ایک خاص
 طور پر صلح کر لیں اور یہ صلح بہتر ہے اور نفوس
 کو حرص کے ساتھ اقتران ہوتا ہے اور اگر تم
 اچھا برتاؤ رکھو اور احتیاط رکھو تو بلاشبہ
 حق تعالیٰ تمہارے اعمال کی پوری خبر رکھتے
 ہیں اور تم سے یہ تو کبھی نہ ہو سکے گا کہ سب
 بیینیوں میں برابری رکھو گو تمہارا کتنا ہی

جی چاہے تو تم بالکل تو ایک ہی طرف نہ ڈھل جاؤ جس سے اس کو ایسا کرد و جیسے کوئی ادھر میں ٹکی ہو اور اگر اصلاح کر لو اور احتیاط رکھو تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے مغفرت والے بڑے رحمت والے ہیں۔ اور یاد جو دیکھ قرآن نے مرد و عورت کے درمیان برابری کے اصول رکھے ہیں لیکن گھر میں مرد کی برتری قائم کی اور ساتھ ہی اسے حسن معاشرت کا بہت تاکید کے ساتھ حکم دیا۔ چنانچہ احادیث اس قسم کی ترغیبات اور احکام سے بھری پڑی ہیں۔

طلاق

اللہ تعالیٰ نے جس طرح نکاح کے ذریعہ مرد و عورت کے اجتماع کے نظام کو مشروع فرمایا ہے اسی طرح نباہ نہ ہو سکنے کی صورت میں جدائی کے نظام کو بھی ایک قاعدہ کے تحت رکھا ہے، جسے طلاق کہتے ہیں، مگر اس کے لئے باری تعالیٰ نے ایک نظام بنایا ہے اور اس پر کچھ ایسی پابندیاں عائد فرمادی ہیں جن کی وجہ سے طلاق کی اجازت کا استعمال محض وقتی اور ہنگامی اثرات کا نتیجہ نہ ہو، تفصیلات درج ذیل ہیں:-

۱) انسان کے دل میں اپنی بیوی کی طرف سے نفرت پیدا ہونے کو مشکوک قرار دیا جیسا کہ سورہ نساء میں ارشاد فرمایا:-

وَعَاشِرُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا۔
اور ان عورتوں کے ساتھ خوبی کے ساتھ گزراں کیا کرو اور اگر وہ تم کو ناپسند ہوں تو ممکن ہے کہ تم ایک شے کو ناپسند کرو اور اللہ تعالیٰ اس کے اندر کوئی بڑی منفعت رکھ دے۔

اور ایک حدیث شریف میں ارشاد ہے کہ لا یفرک مومن مومنۃ ان کرہا منها خلقا رضی منها اخر (کوئی مومن کسی مومنہ سے بغض نہ رکھے کہ اگر اس سے کسی بات میں ناراض ہو گا تو کسی بات سے راضی بھی ہو جائے گا) بلکہ عورت کو صلح حاصل کرنے کی ترغیب دلائی چنانچہ سورہ نساء میں ارشاد ہے:-

وَأَنْ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ

اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر سے غالب احتمال بدو ماغی یا بے پروائی کا ہوسود و نول

یصلحا بینہما صلحا واصلح خیر کو اس امر میں کوئی گناہ نہیں کہ دونوں باہم ایک خاص طور پر صلح کر لیں اور یہ صلح بہتر ہے۔

(۲) ناجاتی کا اندیشہ ہونے کی صورت میں مسلمانوں کو مخاطب کر کے بیچ بنانے کا حکم دیا چنانچہ سورہ تبار میں فرمایا۔

ان خفتہم شقاق بینہما فابغثوا حکما من اہلہ وحکما من اہلہا ان یریدا اصلاحا یوفق اللہ بینہما ان اللہ کان علیما خبیرا۔

اور اگر تم اوپر والوں کو ان دونوں میاں بیوی میں کشاکش کا اندیشہ ہو تو تم لوگ ایک آدمی جو تصفیہ کرنے کی لیاقت رکھتا ہو مرد کے خاندان سے اور ایک آدمی جو تصفیہ

کرنے کی لیاقت رکھتا ہو عورت کے خاندان سے بھیجو اگر ان دونوں آدمیوں کو اصلاح منظور ہوگی تو اللہ تعالیٰ ان میاں بی بی میں اتفاق کر دیں گے بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے علم اور بڑے خیر والے ہیں۔

اور یہ خطاب عام مومنین سے ہے جس کو نافذ کرنا ان کے نمائندے یعنی حاکم وقت کی ذمہ داری ہے۔

(۳) جبکہ سابقہ احکام کے نافذ کرنے کے باوجود طلاق کے بغیر چارہ ہی نہ ہو تو پھر یہ پابندی لگادی گئی کہ طلاق ابتداء عدت میں ہو یعنی عورت کی اس پاکی کی حالت میں ہو جس میں مرد نے اس سے مقاربت نہ کی ہو جیسا کہ سورہ طلاق میں ارشاد فرمایا۔

یا ایہا النبی اذا طلقتم النساء فطلقوهن لعدتھن واحصوا لعدۃ والفقوا اللہ ربکم۔

اے پیغمبر (آپ لوگوں سے کہہ دیجئے کہ) جب تم لوگ (اپنی) عورتوں کو طلاق دینے لگو تو ان کو (زمانہ) عدت (یعنی حیض) سے پہلے

(یعنی طہر میں) طلاق دو اور تم عدت کو یاد رکھو اور اللہ سے ڈرتے رہو جو تمہارا رب ہے۔

ایک مرتبہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی اہلیہ کو بحالت حیض طلاق دیدی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس فعل کو ناپسند فرمایا تھا اور ان کو اپنی بیوی کی طرف رجوع کا حکم دیا

۱۔ علامہ خضریٰ کی رائے ہے، دوسرے بڑے علماء کا خیال ہے کہ اس آیت میں صرف اہل خاندان سے خطاب نہیں کیا گیا ہے، کیونکہ زوجین کی پر ایویسٹ زندگی کا عام عدالتوں تک اچھلنا شریعت کی نگاہ میں بھی کوئی پسندیدہ بات نہیں ۱۲۔

تھا کہ پھر وہ جب چاہیں قرآنی احکام کے مطابق طلاق دیں۔
(۴) سیرہ طلاق میں حکم فرمایا کہ عورت عدت کے زمانہ تک سسرال کے مکان میں رہے
کیونکہ وہ اس وقت تک بیوی ہی رہے گی اور یہ کہ کسی اور وجہ سے وہ وہاں سے نکلنے پر مجبور ہو
چنانچہ ارشاد ہے۔

لا تخرجوهن من بیوتھن ولا یخرجن
الا ان یتاتین بفاحشة مبینة و
تلك حدود الله ومن یتعد حدود
الله فقد ظلم نفسه لا تتدری
لعل الله یحدث بعد ذلك
امراء۔

ان عورتوں کو ان کے (رہنے کے) گھروں سے
مست نکالو (کیونکہ سکتی مطلقہ کا مثل منکوحہ
کے واجب ہے) اور نہ وہ عورتیں خود نکلیں
مگر ہاں کوئی کھلی بے حیائی کریں تو اور بات
ہے اور یہ سب خدا کے مقرر کئے ہوئے احکام
ہیں اور جو شخص احکام خداوندی سے تجاوز
کرے گا (مثلاً اس عورت کو گھر سے نکال دیا) اس نے اپنے اوپر ظلم کیا تجھ کو خبر نہیں شاید
اللہ تعالیٰ بعد اس (طلاق دینے کے) کوئی نئی بات (تیرے دل میں) پیدا کر دے (مثلاً طلاق پر
ندامت ہو تو رجعی میں اس کا تدارک ہو سکتا ہے)

اس آخری جملہ سے وہ مصلحت ظاہر ہو گئی جس کی بنا پر اس کو گھر میں رہنے کا حکم دیا گیا۔
(۵) بہترین شوہر اس کو بتایا گیا جو عدت کے ختم ہو جانے پر یا تو عورت سے مراجعت
کر لے یا اس سے جدائی اختیار کرے اور یہ جدائی فعلاً عمل میں آجائے اور دونوں حالتوں میں
اپنے اس فعل پر دو آدمیوں کو گواہ بنادے۔ چنانچہ سورہ طلاق میں ارشاد ہے۔

فاذا بلغن اجلهن فامسکوهن
بمعروف او قار قوهن بمعروف
واشهدوا ذوی عدل منکم و
اقموا للشہاد لا للہ۔

پھر حیب وہ (مطلقہ) عورتیں اپنی عدت
گزارنے کے قریب پہنچ جائیں (تو تم کو
دو اختیار ہیں یا تو) ان کو قاعدے کے موافق
نکاح میں رہتے دو یا قاعدہ کے موافق ان کو

رہائی دو اور آپس میں سے دو معتبر شخصوں کو گواہ کر لو (اے گواہ اگر گواہی کی حاجت پڑے تو)
ٹھیک ٹھیک اللہ کے واسطے (بلا دروغایت) گواہی دو۔

اور شوہر کو عدت کے ختم ہونے سے پہلے پہلے عورت سے رجوع کرنے کا حقدار قرار دیا چنانچہ
سورہ بقرہ میں ارشاد فرمایا۔

و یعولتھن احق بر دھن فی ذلک
ان ارادوا اصلاحا۔
اور ان عورتوں کے شوہران کے (بلا تجدید
نکاح) پھر لوٹا لینے کا حق رکھتے ہیں اس عدت
کے اندر بشرطیکہ اصلاح کا قصد رکھتے ہوں۔

(۶) عدت کا حکم فرمایا جو مختلف ہے، حیض والی عورتوں کے لئے تو تین حیض ہیں
جیسا کہ سورہ بقرہ میں ارشاد ہے۔

والمطلقات يتربصن بانفسهن
ثلاثة قروء۔
اور طلاق دی ہوئی عورتیں اپنے آپ کو (نکاح
سے) روکے رکھیں تین حیض تک۔

اور پورے عورتیں جن کو حیض آنا بند ہو گیا ہو یا کم عمر عورتیں جو ابھی عاقلہ ہی نہ ہوئی ہوں
ان کی مدت تین ماہ رکھی جیسا کہ سورہ طلاق میں ارشاد فرمایا گیا۔

واللادی یسن من المحیض من
نسا نکم ان ارتبتم فعدتھن ثلاثۃ
اشھر واللادی لم یحضن
(اوپر عدت کا اجمالاً ذکر تھا) اور (تفصیل
یہ کہ) تمہاری (مطلقہ) بیبیوں میں جو عورتیں
(بوجہ زیادت سن کے) حیض سے ناامید

ہو چکی ہیں اگر تم کو (ان کی عدت کے تعیین میں) شبہ ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہیں اور اسی
طرح جن عورتوں کو (اب تک بوجہ کم عمری کے) حیض نہیں آیا۔
اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل قرار دی جیسا کہ ارشاد ہے۔

واولات الاحمال اجلھن ان
یضعن حملھن۔
اور حاملہ عورتوں کی عدت اس حمل کا پیدا
ہو جانا ہے۔

اور جس کو شوہر نے ہاتھ نہ لگایا ہو (جماع نہ کیا ہو) اس کو عدت سے معافی دیدی جیسا کہ
سورہ احزاب میں ارشاد ہے۔

اذا نکحت المومنات ثم طلقتهن
من قبل ان تمسوهن فما لکم علیھن
من عدة تعتدونها۔
تم جب مسلمان عورتوں سے نکاح کرو (اور)
پھر تم ان کو قبل ہاتھ لگانے کے (کسی اتفاق
سے) طلاق دیدو تو تمہاری ان پر کوئی (عدت)
واجب نہیں جس کو تم شمار کرنے لگو۔

اور مرد کو حکم دیا کہ جب عورت عدت میں ہو تو اس کے ساتھ نرمی و مہربانی کا سلوک کرے
جیسا کہ سورہ طلاق میں ارشاد ہے۔

تم ان (مطلقہ) عورتوں کو اپنی وسعت کے
موافق رہنے کا مکان دو جہاں تم رہتے ہو
اور ان کو تنگ کرنے کے لئے اس کے پیچے
میں (تکلیف مت پہنچاؤ اور اگر وہ (مطلقہ) عورت
حمل والیاں ہوں تو حمل پیدا ہونے تک ان
کو (کھانے پینے کا) خرچ دو پھر اگر وہ (مطلقہ)
عورتیں (جبکہ پہلے ہی سے بچے والیاں ہوں
یا بچہ ہی پیدا ہونے سے ان کی عدت ختم
ہوئی ہو) تمہارے لئے (بچہ کو اجرت پر)
دودھ پلاؤں تو تم انکو مقررہ اجرت دو (اور
اجرت کے بارے میں) باہم مناسب طور پر
مشورہ کر لیا کرو۔ اور اگر تم باہم کشمکش کرو گے

اسکنوہن من حیث سکنتم من
وحدکم ولا تضاروہن لیتضیقوا
علیہن وان کن اولات حمل فان
علیہن حتی یضعن حملہن فان
ارضعن لکم فاتوہن اجورہن
واتمروا بینکم بمعروف وان
تعا سرتھم فستر ضعیفہ اخری
لینفق ذوسعة من سعة ومن
قدرا علیہ روقہ فلینفق مما
آتاہ اللہ لا یكلف اللہ نفسا
الا ما آتاہا شی جعل اللہ بعد
عسر یسرا

تو کوئی دوسری عورت دودھ پلا دے گی (آگے بچہ کے نفقہ کے بارے میں ارشاد ہے کہ)
وسعت والے کو اپنی وسعت کے موافق (بچہ پر) خرچ کرنا چاہیے اور جس کی آمدنی کم ہو اس کو
چاہیے کہ اللہ نے جتنا اس کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرے خدا تعالیٰ کسی شخص کو اس سے
زیادہ تکلیف نہیں دیتا جتنا اس کو دیا ہے خدا تعالیٰ تنگی کے بعد جلدی فراغت بھی
دیکھا (گو بقدر ضرورت و حاجت روانی ہے)

(۷) شریعت نے مرد کے لئے اس بات کو مستحسن قرار دیا ہے کہ جب وہ عورت کو طلاق دے
تو اس کو اس قدر سامان ساتھ دیدے جو اس کی ضروریات واجبہ کو پورا کر سکے اور جس عورت
کو صحبت سے پہلے طلاق دیجائے اور اس کا مہر معین نہ ہوا ہو اس کے لئے یہ حق واجب
قرار دیا جیسا کہ سورہ بقرہ میں ارشاد فرمایا۔

(مہر کا) کچھ مواخذہ نہیں اگر بیبیوں کو
ایسی حالت میں طلاق دیدو کہ نہ ان کو تم نے
ہاتھ لگایا ہے اور نہ ان کے لئے کچھ مہر مقرر
کیا ہے اور صرف ان کو ایک جوڑا دیدو

لا جناح علیکم ان طلقتم النساء
مالہن تمسوهن او تفرضوا لہن
فریضة و متعوہن علی الموسع
قدراہ و علی المقتر قدرہ متاعا

بالمعروف حقا علی المحسنین۔ صاحب وسعت کے ذمہ اس کی حیثیت کے موافق ہے اور تنگدست کے ذمہ اس کی حیثیت کے موافق ہے جوڑا دینا قاعدہ کے موافق واجب ہے خوش معاملہ لوگوں پر۔

پھر اس کا ذکر عام الفاظ میں اس طرح فرمایا کہ

وللمطلقات متاع بالمعروف حقا علی المتقین۔ اور سب طلاق دی ہوئی عورتوں کے لئے کچھ قائمہ پہنچانا قاعدہ کے موافق (یہ) مقرر

ہوا ہے ان پر جو (شُرک و کفر سے) پرہیز کرتے ہیں۔

اور جس کو صحبت کے پہلے طلاق دی گئی ہو اس کے بارے میں سورہ احزاب میں ارشاد فرمایا کہ

فمتعوھن و سرحوھن سراھا۔ تو ان کو کچھ (مالی) متاع دیدو اور خوبی کے ساتھ ان کو رخصت کردو۔

اور جس کو صحبت کے پہلے طلاق دی گئی لیکن اس کا مہر نکاح کے وقت معین ہو چکا تھا اس کے لئے نصف مہر قرار دیا چنانچہ سورہ بقرہ میں ارشاد ہے۔

وان طلقتموھن من قبل ان تمسوھن وقد فرضتم لھن فریضۃ فنصف ما فرضتم الا ان یعفون او یعفو الذی بیدہ عقدۃ النکاح وان یعفوا اقرب للتعوی ولا تنسوا الفضل بینکم ان اللہ یمامعولون بصیر۔ اور اگر تم ان بیبیوں کو طلاق دو قبل اس کے کہ ان کو ہاتھ لگاؤ اور ان کے لئے کچھ مہر بھی مقرر کر چکے تھے تو جتنا مہر تم نے مقرر کیا ہو اس کا نصف (واجب) ہے مگر یا کہ وہ عورت (اپنا نصف) معاف کر دیں یا یہ کہ وہ شخص رعایت کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کا تعلق رکھنا اور توڑنا ہے) اور تمہارا معاف کر دینا نہ نسبت وصول کرنے کے (تقویٰ سے زیادہ قریب ہے اور آپس میں احسان کرنے سے غفلت مت کرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں کو خوب دیکھتے ہیں۔

(۸) مرد کو اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ جو کچھ مال و اسباب عورت کو قبل طلاق دے چکا ہے طلاق کے بعد اس سے واپس نہ لے جیسا کہ سورہ نسا میں ارشاد ہے۔

وان اردتھا استبدال زوج مکان اور اگر تم بجائے ایک بی بی کے دوسری بی بی کرنا

چاہو اور تم اس ایک کو انبار کا انبار مال دے
چکے ہو تو تم اس میں سے کچھ بھی مت لو کیا تم اس
کو لیتے ہو بہتان رکھ کر اور صریح گناہ کے مرتکب
ہو کر اور تم اس کو کیسے لیتے ہو حالانکہ تم باہم
ایک دوسرے سے بے حجابانہ مل چکے ہو اور وہ

زوج و انتیتہم احداہن قنطارا
فلا تاخذوا منہ شیئا تاخذونہ
بہتانا واثما مبینا وکیف تاخذونہ
وقد افقی بعضکم الی بعض واخذن
منکم شیئا قاعلیظا۔

عورتیں تم میں سے ایک گاڑھا اقرار لے چکی ہیں۔

اور لینے کی اجازت بھی دی تو اس حالت میں جبکہ نہ لینے کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے مقرر
فرمودہ ضابطوں کے ٹوٹنے کا اندیشہ ہو چنانچہ سورہ بقرہ میں ارشاد ہے۔

اور تمہارے لئے یہ بات حلال نہیں کہ (چھوڑ
کے وقت) کچھ بھی لو (گو) اس میں سے (سہی)
جو تم نے ان کو (مہر میں) دیا تھا مگر یہ کہ میاں بیوی
دونوں کو احتمال ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ضابطوں
کو قائم نہ کر سکیں گے سو اگر تم لوگوں کو یہ
احتمال ہو کہ وہ دونوں ضابطہ خداوندی کو
قائم نہ کر سکیں گے تو دونوں پر کوئی گناہ نہ ہوگا

ولا یجمل لکم ان تاخذوا مما آتیتم
شیئا الا ان یخافا الا یمساحدا ودا للہ
فان خفتم الا یمساحدا ودا للہ فلا
جناح علیہما فیما اقتدت بہ تلک
حد ودا للہ فلا تعدوہا و من
یتعد حد ودا للہ فاو لئک ہم
الظالمون۔

اس (مال کے لینے دینے) میں جس کو دیکر عورت اپنی جان چھڑالے یہ خدائی ضابطے ہیں سو تم
ان سے باہر مت نکلتا اور جو شخص خدائی ضابطوں سے باہر نکل جائے سو ایسے ہی لوگ اپنا
نقصان کرنے والے ہیں۔

(۹) یہ بھی قرار دیا کہ طلاق کا تجربہ دو مرتبہ کر کے دیکھا جائے چنانچہ سیرہ بقرہ میں ارشاد ہے۔

الطلاق مرثن فامساک بمعروف
او قسریٰ باحسان۔

جب تیسری مرتبہ طلاق دیدے تو اس پر بالکل حرام ہو گئی اور ہر ایک پر واجب ہو گیا کہ
اپنے لئے دوسرا ساتھی تلاش کر لے چنانچہ ارشاد ہے۔

فان طلقها فلا تحل لہ من بعد
حتی تنکح زوجا غیرہ۔

پھر اگر کوئی (تیسری) طلاق دیدے عورت کو تو
وہ پھر اس کے لئے حلال نہ رہے گی اس کے بعد

یہاں تک کہ وہ اس کے سوا ایک اور خاوند کے ساتھ (عدت کے بعد) نکاح کر لے۔

اور جبکہ دوسرا شوہر بیوی کا تجربہ کرے تو پھر اس کے پہلے شوہر کو جائز ہوگا کہ اس عورت سے دوبارہ نکاح کر لے جیسا کہ ارشاد ہے۔

فان طلقھا فلا جناح علیہما ان
یتراجعا ان ظنا ان یقیم احدا
واللہ و تلک حدود اللہ یبنیہا
لقوم یعلمون۔

پھر اگر یہ اس کو طلاق دیدے تو ان دونوں پر
(اس میں) کچھ گناہ نہیں کہ بدستور پھر ملجا دیں
بشرطیکہ دونوں غالب گمان رکھتے ہیں کہ
(آئندہ) خداوندی ضابطوں کو قائم رکھیں گے۔

اور یہ خداوندی ضابطے ہیں حق تعالیٰ ان کو بیان فرماتے ہیں ایسے لوگوں کے لئے جو دانشمند ہیں۔
اور مسلمؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ
میں تین طلاق ایک ہی سمجھی جاتی تھیں اور یہ غالباً اس لئے تھا کہ اللہ اعلم کہ شوہر کو اس بات کی
اجازت دیتا کہ وہ اپنی بیوی کو ایک ہی مرتبہ میں انتہائی طور پر حرام کرے ان مصلحتوں کو ضائع
کر دیتا ہے جو قرآنی احکام سے طلاق کو بصورت رجوع دو مرتبہ دینے میں اور تیسری طلاق سے
حرام کرنے میں رکھی گئی ہیں۔

(۱۰) قرآن کریم نے جدائی کی ان اقسام کا بھی ذکر کیا ہے جو زمانہ جاہلیت میں طلاق سمجھی جاتی تھیں
اور قرآن کریم نے اس کا ایک نظام رکھا ہے۔

اولیٰ۔ ایلاء ہے یعنی مرد اس بات کی قسم کھالے کہ اپنی بیوی کے پاس نہ جائے گا چنانچہ
سورہ بقرہ میں ارشاد فرمایا۔

لہٰذا لیکن چاروں ائمہ مجتہدینؒ اس بات پر متفق ہیں کہ تین طلاقیں کا ایک شمار کیا جانا اس صورت میں تھا جبکہ طلاق لینے
والے کی نیت ایک ہی طلاق کی ہو اور اس نے اسی طلاق کے لفظ کو بار بار بطور تاکید استعمال کیا ہو اس وجہ سے آنحضرتؐ
سے اگر کوئی شخص یہ کہہ دیتا تھا کہ میں نے طلاق ایک ہی دینا چاہا تھا مگر تین مرتبہ تاکید کے طور پر لفظ طلاق بولا
تھا تو آپؐ اس کی بات مان کر طلاق کو ایک قرار دیتے تھے، بعد میں جب لوگوں کی دیانت سے اعتماد
اٹھنے لگا تو حضرت عمرؓ نے تمام صحابہؓ کے مشورہ سے یہ فیصلہ کیا اب اگر کوئی شخص ایسا کرے
گا تو اسے تین طلاقیں سمجھی جائیں گی، چنانچہ اب اسی پر ائمہ اربعہؒ کا اجتماع ہے، اس مسئلہ پر
تفصیل کے ساتھ ہم نے اپنی کتاب ”ہمارے عائلی مسائل“ میں گفتگو کی ہے، ۱۲ محمد تقی۔

وہ لوگ جو قسم کھا بیٹھتے ہیں اپنی بیبیوں کے پاس جانے سے ان کے لئے چار مہینے تک کی مہلت ہے سو اگر یہ لوگ (قسم توڑ کر عورت کی طرف) رجوع کر لیں تب تو اللہ تعالیٰ معاف کر دیں گے رحمت فرمادیں گے اور اگر بالکل ہی چھوڑ دینے کا پختہ ارادہ کر لیا ہے تو اللہ تعالیٰ سنتے ہیں جانتے ہیں۔

الذین یؤنوں من نسائهم
تربص اربعة اشهر فان فاؤافان
الله غفور رحيم وان عزموا الطلاق
فان الله سميع عليم -
کر دیں گے رحمت فرمادیں گے اور اگر بالکل ہی چھوڑ دینے کا پختہ ارادہ کر لیا ہے تو اللہ تعالیٰ سنتے ہیں جانتے ہیں۔

اور آیت کے ربط سے ظاہر ہوتا ہے کہ شارع نے شوہر کے لئے ایک ایسی مدت مقرر کر دی ہے جو انتہائی طور پر قسم کی حفاظت کے لئے ممکن ہو اس مدت کے پورا کرنے سے پہلے کہ جب وہ اس مدت کو پورا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی قسم کو معاف فرما دے گا جیسا کہ اس پر آیت سابقہ دلالت کرتی ہے۔ جو حسب ذیل ہے۔

اور اللہ کو اپنی قسموں کے ذریعہ سے ان امور کا حجاب مست بناؤ کہ تم نیکی کے اور تقویٰ کے اور اصلاح فیما بین خلق کے کام کرو اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتے جانتے ہیں اللہ تعالیٰ تم پر آخرت میں (دار و گیر نہ فرمائیں گے تمہاری قسموں میں) (ایسی) بیہودہ قسم پر لیکن دار و گیر فرمادیں گے اس (جھوٹی قسم) پر جس میں تمہارے دلوں نے (جھوٹ بولنے کا) ارادہ کیا ہے اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہیں۔

ولا تجعلوا الله عرضة لایمانكم
ان تبروا وتتقوا وتصلحوا بین الناس
والله سميع عليم لا یواخذکم الله
باللغو فی ایمانکم ولكن یواخذکم
بما کسبت قلوبکم والله غفور رحیم -

دوئم۔ ظہار جو کہ عرب کے پاس تحریم کی ایک شکل تھی کہ مرد اپنی عورت کو یہ کہہ کر اپنے اوپر حرام کر لیتا کہ تو مجھ پر ایسی ہے جیسے میری ماں کی پیٹھ چنانچہ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے سورہ مجادلہ کے شروع کی آیتیں نازل فرمائیں۔

قد سمع الله قول التي تجادلک
فی زوجها وتشتکی الی الله والله یسمع
نحو اور کما ان الله سميع بصیر الذین
یظاہرون منکم من نسائهم
ما هن امهاتهم ان امهاتهم

بے شک اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات سن لی جو آپ سے اپنے شوہر کے معاملہ میں جھگڑتی تھی اور (اپنے رنج و غم کی) اللہ تعالیٰ سے شکایت کرتی تھی اور اللہ تعالیٰ تم دونوں کی گفتگو سن رہا تھا (اور اللہ تعالیٰ) سب کچھ

إِلَّا اللَّائِي وَلَدْنَهُمْ وَأَنَّهُمْ لَيَقُولُن
مَنكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُورًا وَإِنَّ اللَّهَ
لَعَفُوٌّ غَفُورٌ الَّذِينَ يَظَاهِرُونَ مِن
نِّسَائِهِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا فَحَرِّ
رَقَبَةً مِّن قَبْلِ أَن يَتَآمَسَ ذَكَرُكُمْ
تَوْعظُونَ بِهِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ
خَبِيرٌ فَمِنْ لَّحْمٍ يَحِدُ فَصِيَامُ شَهْرٍ
مَّتَّابِعِينَ مِّن قَبْلِ أَن يَتَآمَسَ فَمِنْ
لَّحْمٍ يَسْتَطْعَمُ فَاطْعَامُ سَتِينَ مَسْكِينًا
ذَلِكَ لَتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ
وَتَلَكَ حُدُودُ اللَّهِ -

سننے والا سب کچھ دیکھنے والا ہے تم میں جو
لوگ اپنی بیبیوں سے ظہار کرتے ہیں (مثلاً
یوں کہہ دیتے ہیں انت علی کظہرائی) وہ
ان کی مائیں نہیں ہیں ان کی مائیں تو بس وہی ہیں
جنہوں نے ان کو جنم دیا ہے اور وہ لوگ بلاشبہ
ایک نامعقول اور (چونکہ) جھوٹ بات کہتے
ہیں (اس لئے گناہ ضرور ہوگا) اور یقیناً
اللہ تعالیٰ معاف کرنے والے بخش دینے
والے ہیں اور جو لوگ اپنی بیبیوں سے
ظہار کرتے ہیں پھر اپنی کہی ہوئی بات کی
تلافی کرنا چاہتے ہیں تو ان کے ذمہ ایک غلام

یا لونڈی کا آزاد کرنا ہے قبل اس کے کہ دونوں (میاں بی بی) باہم اختلاط کریں اس سے تم کو
نصیحت کی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی پوری خبر ہے۔ پھر جس کو (غلام لونڈی)
میسرہ ہو تو اس کے ذمہ پے پے (یعنی لگاتار) دو مہینے کے روزے ہیں قبل اس کے کہ دونوں باہم
اختلاط کریں پھر جس سے یہ بھی نہ ہو سکیں تو اس کے ذمہ ساٹھ مسکینوں کا کھانا کھلانا ہے یہ حکم
اس لئے (بیان کیا گیا) ہے کہ اللہ اور رسول پر ایمان لاؤ اور یہ اللہ کی حدیں (باندھی ہوئی) ہیں۔
اس سے ظاہر ہوا کہ طلاق کے لئے جو نظام بتایا گیا وہ ایک بہترین اور خوبصورت نظام ہے
اگر اس پر عمل کیا جائے تو کل کا کل بہتر ہے کیونکہ ایک طرف تو وہ شوہر پر اپنی بیوی کے ساتھ اپنے
پران دونوں کے اخلاق میں بعد المشرقین ہونے کی وجہ دونوں میں نفرت پیدا ہونے کے بعد
نور نہیں دیتا ہے تو دوسری طرف جدائی کے معاملہ کو بغیر کسی کفالت کے سہل نہیں رکھا۔
اور شارع نے بیوی پر یہ بھی واجب کیا ہے کہ جب اس کا شوہر مر جائے تو وہ سوگ
گزارے چنانچہ سورہ بقرہ میں ارشاد ہے۔

اور جو لوگ تم میں وفات پا جاتے ہیں اور
بیبیاں چھوڑ جاتے ہیں وہ بیبیاں اپنے
آپ کو (نکاح وغیرہ سے) روکے رکھیں

وَالَّذِينَ يَتُوفُونَ مِنكُمْ وَيُذَرُونَ
أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ
أَشْهُرٍ وَعَشْرًا فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ

چار مہینے اور دس دن پھر حیب اپنی مبعاد
(عدت) ختم کر لیں تو تم کو کچھ گناہ نہ ہوگا ایسی
بات میں کہ وہ عورتیں اپنی ذات کے لئے کچھ

کارروائی (نکاح کی) کریں قاعدہ کے موافق اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام افعال کی خبر رکھتے ہیں۔
اور اس کا بھی اس کو مستحق قرار دیا کہ اگر وہ چاہے تو سسرال میں ایک سال تک رہے جس
کو شوہر کے ترکہ سے گزارہ دیا جائے چنانچہ سورہ بقرہ میں ارشاد ہے۔

اور جو لوگ وفات پا جاتے ہیں تم میں سے اور
چھوڑ جاتے ہیں بیبیوں کو وہ وصیت کر جایا
کریں اپنی ان بیبیوں کے واسطے ایک سال
تک منتفع ہونے کی اس طور پر کہ وہ گھر سے
نکالی نہ جا دیں ہاں اگر خود نکل جا دیں تو تم
کو کوئی گناہ نہیں اس قاعدہ کی بات میں جس

فلا جناح علیکم فیما فعلن فی
انفسھن بالمعروف والحدیث
تعملون خیر۔

والذین یتوفون متکم ویذرون
ازواجاً وصیۃ لا زواجھن متاعاً
الی الخول غیر اخراج فان خرجن
فلا جناح علیکم فیما فعلن فی
انفسھن من معروف والحدیث
عزیز حکیم۔

کو اپنے بارہ میں کریں اور اللہ تعالیٰ زبردست ہیں حکمت والے۔
اور ان دونوں آیتوں میں معمولی سا تامل کرنے سے معلوم ہوگا کہ ان دونوں میں کوئی فرق
نہیں ہے صرف یہ کہ پہلی آیت اس بات کی خبر دیتی ہے کہ بیوی پر کیا واجب ہے اور دوسری
یہ کہ اس کا کیا حق ہے۔

اور وہ عورت جو شوہر کے مرنے کی وجہ سے عدت میں بیٹھی ہو اس کو صراحۃً نکاح کا
پیغام دینے سے منع کر دیا گیا۔ البتہ اشارہ کی اجازت دی ہے۔ چنانچہ سورہ بقرہ میں ارشاد ہے۔
اور تم پر کوئی گناہ نہیں ہوگا جو ان مذکورہ
عورتوں کو پیغام (نکاح) دینے کے بارے
میں کوئی بات اشارۃً کہو یا اپنے دل میں
(ارادہ نکاح کو) پوشیدہ رکھو۔ اللہ تعالیٰ
کو یہ بات معلوم ہے کہ تم ان عورتوں کا (ضرور)
ذکر مذکور کرو گے لیکن ان سے نکاح کا وعدہ
(اور گفتگو) مت کرو مگر یہ کہ کوئی بات قاعدہ

ولا جناح علیکم فیما عرضتھن
من خطبة النساء واکتتم فی
انفسکم علم اللہ انکم ستذکرنھن
ولکن لا تواعدنھن سر الا ان
تقولوا قولا معروفا ولا تعزموا عقدہ
النکاح حتی یبلغ الکتاب اجلہ واعلموا
ان اللہ یعلم ما فی انفسکم فاخذروا

واعلموا ان الله غفور حلیم۔ کے موافق کہو اور تم تعلق نکاح (فی الحال) کا ارادہ بھی مت کرو یہاں تک کہ عدت مقررہ اپنی ختم کو نہ پہنچ جاوے اور یقین رکھو اس کا کہ اللہ تعالیٰ کو اطلاع تمہارے دلوں کی بات کی ہے سو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ معاف بھی کرنے والے ہیں حلیم بھی ہیں۔ قرآن نے مطلقہاں سے یہ بھی مطالبہ کیا کہ اپنے بچہ کو دودھ پلائے چنانچہ سورہ بقرہ میں ارشاد فرمایا۔

والوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین لمن اراد ان یتیم المریضۃ وعلی المولود لہ رزقھن وکسوتمھن بالمعروف لا تکلف نفس الا وسعھا لا تضار والدة بولدھا ولا مولود لہ بولدہ وعلی الوارث مثل ذلک فان اراد افضالا عن تراض منھما وتشاور فلا جناح علیھما وان اردتھما ان تسترضعوا اولادکم فلا جناح علیکم اذا سلمتم ما آتیتم بالمعروف والتقوا الله واعلموا ان الله یمہن عملون بصبر۔

اور مائیں اپنے بچوں کو دو سال کامل دودھ پلایا کریں یہ بات اس کے لئے ہے جو کوئی شیرخوارگی کی تکمیل کرنا چاہے اور جس کا بچہ ہے (یعنی باپ) اس کے ذمہ ہے ان ماؤں کا کھانا اور کپڑا قاعدہ کے موافق کسی شخص کو حکم نہیں دیا جاتا مگر اس کی برداشت کے موافق کسی ماں کو تکلیف نہ پہنچانا چاہیے اس کے بچہ کی وجہ سے اور نہ کسی باپ کو تکلیف دینی چاہیے اس کے بچہ کی وجہ سے اور مثل طریق مذکور کے اس کے ذمہ ہے جو وارث ہو پھر اگر دونوں دودھ چھڑانا چاہیں اپنی رضامندی اور مشورہ سے تو دونوں پر کسی قسم کا گناہ نہیں اور اگر تم لوگ اپنے بچوں کو کسی اور انا کا دودھ

پلوانا چاہو تب بھی تم پر کوئی گناہ نہیں جبکہ ان کے حوالہ کردو جو کچھ ان کو دینا کیا ہے قاعدہ کے موافق اور حق تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور یقین رکھو کہ حق تعالیٰ تمہارے کئے ہوئے کاموں کو خوب دیکھ رہے ہیں۔

مندرجہ بالا احکام کے علاوہ قرآن مجید میں عائلی امور سے متعلق مندرجہ ذیل ہدایات بھی موجود ہیں :-

(۱) یتیموں کے لنگراں کے لئے ہدایات فرمائیں چنانچہ اللہ عزوجل نے سورہ بقرہ میں ارشاد فرمایا۔

اور لوگ آپ سے یتیم بچوں کا حکم پوچھتے ہیں
آپ فرمادیں گے کہ ان کی مصلحت کی رعایت
رکھنا زیادہ بہتر ہے اور اگر تم ان کے ساتھ

خرج شامل رکھو تو وہ تمہارے (دینی) بھائی ہیں۔

اور سورہ نسا میں ارشاد فرمایا۔

وَأَتُوا الْيَتَامَىٰ أَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا
الْخَيْثَ بِالْطَّيِّبِ وَلَا تَأْكُلُوا
أَمْوَالَهُم إِلَىٰ أَمْوَالِكُمْ إِنَّهُ كَانَ
حُبًّا كَبِيرًا۔

اور جن بچوں کا باپ مر جاوے ان کے مال
انہیں کو پہنچاتے رہو اور تم اچھی چیز سے
بری چیز کو مت بدلو اور ان کے مال مت
کھاؤ اپنے مالوں کے رہنے تک ایسی
کارروائی کرنا بڑا گناہ ہے۔

اور اسی میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ

وَاتَّبِعُوا الْيَتَامَىٰ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ
فَإِنْ أَنْتُمْ مِنْهُمْ رِشْدًا فَادْفَعُوا
إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ وَلَا تَأْكُلُوهَا إِسْرَافًا
وَبِدَارًا أَنْ يَكْبَرُوا مِنْهَا إِنَّ غِنًى
قُلُوبِكُمْ قَلِيلٌ مِّنْ فَضْلِ اللَّهِ
بِالْمَعْرُوفِ فَإِذَا دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ
أَمْوَالَهُمْ فَأَشْهَدُوا عَلَيْهِمْ وَكَفَىٰ
بِاللَّهِ حَسِيبًا۔

اور تم یتیموں کو آزما لیا کرو یہاں تک کہ جب
نکاح کو پہنچ جائیں پھر اگر ان میں ایک گوبہ
تیز دیکھو تو ان کے اموال ان کے حوالے کر دو
اور ان اموال کو ضرورت سے زیادہ کھا کر اور
اس خیال سے کہ یہ بالغ ہو جائیں گے جلدی
جلدی اڑا کر مت کھاؤ اور جو شخص مستحق
ہو سو وہ تو اپنے کو بالکل بچائے اور جو شخص
حاجتمند ہو تو وہ مناسب مقدار سے کھالے

پھر جب ان کے مال ان کے حوالہ کرنے لگو تو ان پر گواہ بھی کر لیا کرو اور اللہ تعالیٰ ہی حساب
لینے والے کافی ہیں۔

پھر ارشاد فرمایا۔

وَلْيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكَوْا مِنْ خَلْفِهِمْ
ذُرِّيَّةً ضِعَافًا خَافُوا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا
اللَّهَ وَلْيَقُولُوا تَقْوَا سُبْحَانَ

اور ایسے لوگوں کو ڈرنا چاہیے کہ اگر اپنے بعد
چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑ جاویں تو ان کی ان
کو فکر ہو سوان لوگوں کو چاہیے کہ خدا تعالیٰ

الذین یا کلون اموال الیتامی ظلماً
انما یا کلون فی بطونہم ناراً وسیصلون
سعیراً۔
سے ڈریں اور موقع کی بات کہیں بلاشبہ جو
لوگ یتیموں کا مال بلا استحقاق کھاتے (برتنے)
ہیں اور کچھ نہیں اپنے شکم میں آگ بھڑک رہے

ہیں اور عنقریب جلتی آگ میں داخل ہوں گے۔

اور انہی احکام میں یہ بھی ارشاد فرمایا۔

وان تقوموا للیتامی بالقسط۔
اور اس باب میں کہ یتیموں کی کارگزاری
انصاف کے ساتھ کرو۔

(۲) وصیت کے متعلق سورہ بقرہ میں ارشاد فرمایا۔

کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت
ان تریث خیراً الوصیۃ للوالدین
والذین یاربونکم بالمعروف حقاً علی
المتقین فمن بدله بعد ما سمعه
فانما اثمہ علی الذین یبدلونہ ان
اللہ سمیع علیہم فمن خاف من
موص جنفاً واثماً فاصلہ بینہم
فلا اثم علیہ ان اللہ غفور رحیم۔
تم پر فرض کیا جاتا ہے کہ جب کسی کو موت نزدیک
معلوم ہونے لگے بشرطیکہ کچھ مال بھی ترکہ میں
چھوڑا ہو تو والدین اور اقارب کے لئے معقول
طور پر (کہ مجموعہ ایک ثلث سے زیادہ نہ ہو)
کچھ بٹلا جاوے (اس کا نام وصیت ہے)
جن کو خدا کا خوف ہے ان کے ذمہ یہ ضروری
ہے پھر جو شخص اس (وصیت) کے سن لینے
کے بعد اس کو تبدیل کرے تو اس کا گناہ ان

ہی لوگوں کو ہوگا جو اس کو تبدیل کریں گے اللہ تعالیٰ تو یقیناً سنتے جانتے ہیں ہاں جس شخص کو
وصیت کرنے والے کی جانب سے کسی بے عنوانی یا کسی جرم کے ارتکاب کی تحقیق ہوئی ہو پھر یہ
شخص ان میں باہم مصالحت کر اڑے تو اس پر کوئی گناہ نہیں واقعی اللہ تعالیٰ تو (خود گناہوں
کے) معاف فرمانے والے ہیں اور گنہگاروں پر رحم کرنے والے ہیں۔

اور سنت سے اس کی بہت تاکید ثابت ہے چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ماحق
امرئ مسلم لا شئی یرید ان یوصی فیہ یمیت لیلة الا ووصیۃ مکتوبۃ عندہ
(جس مسلمان کے پاس کچھ مال ہو اور وہ اس میں وصیت کرنا چاہے تو اس کو یہ حق نہیں کہ وصیت
کچھ بغیر ایک رات بھی گزارے۔

(۳) گھروں میں جانے کی اجازت لینے کے متعلق سورہ نور میں ارشاد فرمایا۔

اے ایمان والو تم اپنے (خاص رہنے کے) گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل مت ہو جب تک کہ (ان سے) اجازت حاصل نہ کر لو اور (اجازت لینے کے قبل) ان کے رہتے والوں کو سلام نہ کر لو یہی تمہارے لئے بہتر ہے (یہ بات تم کو اس لئے بتلائی ہے) تاکہ تم خیال رکھو (اور اس پر عمل کرو) پھر اگر تم کو ان گھروں میں کوئی (آدمی) نہ معلوم ہو تو (بھی) ان گھروں میں نہ جاؤ جب تک کہ تم کو (مختار اذن کی جانب سے) اجازت نہ دی جائے اور اگر تم سے (اجازت لینے کے وقت) یہ

کہہ دیا جائے کہ (اس وقت) بوٹ جاؤ تو تم لوٹ آیا کرو یہی بات تمہارے لئے بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی خبر ہے (اگر خلاف کرو گے مزار کے مستحق ہو گے) تم کو ایسے مکانات میں چلے جانے کا گناہ نہ ہو گا جن میں (گھر کے طور پر) کوئی نہ رہتا ہو ان میں تمہاری کچھ برت ہو اور تم جو کچھ علانیہ کرتے ہو اور جو پوشیدہ طور پر کرتے ہو اللہ تعالیٰ سب جانتا ہے۔

اور اسی میں یہ بھی ارشاد فرمایا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَأْذِنُوا
الَّذِينَ مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ وَالَّذِينَ
لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلَاثَ
مَرَّاتٍ مِنْ قَبْلِ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَحِينَ
تَضَعُونَ ثِيَابَكُمْ مِنَ الظَّهْرِ وَمِنْ
بَعْدِ صَلَاةِ الْعِشَاءِ ثَلَاثُ عَوْرَاتٍ لَكُمْ
لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌ بَعْدَ هُنَّ
طَوَّافُونَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ

اے ایمان والو تمہارے پاس آنے کے لئے
مملوکوں کو اور تم میں جو حد بلوغ کو نہیں پہنچے
تین وقتوں میں اجازت لینا چاہیئے (ایک تو)
نماز صبح سے پہلے اور (دوسرے) جب (سوئے)
لینے کے لئے) دوپہر کو اپنے (بعض) کپڑے
اتار دیا کرتے ہو اور (تیسرے) نماز عشاء کے
بعد تین وقت تمہارے پردوں کے (وقت)
ہیں (اور) ان اوقات کے سوا نہ تم پر کوئی الزام

کذلک یبین اللہ لکم الآیات واللہ
 علیم حکیم واذا بلغ الاطفال منکم
 الحکم فلیستاذنوا کما استاذن
 الذین من قبلہم کذلک یبین
 اللہ لکم آیاتہ واللہ علیم حکیم۔
 احکام صاف صاف بیان کرتا ہے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے اور جس وقت تم میں کے
 وہ لڑکے (جن کا حکم اور آیا ہے) در بلوغ کو پہنچیں تو ان کی بھی اسی طرح اجازت لینا چاہیے
 جیسا کہ ان سے اگلے لوگ اجازت لیتے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ تم سے اپنے احکام صاف
 صاف بیان کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے۔
 اور یہ بھی ارشاد فرمایا۔

فاذا دخلتم بیوتاً فسلموا علی انفسکم
 تحیة من عند اللہ مبارکة طیبة۔
 جب تم اپنے گھروں میں جانے لگا کرو تو اپنے
 لوگوں کو سلام کر لیا کرو (جو کہ) دعا کے طور پر
 (ہے اور) جو خدا کی طرف سے مقرر ہے (اور) برکت والی عمرہ چیز ہے۔

اور سورۃ احزاب میں نبی (اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) کے مکانوں کے متعلق خاص طور پر فرمایا۔
 یا ایہا الذین امنوا لا تدخلوا بیوت
 النبی الا ان یؤذن لکم الی طعام
 غیر ناظرین انہم وکن اذا دعیتم
 فادخلوا فاذا اطعمتم فانقشروا ولا
 مستانسیین الحدیث ان ذلک کان
 یؤذی النبی فیستحیی منکم واللہ
 لا یتحیی من الحق۔
 اے ایمان والو! جو گھروں میں (سے بلائے)
 مت جایا کرو مگر جس وقت تم کو کھانے کے
 لئے اجازت دی جاوے ایسے طور پر کہ اس
 کی تیاری کے منتظر نہ ہو لیکن جب تم کو بلایا
 جاوے (کہ کھانا تیار ہے) تب جایا کرو۔ پھر
 جب کھانا کھا چکو تو اٹھ کر چلے جایا کرو اور
 باتوں میں جی لگا کر مت بیٹھے رہا کرو اس بات
 سے نبی کو ناگواری ہوتی ہے سو وہ تمہارا لحاظ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ صاف صاف بات کہنے سے
 (کسی کا) لحاظ نہیں کرتا۔

پردہ کے آداب

پردہ دو قسم کا ہے ایک تو وہ جو عورت کے لباس اور زینت سے مرد کو دیکھنے اور مرد کے اس کی طرف دیکھنے سے متعلق ہے دوسرے جو اس کے گھر سے نکلنے اور زندگی کے کاموں میں مرد و عورت کے اختلاط سے متعلق ہے۔

اول۔ کے متعلق تو اللہ تعالیٰ نے سورہ نور میں ارشاد فرمایا۔

قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا أَرْوَاحَهُمْ ذَلِكَ أَزْكَى لَكُمْ وَأَنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ
وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَى جُيُوبِهِنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ آبَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي إِخْوَانِهِنَّ أَوْ نِسَائِهِنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ أَوِ التَّابِعِينَ غَيْرَ أُولِي الدَّرَجَةِ مِنَ الرِّجَالِ أُولَئِكَ الَّذِينَ لَمْ يُظْهَرُوا عَلَى عَوْرَاتِ النِّسَاءِ وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِنْ زِينَتِهِنَّ وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ۔

مسلمان مردوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت رکھیں یہ ان کے لئے زیادہ صفائی کی بات ہے بے شک اللہ تعالیٰ کو سب خبر ہے جو کچھ لوگ کیا کرتے ہیں اور اسی طرح مسلمان عورتوں سے (بھی) کہہ دیجئے کہ (وہ بھی) اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت (کے مواقع) کو ظاہر نہ کریں مگر جو اس (موقع زینت) میں سے (غالباً) کھلا رہتا ہے (جس کے ہر وقت چھپاؤ میں حرج ہے) اور اپنے دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالے رکھیں اور اپنی زینت (کے مواقع) مذکورہ) کو کسی پر ظاہر نہ ہونے دیں مگر اپنے شوہروں پر یا اپنے (مخادم پر یعنی) باپ پر یا اپنے شوہر کے باپ پر یا اپنے بیٹوں پر یا اپنے شوہروں کے بیٹوں پر یا اپنے (حقیقی علاقائی خیانی) بھائیوں پر یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں پر یا اپنی (حقیقی علاقائی اور خیانی) بہنوں کے بیٹوں پر یا اپنی عورتوں پر یا اپنی لونڈیوں پر یا ان

مردوں پر جو طفیلی (کے طور پر رہتے) ہوں اور ان کو ذرا توجہ نہ ہو یا ایسے لڑکوں پر جو عورتوں کے پردوں کی باتوں سے ابھی ناواقف ہیں (مراد غیر مراہق ہیں) اور اپنے پاؤں زور سے نہ رکھیں کہ ان کا مخفی زیور معلوم ہو جائے اور مسلمانوں (تم سے جو ان احکام میں کوتاہی ہو گئی ہو تو) تم سب اللہ کے سامنے توبہ کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔
اور سورہ احزاب میں فرمایا۔

یا ایہا النبی قل لا زواج لک وبناتک
ونساء المؤمنین یدنین علیہن
من جلا بیہن ذلک ادنی ان
یعرفن فلا یوزین وکان اللہ غفورا
رحیما۔
اے پیغمبر اپنی بیبیوں سے اور اپنی صاحبزادیوں
سے اور دوسرے مسلمانوں کی بیبیوں سے
بھی کہہ دیجئے کہ (میرے) نیچے کر لیا کریں اپنے
تھوڑی سی اپنی چادریں اس سے جلدی
پہچان ہو جایا کرے گی تو آزار نہ دی جایا
کریں گی اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔
اور سورہ نور میں ارشاد فرمایا۔

والقواعد من النساء اللاتی لا یرجون
نکاحا فلا ین علیہن جناح ان
یضعن ثیا بہن غیر متبرجات
بزینۃ وان ینستعفن خیر لہن
واللہ سمیع علیم۔
اور بڑی بوڑھی عورتیں جن کو (کسی کے) نکاح
(میں آنے) کی کچھ امید نہ رہی ہو ان کو (البتہ)
اس بات میں کوئی گناہ نہیں کہ وہ اپنے (زاید)
کپڑے اتار رکھیں بشرطیکہ زینت (کے موافق)
کا اظہار نہ کریں اور (ہر چند کہ بڑھیوں کو منہ
کھولنے کی اجازت ہے لیکن) اگر اس سے بھی احتیاط رکھیں تو ان کے لئے اور زیادہ بہتر ہے اور
اللہ تعالیٰ (سب کچھ) سنتا ہے (سب کچھ) جانتا ہے۔

اب رہی دوسری قسم تو اس کے متعلق سورہ احزاب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی
ازواج مطہرات کو مخاطب کر کے فرمایا۔

وقرن فی بیوتکن ولا تخرجن بئرج
الجاہلیۃ الاولی۔
اور تم اپنے گھروں میں قرار سے رہو اور قدیم زمانہ
جاہلیت کے دستور کے موافق مت پھرو۔

اور ان کے بارے میں یہ بھی ارشاد فرمایا۔

واذا سالتموہن متاعا فاسئلوہن
اور جب تم ان سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے

من وراہ حجاب ذلکم اطہر
 لقلوبکم وقلوبہن وما کان لکم
 ان تؤذوا رسول اللہ ولا ان تنکحوا
 ازواجہ من بعدہ ابدا ان ذلکم
 کان عند اللہ عظیمًا۔
 بیبیوں سے کبھی نکاح کرو یہ خدا کے نزدیک بڑی بھاری (معصیت) کی بات ہے۔

وراثت کا نظام

وراثت عرب میں مشہور بات تھی اور اس کا اصل اصول ولایت تھی یعنی جو شخص مرنے والے شخص کا قریبی عزیز ہوتا وہ اس کا وارث ہوتا اور وہ اس کا بیٹا تھا جو اس کی ہر کام میں مدد کیا کرتا اسی لئے وراثت مرد لڑکوں میں منحصر تھی کیونکہ وہی تلوار چلانے والے اور شرافت کی حفاظت کرنیوالے تھے اور لڑکوں کے ساتھ کسی اور کو کوئی حصہ نہیں ملتا تھا اور لڑکے کی عدم موجودگی میں موتی کا جو سب سے زیادہ قیمتی دلی ہوتا وہ وارث ہوتا اور وہ باپ تھا پھر بھائی پھر چچا وغیرہ۔

جب اسلام آیا تو اس نے ولایت کے اصول کو تو باقی رکھا لیکن اس کی بنیاد اسلام اور ہجرت قرار دی کیونکہ وہ ایک ایسی اسلامی جماعت کو قائم کرنا چاہتا تھا جس کے اعضاء ایک مضبوط رسی میں بندھے رہیں چنانچہ سورہ انفال میں ارشاد ہے۔

ان الذین آمنوا وهاجروا وجاهدوا
 باموالہم وانفسہم فی سبیل
 اللہ والذین آؤوا ونصروا اولئک
 بعضہم اولیاء بعض والذین آمنوا
 ولم یھاجروا مالکم من ولا یتھم
 من شئ حتی یھاجروا وان
 استنصوکم فی الدین فعلیکم
 النصرا لا علی قوم بینکم و بینہم

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت کی اور اپنے مال اور جان سے اللہ کے رستہ میں جہاد بھی کیا اور جن لوگوں نے اپنے کو جگہ دی اور مدد کی یہ لوگ باہم ایک دوسرے کے وارث ہوں گے اور جو لوگ ایمان تو لائے اور ہجرت نہیں کی تمہارا ان سے میراث کا کوئی تعلق نہیں جب تک کہ وہ ہجرت نہ کریں اور اگر وہ تم سے دین کے کام میں مدد چاہیں

میثاق واللہ بما تعملون بصیر و
الذین کفرو البعض ہم اولیاء لبعض
الافتعلوا تکن فتنہ فی الارض و
فساد کبیر والذین آمنوا وھاجروا
وجاہدوا فی سبیل اللہ والذین
آؤوا ونصروا اولئک ہم المومنون
حقا ہم مغفرة و رزق کریم والذین
آمنوا من بعد وھاجروا وجاہدوا
معکم فاؤئک منهم۔

تو تمہارے ذمہ مدد کرنا واجب ہے مگر اس
قوم کے مقابلہ میں نہیں کہ تم میں اور ان میں
باہم صلح کا معاہدہ ہو اور اللہ تعالیٰ تمہارے
سب کاموں کو دیکھتے ہیں اور جو لوگ کافر
ہیں وہ باہم ایک دوسرے کے دارث ہیں
اگر اس حکم (مذکور) پر عمل نہ کر دے گے تو دنیا
میں بڑا فتنہ اور بڑا فساد پھیلے گا اور جو لوگ
(اول) مسلمان ہوئے اور انھوں نے (ہجرت
نبویہ کے زمانہ میں) ہجرت کی اور اللہ کی راہ

میں جہاد کرتے رہے اور جن لوگوں نے (ان ہاجرین کو) اپنے یہاں ٹھیرایا اور ان کی مدد کی یہ
لوگ ایمان کا پورا حق ادا کرنے والے ہیں اور ان کے لئے (آخرت میں) بڑی مغفرت اور (جنت
میں) بڑی معزز روزی ہے اور جو لوگ (ہجرت نبویہ کے) بعد کے زمانہ میں ایمان لائے اور ہجرت
کی اور تمہارے ساتھ جہاد کیا سو یہ لوگ (گو فضیلت میں تمہارے برابر نہیں لیکن تلامذہ تمہارے
ہی شمار میں ہیں۔

اور اس قانون سے ہاجر مومن اور اس کے غیر میں جو ایمان نہیں لایا یا ایمان تو لایا لیکن ہجرت
نہیں کی ولایت کا رشتہ منقطع ہو گیا۔

پھر اس ولایت کو سلسلہ دار قربت قرابت کے لحاظ سے لازم قرار دیا چنانچہ اسی کے
بعد ارشاد فرمایا۔

واولوا الارحام بعضهم اولی ببعض
فی کتاب اللہ ان اللہ بکل شی
علیم۔

اور سورہ احزاب میں ارشاد فرمایا۔

واولوا الارحام بعضهم اولی ببعض
فی کتاب اللہ من المومنین و
المہاجرین الا ان تفعلوا الی

اور جو لوگ رشتہ دار ہیں کتاب اللہ میں ایک
دوسرے (کی میراث) کے زیادہ حقدار ہیں بے
شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں۔

اور کتاب اللہ میں رشتہ دار ایک دوسرے
سے زیادہ تعلق رکھتے ہیں بہ نسبت دوسرے
مومنین اور مہاجرین کے مگر یہ کہ تم اپنے دوستوں

سے کچھ سلوک کرنا چاہو تو وہ جائز ہے یہ بات
روح محفوظ میں رکھی جا چکی ہے۔

اولیاء کم معروفاً کان ذلک فی
الکتاب مسطوراً۔

اور سورہ نسا میں ارشاد فرمایا۔

اور ہر ایسے مال کے لئے جس کو والدین اور رشتہ دار
لوگ چھوڑ دیں ہم نے وارث مقرر کر دیے ہیں
اور جن لوگوں سے تمہارے عہد بندھے ہوئے
ہیں ان کو ان کا حصہ دیدیے شک اللہ تعالیٰ
ہر چیز پر مطلع ہیں۔

ونکل جعلنا موالی مہاترک الوالدان
والاقریبون والذین عقدت ایما
نکم فأتوہم نصیبہم ان اللہ
کان علی کل شئی شہیداً۔

اس آیت میں ولایت عقد جو دلاء موالات کے نام سے مشہور تھی جائز قرار دی گئی جس کا مطلب
تھا کہ مرتے والا جو کچھ چھوڑ جاتا وہ اولاد کے بعد اس کے قریبی اعزہ والدین و اقرباء کے ساتھ
ان کو بھی ملے جن سے قسما قسمی عہد و پیمان ہو جاتا تھا اور یہ دلاء عقد زمانہ جاہلیت میں اس
طرح قرار دی جاتی تھی کہ ایک شخص دوسرے شخص کے ساتھ عہد و پیمان کر لیا کرتا تھا کہ آپس
میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے اور ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔ اسلام نے اس عقد
کو باطل نہیں کیا۔

پھر اسلام نے جاہلیت کے اس قاعدہ کو توڑ دیا کہ ترکات میں استحقاق صرف مرد کا
رہے چنانچہ سورہ نسا میں ارشاد فرمایا۔

للمرءال نصیب مما ترک الوالدان
والاقریبون والنساء نصیب مما ترک
الوالدان والاقریبون مما قل منہ
اوکثیر نصیباً مضمناً وضاً۔
مردوں کے لئے بھی حصہ ہے اس چیز میں سے
جس کو ماں باپ اور بہت نزدیک کے قراستدار
چھوڑ جاویں اور عورتوں کیلئے بھی حصہ ہے جس کو
ماں باپ اور بہت نزدیک کے قراستدار چھوڑ
جائیں خواہ وہ چیز قلیل ہو یا کثیر ہو یہ حصہ فرض ہے۔

یہ سب عام قاعدے تھے جس میں اس کی صراحت نہیں کی گئی کہ کس وارث کو کس قدر حصہ ملے
گا اور ان سب کی بنیاد شریعت میں تدریجی قواعد کی ترتیب ہے جس کا ہم نے پہلے ذکر کر دیا ہے۔
صاحب مال کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ وہ خود اس کی تصریح کر دے کہ وہ اپنے مال میں سے
والدین اور اقرباء کو کیا دینا چاہتا ہے چنانچہ آیت وصیت کو نازل فرمایا جس کا ہم نے اوپر ذکر

کر دیا پھر اس کے بعد خود غدار عذرہ جل بنے اس کی صراحت فرمادی کہ لڑکوں وغیرہ میں سے ہر وارث کو کتنا حصہ ملنا چاہیے اور ان سب میں یہ رعایت ملحوظ رکھی کہ عورت پر مرد کی فضیلت باقی رہے جبکہ میت سے ان کی قرابت کا درجہ برابری کا رہے بجز احتیاتی بھائی بہنوں کے کہ قرآن مجید سے تو ظاہری طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ان کو برابر حصہ ملے گا اگرچہ اس بارہ میں کوئی صریح حکم نہیں چنانچہ سورہ نسا میں ارشاد ہے۔

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ
حَظِّ الْإِثْمِثِينَ فَإِن كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ
اِثْنَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَإِن
كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ -

اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے
باپ میں لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصہ
کے برابر اور اگر صرف لڑکیاں ہی ہوں گودو سے
زیادہ ہوں تو ان لڑکیوں کو دو تہائی ملے گا
اس مال کا جو کہ مورث چھوڑا ہے اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو اس کو نصف ملے گا۔

اور والدین کی میراث کے بارے میں ارشاد فرمایا۔

وَلِابْوَيْهِ نِصْفُ مِمَّا تَرَكَ إِنْ كُنَّ
مَسَاكِينًا وَإِنْ كُنَّ وَلَدًا فَإِن لَمْ
يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَوَرَثَتْهُ ابْنَاتُهُ فَلَهُنَّ
الْثُلُثُ فَإِن كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلَهُمُ
النِّصْفُ -

اور ماں باپ کے لئے یعنی دونوں میں سے ہر
ایک کے لئے میت کے ترکہ میں سے چھٹا حصہ
ہے اگر میت کے کوئی اولاد ہے اور اگر اس
میت کے کوئی اولاد نہ ہو اور اس کے ماں باپ
ہی اس کے وارث ہوں تو اس کی ماں کا ایک
تہائی ہے اور اگر میت کے ایک سے زیادہ بھائی یا بہن ہوں تو اس کی ماں کو چھٹا حصہ ملے گا۔
اور بیٹیاں بی بی کی میراث کے بارے میں فرمایا۔

وَلِكُلِّ نِسْفُ مِمَّا تَرَكَ إِذَا وَجَّهَكُمْ
لَهُ يَكُنَّ لَهَا وَلَدًا فَإِن لَمْ يَكُنْ
لَهَا وَلَدٌ فَلَهُ الرِّبْعُ مِمَّا تَرَكَ مَن بَعْدَ
وَصِيَّةِ يَوْصِيْنَ بِهَا أَوْ دِينَ وَلَهُنَّ
الرِّبْعُ مِمَّا تَرَكَتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ
وَلَدٌ فَإِن كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثَّمَنُ
مِمَّا تَرَكَتُمْ -

اور تم کو آدھا حصہ ملے گا اس ترکہ کا جو تمہاری
بیٹیاں چھوڑ جاویں اگر ان کے کوئی اولاد نہ ہو
اور اگر ان بیٹیوں کے کوئی اولاد ہو تو تم کو ان
کے ترکہ سے چوتھائی حصہ ملے گا وہ وصیت
پوری کرنے کے بعد جو وہ کر جائیں یا قرض ادا
کرنے کے بعد اور ان بیٹیوں کو چوتھائی حصہ
ملے گا اس ترکہ کا جس کو تم چھوڑ جاؤ اگر تمہارے

کوئی اولاد نہ ہو اور اگر تمہارے کوئی اولاد ہو تو ان کو تمہارے ترکہ میں سے آٹھواں حصہ ملے گا۔
اور ماں کی اولاد کے بارے میں فرمایا۔

وان كان رجل يورث كلاً او امرأة وله اخ او اخت فكل واحد منهما السدس فان كانوا اكثر من ذلك فهم شركاء في الثلث
اور اگر کوئی میت جس کی میراث دوسروں کو ملے گی خواہ وہ میت مرد ہو یا عورت ایسا ہو جس کے نہ اصول ہوں نہ فروع ہوں اور اس کے ایک بھائی یا بہن ہو تو ان دونوں میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا اور اگر یہ لوگ اس سے زیادہ ہوں تو وہ سب تہائی میں شریک ہوں گے۔

اور عصبائی بھائی بہنوں کے متعلق فرمایا۔

يستغنونك قل الله يفتيكم في الكلاله ان امرؤ هلك ليس له ولد وله اخت فلها نصف ما ترك وهو يرثها ان لم يكن لها ولد فان كانتا ثنتين فلهما الثلثان مما ترك وان كانوا اخوة رجالاً ونساءً فللذكر مثل حظ الانثيين۔
لوگ آپ سے حکم دریافت کرتے ہیں آپ فرمادیجئے کہ اللہ تعالیٰ تم کو کلالہ کے باب میں حکم دیتا ہے کہ اگر کوئی شخص مر جاوے جس کے اولاد نہ ہو اور نہ ماں باپ اور اس کے ایک (غینی یا علاتی) بہن ہو تو اس کو اس کے تمام ترکہ کا نصف حصہ ملے گا اور وہ شخص اس (اپنی بہن) کا وارث ہوگا اگر وہ بہن مر جاوے اور اس کے اولاد نہ ہو اور والدین بھی نہ ہوں) اور اگر بہنیں دو ہوں (یا زیادہ) تو ان کو اس کے کل ترکہ میں سے دو تہائی ملیں گے اور اگر چند وارث بھائی بہن ہوں مرد اور عورت تو ایک مرد کو دو عورتوں کے حصہ کے برابر حصہ ملے گا۔

اور مسئلہ میراث کو وصیت اور قرض کے بعد قرار دیا۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا الحقوا الفرائض باهلها فما بقى فلا ولي رجل ذكر یعنی پہلے ان کو دوز جن کے حقوق کی ادائی فرض ہے اور جو باقی رہے وہ قریبی مرد رشتہ دار کو دو اور اسی سے ان لوگوں کی میراث بھی معلوم ہو جاتی ہے جن کا ذکر قرآن مجید نے نہیں کیا ہے یعنی چچا اور ان کی اولاد وغیرہ کی۔

معاملات

معاملات سے مراد وہ تمام معاہدات ہیں جن سے لوگ اپنے منافع کا آپس میں تبادلہ کرتے ہیں اور قرآن مجید نے اجمالاً اور قاعدہ کلیہ کے طور پر ان کا ذکر کیا ہے لیکن ان کی تفصیلات مجتہدین امت کے لئے چھوڑ دیں، انہی قواعد کلیہ میں سے یہ بھی ہے کہ

(۱) تمام معاہدات کو پورا کرنے کا عام حکم دیا چنانچہ سورہ مائدہ کے شروع میں ارشاد فرمایا۔
یا ایہا الذین آمنوا اوفوا بالعقود اے ایمان والو عہدوں کو پورا کرو۔
اور یہ ایک ایسا عام کلمہ ہے جو ان تمام پابندیوں کو شامل ہے جو ایک انسان دوسرے انسان کے لئے لازم قرار دیتا ہے۔

(۲) لوگوں کا مال باطل طریقے سے کھانے اور اس کو حکام کے پاس پہنچنے کا ذریعہ بنانے سے منع فرمایا چنانچہ سورہ بقرہ میں ارشاد فرمایا۔
ولا تأکلوا اموالکم بینکم بالباطل وندلوا بها الی الحکام لتا کلو فریقا اور آپس میں ایک دوسرے کے مال کو ناحق (طور پر) مت کھاؤ اور ان اموال کو حکام کے یہاں من اموال الناس بالاثم و انتہم اس غرض سے رجوع مت کرو کہ اس کے ذریعہ سے لوگوں کے مالوں کا ایک حصہ بطریق

تعلیہون۔ گناہ (یعنی ظلم) کے کھا جاؤ اور تم کو (اپنے جھوٹ اور ظلم کا) علم بھی ہو۔

اور تجارت کے تفع کو جائز قرار فرمایا چنانچہ سورہ نسا میں ارشاد فرمایا۔

یا ایہا الذین آمنوا لا تأکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تكون تجارۃً اے ایمان والو آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق طور پر مت کھاؤ لیکن کوئی تجارت ہو عن ترا حین منکر۔ جو باہمی رضا مندی سے ہو تو مضائقہ نہیں۔

لیکن چونکہ اس میں ایک گمان یہ بھی ہوتا تھا کہ غیر کا مال کھانا چلے وہ قرا بتدار ہی کیوں نہ ہو منع ہو گا اس لئے سورہ نور میں اس کی وضاحت اللہ تعالیٰ جل ذکرہ نے فرمادی۔

لیس علی الاعمی حرج ولا علی الاعرج نہ تو اندھے آدمی کے لئے کچھ مضائقہ ہے حرج ولا علی المریض حرج ولا علی اور نہ لنگڑے آدمی کے لئے کچھ مضائقہ ہے

انفسکم ان تاکلوا من بیوتکم و بیوت
آبائکم و بیوت امہاتکم و بیوت
اخواتکم و بیوت اعمامکم و بیوت
عماتکم و بیوت اخواتکم و بیوت
خالاتکم و ما ملکتہم مفاتحہ او
صدایکم لیس علیکم جناح
ان تاکلوا جمنیا و اشتاتا۔
یا اپنی چھو بھٹیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے
یا ان گھروں سے جن کی کنجیاں تمہارے اختیار میں ہیں یا اپنے دوستوں کے گھروں سے (بھر
اس میں بھی) تم پر کچھ گناہ نہیں کہ سب مل کر کھاؤ یا الگ الگ (کھاؤ)

(۳) بطور خاص قرآن مجید نے خرید و فروخت کا ذکر کیا جو مبادلات میں اہم ہے لہذا اہل
کی حلت اور سود کی حرمت بیان فرمائی چنانچہ سورہ بقرہ میں ارشاد فرمایا۔

الذین یا کلون الربوا لا یقومون
الا کما یقوم الذی یتخبط الشیطان
من امس ذلک بانہم قالوا
انما البیع مثل الربوا و احل اللہ
البیع و حرم الربوا۔
اور جو لوگ سود کھاتے ہیں نہیں کھڑے
ہوں گے (قیامت میں قبروں سے) مگر جس
طرح کھڑا ہوتا ہے ایسا شخص جس کو شیطان
لیپٹ کر خطی بنادے (یعنی حیران و مدہوش)
یہ (سزا) اسی لئے ہوگی کہ ان لوگوں نے

کہا تھا کہ بیع بھی تو مثل سود کے ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال فرمایا ہے اور سود کو
حرام کر دیا ہے۔

پھر ارشاد فرمایا۔

یحق اللہ الربوا و یربی الصدقات
واللہ لا یحب کل کفار اثمیم۔
اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتے ہیں اور صدقات کو
بڑھاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتے

کسی کفر کرنے والے کو (اور) کسی گناہ کے کام کرنے والے کو۔

پھر ارشاد فرمایا۔

یا ایہا الذین آمنوا اتقوا اللہ و ذروا
اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور جو کچھ سود کا

ما بقی من الدین ان کنتم مؤمنین
فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من
الله ورسوله وان تبتم فذلکم
رووس اموالکم لا تظلمون ولا
تظلمون وان کان ذو عسرة فنظرة
الی ميسرة وان تصدقوا خیر لکم
ان کنتم تعلمون۔

بقایا ہے اس کو چھوڑ دو اگر تم ایمان والے
ہو پھر اگر تم اس پر عمل نہ کرو گے تو اللہ اور اس
کے رسول کی طرف جنگ کا اعلان سن لو
(یعنی تمہارے خلاف وہ جہاد ہوگا) اور اگر تم
توبہ کر لو گے تو تم کو تمہارے اصل اموال
مل جاویں گے نہ تم کسی پر ظلم کرنے پاؤ گے
اور نہ تم پر کوئی ظلم کرنے پائے گا اور اگر ضرر
تنگدست ہو تو مہلت دینے کا حکم ہے آسودگی تک ادبیہ (بات) کہ معاف ہی کر دو اور زیادہ
بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم کو (اس کے ثواب کی) خبر ہو۔

اور سورہ آل عمران میں ارشاد فرمایا۔

یا ایہا الذین آمنوا لا تأکلوا الدینا
اضعافاً مضاعفة۔

اور قرآن نے اس کی وضاحت نہیں کی کہ بیع کیا چیز ہے اور سود کیا چیز ہے کیونکہ سامعین
کے نزدیک یہ بات صاف تھی چنانچہ وہ آپس میں خرید و فروخت کرتے تھے اور ایک مدت معینہ
پر قرض کا بھی لین دین کیا کرتے تھے اور جب مدت ختم ہو جاتی تو قرض خواہ مدیون سے کہتا کہ یا
تو ادا کر یا سود قبول کر تو اگر وہ ادا نہ کر سکتا تو اس پر قرض کو بڑھا دیتا اس طرح کہ اونٹنی جس عمر
ہوتی اس سے زیادہ عروالی کر دیتا اور اگر غلہ کا ایک پیالہ ہوتا تو اس کو دو پیالے کر دیتا اور قرآن
نے اس کی بھی وضاحت فرمادی کہ سود ضد ہے معافی کے مبداء کی جس پر شریعت اسلامیہ
کی بنیاد رکھی گئی ہے چنانچہ سورہ روم میں ارشاد ہے۔

وما آنتیتم من ربالی ربوا فی اموال
الناس فلا یربوا عند اللہ وما آنتیتم
من زکاة تریدون وجہ اللہ فاؤلئک
ھم المضعفون۔

اور جو چیز تم اس غرض سے دو کہ وہ لوگوں کے
مال میں پہنچ کر زیادہ ہو جائے تو یہ اللہ کے
نزدیک نہیں بڑھتا اور جو زکوٰۃ تم دو گے
جس سے اللہ کی رضا طلب کرتے ہو گے

تو ایسے لوگ خدا تعالیٰ کے پاس بڑھاتے رہیں گے۔

اور عرب کی عادات اور بعض احادیث سے یہ بات صاف معلوم ہو جاتی ہے کہ سود

در اصل ادا کے قرض کی مدت مقرر کرنے کے مقابلہ میں ہے اس شخص کے لئے جو نقد معاوضہ ادا کرنے سے عاجز ہو۔

قرآن مجید نے جو اہم اصول مرتب فرمائے ہیں ان میں سے اس قرض کی تحریر کا نظام بھی ہے جو مدت مقررہ کے اندر ادا کیا جائے اور اس بارے میں جو آیت نازل ہوئی وہ ایک طویل آیت ہے جو سورہ بقرہ میں ہے اور یہ آیت سب سے آخر میں نازل ہوئی ہے۔ ارشاد ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَيْتُمْ
بِدَيْنٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوا وَلِيَكُنْ
بَيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ وَلَا يَأْبَ
كَاتِبُ أَنْ يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللَّهُ
فَلْيَكْتُبْ وَيَمْلَأِ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ
وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّ وَلَا يَنجَسَ مِنْهُ
شَيْئًا۔ فَاِنْ كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ
سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ
أَنْ يَجْعَلَ كِتَابًا فَليَمْلِكْ وَلِيَهُ بِالْعَدْلِ۔
وَأَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ
رِجَالِكُمْ؛ فَإِنْ لَمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ
فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ
مِنَ الشَّهَادَةِ إِنْ تَضَلَّ أَحَدٌ
مِّنْهُمَا فَمِنْ بَقِيَّةٍ الْآخَرَىٰ۔
وَلَا يَأْبَ الشَّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا۔
وَلَا تَسَاوُوا أَنْ تَكْتُبُوا صَغِيرًا أَوْ
كَبِيرًا إِلَىٰ أَجَلٍ ذَلِكُمْ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ
وَأَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَأَدْنَىٰ إِنْ تَرْتَابُوا
إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيرُ
نَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ

اے ایمان والو جب ایک مبیعہ معین تک
(کے لئے) ادھار کا معاملہ کرنے لگو تو اس
کو لکھ لیا کرو اور یہ ضرور ہے کہ تمہارے آپس
میں (جو) کوئی لکھنے والا (ہو وہ) انصاف کے
ساتھ لکھے اور لکھنے والا لکھنے سے انکار
بھی نہ کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو (لکھنا)
سکھلا دیا اس کو چاہیے کہ لکھ دیا کرے۔ اور
وہ شخص لکھوادے جس کے ذمہ وہ حق واجب
ہو اور اللہ تعالیٰ اسے جو اس کا پروردگار ہے
دیتا رہے اور اس میں سے ذرہ برابر (بتلائے
میں) کمی نہ کرے پھر جس شخص کے ذمہ حق
واجب تھا وہ اگر ضعیف العقل ہو یا ضعیف
البین ہو یا خود لکھانے کی قدرت نہ رکھتا
ہو تو اس کا ولی ٹھیک ٹھیک طور پر لکھوادے
اور دو شخصوں کو اپنے مردوں میں سے گواہ
(بھی) کر لیا کرو پھر اگر وہ دو گواہ مرد (بیٹے) نہ
ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں (گواہ بنالی
جائیں) ایسے گواہوں میں سے جن کو تم پسند
کرتے ہو تاکہ ان دونوں عورتوں میں سے
کوئی ایک بھی بھول جائے تو ان میں ایک

الا تكتبوها۔ واشهدوا اذا تبايعتم ولا يصارس كانب ولا شهيدا
ان تفعلوا فانه فسوق بكم
واتقوا الله ويعلمكم الله والله
بكل شئ عليم۔

وان كنتم على سفر ولا تجدوا
كتابا فرهان مقبوضة۔ فان امن
بعضكم بعضا فليؤا الذي اؤتمن
امانته وليتق الله ربه۔ ولا تكتبوا
الشهادة ومن يكتبها فانه آثم
قلبه والله بما تعملون عليم۔

دوسری کو یاد دلادے اور گواہ بھی انکار نہ
کیا کریں جب (گواہ بننے کے لئے) بلائے جایا
کریں اور تم اس (قرض) کے بار بار رکھنے سے
اکتایا مت کرو خواہ (وہ) معاملہ چھوٹا ہو یا
بڑا ہو یہ لکھ لینا اللہ کے نزدیک انصاف کا

زیادہ قایم رکھنے والا ہے اور شہادت کا
زیادہ درست رکھنے والا ہے اور زیادہ سزاوا
ہے اس بات کا کہ تم (معاملہ کے متعلق) کسی
شعبہ میں نہ پڑو مگر یہ کہ کوئی سودا دست بستہ
ہو جس کو باہم لیتے دیتے ہو تو اس کے نہ رکھنے
پر تم پر کوئی حرج نہیں ہے اور اتنا اس میں

بھی ضرور کیا کرو کہ (خرید و فروخت کے وقت گواہ کر لیا کرو اور کسی کا تب کو تکلیف نہ دی جاوے
اور نہ کسی گواہ کو اور اگر تم ایسا کرو گے تو اس میں تم کو گناہ ہوگا اور خدا سے ڈرو اور اللہ تعالیٰ
دکام پر احسان ہے کہ) تم کو تعلیم فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ سب چیزوں کے جاننے والے ہیں۔

اور اگر تم کہیں سفر میں ہو اور (وہاں) کوئی کاتب نہ پاؤ سو رخصت رکھنے کی چیزیں (میں)
جو قبضہ میں دیدی جائیں اور اگر ایک دوسرے کا اعتبار کرنا ہو تو جس شخص کا اعتبار کر لیا گیا
ہے (یعنی مدیون) اس کو چاہیے کہ دوسرے کا حق پورا پورا ادا کر دے اور اللہ تعالیٰ سے جو کہ
اس کا پروردگار ہے ڈرے اور شہادت کا اخفا مت کرو اور جو شخص اس کا اخفا کرے گا اس
کا قلب گنہگار ہوگا اور اللہ تعالیٰ تمہارے کئے ہوئے کاموں کو خوب جانتے ہیں۔

اور سنت نے بہت سے معاملات کو قضایا، نبویؐ میں صاف کر دیا ہے اور یہ سب عام
احکام قرآن کے مطابق ہیں یا اس کے مجمل کی تفصیل یا اس کے مطلق کو مقید کرتی ہیں جس
کو ہم استنباط احکام کے سلسلہ میں مسلمانوں کے اجتہاد میں بیان کریں گے۔

سزائیں

قرآن مجید کی اکثر سزائیں جن سے مجرمین کو ڈرایا گیا ہے وہ اخروی سزائیں ہیں جن میں سے

اکثر ان جرائم پر بیان کی گئی ہیں جن کی وضاحت کی گئی ہے۔ یہ دینیوی سنرائیں تو اپنی کتاب میں وہ پانچ مقرر فرمائی ہیں۔

(۱) قصاص یہ معلوم ہے کہ عرب میں قصاص کا ایک نظم موجود تھا جو عادات تقالید سے حاصل ہوا تھا اور وہ یہ کہ کل قبیلہ اس کے کسی ایک فرد کی خطا کا ذمہ دار تھا الا انیکہ اس نے عام مجعوں میں اس سے علیحدگی کا اعلان کر دیا ہو اسی لئے بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ جس پر کسی خطا کا ارتکاب کیا گیا ہو اس کا ولی صرف خطا کار سے قصاص کے طلب کرنے کو کافی سمجھتا ہو خصوصاً جبکہ وہ شخص جس پر خطا کا ارتکاب کیا گیا ہو وہ اپنی قوم میں شریف یا سید ہو بلکہ وہ اپنے مطلب کے حاصل کرنے میں زیادہ وسعت اختیار کرتا تھا جو دو قبیلوں میں جنگ تک پہنچا دیتی تھی اور بسا اوقات محطی کا قبیلہ اس کی حمایت کرتا جس سے ضرور اور لڑائیاں پیدا ہو جاتیں یہاں تک کہ بسا اوقات ان کی مدت بڑھ جاتی چنانچہ قرآن نے قصاص میں مسئولیت کو محدود بیان کیا اس طرح کہ صرف خطا کار پر اس کا انحصار فرما دیا چنانچہ سورہ بقرہ میں ارشاد فرمایا۔

یا ایہا الذین آمنوا کتب علیکم القصاص فی القتل الحری بالحر والعبد بالعبد والانیث بالانیث۔
اے ایمان والو تم پر (قانون) قصاص فرض کیا جاتا ہے مقتولین (بقتل عمد) کے بارہ میں آزاد آدمی آزاد آدمی کے عوض میں اور غلام غلام کے عوض میں اور عورت عورت کے عوض میں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرمائی کہ جرم کا مواخذہ جس سے کیا جائے وہ صرف مجرم ہی ہونا چاہئے پھر اس دینیوی زندگی میں نظام قصاص کی ضرورت کو مختصر اور لطیف نکتہ میں ظاہر فرما دیا کہ ولکم فی القصاص حیوة یا اولی الالباب لعلکم تتقون۔
اور اے سمجھ والو (اس قانون) قصاص میں تمہاری جانوں کا بڑا بچاؤ ہے ہم امید کرتے ہیں کہ تم لوگ (ایسے قانون) امن کی خلاف ورزی کرنے سے پرہیز رکھو گے۔

اور یہی مطلب مختصراً اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے بھی سمجھ میں آتا ہے جو سورہ اسراء میں ہے جو مکی ہے۔

ومن قتل مظلوما فقد جعلنا لولیه سلطاناً فلا یسرف فی القتل
اور جو شخص ناحق قتل کیا جاوے تو ہم نے اس کے وارث کو اختیار دیا ہے سو اس کو

انہ کان منصورا۔

قتل کے بارہ میں حد (شرع) سے تجاوز نہ کرنا چاہیے وہ شخص طرفداری کے قابل ہے۔

اور یہ نظام عربی ہے جس کو قرآن نے باقی رکھا ہے یعنی مقتول کے ولی کو قصاص کے طلب کرنے میں ولایت کا حق۔

نیز عرب میں دیت کا نظام بھی موجود تھا جس کو قرآن نے باقی رکھا اور اس کی طرف سورہ بقرہ میں اپنے اس ارشاد سے باقی رکھا۔

فمن عفی له من اخیه شیئی فالتبع بالمعروف واداء الیه باحسان ذلك تخفیف من ربکم ورحمة فمن اعتدی بعد ذلك فله عذاب الیم۔
ہاں جس کو اس کے فریق کی طرف سے کچھ معافی ہو جاوے (مگر پوری معافی نہ ہو) تو (مدعی کے ذمہ) معقول طبر پر (خون بہا کا) مطالبہ کرنا اور (قاتل کے ذمہ) خوبی کے ساتھ اس کے پاس پہنچا دینا یہ (قانون دیت و عفو) تمہارے پروردگار کی طرف سے (منزلی) تخفیف اور (شاہانہ) ترجمہ ہے پھر جو شخص اس کے بعد تعدی کا مرتکب ہو تو اس شخص کو بڑا دردناک عذاب ہوگا۔

اور سورہ نسا میں ارشاد فرمایا۔

ومن قتل مؤمنا خطأ فتحرير رقبة مؤمنة ودية مسلمة الى اهله الا ان یصدقوا۔ فان كان من قوم عدو لکم وهو مؤمن فتحرير رقبة مؤمنة۔ وان كان من قوم بینکم و بینہم میثاق فدية مسلمة الى اهله وتحرير رقبة مؤمنة فمن لم یجد فصیام شهرین متتابعین توبة من الله وکان الله علیما حکیما۔

اور جو شخص کسی مومن کو غلطی سے قتل کر دے تو اس پر ایک مسلمان غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا ہے اور جو نبہا ہے جو اس کے خاندان والوں کے حوالہ کر دی جائے مگر یہ کہ وہ لوگ معاف کر دیں اور اگر وہ ایسی قوم سے ہو کہ تم میں اور ان میں معاہدہ ہو تو جو نبہا ہے جو اس کے خاندان والوں کے حوالہ کر دی جائے اور ایک غلام یا لونڈی مسلمان کا آزاد کرنا پھر جس شخص کو نہ ملے تو متواتر دو ماہ کے روزے ہیں بطریق

توبہ کے جو اللہ کی طرف سے مقرر ہوئی ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے علم اور حکمت والے ہیں۔

اور سنت نے دیت کے نظام کی وضاحت فرمادی جس میں بعض کو عاقلہ پر رکھا (یعنی اہل

قبیلہ یا اہل خاندان یا اہل محلہ اور یہی ایک واحد شے ہے جو مسئولیت کی وسعت کی بنا پر عرب کے لئے باقی رکھ دی گئی ہے۔

اور قرآن مجید نے تورات کے نظام کی خبر دی جو اعضا کے قصاص کے بارہ میں تھا چنانچہ سورہ مائدہ میں ارشاد فرمایا۔

وكتبنا عليها ان النفس
بالنفس والعين بالعين والاذن
بالاذن واللسان باللسان والسن
بالسن والجروح قصاص فمن
تصدق به فهو كفارة له۔

اور ہم نے ان پر اس میں یہ بات فرض کی تھی
کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ
اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے
کان اور دانت کے بدلے دانت اور خاص
زخموں کا بھی بدلہ ہے پھر جو شخص اس کو معاف
کر دے تو وہ اس کے لئے کفارہ ہو جائے گا۔

(زانی کی سزا)

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں زانی کی سزا بغیر کسی تفصیل کے سو کوڑے بیان فرمائی ہے چنانچہ سورہ نور میں ارشاد ہے۔

الزانية والزاني فاجلدوا كل
واحد منهما مائة جلدة ولا تأخذكم
بعضهما سرقة في دين الله ان كنتم
تؤمنون بالله واليوم الآخر وسته
عذابا لهما طائفة من المؤمنين۔

زنا کرانے والی عورت اور زنا کرنے والا مرد
سوان میں ہر ایک کے سو ڈرے مارو اور
تم لوگوں کو ان دونوں پر اللہ تعالیٰ کے معاملہ
میں ذرا رحم نہ آنا چاہیے اگر اللہ پر اور قیامت
کے دن پر ایمان رکھتے ہو اور دونوں کی سزا

کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت کو حاضر رہنا چاہیے۔

اور زانیہ لونڈی کے لئے اس سزا کا نصف مقرر فرمایا چنانچہ سورہ نسا میں ارشاد ہے۔

فاذا احصن فان اتين بفاحشة
فعليه نصف ما على المحصنات
من العذاب۔

پھر جب وہ لونڈیاں منکوحہ بنائی جائیں پھر
اگر وہ بڑی بے حیائی کا کام کریں تو ان پر
اس سزا سے نصف سزا ہوگی جو کہ آزاد

عورتوں پر ہوتی ہے۔

اور احادیث میں شادی شدہ زانی کی سنگساری کا حکم آیا ہے چنانچہ صحیح مسلم میں بوسحاق شیبانی

سے روایت ہے کہ انھوں نے عبداللہ بن ابی ادنی سے سوال کیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو سنگسار فرمایا ہے تو انھوں نے فرمایا ہاں تو پوچھا کہ سورہ نور کے احکام نازل ہونے کے بعد یا پہلے تو فرمایا کہ مجھے اس کا علم نہیں۔

(۳) پاکدامن عورتوں پر تہمت لگانے والے کی سزا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس شخص کی سزا جو شادی شدہ عورت پر زنا کی تہمت لگائے اسی کوڑے مقرر فرمائی ہے چنانچہ سورہ نور میں ارشاد ہے۔

والذین یرمون المحصنات ثم لم یأتوا بأربعة شہداء قاجلد وھم ثمانین جلدۃ ولا تقبلوا لھم شہادۃ ابدا واولئک ھم الفاسقون الا الذین تابوا من بعد ذلک واصلحوا فان اللہ غفور رحیم۔

اور جو لوگ (زنا کی) تہمت لگائیں پاکدامن عورتوں پر اور پھر چار گواہ (اپنے دعوے پر) نہ لاسکیں تو ایسے لوگوں کو اسی درجے کا واد اور ان کی کوئی گواہی قبول مت کرو (یہ تو دنیا میں ان کی سزا ہوئی) اور یہ لوگ (آخرت میں بھی مستحق سزا ہیں اس وجہ سے کہ) فاسق ہیں

لیکن جو لوگ اس (تہمت لگانے) کے بعد (خدا کے سامنے) توبہ کر لیں اور اپنی (حالت کی) اصلاح کر لیں سو (اس حالت میں) اللہ تعالیٰ ضرور مغفرت کرنے والا رحمت کرنے والا ہے۔

اور اگر شوہر اپنی بیوی پر تہمت لگائے تو اس کا ایک خاص نظام بیان فرمایا چنانچہ اسی سورہ میں ارشاد فرمایا۔

والذین یرمون ازواجھن ولم یکن لھن شہداء الا انفسھن فشہادۃ احدھن اربع شہادات باللہ انہ لمن الصادقین والخاصۃ ان لعنة اللہ علیہ ان کان من الکاذبین۔

اور جو لوگ اپنی بیویوں پر (زنا کی) تہمت لگائیں اور ان کے پاس بجز اپنے (ہی دعوے کے) اور کوئی گواہ نہ ہوں (جن کا عدد میں چار ہونا چاہیے) تو ان کی شہادت (جو کہ واقعہ میں یا حد قذف ہو) یہی ہے کہ چار بار اللہ کی قسم کھا کر یہ کہہ دے کہ بیشک میں سچا ہوں اور پانچویں بار یہ کہے کہ مجھ پر خدا کی لعنت ہو اگر میں جھوٹا ہوں۔

اور جس طرح اللہ کے نام کے ساتھ مرد کی چار گواہیاں چار گواہوں کے قائم مقام ہیں اسی طرح قرآن مجید نے عورت کی برائت کا بھی ایک طریقہ مقرر فرمادیا چنانچہ اسی کے بعد یہ ارشاد فرمایا۔

اور اس کے بعد اس عورت سے سزا جس
یا حد نہ نا اس طرح ٹل سکتی ہے کہ وہ چار بار
قسم کھا کر کہے کہ بیشک یہ مرد جھوٹا ہے اور
پانچویں بار یہ کہے کہ مجھ پر خدا کا غضب ہوا اگر یہ سچا ہو۔

اور ان دونوں آیتوں میں ادنیٰ فکر سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ ان دونوں آیات کا
مقصد صرف شوہر کی طرف سے جرم کا ثبوت اور بیوی کی طرف سے اس کی تردید ہے پس
اور اس میں نکاح اور اولاد سے متعلق کوئی امر نہیں ہے۔

(۴) چور کی سزا۔

اللہ تعالیٰ نے چور کی سزا ہاتھ کاٹنا مقرر فرمائی ہے چنانچہ سورہ مائدہ میں ارشاد ہے۔

اور جو مرد چوری کرے اور جو عورت چوری
کرے سو ان دونوں کے (دائیں) ہاتھ (گٹے
پر سے) کاٹ ڈالو ان کے کردار کے عوض میں
بطور سزا کے اللہ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ
بڑے قوت والے ہیں (جو سزا چاہیں مقرر فرمائیں)

والمسارق والمسارقة فاقطعوا ايدي
يَهُمَا جزاءً بما كسبا نكالا من الله
والله عزيز حكيم فمن تاب من
بعد ظلمه واصلم فان الله يتوب
عليه ان الله غفور رحيم۔

بڑے حکمت والے ہیں (کہ مناسب ہی سزا مقرر فرماتے ہیں) پس جو شخص توبہ کرے اپنی اس زیادتی
کرنے کے بعد اور اعمال کی درستی رکھے تو بے شک اللہ تعالیٰ بے شک خدا تعالیٰ بڑے مغفرت والے
ہیں (کہ اس کا گناہ معاف فرما دیا) بڑے رحمت والے ہیں (کہ آئندہ بھی مزید عنایت فرمائیں گے)
(۵) رہزنوں کی سزا۔

رہزنوں کی سزا اللہ تعالیٰ نے سورہ مائدہ میں بیان فرمائی ہے چنانچہ ارشاد ہے۔

اور جو لوگ اللہ سے اور اس کے رسول سے
لڑتے ہیں اور ملک میں فساد پھیلاتے پھرتے
ہیں ان کی یہی سزا ہے کہ قتل کئے جائیں یا سولی
دے جائیں یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب

انما جزاء الذين يحاربون الله و
رسوله ويسعون في الارض فسادا
ان يقتلوا او يصلبوا او تقطع ايديهم
وارجلهم من خلاف او ينفوا من

عہ اس کی توبہ قبول فرمائیں گے۔

الارض ذلک لہم خزى فى الدنيا سے کاٹ دے جائیں یا زمین پر سے نکال دے
 ولہم فى الآخرة عذاب عظیم الا جائیں یہ ان کے لئے دنیا میں سخت رسوائی ہو
 الذین تابوا من قبل ان تقدروا اور آخرت میں ان کے لئے (اس سے بھی) بڑا
 علیہم فاعلموا ان اللہ غفور رحیم۔ عذاب ہوگا۔ لیکن جن لوگوں نے تمہارے قابو
 پانے سے پہلے توبہ کر لی تو جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ بڑے مغفرت والے اور بڑے رحمت والے ہیں۔
 اور قرآن مجید میں مندرجہ بالا سزاؤں کے علاوہ اور کسی سزا کا ذکر نہیں البتہ احادیث میں
 ایک اور سزا کا ذکر ہے اور یہ چھٹی سزا ہے اور وہ شراب پینے والے کی سزا ہے جس کو رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمایا ہے۔

اور حدود میں قرآن مجید نے جن اصول کو بنیاد قرار دیا ہے وہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) امت کی بھلائی چنانچہ قصاص کے ذکر میں ارشاد فرمایا۔

ولکم فى القصاص حیوة یا اولی اے سمجھ والو (اس قانون) قصاص میں تمہاری
 الا لباب لعلکم تتقون۔ جانوں کا بڑا بچاؤ ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ تم
 لوگ (ایسے قانون امن کی خلاف ورزی کرنے سے) پرہیز رکھو گے۔

(۲) مجرم کی تنبیہ کہ پھر وہ جرم کو دوبارہ کرنے کی جرأت نہ کر سکے چنانچہ چودوں کی سزا
 کے ذکر میں ارشاد فرمایا۔

جزاء بما کسبنا نکالاً من اللہ۔ (یہ) ان کے کردار کے عوض میں بطور سزا کے
 اللہ کی طرف سے (ہے)

اور رہنروں کی سزا کے ذکر میں ارشاد فرمایا۔

ذلک لہم خزى فى الدنيا۔ یہ ان کے لئے دنیا میں سخت رسوائی ہے۔

(۳) بدنی سزاؤں کا ہونا تاکہ اثر میں شدت ہو۔

پھر بھی احادیث میں ان سزاؤں کے جاری کرنے میں بہت احتیاط کا حکم دیا گیا ہے تاکہ
 نفس سزا میں تنبیہ سختی کے ساتھ ہو اور ثبوت میں احتیاط کی وجہ سے تخفیف ہو کیونکہ امام المنین
 عائشہ صدیقہ سے جو حدیث ترمذی میں مروی ہے وہ یہ ہے اور ذوالحدود عن المسلمین
 ما استطعتم فان کان لہ مخرج فخلوا سبیلہ فان الامام ان یخطئ فی
 العفو خیر من ان یخطئ فی العقوبة یعنی مسلمانوں کو جہاں تک ہو سکے تم سزا سے بچاؤ

اور اگر کوئی صورت نکلے تو ان کو رد یا کر دو کیونکہ امام کا سزا دینے میں غلطی کرنے سے تو کہیں یہ بہتر ہے کہ وہ عفو میں غلطی کر جائے یہ تمام وہ امور ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر وحیاً نازل فرمایا اور آپ کو حکم دیا کہ اس کو لوگوں تک پہنچادیں اور یہ کہ آپ ان پر اسی طرح ظاہر کریں جیسا آپ کو حکم دیا گیا۔ اور اپنی سنت عملیہ و قولیہ سے لوگوں کو تمام وہ باتیں بتادیں جو آپ پر نازل کی گئی تھیں۔

دوسرا دور

جلیل القدر صحابہ کے زمانہ میں قانون شریعت

اللہ سے شکر

سیاسی پس منظر

جس وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اور ابو بکر صدیقؓ خلیفہ بنائے گئے تو اکثر عرب اسلام سے پھر گئے لیکن ابو بکر صدیقؓ کا عزم راسخ اور مہاجرین و انصار کی قوت ایمانیہ ستون اسلام کو قائم رکھنے کا بہترین ذریعہ تھی کہ آپ نے فوجوں کو مرتب کیا اور پیدا شدہ کجی کو سیدھا کر کے وحدت عربیہ کو لوٹایا اور حبیب ابو بکر صدیقؓ کو اس میں کامیابی ہو گئی تو آپ نے عراق و شام کی طرف فوجیں بھیجیں کہ رومی و فارسی سلطنتوں میں اشاعت اسلام کریں لیکن قبل اس کے کہ حالت کی پوری وضاحت ہوتی اور معلوم ہوتا کہ انجام کار کس کو کامیابی ہوتی ہے آپ کی وفات واقع ہو گئی اور حضرت عمرؓ کا زمانہ آیا کہ ان کے ہاتھوں پر فتوحات ہوئیں اور مسلمان مشرقی سمت سے اکثر بلاد فارس پر قابض ہو گئے یہاں تک کہ نہر جیحون یعنی آمودریا تک پہنچ گئے اور شمالی جانب سے سوریا اور آرمینیا کے شہروں پر قابض ہو گئے اور مغرب کی طرف سے مصر ان کے زیر نگین ہو گیا اور ان کے عہد مبارک میں بڑے بڑے اسلامی ملکوں کی بنیاد پڑی جیسے کہ فسطاط اور کوفہ اور بصرہ جہاں مسلمانوں کی بڑی تعداد نے قیام کیا جس میں صحابہ کی کثیر تعداد تھی اور اسی زمانہ میں اسلام میں امت عربیہ کے علاوہ دیگر اقوام کثیر تعداد میں داخل ہوئیں اور حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں تو یہ فتوحات مشرق و مغرب میں پھیل گئیں لیکن یہ عمارت مکمل نہ ہونے پائی تھی کہ ان کو ایک شدید بید صدمہ سے دوچار ہونا پڑا اور یہ وہی شورش تھی جو امیر المومنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی مخالفت میں اٹھی تھی جو ان کے دشمنوں کی سازش سے شروع ہوئی اور اس کی

اتہا ان تینوں بڑے ملکوں سے بڑی جماعتوں کے مدینہ آنے پر پہنچی جہنوں نے آپ کی حیات مبارک کا خاتمہ کر دیا اور اسی سبب سے مسلمانوں میں تفریق پیدا ہو گئی ایک جماعت تو حضرت عثمانؓ سے بغض رکھنے والوں کی تھی اور انہی لوگوں نے حضرت علیؓ بن ابی طالب کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور ایک فریق قاتلین حضرت عثمانؓ سے بغض رکھنے والوں کا تھا اور یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کا اتباع کیا جس میں پہلی جماعت کا مستقر عراق کا پایہ تخت کوفہ تھا اور دوسری کا دمشق تھا جو شام کا دارالخلافہ تھا پھر دونوں فریق میں بغض پیدا ہو گیا اور ایک نے دوسرے پر لعنت کی جس کا آخری نتیجہ دونوں فریق کے درمیان میدان صفین میں جنگ عظیم کی شکل میں نمودار ہوا اور فریقین کے جنگی نبرد آزمائے عالم اسلامی کے منتخب افراد تھے لیکن محرم کسی ایک فریق کے لئے فیصلہ کن نہ ہو سکا کیونکہ اہل شام نے "کتاب اللہ" کا فیصلہ طلب کیا اور اکثر اہل عراق نے اس کو قبول کیا اور اس حکیم میں ایک فریق کے لئے قوت تھی تو دوسرے کے لئے ضعف بھی تھا پہلا فریق حضرت معاویہؓ کا تھا دوسرا حضرت علیؓ کا کیونکہ حضرت علیؓ کے ہی شکر سے وہ شخص نکلا جس نے حکیم پر عیب لگایا اور حکیم سے راضی ہونے والوں پر لعنت کی جس کی وجہ سے علی بن ابی طالب اپنے مخالف کو چھوڑ کر ان کی طرف متوجہ ہو گئے اور اس سے ان کے مخالف کی طاقت میں زیادتی ہو گئی اور خود حضرت علیؓ انہی خوارج میں سے ایک کے ہاتھ سے شہید ہو گئے اور ان کی شہادت پر سواد اعظم نے حضرت معاویہ بن ابی سفیان پر اتفاق کر لیا۔

- یہ زمانہ اس حالت میں ختم ہوا کہ مسلمانوں میں تین سیاسی جماعتیں پیدا ہو چکی تھیں۔
- (۱) عام مسلمین جو حضرت معاویہ اور ان کی خلافت پر متفق تھے۔
 - (۲) شیعہ جو حضرت علی اور اہل بیت کی محبت پر قائم رہے۔
 - (۳) خوارج جو حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ حضرت معاویہؓ کے دشمن تھے اور ان تینوں فریق کا شریعت اسلامی میں خاص اثر تھا جو آئندہ دور میں ظاہر ہوا۔

دور ثانی میں کتاب سنت

جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کر دیا قرآن مجید بتدریج نازل ہوا اور جب کبھی کوئی آیت نازل ہوتی رسولؐ نے اس کو تمہور تک پہنچا دیا اور وحی کے لکھنے والوں کو اس کے لکھنے کا حکم دیا

لیکن جمہور مسلمین میں بعض وہ لوگ بھی تھے جو صرف اس کا حفظ کافی سمجھتے تھے اور جو ان کو ملتا تھا اس کو یاد کر لیا کرتے تھے اور بعض لوگ لکھ لیا کرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ السلام ان کو آیات اور سورتوں کی ترتیب بتلا دیا کرتے تھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا لیکن قرآن مجید کسی ایک مصحف میں جمع نہیں ہوا بلکہ حفاظ کے سینوں میں محفوظ رکھا گیا کہ بتان و وحی کے صحیفوں میں یاد و سر صحیفوں میں جو عام کتابوں کے پاس تھے اور عہد نبوی میں حفاظ کی تعداد بہت تھی جن میں سے بعض کل قرآن کے حافظ تھے۔

حضرت ابی بکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ ہی میں وہ واقعہ پیش آگیا جس نے آپ کو کل قرآن کو ایک مصحف میں جمع کرنے کی طرف توجہ دلا دی اور وہ یہ کہ جنگ یمامہ کی فوج میں حفاظ قرآن کی ایک بڑی جماعت تھی جن کے حق میں شہادت بھی تھی جس سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو قرآن کے ضائع ہونے کا ڈر پیدا ہو گیا چنانچہ بخاریؒ نے حضرت زید بن ثابتؓ سے روایت کی ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اہل یمامہ کی جنگ کے بعد مجھے بلایا تو میں نے دیکھا کہ عمرؓ بن خطاب ان کے پاس موجود ہیں تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے پاس عمرؓ آئے اور بیان کیا کہ یمامہ کے دن قرآن پر قتل کی شدت پڑی اور مجھے اس بات کا خوف ہے کہ اور مواقع میں قرآن پر قتل کی شدت واقع ہو تو اکثر قرآن ضائع ہو جائے گا لہذا میری رائے ہے کہ آپ قرآن جمع کرنے کا حکم دیں جس پر میں نے عمرؓ سے کہا کہ جس کام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا ہم کس طرح کریں تو عمرؓ نے کہا خدا کی قسم یہ بہتر ہے پھر عمرؓ مجھ سے اصرار کرتے رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے میرے دل کو اس کام کیلئے کھول دیا اور میں نے وہی مناسب سمجھا جو عمرؓ کی رائے ہے۔ زیدؓ فرماتے ہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا کہ تم جو ان آدمی ہو اور ذی ہوش ہو ہم تم پر کوئی شبہ نہیں کر سکتے اور تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں وحی کی کتابت کیا کرتے تھے لہذا قرآن کی تلاش کرو اور جمع کرو خدا کی قسم اگر مجھے کسی پہاڑ کو ہٹانے کی زحمت دیتے تو مجھ پر بار نہ ہوتا بہ نسبت اس کے کہ انھوں نے مجھے جمع قرآن کا حکم دیا میں نے کہا کہ آپ وہ کام کیسے کرنا چاہتے ہیں جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا تو فرمایا کہ واللہ یہ بہتر ہے پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ مجھ سے اصرار کرتے رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے میرے دل کو اس بات کے لئے کھول دیا جس لئے اللہ تعالیٰ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمرؓ کے دل کھول دئے تھے پھر میں نے قرآن کی تلاش شروع کر دی اور کھجور کی شاخوں اور پتھر کے ٹکڑیوں اور لوگوں کے سینوں سے جمع کرنا شروع کر دیا حتیٰ کہ سیرہ توبہ کی آخری دو آیتیں لفظ جاء کھر رسول سے آخر سورہ توبہ تک ابی خزیمہ

انصاری کے پاس سے لایا کہ ان کے سوا اور کسی کے پاس یہ آیتیں نہ تھیں پھر یہ صحیفہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس ان کی وفات تک رہے پھر حضرت عمرؓ کے پاس ان کی حیات تک رہے پھر حفصہؓ بنت عمرؓ کے پاس رہے۔

اور سیوطی نے انفال میں روایت کی ہے کہ حادث محاسبی نے اپنی کتاب فہم السنن میں کہا ہے کہ قرآن کی کتابت بدعت نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس کے لکھنے کا حکم دیا تھا البتہ وہ متفرق ٹکڑوں ہڈیوں اور کھجور کی شاخوں میں لکھا ہوا تھا حضرت صدیقؓ نے تو مختلف مقامات سے جمع کر کے ایک جگہ کر دیا اور یہ ان اوراق کی جگہ ہو گیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھڑی پاتے گئے تھے جن میں قرآن منتشر تھا پھر جمع کرنے والے نے ایک جگہ جمع کر کے ایک ٹاگہ سے باندھ دیا ہو کہ اس سے کوئی چیز ضائع نہ ہو۔

اور زید بن ثابتؓ نے حفاظ قرآن اور کتابان وحی میں سے ہونے کے باوجود اپنے حفظ اور کتابت پر ہی اعتماد نہ کیا بلکہ حافظوں کے سینوں سے اور کتابان وحی کے صحیفوں سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خانہ مبارک میں جو لکھا ہوا پایا گیا اس سے مدد لی اور جمع کرنے کے بعد ہاجرین و انصار کی جماعت کے سامنے پڑھا اس طرح ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے اس عمل سے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے اس ارشاد کی تکمیل ہو گئی کہ

اننا نحن نزلنا الذکر و انالہ
لحفظون۔

حفاظت کرنے والے ہیں۔

جیسا کہ اوپر گزر چکا یہ صحیفہ پہلے ابوبکرؓ کے پاس پھر عمرؓ کے پاس پھر حفصہؓ یعنی حضرت عمرؓ کی صاحبزادی کے پاس محفوظ رہے اور خلیفہ ثالث عثمان بن عفانؓ کے زمانہ میں اسلام کے بڑے شہروں میں اس مصحف کی اشاعت کی ضرورت محسوس ہوئی۔

اور اس ضرورت کا احساس اس طرح ہوا کہ حفاظ قرآن ان شہروں میں پھیل گئے تھے اور وہ لوگوں کو قرآن مجید پڑھایا کرتے تھے اور ان کے آپس میں ان کے لغات کے اختلاف کی بناء پر قرآن مجید کے بعض حروف میں بھی اختلاف تھا جس کی وجہ سے کوئی قاری اپنی قرأت کو دوسرے سے افضل بتانے لگا اور حضرت عثمانؓ کو یہ خبر ملی تو اس سے آپ کو سخت خطرہ لاحق ہوا جس کا علاج آپ نے ضروری سمجھا اور بخاریؓ نے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے کہ خذیفہ بن یمان جو مدینہ و آذربایجان کی جنگ میں عراقیوں کے ساتھ حصہ لے رہے تھے وہ حضرت عثمانؓ کے پاس

پہونچے تو وہ ان قراء کے اختلاف سے گھبرائے ہوئے تھے پناہ حضرت عثمانؓ سے انھوں نے کہا کہ امت کی خبر لو قبل اس کے کہ ان میں باہم ایسا اختلاف ہو جائے جیسے یہود و نصاریٰ میں اختلاف ہوا تھا تو حضرت عثمانؓ نے حفصہؓ کے پاس کہلا بھیجا کہ ہمارے پاس قرآن مجید کا نسخہ بھیج دو تو ہم اس کی نقل کرا کر تم کو واپس کر دیں گے تو حفصہؓ نے اس قرآن مجید کو حضرت عثمانؓ کے پاس بھیجا تو آپ نے حضرت زید بن ثابتؓ اور عبد اللہ بن الزبیرؓ و سعید بن العاصؓ اور عبد الرحمن بن حارث بن ہشامؓ کو حکم دیا تو انھوں نے اس کی نقلیں تیار کر لیں پھر حضرت عثمانؓ نے قریش کے تینوں اشخاص کی جماعت سے فرمایا کہ جب تم میں اور زید بن ثابتؓ میں قرآن کی کسی بات میں اختلاف ہو جائے تو اس کو قریش کی زبان میں بکھواس لئے کہ وہ ان کی زبان میں ناقل ہوا ہے جس پر انھوں نے ایسا ہی کیا اور جب نقلیں اس طرح مکمل ہو گئیں تو حضرت عثمانؓ نے صحیفہ حضرت حفصہؓ کے پاس بھیج دئے اور ان نقل شدہ قرآنوں میں سے ایک ایک قرآن ہر سمت میں بھیج دیا اور حکم دیا کہ اس کے سوا جو قرآن کسی صحیفے یا مصحف میں ہو وہ جلا دیا جائے یہ مسئلہ کا واقعہ ہے اور جو قرآن بکھے گئے تھے اس میں سے ایک ایک نسخہ - کوفہ - بصرہ - دمشق اور مکہ معظمہ کو بھیجا گیا اور ایک مدینہ منورہ میں رکھا گیا اور ایک نسخہ حضرت عثمانؓ نے اپنے لئے رکھ لیا جو مصحف امام کے نام سے مشہور تھا اور یہ تمام قرآن شہروں کی جامع مسجد میں رکھے گئے جس کو قرار پڑھتے تھے اور حفاظ اسی کی طرف رجوع کیا کرتے تھے حضرت عثمانؓ کے اس طرز عمل سے اللہ کی کتاب کو اس بات سے امن حاصل ہو گیا کہ اس میں سے ایک حرف کا بھی اختلاف نہ ہو لیکن احادیث قولیہ کو جمع کرنے کی جانب کوئی التفات نہیں فرمائی گئی بلکہ با اوقات وہاں اس کے خلاف عمل پایا گیا کہ اس کی روایت بہت کم کی جاتے تھے تصحیحات حسب ذیل ہیں۔

(۱) حافظ ذہبی نے تذکرہ الحفاظ میں لکھا ہے کہ ابن ابی ملیکہ کی اس روایت میں لکھا ہے کہ صدیق اکبرؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد لوگوں کو جمع کیا اور فرمایا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی احادیث بیان کرتے ہو جس میں تم میں خود باہم اختلاف ہو جاتا ہے اور تمہارے بعد کے لوگوں میں تم سے زیادہ اختلاف رہے گا لہذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث نہ بیان کرو اگر تم سے کوئی سوال کرے تو یوں کہو کہ ہمارے تمہارے درمیان اللہ کی کتاب ہے جس کو وہ حلال کہے اس کو حلال سمجھو اور اس کے حرام کو حرام سمجھو۔

(۲) حافظ نے کہا ہے کہ شعبہ وغیرہ بیان سے وہ شعبہ سے وہ قرظ بن قرظ بن کعب سے روایت نقل کرتے ہیں کہ جب عمرؓ نے ہم کو عراق کی طرف روانہ فرمایا تو تھوڑی دور عمرؓ ہمارے ساتھ چلے پھر فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ میں کیوں تمہارے ساتھ آیا تو سمجھوں نے کہا ہاں ہمارے عزت و احترام کے لئے تو فرمایا کہ اس کے علاوہ بھی ایک بات تھی اور وہ یہ کہ تم ایسے گاؤں والوں کے پاس پہنچو گے جو شہرہ کی مکھیوں کی طرح گنگنا کر قرآن پڑھتے ہوں گے تو ان کو احادیث میں مشغول کر کے قرآن مجید سے روک نہ دینا بلکہ ان کو قرآن مجید کی تلاوت کے لئے چھوڑ دینا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کم بیان کرنا اور اس بات میں بھی تمہارا شریک ہوں چنانچہ جب قرظ آئے تو لوگوں نے ان سے احادیث پوچھیں تو انھوں نے جواب دیا کہ ہم کو عمرؓ نے منع کر دیا ہے۔

(۳) در اور دی نے محمد بن عمرو سے وہ ابی سلمہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے ابی ہریرہؓ سے پوچھا کہ کیا تم حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اسی طرح (خوب) حدیثیں بیان کیا کرتے تھے تو فرمایا کہ جیسے میں تم سے بکثرت احادیث بیان کرتا ہوں اگر عمرؓ کے زمانہ میں اس طرح بیان کیا کرتا تو وہ اپنے کوڑے سے مجھے مارتے۔

(۴) معن بن عیسیٰ سے روایت کی گئی ہے کہ ہم سے مالک نے عبد اللہ بن ادریس سے روایت بیان کی انھوں نے شعبہ سے وہ سعید بن ابراہیم سے وہ اپنے باپ سے کہ حضرت عمرؓ نے تین شخصوں یعنی ابن مسعودؓ اور ابوالدرداءؓ اور ابوسعودؓ انصاری کو قید کیا تھا اور وجہ یہ بیان کی تھی کہ تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث بیان کرنے میں کثرت کر دی۔

(۵) ابن علیہ نے جابر بن ابی سلمہ سے روایت کی ہے کہ مجھے خبر ملی ہے کہ معاویہؓ کہا کرتے تھے کہ تم حدیثیں بیان کرنے میں وہی روش باقی رکھو جو حضرت عمرؓ کے زمانہ میں تھی کیونکہ انھوں نے لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث کے بیان کرنے کے بارہ میں ڈرا دیا تھا۔

(۶) تنویر الخواک شرح موطا امام مالک میں سیوطی نے بیان کیا ہے کہ ہر وہی نے زہری کے طریق سے کلام کرنے کی مذمت میں بیان کیا ہے کہ مجھ سے عروہ بن زبیر نے بیان کیا کہ عمرؓ بن الخطاب نے احادیث لکھنے کا ارادہ کیا تھا جس میں صحابہ کرامؓ سے مشورہ لیا تو عوام نے ان کی رائے کو پسند کیا پھر وہ ایک ہینہ تک شک کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے استخارہ کرتے رہے پھر ایک دن جب اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں عزیمت ڈال دی تو فرمانے لگے کہ میں نے تم سے

احادیث کھنے کے ارادہ کا ذکر کیا تھا جو تم کو معلوم ہے پھر تجھے یاد آ گیا کہ تم سے پہلے اہل کتاب نے اللہ کی کتاب کے ساتھ اور کتابوں کو لکھا پھر اسی پر جھک پڑے اور اللہ کی کتاب کو چھوڑ دیا اس لئے خدا کی قسم میں اللہ کی کتاب کے ساتھ کسی چیز کو خلط ملط نہ کروں گا۔ پھر آپ نے احادیث کھوانے کا خیال چھوڑ دیا۔ اور ابن سعد نے طبقات میں لکھا ہے کہ قبیصہ بن عقبہ نے ہم کو خبر دی کہ سفیان نے ہم کو خبر دی ہے کہ معمر نے زہری سے روایت کی ہے کہ عمرؓ نے احادیث کے لکھنے کا ارادہ کیا تو ایک ماہ تک اللہ تعالیٰ سے استخارہ کیا پھر ایک دن آپ نے اپنے عزم کا اظہار فرمایا کہ میں نے ان لوگوں کا خیال کیا جنہوں نے خود کتاب لکھی اور پھر اسی پر جھک پڑے اور اللہ کی کتاب کو چھوڑ دیا (تعلیق محمد علی موطأ امام محمد)

(۷) بخاری نے اعمش سے روایت کی ہے کہ ابراہیم تیمی نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ہمارے پاس بجز کتاب اللہ کے کوئی ایسی کتاب نہیں جو پڑھی جاتی ہو اور یہ جو کچھ اس صحیفہ میں ہے پھر اس صحیفہ کو کھولا تو اس میں اونٹ کی غروں کا حال لکھا تھا اور یہ لکھا تھا کہ مدینہ عید سے فلاں جگہ تک حرم ہے تو اس میں جو شخص کوئی نئی چیز پیدا کرے اس پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے کہ اللہ تعالیٰ پھر اس کے لئے نہ کسی کی سفارش قبول کرے گا اور نہ کوئی فدیہ کام دیگا اور اس میں یہ بھی تھا کہ حملہ مسلمانوں کا قول و قرار ایک ہے کہ اس کے لئے ادنیٰ مسلمان بھی کوشش کر سکتا ہے لہذا اگر کوئی شخص کسی مسلمان کے قول و قرار کو جو وہ کسی کے ساتھ کر لے تو ردے تو اس پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے بارہ میں نہ کسی کی سفارش قبول کرے گا اور نہ کوئی صدقہ قبول کیا جائے گا اور اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ جو آزاد شدہ غلام آزاد کرنے والوں کی اجازت کے بغیر اپنا حق و لاء کسی قوم کو دیدے تو اس پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے اللہ تعالیٰ اس کے متعلق نہ کسی کی سفارش قبول کرے گا اور نہ فدیہ۔

(۸) عبد اللہ بن مسعودؓ کے حالات میں لکھا ہے کہ آپ حدیث کی روایت بہت کم کیا کرتے تھے۔ اور الفاظ میں احتیاط کیا کرتے تھے۔ (اور شاید یہ حضرت عمرؓ کے برکات تھے) اور ابی عمرو شیبانی سے روایت ہے کہ میں ابن مسعود کے پاس ایک سال بیٹھا لیکن کبھی آپ نے یہ نہیں کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلکہ جب وہ یہ فرماتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو کانپنے لگتے اور فرماتے کہ اس طرح یا اس کے قریب یا اس جیسا یا یہ فرمایا کرتے

اور ان روایات پر ایک طائرانہ نظر ڈالنے سے جو ان لوگوں سے روایت کی گئی ہیں جو ائمہ فتویٰ اور مسلمانوں کے قاید ہیں بسا اوقات ذہن میں ایک غیر صحیح اثر یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ لوگ احادیث پر توجہ نہیں کیا کرتے تھے اور قرآنی قانون کو مکمل نہیں سمجھتے تھے حالانکہ ہم اگر ان کی روایات پر غور کریں کہ وہ احادیث کا کتنا خیال کرتے تھے تو یہ حقیقت ظاہر ہو جائے گی کہ وہ صحابہ سے یہ خواہش کیا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کم روایت کریں۔ جس کے کچھ اشارات حسب ذیل ہیں۔

(۱) حافظ ذہبی نے تذکرہ حفاظ میں لکھا ہے کہ ابن شہاب نے قبیسہ ابن ذویب سے روایت کی ہے کہ ایک دادی ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئی جس کی خواہش تھی کہ اس کو میراث میں حصہ ملے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قرآن میں تو تیرا کوئی حصہ مذکور نہیں ہے اور نہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں کچھ معلوم ہوا ہے پھر آپ نے لوگوں سے دریافت کیا تو مغیرہ اُٹھے اور کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا چھٹا حصہ سنا ہے تو فرمایا کہ کیا تمہارا کوئی گواہ ہے تو محمد بن مسلمہ نے اسی طرح گواہی دی تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس کو نافرمان کر دیا۔

(۲) اور یہ بھی کہا کہ جریری نے ابی نصرہ سے روایت کی ہے اور وہ سعید سے بیان کرتے ہیں کہ ابو موسیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دروازہ کے پیچھے سے تین بار سلام کیا اور جب انہوں نے اندر آنے کی اجازت نہ دی تو لوٹ گئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے پیچھے آدمی بھیجا کہ آپ کیوں لوٹ گئے انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اگر تم میں سے کوئی تین بار سلام کرے اور اس کو جواب نہ دیا جائے تو لوٹ جائے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یا تو اس کا ثبوت پیش کرو ورنہ میں تمہاری خبر لیونگا تو ابو موسیٰ ہمارے پاس آئے ہم بھیجے ہوئے تھے ان کا رنگ اڑا ہوا تھا ہم نے پوچھا کہ آپ کا کیا حال ہے تو ہم کو سارا قصہ بتایا اور فرمایا کیا تم میں سے کسی نے اس کو سنا ہے ہم نے کہا ہاں ہم سب نے اس کو سنا ہے پھر ان کے ساتھ ایک آدمی کو بھیجا جس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آکر بیان کیا۔

(۳) اور بیان کیا کہ ہشام نے اپنے والد مغیرہ بن شعبہ سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے ایسی عورت کے حمل کے متعلق مشورہ کیا جو کسی کے مارنے سے گر جائے تو حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی دیت (لوٹدی یا غلام) دلوائی ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر تم سچے ہو تو ایک گواہ لاؤ جس کو دیت دلوانے کا حال معلوم ہو تو محمد بن مسلمہ نے

گواہی دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ کیا تھا۔

(۴) اور یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت ابی بنہ نے حضرت عمرؓ کے سامنے کوئی حدیث بیان کی تو آپ نے ان سے فرمایا کہ اس پر گواہ لاؤ تو وہ گواہ لانے نکلے تو کچھ انصار ان کو مل گئے انھوں نے ان سے اس کا تذکرہ کیا انھوں نے کہا ہم نے یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مجھے تم پر شبہ نہ تھا بلکہ میں چاہتا تھا کہ ثابت ہو جائے۔

(۵) اور عثمان بن مغیرہ ثقفی نے علی بن ربیعہ سے روایت کی ہے کہ اسماء بن حکم فزاری نے حضرت علیؓ سے سنا کہ آپ فرماتے تھے کہ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث سنتا تو اللہ تعالیٰ نے جو چاہا اس سے میں نے نفع اٹھایا اور اگر کوئی اور آپ کی حدیث مجھ سے بیان کرتا تو میں اس کو قسم دلاتا اگر وہ قسم کھا لیتا تو میں اس کی تصدیق کرتا اور ابو بکرؓ نے بھی مجھ سے ایک حدیث بیان کی اور وہ اپنے بیان میں صادق تھے (یعنی ان کو قسم دلانے کی میں نے ضرورت نہیں سمجھی) فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جب کوئی مسلمان بنا کوئی گناہ کرے پھر وہ وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھے اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرما دیتا ہے۔ یہ روایات اس بات کی دلیل ہیں کہ اس زمانہ میں مسلمانوں کے ائمہ اور ان کے پیشوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹی اور غلط حدیث منسوب ہونے کے خوف سے بہت کم روایات بیان کرنے کا اہتمام کیا کرتے تھے اور اسی لئے جو روایات ان سامنے بیان ہوا کرتی تھیں اس کا ثبوت طلب کیا کرتے تھے خصوصاً حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ تو اس وقت تک ان احادیث کو قبول نہیں کیا کرتے تھے جب تک کہ اس پر وہ شخص گواہی نہ دیدے کہ انھوں نے اس حدیث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے حتیٰ کہ ابو بکرؓ نے مغیرہ بن شعبہ سے ان کے روایت کی تقویت کرنے والے کو طلب کیا اور حضرت عمرؓ نے مغیرہ اور ابو موسیٰ اور ابی کی روایات کو تقویت دینے والا طلب کیا حالانکہ ان کی رفعت شان اور ان کی عظمت ان کے ثقہ ہونے کے لئے کافی تھی اور حضرت علیؓ تو راوی کو قسم دلایا کرتے تھے اور جب ان کے نزدیک حدیث ثابت ہو جاتی اور وہ مطمئن ہو جاتے تو پھر وہ اس روایت کے مطابق جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو پہنچتی عمل کرتے اور ہرگز اس کی مخالفت نہ کرتے۔

اور ان کے اس عمل کا نتیجہ اس زمانہ میں احادیث کی روایت کی کمی کا باعث رہا اور اس روایت پر وہ اعتماد کرتے تھے جس کی روایت دو گواہوں کی گواہی تھی اس وقت ثابت ہوتا جبکہ وہ واقعہ پیش آتا جو حدیث کے ذکر کے لئے داعی ہوتا۔

اس زمانہ میں اجتہاد

اجتہاد کا مطلب ہے جدوجہد اور کوشش کرنا احکام شریعت کے نکالنے میں ان امور سے جن کو شارع نے دلیل قرار دیا ہے اور وہ اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں۔

- (۱) احکام کے ظاہر سے کوئی حکم اخذ کرنا جبکہ محل حکم ان احکام کے مطابق ہو۔
- (۲) احکام کے مفہوم سے کوئی حکم اخذ کرنا جبکہ احکام کی علت موجود ہو جو اس کی صراحت کرے یا اس سے مستنبط ہو اور کسی واقعہ میں وہ علت پائی جائے اور حکم اس کو شامل نہ ہو اور اسی کو قیاس کہا جاتا ہے۔

اس زمانہ میں استنباط مسائل صرف ان فتاویٰ تک محدود تھا جن کو وہ شخص جس سے کسی بارہ میں پوچھا جاتا تو وہ فتویٰ دیدیتا اور مسائل میں اور ان کے جوابات کے بیان کرنے میں وسعت اختیار نہیں کرتے تھے بلکہ اس کو ناپسند سمجھتے تھے اور کسی معاملہ میں رائے کا اظہار اس وقت تک نہ کرتے تھے جب تک وہ معاملہ پیدا نہ ہو جاتا اور جب کوئی واقعہ پیش آجاتا تو پھر اس کا حکم بتانے کے لئے اجتہاد کیا کرتے تھے اسی لئے جلیل القدر صحابہؓ سے فتاویٰ بہت کم منقول ہیں اور یہ لوگ اپنے فتوؤں میں حسب ذیل امور پر اعتماد کیا کرتے تھے۔

(۱) قرآن مجید پر کیونکہ وہ دین کی بنیاد اور ملت کا ستون ہے اور وہ اس کو بالکل صاف اور واضح طور سے سمجھتے تھے کیونکہ وہ ان کی زبان میں نازل ہوا تھا اور نیز وہ اس کے نزول کے اسباب سے بخوبی واقف تھے اور ان میں اس وقت کوئی غیر عرب داخل نہیں ہوا تھا۔

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر جب کبھی وہ ان کو مل جاتی اور اس کا راوی ان کے نزدیک ثقہ ہوتا تو وہ اس کی اتباع پر متفق ہو جاتے تھے چنانچہ ابو بکرؓ کے سامنے جب کبھی کوئی معاملہ پیش آتا تو پہلے وہ کتاب اللہ میں دیکھتے اگر اس میں انھیں اس کا حکم مل جاتا تو اسی کے مطابق حکم کرتے اور اگر وہ کتاب الہی میں نہ پاتے تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں تلاش کرتے اگر وہاں اس کے تصفیہ کے لئے کوئی حل پاتے تو اس کے مطابق تصفیہ کرتے اگر اس میں بھی آپ کو کامیابی نہ ہوتی تو پھر لوگوں سے دریافت فرماتے کہ کیا تم کو معلوم ہے کہ اس

بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی حکم جاری فرمایا تھا تو اکثر اوقات لوگ کھڑے ہو جاتے اور بتاتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارہ میں ایسا ایسا فیصلہ کیا ہے۔ اور حضرت عمرؓ کی یہ عادت تھی کہ اگر ان کو کتاب و سنت سے حکم نکلنے میں کامیابی نہ ہوتی تو پھر دریافت فرماتے کہ کیا ابو بکرؓ نے اس بارے میں کوئی فیصلہ کیا ہے اگر حضرت ابو بکرؓ کا کوئی حکم آپ کو معلوم ہو جاتا اور اس کے خلاف کوئی حکم نہ ملتا تو پھر آپ اسی کے مطابق فیصلہ فرماتے اور عثمانؓ و علیؓ سب کے سب اسی طرح عمل کرتے تھے اور ساتھ ہی روایت قبول کرنے میں احتیاط برتتے تھے۔ اور صحابہ کے سامنے بعض ایسے قضیے بھی پیش ہوتے تھے جس میں کتاب و سنت میں کوئی حکم نہ ملتا تو پھر قیاس کرنے پر مجبور ہوتے اور اس کو رائے سے تعبیر کرتے اور اسی طرح ابو بکرؓ عمل کیا کرتے تھے جبکہ وہ قرآن مجید میں نص نہ پاتے یا لوگوں سے حدیث کا علم نہ ہوتا کیونکہ آپ لوگوں کو جمع کیا کرتے تھے اور ان سے مشورہ کیا کرتے تھے اور جب وہ کسی معاملہ میں کسی رائے پر متفق ہو جاتے تھے تو اسی کے مطابق فیصلہ فرما دیا کرتے تھے اور اسی طرح حضرت عمرؓ بھی کیا کرتے تھے اور جب آپ نے شرح کو کو فہ کی قضاوت عطا فرمائی تو ان سے فرمایا تھا کہ اللہ کی کتاب میں غور کرنا اور اگر اس میں حکم ملے تو پھر کسی سے کچھ دریافت نہ کرنا اور اگر اس میں نہ ملے تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں تلاش کرنا اور اگر سنت میں نہ ملے تو پھر اپنی رائے سے عمل کرنا اور ابو موسیٰ اشعریؓ کو آپ نے جو حکمنامہ بھیجا تھا جس میں لکھا تھا کہ قضا دیا تو فریضہ محکمہ ہے یا سنت متبعہ پھر فرمایا کہ اس کے بعد غور و فکر ہے جو تیرے دل میں آجائے جبکہ کتاب و سنت میں کوئی حکم نہ ملے۔ نظائر و امثال کو سمجھو اور اسی پر قیاس کرو اور عبداللہ بن مسعودؓ سے مفروضہ (جس عورت کو طلاق تفویض کر دی جائے) کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ میں اس بارے میں اپنی رائے سے حکم دیتا ہوں اگر وہ صحیح ہے تو اللہ کی طرف سے ہے اور خطا ہے تو میری طرف سے ہے اور شیطان کی طرف سے ہے اور اللہ و رسول اس سے بری ہیں۔

اور عبد اللہ بن عباسؓ نے زید بن ثابتؓ سے دریافت کیا کہ کیا قرآن میں بقیہ کا ثلث ہے تو فرمایا کہ میں اپنی رائے سے ایک حکم نگاتا ہوں اور آپ اپنی رائے سے ایک حکم دیتے ہیں۔ اور حضرت عمرؓ کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ آپ نے ایک شخص سے ملاقات کی اور پوچھا کہ تو نے کیا کیا اس نے کہا کہ زیدؓ اور علیؓ نے یہ فیصلہ کیا ہے تو آپ نے فرمایا کہ اگر میں فیصلہ

کرتا تو ایسا کرتا اس نے کہا کہ پھر آپ کو کس نے روکا ہے حکم آخر تو آپ کے ہاتھ میں ہے تو فرمایا کہ اگر میں تجھ کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھیرتا تو ایسا کرتا لیکن میں تجھ کو اپنی رائے کی طرف پھیرتا ہوں اور رائے مشترک ہے چنانچہ آپ نے علیؑ و زیدؑ کے فیصلہ کو نہیں توڑا۔

اور وہ باوجود رائے سے کہنے کے اس پر اعتماد کو ناگوار سمجھتے تھے تاکہ لوگ دین کے بارے میں بغیر علم کے کہنے پر جری نہ ہوں اور اس میں اس بات کو داخل کر دیں جو اس میں نہ ہو اور اسی لئے ان میں سے اکثر نے رائے کی مذمت کی ہے اور یہ واضح ہے کہ جس رائے کی انھوں نے مذمت کی ہے وہ رائے نہیں ہے جس پر انھوں نے عمل کیا بلکہ اس کو مذموم سمجھا کہ فتوے میں خواہش کی پیروی کی جائے۔ اصول دین کی ایسی سند کے بغیر جس کی طرف رجوع کیا جاسکے اور محمود وہ ہے جس کو عمرؓ نے اپنے قاضی کو اپنے اس حکم میں بتایا کہ پہلے نظائر و امثال کو پہچانو پھر ان پر امور کو قیاس کرو کیونکہ اس طرح رائے پر عمل کرنا نص کے مفہوم پر عمل کرنا ہوا۔ اہل ہر حال ان کے وہ فتوے جن میں انھوں نے رائے پر اعتماد کیا بہت ہی کم ہیں

حضرت شیخینؒ جب جماعت سے کسی بارے میں مشورہ کرتے اور لوگ اس میں کوئی رائے دیتے تو لوگ اس کی پیروی کرتے اور کسی کو مخالفت کی مجال نہ تھی، اور اس طرح اظہار رائے کو اجماع کہا جاتا تھا اور اس زمانہ میں مجتہد صحابہ کی تعداد معدودے چند تھیں جن سے مشورہ کرنا اور جن کے نتائج افکار پر مطلع ہونا دشوار نہ تھا اس لئے اجماع بہت آسان تھا۔ اس لحاظ سے اس زمانہ میں احکام کے ماخذ چار تھے۔

پہلا ماخذ کتاب جو دراصل معتمد ہے۔ دوسرا حدیث تیسرا قیاس یا رائے اور وہ ان دونوں کی شاخ ہے اور چوتھا اجماع اور یہ ظاہر ہے کہ حسب ضرورت وہ اجماع میں قرآن مجید یا حدیث یا قیاس سے سند لیتے ہوں گے۔

اور حضرت شیخینؒ کی سیاست کا نتیجہ یہ تھا کہ احکام میں اختلاف کم ہوتا تھا کیونکہ یا تو وہ مشورہ سے صادر ہوتا تھا اور اس میں اختلاف کا نہ ہونا واضح ہے یا پھر قرآن مجید کے مضبوط حکم یا سنت متبعہ معروفہ کے تحت صادر ہوتا تو اختلاف کا کوئی سبب ہی نہ رہتا البتہ جب رائے سے فتویٰ صادر ہوتا تو اس میں اختلاف کا امکان تھا اور یہ بھی ہم کو علم ہو چکا ہے کہ رائے پر ان کا اعتماد کم تھا اور حضرت عمرؓ کی ہیبت ان سب کے سروں پر بکھری تو ان کے نزدیک فتویٰ دینا کوئی آسان کام نہ

تھا بلکہ ہر ایک دوسرے پر طالعنا چاہتا تھا۔

اور یہ ظاہر ہے کہ جو رائے ان کو معلوم ہوتی تھی وہ انہی کی طرف منسوب ہوتی تھی نہ کہ شریعت کی طرف اس لئے اس پر عمل کو ضروری نہیں قرار دیتے تھے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ جب اپنی رائے سے اجتہاد کیا کرتے تھے تو فرمایا کرتے تھے کہ

”یہ میری رائے ہے اگر درست ہو تو اللہ کی طرف سے اور اگر غلط ہو تو پھر میری طرف سے ہے اور میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتا ہوں“

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کاتب نے ایک مرتبہ یہ فقرہ لکھ دیا کہ

”یہ اللہ کی رائے ہے اور عمر رضی اللہ عنہ کی رائے ہے“

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کہ تم نے غلط لکھا بلکہ یوں لکھو کہ ”یہ عمر رضی اللہ عنہ کی رائے ہے اگر ٹھیک ہو تو اللہ کی طرف سے اور غلط ہو تو عمر کی طرف سے“ پھر فرمایا کہ سنت تو وہ جو اللہ اور اس کے رسول نے مقرر فرما دیا ہے لہذا رائے کی خطا کو امت کے لئے سنت نہ قرار دیدو۔

محمد بن حسن نے روایت کی ہے کہ ہم سے ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے حماد سے روایت بیان کی کہ ابراہیم نخعی نے بیان کیا کہ ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا اور اس کا ہر کچھ مقرر نہیں کیا پھر وہ قبل صحت کے مرگیا تو عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ اس کو اس کے خاندان کی عورتوں کے مطابق مہر ملے گا نہ کم نہ زیادہ فیصلہ کرنے کے بعد فرمایا کہ اگر ٹھیک ہو تو اللہ کی طرف سے اور خطا ہو تو میری اور شیطان کی طرف سے اور اللہ اور اس کا رسول دونوں اس سے بری ہیں تو آپ کے ہم نشینوں میں سے ایک شخص نے کہا اور غالباً وہ معقل بن استار شجعی صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے ”اس نے اپنی قسم جس کی قسم کھائی جاتی ہے آپ نے وہی فیصلہ کیا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بروز بنت ورنش شجعیہ کے لئے کیا تھا“ راوی کا بیان ہے کہ عبداللہ بن مسعود اس بنا پر کہ ان کا نصیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کے مطابق ہوا اس قدر خوش ہوئے کہ اس سے پہلے کبھی بقدر خوش نہ ہوئے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اس فیصلہ میں ان کی مخالفت کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس پر عدت لازمی ہے اور اس کو میرا منت ملے گی اور اس کو مہر کچھ نہ ملے گا اور فرمایا کہ اللہ کی کتاب کے حکم کے مقابلہ میں قبیلہ اشجع کے ایک بدو کا قول نہیں قبول کیا جاسکتا اس لئے کہ اگر اس عورت کو طلاق ملتی تو اس کو کچھ مہر نہ ملتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

لا جناح علیکم ان طلقتم النساء تم پر (مہر کا) کچھ مواخذہ نہیں اگر بیبیوں کو

مالہ تمسوهن او تغرضوا لهن
ایسی حالت میں طلاق دیدو کہ نہ ان کو تم نے ہاتھ
لگایا ہے اور نہ ان کے لئے کچھ مہر مقرر کیا ہے۔
فراہضہ۔

تو حضرت علی موت کو طلاق کے مثل سمجھتے ہیں اور حدیث کہ قبول نہیں کرتے ہیں باوجودیکہ
وہ حدیث کے لینے میں مشدد تھے اور عبد اللہ بن مسعود موت کو طلاق کے مثل نہیں سمجھتے ہیں اور ان
کے رائے کی تائید معقل کی روایت سے ہوتی ہے۔

اور ہم اس موقع پر مناسب سمجھتے ہیں کہ یہاں چند ان مسائل کا ذکر کر دیں جن میں اس زمانہ کے
بڑے مفتیوں میں اختلاف ہوا تاکہ اس سے ان کے اختلاف کے اسباب ظاہر ہو جائیں۔

(۱) حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ایک مطلقہ عورت نے اپنے عدت کے زمانہ میں نکاح کر لیا
(اور نص قرآن سے اس کا منع ثابت ہے) تو عمرؓ نے اپنے کوڑے سے شوہر کو چند درے لگائے
اور دونوں میں تفریق کرادی اور فرمایا جو عورت اپنی عدت کے زمانہ میں نکاح کرے تو اگر اس شوہر
نے جس کے ساتھ اس نے نکاح کیا ہے اس سے صحبت نہ کی ہو تو دونوں میں تفریق کرادی جائے
اور پہلے شوہر کی جو عدت باقی رہ گئی ہے وہ پوری کرے پھر جو چاہے اس کو پیغام دے۔ اور اگر اس
لے مقاربت کر لی تو تفریق کرانے کے بعد اور اگر پہلے شوہر کی بقیہ عدت پوری کرے پھر دوسرے شوہر
کی عدت کرے پھر اس کے بعد عمرؓ بھر اس عورت کا نکاح نہ کیا جائے اور حضرت علیؓ نے فرمایا کہ جب
وہ پہلے شوہر کی عدت پوری کرے تو اگر چاہے تو دوسرے سے نکاح کرے تو ان دونوں نے اس
بات میں اختلاف کیا کہ عدت والی بیوی کے ساتھ مقاربت کرنے کے بعد زوج ثانی پر حرمت کی
ہمیشگی رہے گی یا نہیں اور قرآن مجید کے احکام میں ان دونوں میں سے کسی کی تائید نہیں ملتی ہے
إلا نیکہ حضرت عمرؓ نے تنبیہ و تادیب کا طریقہ اختیار کیا اور حضرت علیؓ نے عام اصول کو اختیار کیا۔
(۲) عثمان بن عفان اور زیدؓ ثابت نے فتویٰ دیا کہ آزاد عورت اگر غلام کی بیوی ہو جائے
تو وہ طلاق سے ہمیشہ کے لئے اس پر حرام ہو جائے گی اور حضرت علیؓ نے ان کی مخالفت کی اور
فرمایا کہ تین طلاق سے کم میں حرام نہ ہوگی لیکن لونڈی اگر آزاد شخص کی بیوی ہو تو وہ طلاق سے
حرام ہو جائے گی تو یہ فتویٰ دینے والے غلام کے نصف حقوق پر اتفاق کرنے کے بعد اس بات
میں اختلاف رکھتے ہیں کہ طلاق باعتبار شوہر کے ہے یا بیوی کے تو عثمانؓ و زیدؓ کی رائے یہ ہے کہ
شوہر کے اعتبار سے ہوگی کیونکہ وہ طلاق کا واقع کرنے والا ہے اور علیؓ کی یہ رائے ہے کہ بیوی
کے لحاظ سے ہوگی کیونکہ طلاق اس پر واقع ہونے والی ہے۔

(۳) عبدالرحمن بن عوف نے بحالت مرض اپنی بیوی کو طلاق دیدی اور اس کی عدت کے گزرنے کے بعد عثمان غنی نے اس کو میراث دلائی۔ اور یہ بھی روایت ہے کہ شریح نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ابن الخطاب کو لکھا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں اور وہ مریض ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اس مریض کے مرنے کے بعد اگر وہ عدت میں ہو تو اس کو وارث بنانا اور اگر اس کے مرنے کے پہلے عدت ختم ہو جائے تو اس کو میراث نہیں ملے گی تو گویا بعد اس کے کہ ان دونوں حضرات نے اس بات پر اتفاق کر لیا کہ مریض کی طلاق اس طرح زوجیت کو زایل نہیں کرتی کہ وہ وارثت کو ختم کر دے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی ایک حد مقرر کر دی یعنی عدت اور حضرت عثمان غنی نے اس کی حد مقرر نہیں کی اور اس مسئلہ میں کوئی قطعی حکم قرآن و حدیث سے ثابت نہیں جسکی طرف رجوع کیا جاسکے۔

(۴) حضرت عمر رضی اللہ عنہ ابن الخطاب نے فرمایا ہے کہ حاملہ عورت کے شوہر کا انتقال ہو جائے تو اس

کی عدت وضع حمل تک ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دونوں مدتوں میں سے جو مدت زیادہ طویل ہو اس وقت تک عدت کرے یعنی وضع حمل یا چار ماہ دس دن کی مدت اور اختلاف کا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حاملہ عورت کی عدت طلاق کی صورت میں وضع حمل رکھی ہے اور شوہر کا انتقال ہو جانے کی عدت چار مہینہ دس دن رکھی ہے بغیر کسی تفصیل کے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے فتویٰ میں اس کے شوہر کے انتقال پر دونوں آیتیں ملحوظ رکھی ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے طلاق کی آیت وفات پر حکم یعنی خاص رکھا ہے اور اس بارہ میں ایک حدیث کی بھی روایت کرتے ہیں کہ سبب بنت الحارث اسمیہ کے شوہر کا انتقال ہو گیا اور پچیس دن کے بعد وضع حمل ہو گیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو عدت پورا کرنے کا حکم دیا اس سے ہم کو معلوم ہوا کہ روایات کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے تشدد پر مبنی تھی۔

(۵) مسلم اور احمد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دو سالوں میں تین طلاق کو ایک گنا جاتا تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لوگ اپنے اس کام میں جس میں ان کو مہلت سے کام لینے کا حکم دیا گیا تھا جلدی سے کام لے رہے ہیں تو ہم بھی اسی کو نافذ کر دیں چنانچہ اس کو نافذ کر دیا یعنی ایک وقت میں تین طلاق دینے کو تین طلاق قرار دیدیا لیکن صحابہ نے اس پر اتفاق نہیں کیا بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے اس کے خلاف کی روایت پائی جاتی ہے گویا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو تعزیراً نافذ کیا اور جس نے ان کی مخالفت کی اس نے ظاہری احکام پر عمل کیا۔

(۶) ابن مسعود وغیرہ نے فتویٰ دیا ہے کہ اگر شوہر اپنی بیوی سے ایلا کرے اور چار مہینے گزر جائیں اور شوہر نے رجعت نہیں کی تو اسے طلاق بائن واقع ہوگی اور اس کا شوہر بھی اور پیغام دینے والوں میں سے ایک سمجھا جائے گا اور ابن مسعود کے سوا اور لوگوں کا فتویٰ ہے کہ چار ماہ گزرنے کے بعد شوہر کو حکم دیا جائے گا کہ یا توجوع کرے یا طلاق دیدے اور چار مہینے کا گزرنا طلاق نہیں سمجھا جائے گا اور آیت کا مطلب دونوں طریقوں کا احتمال رکھتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے۔

لِلَّذِينَ يُؤْتُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ تَرَبُّصًا
أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ فَأَنْزَلَ اللَّهُ
غَفُورًا رَحِيمًا وَأَنْ عَزِمُوا الطَّلَاقَ
فَإِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ۔
جو لوگ قسم کھا بیٹھتے ہیں اپنی بیبیوں (کے پاس
جانے) سے ان کے لئے چار مہینے تک کی
مہلت ہے۔ سو اگر یہ لوگ (قسم توڑ کر عورت
کی طرف) رجوع کر لیں تو اللہ تعالیٰ معاف
کرنے والے رحم فرمانے والے ہیں اور اگر بالکل ہی چھوڑ دینے کا پختہ ارادہ کر لیا ہے تو اللہ تعالیٰ
سننے میں جانتے ہیں۔

(۷) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فتویٰ دیا ہے اور اس کی موافقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے
بھی کی ہے کہ مطلقہ اپنی عدت سے اس وقت تک فارغ نہ ہوگی جب تک کہ وہ اپنے تیسرے
حیض کا غسل نہ کر لے اور زید بن ثابت نے فتویٰ دیا ہے کہ وہ تیسرے حیض میں داخل ہوتے ہی
عدت سے فارغ ہوگی اور اس اختلاف کا سبب "قرء" کے معنی میں اختلاف ہے کہ کیا وہ طہر ہے
جیسا کہ زید ابن ثابت وغیرہ نے سمجھا ہے یا وہ حیض ہے جیسا کہ ابن مسعود نے سمجھا ہے۔

(۸) عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب نے فتویٰ دیا ہے کہ حیض والی عورت کا حیض اگر طلاق کے بعد
بند ہو جائے تو وہ نو مہینے انتظار کرے اگر اس عرصہ میں حمل ظاہر ہو جائے تو ٹھیک ہے ورنہ
نو مہینے گزرنے کے بعد تین مہینے عدت گزارے اور دو ستر حضرات نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ وہ
"آسیہ" (حیض سے ناامید) ہونے تک انتظار کرے اس کے بعد مہینوں سے عدت کر لے
ان لوگوں کا نظریہ عدت کے بارے میں ظاہری احکام کو ملحوظ رکھتا ہے کیونکہ یہ عدت والی عورت
حیض والی عورتوں میں شمار ہوگی اور اس کی عدت ظاہری احکام سے تین افراد سے ہے اور وہ آسیہ
نہ تھی کہ مہینوں سے عدت کرے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نظریہ عدت کے معنی کی طرف خیال رکھتا ہے
یعنی حمل نہ رہنے کا یقین حاصل کرنا اور غالب مدت گزرنے کے بعد کوئی شک نہیں رہتا لہذا

اس کے بعد مہینوں سے عدت گزارے۔

(۹) حضرت عمر رضی اللہ عنہ ابن الخطاب کا فتویٰ ہے کہ جس عورت کو تین طلاقیں ہو چکیں اس کو خرج اور رہنے کے لئے گھر ملے گا۔ اور حبیب آپ کو فاطمہ بنت قیس سے روایت ملی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین طلاق کے بعد نہ خرج دلایا نہ مکان تو فرمایا کہ ہم اپنے رب کی کتاب اور نبی کی سنت کو ایک عورت کے کہنے سے نہ چھوڑیں گے معلوم نہیں کہ اس کو یاد بھی رہا یا بھول گئی اور اللہ کی کتاب میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول موجود ہے۔

لا تخرجوهن من بیوتہن ولا یخرج
حسن الا ان یتین بقا حشہ
ان عورتوں کو ان کے رہنے کے گھروں سے
مت نکالو (کیونکہ طلاق کے لئے منکوحہ
کی طرح مکان واجب ہے) اور نہ وہ عورتیں
مبیعہ۔

خود نکلیں مگر ہاں کوئی کھلی سبے حیائی کریں۔

اور دوسروں نے فتویٰ دیا ہے کہ ایسی عورت کو نہ خرج ملے گا نہ مکان فاطمہ بنت قیس کی حدیث کو حجت قرار دیا ہے اور اس لئے کہ آیہ عدت کے ختم پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے۔
لا تدری لعل اللہ یحدث بعد
ذلک امرا۔
تجھ کو خبر نہیں شاید اللہ تعالیٰ بعد اس (طلاق
دینے کے) کوئی نئی بات (تیرے دل میں)

پیدا کر دے (مثلاً طلاق پر نہامت ہو تو رجعی میں اس کا تدارک ہو سکتا ہے)

تو مطلقہ ثلاثہ کے لئے اللہ تعالیٰ کیا صورت پیدا فرمائے گا جبکہ وہ اپنے طلاق دینے والے پر حرام ہو چکی ہے۔ اور بعض لوگوں نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ اس کو خرج تو نہ ملے گا لیکن مکان ملے گا نفقہ کے وجوب کو اللہ تعالیٰ کے اس قول کے مفہوم سے نفی کی ہے۔

وان کن اولات حمل فانفقوا
علیہن حتی یضعن حملہن۔
اور اگر وہ (مطلقہ) عورتیں حمل والیاں ہوں
تو وضع حمل تک ان کو رکھانے پینے کا خرج دو
اس بنا پر ان لوگوں نے کہ جو حاملہ نہ ہو اس کو نفقہ نہیں ملے گا۔

(۱۰) حضرت ابو بکرؓ بھائیوں کو دادا کے ساتھ وارث نہیں قرار دیتے تھے لیکن عمرؓ نے ان کو دادا کے ساتھ حصہ دلوا دیا ابو بکرؓ نے دادا کو باپ قرار دیا اور بھائی باپ کے ساتھ از روئے نص کے وارث نہیں ہوتے اور عمرؓ نے دادا کو باپ قرار نہیں دیا اور زید بن ثابتؓ کی بھی یہی رائے تھی۔

(۱۱) امام مالک نے موطا میں روایت کی ہے کہ ایک جدہ (نانی) حضرت ابوبکرؓ کے پاس اپنی میراث کا حصہ دریافت کرنے آئی تو فرمایا کہ کتاب اللہ میں نہ تیرا کوئی حصہ ہے اور نہ ہم نے تیرے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں کوئی حصہ پایا لہذا تو لوٹ جا حتیٰ کہ میں لوگوں سے اس بارے میں دریافت کر لوں پھر آپ نے لوگوں سے دریافت فرمایا تو مغیرہ بن شعبہ نے فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر تھا آپ نے نانی کو چھٹا حصہ دلوا دیا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے دریافت فرمایا کہ کیا تمہارے ساتھ اور کوئی سننے والا ہے تو محمد بن مسلمہ اٹھے اور اسی طرح فرمایا تو حضرت ابوبکرؓ نے یہ فیصلہ نافذ کر دیا پھر دوسری وادی (حقیقی وادی) عمر بن الخطاب کے پاس آئی اور اپنی میراث کا مسئلہ دریافت کرنے گئی آپ نے فرمایا کہ کتاب اللہ میں تو تیرا کوئی حصہ نہیں اور جو فیصلہ کیا گیا وہ تیرے لئے نہ تھا (یعنی وادی کے لئے نہ تھا بلکہ نانی کے لئے تھا) اور میں فرائض میں کوئی چیز ٹھکانے والا نہیں لیکن وہی چھٹا اگر تم دونوں اس میں شریک ہو جاؤ تو آپس میں تقسیم کر لو ورنہ جو اکیلی ہو وہی لے لے۔

(۱۲) امام مالک نے موطا میں روایت کی ہے کہ ضحاک بن خلیفہ نے عریض (مدینہ کی وادی) سے ایک چھوٹی نہر نکالی اور محمد بن مسلمہ کی زمین میں سے اپنی زمین تک لے جانا چاہا تو محمد بن مسلمہ نے اس کو روک دیا تو ضحاک نے کہا مجھے کیوں منع کرتے ہو اس سے تو تم کو بھی فائدہ پہونچے گا کہ پہلے تمہاری زمین سیراب ہوگی اور تم کو اس سے کوئی نقصان بھی نہ ہوگا تو پھر بھی انکار کیا تو اس بارہ میں انھوں نے عمر بن الخطاب سے گفتگو کی حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تو اپنے بھائی کو اس چیز سے کیوں روکتا ہے جو اس کو نفع دیتی ہے اور اول و آخر تیری زمین بھی اس سے سیراب ہوگی۔ اور تجھے کچھ نقصان بھی نہ ہوگا۔ تو محمد نے کہا ہرگز نہیں خدا کی قسم میں منظور نہیں کرتا تو عمرؓ نے فرمایا خدا کی قسم ضرور یہ نہر جاری ہوگی اگرچہ تیرے پیٹ پر سے ہی کیوں نہ گزرے پھر عمرؓ نے اس کے جاری کرنے کا حکم دیدیا۔

(۱۳) امام مالک نے ابن شہاب سے روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں کھوئے گئے اونٹ کھلے پھرتے تھے ان کے بچے ہوتے تھے اور ان کو کوئی ہاتھ نہ لگاتا تھا حتیٰ کہ جب حضرت عثمانؓ کا زمانہ آیا تو آپ نے حکم دیا کہ ان کے مالک کی تلاش کرو اور نہ ملنے پر فروخت کر دو اور جب اس کا مالک آتا تو اس کی قیمت اس کو دیدی جاتی۔

(۱۴) ان اہم مسائل میں سے جو عراق و شام کی فتح کے بعد پیش آئے یہ مسئلہ تھا کہ ان زمینوں

کا کیا کیا جائے جو قوت سے فتح کی گئی ہیں اگر ظاہری احکام سے دیکھتے ہیں تو یہ مثل اور غنیمتوں کے ایک غنیمت ہوتی ہے اور اس کے پانچ حصوں میں سے چار غازیوں کے اور ایک حصہ ان مصالح عامہ کے لئے روکا جانا چاہیے جو کتاب اللہ میں مذکور ہیں لیکن جب حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ وہ بھی یہی مطالبہ کر رہے ہیں تو فرمایا کہ جو بعد کے مسلمان آئیں گے اور دیکھیں گے کہ زمین مع ذمی رعایا کے تقسیم ہو چکی اور باپ دادا سے میراث میں مل چکی تو ان کا کیا حال ہوگا۔ لہذا یہ رائے مناسب نہیں تو عبد الرحمن بن عوف نے کہا کہ پھر کیا رائے ہے زمین اور ذمی رعایا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو بطور غنیمت عطا فرمائی ہے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تو ایسا ہی جیسا کہ تم کہتے ہو لیکن میں اس کو مناسب نہیں سمجھتا خدا کی قسم میرے بعد جو شہر فتح ہوں گے اس میں کوئی بڑا فائدہ نہ ہوگا بلکہ ممکن ہے کہ وہ مسلمانوں کے لئے وبال ہو جائے پس جب زمین عراق مع رعایا کے تقسیم کر دی جائے اور اسی طرح زمین شام مع رعایا کے تو سرحدوں کی حفاظت کیسے ہوگی اور اس شہر کے چھوٹے بچوں اور بیواؤں کی کفالت کیسے ہوگی اور اہل شام و عراق کے سوا اور مقامات کے ان مصارف کے لئے کیا ہوگا تو لوگوں نے حضرت عمرؓ سے کثرت سے گفتگو کی اور کہا جو چیز اللہ تعالیٰ نے ہماری تلواروں کے ذریعہ ہم کو عطا فرمائی ہے اس کو آپ ان لوگوں پر اور ان کے بیٹوں اور پوتوں پر وقف کر رہے ہیں جو جنگ میں حاضر نہیں ہو سکتے۔ تو حضرت عمرؓ اس سے زیادہ نہ کہتے تھے کہ یہ تو میری رائے ہے تو پھر لوگوں نے کہا کہ آپ اس بارہ میں مشورہ کیجئے۔ تو آپ نے ہاجرین اولین سے مشورہ کیا تو ان کے درمیان اس میں اختلاف ہوا عبد الرحمن بن عوف کی رائے تھی کہ ان کے حقوق پورے تقسیم کر دئے جائیں اور حضرات عثمان و علی و طلحہ و ابن عمر کی رائے حضرت عمرؓ کے مطابق تھی پھر آپ نے دس انصار کو طلب کیا پانچ اوس کے پانچ خزراج کے جو ان کے بوڑھے اور بزرگ تھے حبیب وہ آگئے تو فرمایا کہ میں نے آپ کو صرف اس لئے تکلیف دی ہے کہ آپ میری اس امانت میں شریک ہوں جو میں نے آپ کے معاملات کی ذمہ داری اپنے سر لے کر قبول کی ہے کیونکہ میں بھی آپ ہی ہوں سے ایک فرد ہوں اور آپ آج حق بات کہیں آپ میں سے جو چاہے میری مخالفت کرے اور جو چاہے میری موافقت کرے اور میں نہیں چاہتا کہ آپ میری خواہش کی پیروی کریں آپ کے پاس اللہ کی کتاب ہے جو حق بات کہتی ہے خدا کی قسم اپنے کلام سے میرا مقصد بجز حق کے اور کچھ نہیں ہے تو لوگوں نے جواب دیا امیر المؤمنین کہتے ہم سن رہے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ آپ حضرات نے ان لوگوں کی بات سن لی جن کا خیال ہے کہ میں ان کے

حقوق پر ظلم کر رہا ہوں اور میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ ظلم کا ارتکاب کروں۔ اگر میں نے ان پر ظلم کیا ہو کہ ان کی چیز جس پر ان کا حق ہو ان سے لے کر ان کے غیر کو دیدی ہو تو بے شک میں شقی ہوں لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ زمین کسری فتح کرنے کے بعد کوئی چیز باقی نہیں رہتی جو آئندہ فتوحات میں کام دے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس وقت ہم کو ان کا مال ان کی زمین ان کی رعایا بطور غنیمت عطا فرمادی ہے تو میں نے مال غنیمت تو ان لوگوں میں تقسیم کر دیا اور غنم نکال کر میں نے اپنی ذمہ داری سے اس کے امور میں خرچ کر دیا اور میری رائے یہ ہے کہ زمین کو فتح اس کی رعایا کے روک دوں اور اس زمین میں ان پر خرچ مقرر کر دوں اور رعایا پر جزیہ لگا دوں تاکہ وہ اس کو ادا کرتے رہیں تو یہ اسلامی فوج اور ذریت اور ان کے بعد آنے والوں کے لئے وقف رہے کیا تم اس کو نہیں سمجھتے کہ ان سرحدوں کے لئے ایسے آدمیوں کی ضرورت ہے جو اس کی حفاظت کریں کیا تم نے ان بڑے شہروں شام، جزیرہ، کوفہ، بصرہ، مصر کو نہیں دیکھا ہے کہ وہاں فوجی چھاؤنیوں کی ضرورت ہے اور وہاں وظائف دئے جائیں گے تو اگر زمین اور رعایا تقسیم کر دی جائے تو یہ مصارف کہاں سے پورے ہوں گے۔ اس پر سب نے کہا کہ آپ کی رائے صائب ہے اور آپ کا ارشاد بجا ہے۔ اگر ان سرحدوں اور شہروں کی حفاظت آدمیوں کے ذریعہ نہ کی جائے اور حیوان کی تقویت کا باعث ہے یعنی وظائف ان کو نہ دئے جائیں تو اہل کفر اپنے شہروں کو لوٹ جائیں گے جس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اب میرے لئے معاملہ بالکل صاف ہے اور یہ حکم نافذ کر دیا کہ زمین وہاں کے رہنے والوں کے قبضہ میں رہنے دی جائے اور ان پر خرچ مقرر کر دیا اور آپ کی رائے (اللہ ان سے راضی ہو) بالکل صحیح تھی اور اکثریت کی رائے بھی کہ مخالف خاموش ہو گئے۔

(۱۵) حضرت ابو بکرؓ لوگوں میں مال برابر برابر تقسیم فرمادیا کرتے تھے کسی کو کسی پر فضیلت نہیں دیتے تھے تو آپ سے عرض کیا گیا کہ یا خلیفہ رسول اللہ آپ یہ مال سب میں برابر برابر تقسیم فرماتے ہیں حالانکہ ان میں بعض لوگ ایسے بھی ہیں جن کو سبقت، فضیلت اور قدامت حاصل ہے لہذا اگر آپ ایسے لوگوں کو ترجیح دیں تو بہتر ہوگا تو آپ نے فرمایا کہ تم نے جو کارناموں اور قدامت اور فضیلت کا ذکر کیا ہے تو مجھ سے زیادہ کوئی نہیں جانتا اور یہ باتیں تو ایسی ہیں جن کا ثواب اللہ کے پاس ہے گا اور یہ جو دیا جا رہا ہے تو آذوقہ ہے اس میں ترجیح کے مقابلہ میں مساوات ہی بہتر ہے لیکن جب حضرت عمرؓ کا زمانہ آیا اور خوب فتوحات آنے لگیں تو آپ نے فضیلتوں

کا لحاظ رکھا اور فرمایا کہ میں اس شخص کو جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کی ہے اس کے برابر نہیں کروں گا جس نے حضورؐ کے ساتھ ہو کر جہاد کیا ہے اور اسی پر فوجی دفتر کی بنیاد رکھی۔

اس سے ہماری غرض اس زمانہ کے مفتیوں کے فتادی کی تعداد بتانی نہیں ہے اور نہ وہ جملہ امور ذکر کرنا چاہتے ہیں جن میں انھوں نے اختلاف کیا ہے بلکہ ہم نے چند مثالیں بیان کر دیں جس سے ان کے اجتہاد کا طریقہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے قریب ہونے کے باوجود ان کے اختلاف کے اسباب معلوم ہو جائیں اور مذکورہ بالا مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ یہ اسباب تین ہیں۔

(۱) فتویٰ کا اختلاف قرآن مجید کا مطلب سمجھنے میں اختلاف کی بنا پر ہوتا تھا اور اس کی کئی وجوہ تھیں۔

(۲) کسی ایسے لفظ کا وارد ہونا جس میں دو معنی کا احتمال ہو جیسے اللہ تعالیٰ کے حسب ذیل ارشاد میں قرآن کے معنی سمجھنے میں ان کا اختلاف۔

والمطلقات تیر بعت بالنفس من اور طلاق دی ہوئی عورتیں اپنے آپ کو (تکاح سے) ثلاثہ قرو۔ روکے رکھیں تین قرو، ایک۔

حضرت عمرؓ اور ابن مسعود نے اس سے حیض سمجھا اور زید بن ثابت نے اس سے طہر سمجھا اور ہر ایک کے لئے اس کی تائید موجود ہے اور جیسا کہ آیت الیاء میں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایلاء کرنے والے کے لئے ایک مدت مقرر کر دی کہ اس کا انتظار اس کے لئے ضروری ہے اور وہ چار مہینے ہیں پھر اس کے بعد اپنے اس کلام میں ارشاد فرمایا

فان فاؤ فان الله غفور رحيم
وان عزموا الطلاق فان الله
سمیع علیم۔

سو اگر یہ لوگ (قسم توڑ کر عورت کی طرف) رجوع کر لیں تب تو اللہ تعالیٰ معاف کر دیں گے رحمت فرما دیں گے اور اگر باطل ہی چھوڑ دیں

کا پختہ ارادہ کر لیا ہے تو اللہ تعالیٰ سنتے ہیں جانتے ہیں۔ اس نص میں احتمال ہے کہ رجوع کرنے یا مدت مقررہ گزرنے کے بعد طلاق دینے کا مطالبہ ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ مدت محدودہ کے اندر ہی تکمیل ہو اور اگر مدت گزر گئی تو اب رجوع ممکن نہیں اور اس کے گزرنے پر طلاق واقع ہو گئی۔

(ب) دو موضوع کے لئے مختلف دو حکموں کے صادر ہونے سے یہ گمان ہوتا کہ ایک حکم دوسرے مسئلہ کے کسی حصہ کو بھی شامل ہے تو اس جزا میں دونوں حکم ایک دوسرے کے معارض ہو جاتے ہیں اور اس کی مثال وہ عورت والی عورت ہے جس کے شوہر کا انتقال ہو چکا ہو کیونکہ نص سے اس کی عادت چار مہینے دس دن ہے اور گمان ہوتا ہے کہ یہ حکم حاملہ عورت کو بھی شامل ہے اور طلاق سے عادت کرنے والی عورت کے لئے جو آیت ہے اس میں حاملہ کی عادت وضع حمل ہے تو حاملہ عورت کے شوہر کی وفات ہوئے پر اس کی عادت دو حکموں کے درمیان پرگئی یا تو وہ پہلی آیت کے حکم میں شامل ہے جس کی بنا پر اس کو چار مہینے دس دن تک عادت گزارنا ہے اگرچہ اس سے پہلے وضع حمل ہو جائے اور یا یہ کہ اس کی عادت وضع حمل ہے اگرچہ کہ طلاق کی عادت والی آیت پر عمل کرتے ہوئے وہ اس مدت کا انتظار نہ کرے اور بعض جلیل القدر صحابہؓ نے ان دونوں راویوں میں سے ایک ایک راے دی ہے۔

دوسرے احادیث کی بنا پر فتوے کا اختلاف ہم نے پہلے بیان کر دیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت وہ ہے جو ظاہر اور کھلی ہو آپ نے اس کو کیا ہو یا صحابہ کے ہم غفر کے سامنے فرمایا ہو جیسے نماز اور اس کی کیفیت اور اس کے رکعات کی تعداد اور جیسے حج اور اس کے ادائیگی کے طریقے اور ان میں سے بعض ایسی بھی تھیں جو ایک یا دو شخصوں کی موجودگی میں آپ نے بیان فرمائیں یا اس پر عمل فرمایا تو اس کی روایت انہی حضرات تک محدود ہوتی تھی جو اس وقت حاضر تھے اور اکثر قولی حدیث اسی طرح کی ہے اور اختلاف کی بنیاد یہیں سے ہے اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا بیان کرنا اس زمانہ میں شائع نہ تھا اور احادیث کسی کتاب میں جمع نہ تھیں جس کی طرف رجوع کیا جاتا تو مفتیوں کے سامنے جب کوئی واقعہ پیش ہوتا اور کتاب اللہ میں اس کا حکم نہ ملتا تو اپنے ساتھیوں سے دریافت فرماتے کہ کیا تمہارے پاس اس معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ موجود ہے یا اوقات ان کے پاس وہ شخص حاضر ہو جاتا جو ان سے حدیث بیان کرتا تو اس کے مطابق فیصلہ فرما دیتے بشرطیکہ اس کی روایت تسلیم کر لی جاتی چنانچہ حضرت عمرؓ راوی سے حدیث کی سماعت میں اس کے شریک کو طلب فرماتے اور حضرت علیؓ ابن ابی طالب راوی کو قسم دلاتے اور اکثر ایسا بھی ہوتا کہ ان کے سامنے حدیث بیان ہوتی اور وہ اس پر عمل نہ فرماتے جبکہ ان کو اس روایت کی صداقت کا یقین نہ ہوتا جیسا کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہم اپنے رب کی کتاب اور اپنے نبی کی سخت کو ایک عورت کے کہنے سے نہیں چھوڑ سکتے

ہم نہیں جانتے کہ وہ ٹھیک کہتی ہے یا خطا پر ہے اس کو یاد بھی ہے کہ بھول گئی تو روایت کا شائع نہ ہونا اور احادیث کے قبول کرنے میں وقت نظری سے کام لینا بعض اوقات ان کو عموم نص قرآنی کے مطابق فتویٰ دینے پر مجبور کرتا تھا اور بعض اوقات انکو کوئی ایسی سنت بھی ملجاتی تھی جو اس عموم کو خاص کر دیتی تھی اور اگر ان کو کوئی نص نہ ملتی تو کبھی رائے اور اجتہاد سے بھی فتویٰ دیدیا کرتے تھے۔

(تیسرا) رائے کی بناء پر فتوے میں اختلاف۔

ہم نے پہلے بیان کر دیا ہے کہ اگر ان کو کسی واقعہ کے لئے نص قرآنی یا احادیث سے کوئی حکم نہ ملتا تو فتویٰ دینے کے لئے رائے کو اختیار کرتے تھے اور ان کے نزدیک رائے کا مطلب یہ تھا کہ جس بات کو وہ مصلحت سمجھتے اور شریعت اسلامی کی روح سے قریب ہوتا اس بات کو دیکھے بغیر کہ وہاں اس واقعہ کے لئے کوئی اصل معین ہے یا نہیں دیکھو حضرت عمرؓ نے محمد بن سلمہ پر یہ حکم قطعی نافذ کر دیا کہ ان کے پڑوسی کی نہران کی زمین میں ہو کر جائے کیونکہ وہ طرفین کے لئے مفید تھی اور محمد کو اس میں کسی قسم کی مضرت نہ تھی اسی طرح تین طلاقیں کو ایک ہی مرتبہ میں نافذ ہونے کا فتویٰ دیدیا کیونکہ لوگ اس کام میں جلدی کرتے تھے جس میں ان کو صبر و تحمل سے کام لینے کی ضرورت تھی اور جو شخص کسی عورت کی عدت میں اس سے نکاح کرے تو اس کے ساتھ دوبارہ (یعنی عدت پوری ہونے کے بعد) اس کو نکاح کرنا حرام قرار دیا ان دونوں کے درمیان تفریق کرانے کے بعد اور یہ حکم اس کی تنبیہ کے لئے نافذ فرمایا اور مصلحتوں پر غور کرنا ناظرین کے اختلاف کی بناء پر مختلف ہوتا ہے، اسی لئے حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ہم بعض مفتیوں کو ان کی رائے سے اختلاف کرتا ہوا پاتے ہیں اور وہاں پر کئی مسائل ہیں جن میں حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے اختلاف کیا ہے اور ان کے فیصلہ کے خلاف فیصلہ کیا ہے جیسا کہ ہم نے بھائیوں کے ساتھ نانی کی میراث کے مسئلہ میں بیان کیا ہے اور وظائف میں ترجیح دینے کے بارہ میں بیان کیا ہے اور اسی طرح وہاں پر اور مسائل ہیں جن میں حضرت علیؓ نے ایسے فتوے دئے ہیں جو ان کے دوسرے بھائیوں (باقی خلفاء راشدین) کے فتوؤں کے خلاف تھے چنانچہ وہ ان یتامی کے مال سے زکوٰۃ نکالتے تھے جو ان کے زیر پرورش تھے حالانکہ ان کے سوا اور لوگ یتیم کے مال میں زکوٰۃ کا حکم نہیں دیتے تھے۔ اور ہم نے یہ بھی بیان کر دیا ہے کہ اس زمانہ میں اختلاف کچھ زیادہ نہیں تھا اس لئے کہ ان کے فیصلے واقعات کے مطابق ہوتے تھے اور یہ فیصلے ان کے زمانہ میں مدون نہیں کئے جاتے تھے

چنانچہ یہ دو ختم ہو گیا اور فقہ صرف احکام قرآن مجید اور احادیث ظاہرہ متبعہ اور جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم کی پسند کا نام تھا جو ان کے سامنے دوسرے صحابہ نے روایت کی تھی یا جس کو انھوں نے خود سنا تھا اور بہت کم فتوے ایسے تھے جو اجتہاد اور بحث کے بعد ان کی رائے سے صادر ہوئے تھے۔

اور اس زمانہ میں مشہور فتوے صادر کرنے والے خلفاء اربعہ اور حضرات عبداللہ بن مسعود اور ابو موسیٰ اشعری اور معاذ بن جبل اور ابی بن کعب اور زید بن ثابت تھے جن میں کثرت سے فتوے دینے والے حضرات عمر بن الخطاب اور علی رضی اللہ عنہما بن ابی طالب اور عبداللہ بن مسعود اور زید بن ثابت تھے اور یہ فتوے خاص طور سے قرآن کے متعلق تھے۔

اور حضرت امین عمر رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ کے حالات اتنے زیادہ واضح ہیں کہ یہاں ان کے ذکر کی ضرورت نہیں یہاں ہم ان کے علاوہ اور لوگوں کے حالات بیان کرتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود

وہ عبداللہ بن مسعود ہندی ہیں جو نبی زہرہ کے حلیف تھے قدیم الاسلام ہیں فرماتے ہیں کہ میں چٹا مسلمان تھا کہ روئے زمین پر ہم چھ کے سوا کوئی مسلمان نہ تھا اور وہ سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے قرآن مجید کو مکہ معظمہ میں زور سے پڑھا اور جب وہ اسلام لائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے پاس لے لیا چنانچہ وہ آپ کی خدمت کرتے تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمادیا تھا کہ تمہارے لئے اجازت ہے کہ تم میری آواز سن لو اور پردہ اٹھا ہوا ہو چنانچہ وہ آپ کے مکان میں جایا کرتے تھے اور آپ کو جوتے پہنایا کرتے تھے اور آپ کے ساتھ بلکہ کبھی آپ کے آگے چلا کرتے تھے اور جب آپ غسل فرماتے تو آپ کے لئے پردہ باندھا کرتے اور جب آپ سویا کرتے تو آپ کو اٹھایا کرتے اور حبشہ اور مدینہ دونوں طرف ہجرت کی اور دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی اور بدر اور احد اور خندق اور بیعت رضوان میں موجود تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام لڑائیوں میں شریک رہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مدینہ یرموک میں شریک رہے اکثر صحابہ اور تابعین نے آپ سے احادیث روایت کی ہیں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے طور و طریقہ میں زیادہ قریب ہو اسے بتائے کہ اس سے ہم احادیث لیں یا ان سے سنیں تو فرمایا کہ سب لوگوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ قریب طور و طریقہ میں ان میں ابن مسعود ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے جلیل القدر صحابہ اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ ابن ام عبدان سب میں اللہ کے نزدیک ہی زیادہ مقربین میں سے ہیں اور حضرت علیؑ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں کسی کو بغیر مشورہ کے حاکم بناتا تو ابن ام عبد کو حاکم بناتا۔

حضرت عمرؓ ابن الخطاب نے ان کو کوفہ کی طرف روانہ کیا اور وہاں کے رہنے والوں کو لکھا کہ میں نے عمار بن یاسیر کو امیر بنا کر بھیجا ہے اور عبد اللہ بن مسعود کو معلم اور وزیر اور وہ دونوں اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بزرگ ترین ہیں وہ اصحاب بدر میں سے ہیں ان کی اقتدا کرو اور ان کی اطاعت کرو اور ان کے اقوال کو سنو اور میں نے عبد اللہ کو تمہارے لئے اپنے اوپر ترجیح دی ہے چنانچہ وہ کوفہ میں رہے وہاں کے رہنے والے ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سنا کرتے تھے اور وہ ان کے معلم بھی تھے اور قاضی بھی۔ اور وہ جیسا کہ حضرت علیؓ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے ایسے ہی تھے کہ قرآن مجید پڑھا اس کے حلال کو حلال قرار دیا اس کے حرام کو حرام۔ دین میں فقیہ تھے حدیث کے عالم تھے ان کے اور حضرت عثمانؓ کے درمیان ان کی زندگی کے آخری ایام میں اختلاف ہو گیا تھا چنانچہ حضرت عثمانؓ نے ان کو مدینہ منورہ بلوا لیا اور وہ وہاں آ گئے اور وفات تک وہیں مقیم رہے اور ابن سعد نے طبقات میں روایت کی ہے کہ حضرت عثمانؓ ہی نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور ہر ایک نے ایک دوسرے کے لئے اللہ تعالیٰ سے حضرت عبد اللہؓ کی موت سے پیشتر مغفرت طلب کی اور یہ سب کا واقعہ ہو

حضرت زید بن ثابتؓ

وہ زید بن ثابت بن ضحاک بخاری انصاری ہیں جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے ہیں ان کی عمر (۱۱) سال کی تھی اور ان کا سب سے پہلا جہاد غزوہ خندق ہے اور جنگ تبوک میں نبی مالک بن نجار کا جھنڈا اعمارہ بن حنظل کے پاس تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے جھنڈا لے کر زید بن ثابت کو دیا تو اعمارہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا آپ کو میرے متعلق کسی قسم کی خبر ملی ہے تو آپ نے فرمایا نہیں بلکہ قرآن مقدم ہے اور زید نے تم سے زیادہ قرآن سیکھ لیا ہے اور زید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی وغیرہ لکھا کرتے تھے اور آپ کے پاس سریانی زبان میں خطوط آیا کرتے تھے تو آپ نے زیدؓ کو حکم دیا تو انھوں نے اس زبان کو سیکھ لیا پھر وہ حضرات ابو بکرؓ و عمرؓ کے پاس کثرت

کرتے رہے اور حضرت عمرؓ نے ان کو مدینہ پر تین مرتبہ اپنا نائب بنایا۔ اور حضرت عثمانؓ بھی جب حج کو جایا کرتے ان کو نائب بنایا کرتے۔ اور علم فرائض میں سب صحابہ سے زیادہ علم رکھتے تھے اسی لئے حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ تم سب میں علم و فرائض کے زیادہ جاننے والے زید ہیں۔ اور صحابہ میں سب سے زیادہ علم رکھنے والے اور راسخ فی العلم تھے اور جب وہ اپنے اہل و عیال کے پاس ہوتے تو بہت پر مذاق ہوتے اور جب لوگوں میں ہوتے تو بہت زیادہ پر وقار رہتے اور حضرت زیدؓ عثمانیؓ تھے اور حضرت علیؓ کے ساتھ کسی جنگ میں شریک نہیں ہوئے لیکن حضرت علیؓ کی فضیلت اور ان کی تعظیم کا اظہار کیا کرتے تھے آپ سے اکثر صحابہ اور تابعین نے روایت کی ہے اور حضرت ابو بکرؓ نے انہی کو جمع قرآن کا ذمہ دار بنایا تھا۔ اور حضرت عثمانؓ نے اہل و لوگوں کے ساتھ ان کو اس کام کے لئے مقرر کیا تھا شکہ میں وفات ہوئی۔

تیسرا دور

چھوٹے صحابہ اور ان سے استفادہ کرنے والے تابعین کے زمانہ میں فقہ

اور یہ دور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی حکومت کے زمانہ یعنی سلسلہ ہجری سے اس وقت تک کا ہے جب کہ دولت عربیہ میں قرن ثانی کی ابتداء میں ضعف کے آثار ظاہر ہونے لگے تھے۔

سیاسی پس منظر

جمہور اسلام اس بات پر متفق ہیں کہ یہ دور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ابی سفیان رضی اللہ عنہ سے شروع ہوتا ہے اور اسی لئے سلسلہ کو "عام الجماعۃ" کہا جاتا ہے مگر سیاسی اختلاف کے جراثیم جڑ سے ختم نہیں ہوئے تھے بلکہ بعض ایسے رہ گئے تھے جن کے دلوں میں حضرت معاویہ اور ان کے اہل خاندان کی مخالفت پوشیدہ تھی اور حواریوں کے ساتھ مکرو فریب سے پیش آتے تھے اور یہ دور فرقت تھے۔

— (پہلا فرقہ) فرقہ خوارج ہے جن کی سیاست استبدادی حکومت اور اس کے بادشاہوں کی دشمنی پر مبنی تھی اور اسلامی خلافت کو کسی مقرر خاندان یا کسی مخصوص شخصیت میں منحصر نہیں سمجھتے تھے اور ان کا خیال تھا کہ یہ جمہور کے ارادہ پر موقوف ہونا چاہیے اور وہ اسی کو منتخب کرتے تھے جس کو اپنی سیاسی مصلحتوں اور حکومت چلانے کے لئے موزوں سمجھتے تھے اور حضرات عثمان و علی و معاویہ رضی اللہ عنہم سے اپنی برائت ظاہر کرتے تھے اول اس لئے کہ انھوں نے شیخین کی سیاست کے خلاف کام کیا تھا اور اپنے اہل بیت کی رعایت اور ان کے درجے بلند کرنے کا ارادہ کیا اور ان کو پوری قوم کے حقوق پر ترجیح دینا اختیار کیا تھا۔ اور دوسرے اس لئے کہ انھوں نے اپنے اور مخالفوں کے درمیان حکیم پر رضامندی کا اظہار کیا اور تیسرے اس لئے کہ وہ حکومت پر قوت سے غالب آئے۔

✓ (دوسرا فرقہ) فرقہ شیعہ ہے جو حکومت کو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے خاندان کا حق سمجھتا ہے اور جو شخص ان سے اس حق کو چھین لے ان کے نزدیک وہ ظالم اور جور کرنے والا ہے جس کی حکومت جائز نہیں۔

حضرت معاویہؓ کی سیاست دوسرے فرقہ (شیعہ) کی شورش کو پرسکون کرنے والی اور فرقہ اولی (خوارج) کی شدت کو کم کرنے والی تھی اسی لئے ان کی زندگی کے ختم ہوتے ہی وہ شورشیں شروع ہو گئیں جو وحدت کلمۃ اسلام سے جنگ کرنے والی تھیں چنانچہ اہل مدینہ نے یزید کی علیحدگی کا مطالبہ کیا اور حضرت حسینؓ بن علیؓ عراق کے قصبہ سے نکلے اس خیال سے کہ وہ وہاں اپنے باپ کے مددگار پائیں گے جو ان کو ان کا چھنا ہوا حق دلانے میں ان کی مدد کریں گے اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے مکہ معظمہ کی حفاظت میں آتے ہوئے مخالفت کی۔ ان لوگوں کی شورش سے اہل مدینہ بہت پریشان ہوئے اور انھوں نے سخت تکلیفیں اٹھائیں جیسے حضرت حسینؓ اپنے خروج میں پریشان ہوئے کہ حدود عراق میں پہنچنے سے پہلے وہ مع اپنی کثیر اہل بیت کے خود عراقیوں کے ہاتھوں شہید ہوئے اور اگر یزید کی موت واقع نہ ہوتی تو ابن زبیرؓ بھی اسی وقت ان کے پاس پہنچ گئے ہوتے۔

یزید کی موت کے بعد فتنہ کی آگ زیادہ بھڑک اٹھی اور یہ اس وقت تک بھڑکتی رہی جب تک کہ صاحب عزم صادق و ہمت عالی عبدالملک بن مروان تخت حکومت پر نہ بیٹھ گیا کہ اس نے حضرت ابن زبیرؓ کا مکہ معظمہ میں خاتمہ کر کے اور ان تمام شہروں کو جو شورش کے مراکز تھے واپس لے کر اس شورش کا خاتمہ کیا اور ملت اسلامیہ متفق ہو گئی اور فرقہ شیعہ کی دعوت خفیہ ہونے لگی اور خوارج کی شدت ماند پڑ گئی لیکن اس اتفاق میں اور اس اتفاق میں جو حضرت معاویہؓ کے زمانہ میں ہوا تھا بڑا فرق تھا۔ کیونکہ حضرت معاویہؓ نے اس پر نرمی اور حسن اخلاق سے قابو پایا تھا اور عبدالملک نے قوت سے کام لیا کیونکہ اس نے مرکز فتنہ میں حجاج بن یوسف کو مقرر کیا جو علم و جبر سے کام لینے والوں کا امام تھا جو جبراً و قہراً لوگوں کو کسی بات کے ماننے کے لئے مجبور کیا کرتے ہیں اور اس چیز کا اثر بہت کم باقی رہتا ہے اسی بنا پر اس کی مخالفت میں عبدالرحمن بن محمد بن اشعث کنندی کی قیادت میں بڑا فتنہ اٹھا اور اگر شام کے اندر دین متواتر نہ پہنچتا رہتا جنھوں نے بڑی شدت کے بعد ابن اشعث کے فتنہ کا خاتمہ کیا تو بنی امیہ کی حکومت ختم ہو گئی ہوتی۔ اسی طرح حجاج کو خوارج سے سخت دن دیکھنے پڑے اور اگر مہلب بن ابی صفہ کی ہمت نہ ہوتی اور خوارج آپس میں ٹکڑے ٹکڑے ہو جانے کی مصیبت میں نہ پھنس جاتے تو معاملہ بہت سخت ہو گیا ہوتا۔ بہر حال ان سختیوں کا خاتمہ ہو گیا اور ولید بن عبدالملک کا زمانہ آگیا جو بنی امیہ کے زمانوں میں شیریں اور پر بہار زمانہ تھا جس میں تمام فتنے دب گئے۔ اور مشرق و مغرب میں بڑی فتوحات ہوئیں، لیکن پرسکون عارضی تھا

جیسے وہ سکون جس کے بعد سخت ہوائیں چلیں، ولید کے بعد اس کا بھائی سلیمان تخت پر بیٹھا جس نے حکومت کے بڑے بڑے جزلوں کو حین کا مشرق و مغرب میں سلطنت کو وسعت دینے میں بڑا ہاتھ تھا جیسے قتیبہ بن مسلم محمد بن قاسم بن محمد اور موسیٰ بن نصیر کو بدل کر دیا کیونکہ پہلے دونوں کا تعلق بنی سہب سے ربط تھا جس سے ولید ناراض تھا اور ذلیل خواہشات کی بنا پر موسیٰ بن نصیر سے بھی وہ خوش نہ تھا اور یہ مخفی نہیں کہ اس طرز عمل سے ان کے قبیلہ کے لوگ اور ان سے تعلق رکھتے والوں کے دل میں کس قدر فساد پیدا ہوا ہوگا اس کے بعد خلافت موصاع حضرت عمر بن عبدالعزیز کو مسلی جنھوں نے لوگوں میں عدل و مساوات کو پھیلانا چاہا اور اپنے اسلاف پر طعن کیا اور جو ان کے قبضہ میں تھا اس کو "ظلم" قرار دیکر ان سے واپس لیا اور بیت المال میں داخل کرایا اور خلافت کے بارے میں ان کی رائے خوارج کے مطابق تھی کہ اس کو بنی امیہ سے نکالنا چاہتے تھے اور یہ کہ اس کے لئے ایسے شخص کا انتخاب کریں جو علم اور دین کے لحاظ سے زیادہ مناسب ہو لیکن ان کا یہ ارادہ پورا نہ ہو سکا کیونکہ موت نے جلدی سے انھیں آدلو چا اور ان کی نرمی اور لوگوں سے چشم پوشی کا نتیجہ ہی تھا کہ ان کے زمانہ میں دوسری صدی کے شروع میں بنی عباس کی حکومت قائم کرنے کی دعوت خفیہ طریقہ پر قائم ہو گئی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے بعد یزید بن عبدالملک پھر ان کے بھائی ہشام کی حکومت قائم ہوئی اور ان کے زمانہ میں فتنہ علویہ شروع ہوا جس کی قیادت زید بن علی بن الحسین نے کی اور خلافت کا مطالبہ کیا لیکن اس کو کوئی اہمیت نہ پیدا ہو سکی اور وہ بے نیل مرام شہید کر دیے گئے پھر ان کے بعد ان کے لڑکے یحییٰ بن زید کی شہادت واقع ہوئی اور ہشام کے زمانہ میں ہی دعوت عباسیہ پروان چڑھی جس کا نتیجہ دولت امویہ کے خاتمہ کی صورت میں نمودار ہوا یہ تھی اس زمانہ میں عالم اسلامی کی مختصر صورت حال۔ ۲

اس دور کی خصوصیات: جیسا کہ ہم نے سیاسی پس منظر میں بیان کیا اس زمانہ میں سلمان ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے تھے اور ہر ایک فریق جن کا ہم نے ذکر کیا یعنی شیعہ و خوارج کا ایک ایک خاص میلان طبع تھا شیعیان علیؑ کا میلان حضرت علیؑ ان کے اہل بیت اور ان کی جماعت والوں کی طرف تھا اور وہ ان کے دشمنوں پر اور ان سے جنگ کرنے والوں پر لعنت بھیجتے تھے بلکہ بسا اوقات ایک دوسرے کو کافر بتاتے اور ایک دوسرے سے بیزاری ظاہر کرتے تھے۔ اور ظاہر ہے کہ ان لوگوں کی نظر میں ان کے اقوال و آراء کی کوئی قیمت نہ تھی اور خوارج کا میلان حضرات اہی بکرہ و عمرہ اور ان کے متبعین کی طرف تھا اور حضرات عثمانؓ و علیؓ و معاویہؓ سے اور ان کے محبوں

سے بیزاری کا اظہار کرتے تھے اور اسی لئے ان میں سے کسی کی رائے کو جن سے وہ بیزاری کا اظہار کرتے تھے قابل حجت نہیں مانتے تھے۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے طرفدار یا جمہور اسلام ان دونوں فرقوں سے نفرت کرتے تھے اور ان کے نزدیک ان کا کوئی وزن نہ تھا اسی لئے مسائل کے اجتہاد میں اس اختلاف کو بڑا دخل تھا۔

(۲) علماء اسلام اسلامی شہروں میں پھیل گئے کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مدینہ منورہ سے دوسرے شہروں میں سکونت کے لئے منتقل ہو گئے جن میں سے بعض معلم تھے بعض قاری حتیٰ کہ یہ نئے شہر ان کا وطن بن گئے اور ان سے بڑے بڑے تابعین کی جماعت پیدا ہوئی جو فتویٰ میں ان کے ساتھ شریک ہوئی اور اس منصب میں ان کی شرکت کے فوائد کا صحابہ کرام نے اعتراف کیا اور ان کے مرتبوں کو جس کو انھوں نے علمی اشغال اور اجتہاد سے حاصل کیا بہت بڑھایا اور اگر مکہ مکرمہ مدینہ منورہ کا وجود نہ ہوتا اور تمام مسلمانوں میں اس کی حرمت مسلم نہ ہوتی اور مکہ مکرمہ مقدس مقام نہ ہوتا جہاں دنیا کے مختلف العقیدہ و مختلف الخیال مسلمان جمع ہوتے تھے تو ان شہروں کے علماء کے درمیان اتصال علمی قائم نہ رہتا۔

(۳) روایت حدیث کی اشاعت میں جو امر مانع تھا وہ زائل ہو چکا تھا اور خلفاء راشدین کے بعد جو صحابہ باقی رہ گئے تھے ان کے پاس عالم اسلام سے لوگ سفر کر کے فتوے اور علم حاصل کرنے کے لئے آیا کرتے تھے اور وسعت تمدن کی وجہ سے لوگوں کی نئی نئی ضرورتیں پیدا ہونے لگی تھیں جس کی بناء پر احکام میں بحث کرنے پر مجبور ہو گئے اور صحابہ اور جلیل القدر تابعین کے علاوہ جو فتاویٰ میں صحابہ کے شریک تھے کوئی ٹھکانہ نہ رہا تھا۔ لہذا وہ ان احادیث سے فتویٰ دیا کرتے تھے جو ان کو حفظ تھیں جن میں سے بعض تو خود انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھیں اور بعض بزرگ صحابہ سے سنی تھیں اور اس زمانہ میں اصحاب فتویٰ کے پاس احادیث کی ایک بڑی تعداد تھی جو ان سے روایت کی جاتی تھی اور یہ تعداد بعض کے پاس ہزاروں سے زیادہ تھی مثلاً مسند احمد بن حنبل میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی احادیث (۳۱۳) صفحات ہیں اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی احادیث (۱۵۶) صفحات میں درج ہیں اور تقریباً اتنی ہی ان چھوٹے صحابہ سے مروی احادیث ہیں جو اس زمانہ میں موجود تھے حالانکہ حضرت ابی بکر رضی اللہ عنہ سے مروی احادیث (۱۴) صفحات میں لکھی ہوئی ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی احادیث یا وجودیکہ وہ دور اول کے مفتیل کے امام ہیں۔ (۲۱) صفحات میں ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی احادیث حالانکہ وہ بھی فتویٰ میں

انہی کے برابر ہیں (۸۵) صفحات میں لکھی ہوئی ہیں۔ اور یہ جملہ احادیث نہ تو کسی ایک شہر میں موجود تھیں اور نہ کسی ایک کتاب میں کیونکہ جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کر دیا ہے فتویٰ دینے والے حضرات شہروں میں متفرق تھے۔ تو ہر شہر والے نے ان ہی سے روایت کی جو ان کے پاس اترے تھے اس لئے جس شہر میں جو روایتیں تھیں وہ دوسرے شہر میں نہ تھیں مثلاً حضرت عبداللہ بن عمر و حضرت عائشہ صدیقہ و حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم مدینہ منورہ میں تھے اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما مکہ معظمہ میں تھے اور قسطنطین حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص مقیم تھے اور بصرہ میں حضرت انس بن مالک کا قیام تھا اور کوفہ میں حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت علی بن ابی طالب کے شاگرد اور ابن مسعودؓ تھے یہ تمام انہی احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فتویٰ دیتے تھے جو ان کے پاس تھیں اور یہاں بیت اللہ شریف کے تعلقات زیادہ واضح طور پر ظاہر ہوتے ہیں اس ظہور کے مقابلہ میں جو گزشتہ سنت میں بیان کئے گئے تھے اور ان تینوں خصوصیات۔ یعنی سیاسی تفریق، ملوی تفریق اور کثرت روایت حدیث ہر شہر کے محدثین کی خصوصیت کے ساتھ فتویٰ میں اختلاف کثیر پیدا کر دئے ان میں سے ہر ایک خصوصیت اختلاف پیدا کرنے میں عامل قوی ہے شیعہ کے پاس الگ فتاویٰ ہیں خوارج کے پاس الگ اور جمہور امت کے الگ اور یہ ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔

(۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں جھوٹ کا داخل ہونا۔ اور یہی وہ چیز ہے جس سے حضرات ابو بکر و عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما کو خوف تھا۔

امام مسلم نے اپنی صحیح کے مقدمہ میں اپنی سند سے حضرت طاؤسؒ روایت کی ہے کہ یہ ”یعنی بشیر بن کعب“ حضرت ابن عباسؓ کے پاس آئے اور ان سے حدیث بیان کرنے لگے تو حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ فلاں حدیث دوبارہ سناؤ تو انھوں نے وہ حدیث ان کو دوبارہ سنائی، پھر اور احادیث ان کو سنائیں تو فرمایا کہ فلاں فلاں احادیث دوبارہ پڑھو انھوں نے وہ احادیث ان کو دوبارہ سنائیں اس کے بعد بشیر نے حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا کہ مجھے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ آپ نے سب احادیث کو بجز ان احادیث کے قبول فرمایا یا سب احادیث کو قبول نہ کر کے صرف ان احادیث کو قبول فرمایا (جن کو آپ نے دوبارہ سنا) تو حضرت ابن عباسؓ نے ان سے فرمایا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث روایت کیا کرتے تھے جب تک کہ آپ پر چھوٹ نہیں بولا جاتا تھا لیکن جب لوگ سرکش و مطیع ادب پر چڑھنے لگے (یعنی جھوٹی سچی حدیثوں میں فرق

نہ کرنے لگے) تو ہم نے آپ سے حدیث کی روایت کرنا چھوڑ دیا۔

اور مجاہد سے روایت کی ہے کہ بشیر عدوی حضرت ابن عباسؓ کے پاس آئے اور حدیث بیان کرنے لگے اور کہنے لگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے تو حضرت ابن عباسؓ نے ان کی احادیث کو سنتے تھے نہ ان کی طرف دیکھتے تھے تو انھوں نے کہا ابن عباس یہ کیا بات ہے کہ میں آپ کو دیکھتا ہوں کہ میری بیان کردہ احادیث کو نہیں سن رہے ہیں آپ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث بیان کر رہا ہوں اور آپ سنتے نہیں ہیں تو حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ایک مدت گزری جبکہ ہم کسی شخص کے متعلق سنتے تھے کہ وہ یہ کہہ رہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تو ہماری آنکھیں اس کی طرف اٹھ جاتی تھیں اور اس کی بات سننے کے لئے ہم اپنے کان لگا دیا کرتے تھے لیکن جب لوگ ہر سرکش و مطیع سواری پر چڑھنے لگے تو ہم لوگوں سے بجز ان احادیث کے جن کو ہم پہچانتے ہیں اور احادیث نہ لینے لگے۔

اور حضرت ابن ابی ملیکہ سے روایت کی گئی ہے کہ میں نے حضرت ابن عباسؓ کو خط لکھا جس میں ان سے درخواست کی کہ میرے لئے ایک کتاب لکھیں اور جو امور مناسب نہ ہوں اس کو نہ لکھیں تو آپ نے فرمایا کہ بڑا خیر خواہ ہے میں چند امور جن کو اس کو لکھ دوں گا اور جو باتیں مناسب نہ ہوں گی ان کو چھپالوں گا پھر آپ نے حضرت علیؓ کے فیصلے منگوائے اور اس میں سے کچھ فیصلے لکھنے لگے اور کسی فیصلہ کو پڑھ کر یہ فرماتے کہ خدا کی قسم علیؓ نے یہ فیصلہ ہرگز نہ کیا ہو گا مگر یہ کہ وہ گمراہ ہو گئے ہوں۔

اور طاؤس سے روایت کی گئی ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کے پاس ایک کتاب لائی گئی جس میں حضرت علیؓ کے فیصلے تھے تو آپ نے سب کو مٹا دیا مگر اس کے برابر باقی رکھا (سفیان بن عیینہ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کر کے بتایا)

اور حضرت ابوالسحاق سے روایت کی گئی ہے کہ جب حضرت علیؓ کے بعد لوگوں نے ان چیزوں کو پیدا کر دیا تو اصحاب علیؓ میں سے ایک شخص نے کہا اللہ ان کو قتل کرے انھوں نے کیسے علم کو خراب کر دیا۔

اور حضرت ابوبکر بن عیاش سے روایت کی ہے کہ میں نے مغیرہؓ سے سنا کہ حضرت علیؓ کی احادیث بجز اصحاب عبداللہ بن مسعود کے اور کسی سے قبول نہ کی جاتی تھیں۔

اور حضرت ابن سیرینؒ سے روایت ہے کہ پہلے احادیث کی اسناد کے متعلق کوئی سوال

نہ کرتا تھا لیکن جب فتنہ پیدا ہو گیا تو لوگوں نے پوچھنا شروع کر دیا کہ اپنے راویوں کی سند بتاؤ تو دیکھا جاتا تھا کہ اگر وہ اہل سنت میں تو ان سے احادیث قبول کی جاتی تھیں اور اگر وہ اہل بدعت میں تو ان سے حدیث قبول نہیں کی جاتی تھی۔

ابو الزناد اور عبد اللہ بن ذکوان سے روایت ہے کہ میں نے مدینہ منورہ میں سو آدمی ایسے پائے جو بھلے معلوم ہوتے تھے لیکن ان کی احادیث قبول نہ کی جاتی تھیں کہا جاتا تھا کہ یہ اس کے اہل نہیں ہیں۔

اور شعبی سے روایت ہے کہ وہ فرماتے تھے مجھ سے حارث اعور نے حدیث بیان کی اور وہ جھوٹا تھا۔

اور حضرت جریر سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ میں جابر بن یزید جعفی سے ملا لیکن میرے دل میں اس کی وقعت نہ تھی کیونکہ وہ رجعت کا قائل تھا اور جریر سے روایت ہے کہ میں نے جابر سے سنا کہ وہ کہتا تھا کہ میرے پاس پچاس ہزار حدیثیں ہیں جن میں سے میں نے کوئی بیان نہیں کی پھر ایک دن ایک حدیث بیان کی اور کہا یہ اس پچاس ہزار میں سے ہے۔ اور حضرت سفیان سے روایت ہے کہ میں نے جابر سے تقریباً تیس ہزار حدیثیں سنی ہیں جن میں سے ایک بھی بیان نہیں کرنا چاہتا خواہ مجھے کتنا ہی انعام ملے۔ اور حضرت ہمام سے روایت ہے کہ ہمارے پاس ابو داؤد اعمی (انصاری) آیا اور کہنے لگا کہ ہم کو برار نے یہ حدیث سنائی اور زید بن ارقم نے یہ توہم نے اس کا ذکر حضرت قتادہ سے کیا تو فرمایا جھوٹا ہے اس نے ان سے کچھ نہیں سنا طاعون کی عام تباہی کے زمانہ میں تو یہ لوگوں سے بھیک مانگا کرتا تھا۔

اور ابو جعفر مدنی ہاشمی کے متعلق روایت ہے کہ وہ حکماء کے کلام کو احادیث کہا کرتے تھے حالانکہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث نہیں ہوتی تھیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کرتے تھے اسی طرح بہت سی مثالیں ہیں اسی سے وہ اسباب ظاہر ہو گئے جو ان جھوٹے لوگوں کو اس بات کی طرف مائل کرتے تھے جن کی بنا پر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی باتیں روایت کریں جو آپ نے نہیں فرمائیں امام نووی صحیح مسلم کی شرح میں قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :-

”جھوٹے دو قسم کے ہیں ایک تو وہ جو جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں جھوٹ ہے اور وہ بھی کئی قسم میں (۱) ایک تو وہ جو ایسی باتیں بیان کرتے ہیں جن کو اصلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمایا اور یہ لوگ زندیق اور ان کے مثل لوگ ہیں جن کے نزدیک دین کا

کوئی وقار نہیں اور وہ اپنی بڑائی اور دین کے تحقیر کی غرض سے یہ حرکتیں کیا کرتے تھے۔
(۲) اور یا جاہل عبادت گزار جنہوں نے اپنے خیال سے دین اور ثواب کا خیال کر کے فضیلتوں اور
رغبتوں کی احادیث وضع کیں۔

(۳) یا فاسق محدثین جنہوں نے ریا کاری اور نادرباتوں کے بیان کرنے کے خیال سے احادیث
وضع کیں۔

(۴) بدعتیوں کے مبلغین اور مذاہب کے متعصبین نے تعصب اور اپنے مذہب کی دلیلوں
کو قائم کرنے کے لئے احادیث وضع کیں۔

(۵) دنیا داروں کی ان خواہشات کی تکمیل کے لئے جو وہ چاہیں یا جو غلط کام وہ کر رہے ہیں اس
میں ان کی معافی کا پہلو نکالنے کے لئے بعض لوگوں نے احادیث وضع کیں۔
اور ان طبقات میں سے ہر طبقہ کی ایک جماعت اہل فن اور روایات حدیث کا علم رکھنے
والوں کے پاس متعین ہے۔

اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو نفس حدیث کو تو وضع نہیں کرتے تھے لیکن اکثر ضعیف متن
والی حدیث کو مشہور اور صحیح سندوں سے بیان کرتے تھے۔

اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو سندوں کو الٹ پلٹ کر دیتے ہیں یا اس میں زیادتی کرتے ہیں اور
یہ ارادہ یا تو نندت پیدا کرنے کی غرض سے ہوتا ہے یا اپنے کو جہالت کے الزام سے بچانے کی غرض
اور ان میں سے بعض اس طرح جھوٹ بولتے ہیں کہ وہ ایسے شخص سے سننے کا دعویٰ کرتے
ہیں جس سے انہوں نے نہیں سنا اور ایسے شخص سے ملنے کا دعویٰ کرتے ہیں جس سے وہ نہیں ملے
اور صحیح احادیث کی ان سے روایت کرتے ہیں۔

اور ان میں سے بعض لوگ تو صحابہ کرام وغیرہ اور اہل عرب کی حکمت کی باتوں اور حکما کے کلام کو
بیان کرتے ہیں اور اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

اس قسم کے بہت سے لوگ اس دور میں پائے گئے اور کیا گمان ہوگا جاہر جعفری جیسے شخص کے
معلق جس کا دعویٰ تھا کہ اس کے پاس پچاس ہزار حدیثیں اور بعض روایات میں ستر ہزار حدیثیں
تھیں جن کو وہ محمد باقر بن حسین بن علی سے روایت کرتا تھا۔ ابن عباس کو اس کی خبر اس حال میں
پہنچی جبکہ اسلام ابھی تازہ تھا تو آپ نے جو کچھ فرمایا اس کا ذکر ہم نے اوپر کر دیا ہے۔

اصل یہ ہے کہ سیاسی اختلاف اور مذاہب کے تعصب نے اکثر ان لوگوں کے لئے جو اپنے

مذہب کے بارہ میں غلو کیا کرتے تھے اس بات کو جائز کر دیا تھا کہ اپنے جذبات کی تائید کے لئے ایسی جھوٹی احادیث بنادیں جس کی روایت وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کریں اور وہاں شیعہ اور خوارج اور جمہور مسلمان تھے اور ان میں سے ہر فرقہ میں خبیث لوگ موجود تھے البتہ ان فرقوں میں سے خوارج میں جھوٹے کم تھے کیونکہ ان کے اصول میں یہ تھا کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب کافر ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ پونا تمام کبیرہ گناہوں میں بڑا تھا تو یہ بہت مشکل تھا کہ ان میں سے کوئی اس کی جسرات کر سکے۔

اور اس مشکل نے آنے والے زمانہ میں اہل حدیث کی مہم کو بہت مشکل بنا دیا تھا اور تم کو معلوم ہو جائے گا کہ انھوں نے سنت کو ملاوٹ سے پاک و صاف کرنے کے لئے کیا کیا کیا انداز بارہ میں ان کو کس قدر کامیابی ہوئی۔

(۵) غیر عرب تعلیم یافتہ مسلمان کا بڑی تعداد میں ظاہر ہونا کیونکہ اہل فارس و روم و مصر کی کثیر تعداد اسلام میں داخل ہو چکی تھی اور وہ موالی کے نام سے پکارے جاتے تھے۔ کیونکہ جو شخص کسی نبی کے ہاتھ پر اسلام لاتا تھا اس کو اس کا مولیٰ کہا جاتا تھا جن میں سے بعض تو غلام رہ چکے تھے اور بعض غلامی کے اطلاق سے پہلے مسلمان ہو جاتے تھے۔ اور مسلمانوں نے بہت سے لڑکوں کو بھی حاصل کر لیا تھا جن کو تربیت دی اور اپنے زیر اثر رکھ کر قرآن مجید و حدیث کی تعلیم دی چنانچہ انھوں نے حفظ کیا اور سمجھا اور لکھنے پڑھنے اور اس عقل و فہم سے انھوں نے مدد لی جو ان کو حاصل تھی اور جمہور اسلام عرب نے جنسیت شریکہ کی عصبیت کے باوجود اس وقت ان کا احترام کیا اور ان کے فتاویٰ اور ان سے احادیث کی روایت کو تسلیم کیا اور یہ لوگ تمام اسلامی شہروں میں پائے جاتے تھے اور علم و تعلیم میں صحابہ ارجلیل القدر تابعین کے ساتھ شریک تھے چنانچہ بہت کم حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ان کے مولیٰ عکرمہ کے بغیر بیان کی جاتی تھی اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت بہت کم بغیر ان کے مولیٰ نافع کے بیان ہوتی تھی اور عموماً حضرت انسؓ بن مالک کے ساتھ ان کے مولیٰ محمد بن سیرین کا ذکر کیا جاتا تھا۔ اسی طرح حضرت ابو ہریرہؓ کے ساتھ عبدالرحمن بن ہریرہؓ کا ذکر اکثر کیا جاتا تھا جو ان کے راوی تھے۔ اور یہی چار حضرات جملہ صحابہ میں حدیث و فتویٰ کے بیان کرنے میں پیش پیش تھے اور ان کے چاروں موالی کا اس میں بڑا حصہ ہے۔ اور یہ سمجھنا غلطی ہے کہ فقہ و روایت حدیث میں عرب سب سے کم درجہ کے تھے اور یہ کہ وہ صرف ان کے شریک تھے حالانکہ کوئی شہر ایسا نہ تھا کہ جس میں دونوں فرقوں کی کافی تعداد نہ ہو البتہ بعض شہروں میں موالی

کو خصوصی امتیاز حاصل تھا جیسے کہ بصرہ میں کہ ان کے رئیس حسن بن ابی الحسن بصری تھے لیکن بعض میں فقہاء عرب کو بھی امتیاز حاصل تھا جیسے کہ کوفہ۔

(۶) رائے اور حدیث کے درمیان نزاع کا پیدا ہوتا اور دونوں کے اصول کے حامیوں کا پیدا ہونا۔ ہم نے پہلے بیان کر دیا ہے کہ عصر اول میں جلیل القدر صحابہ اپنے فتوؤں میں اول کتاب اللہ پھر احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سند لیا کرتے تھے اور اگر وہ اس میں عاجز ہو جاتے تو پھر رائے سے فتویٰ دیتے تھے اور یہی دراصل قیاس ہے اس کی وسیع معانی کے لحاظ سے اور وہ رائے کے اختیار کرنے میں بہت زیادہ توسع اختیار نہ کرتے تھے اسی لئے ان سے رائے کی مذمت منقول ہے اور ہم نے گزشتہ اوراق میں بیان کر دیا ہے کہ جس رائے پر عمل کیا جائے وہ کیا ہے اور جس کی مذمت آئی ہے وہ کیا ہے اور جب یہ پچھلے لوگ آئے تو انھوں نے ان اگلے لوگوں کو دیکھا کہ بعض نو حدیث ہی پر فتویٰ دیتے ہیں اور اس سے بڑھنا نہیں چاہتے کہ ہر مسئلہ میں وہ ان احادیث سے تجاوز کریں جو ان کے پاس ہیں اور وہاں ایسے تعلقات نہ تھے کہ بعض مسائل کو بعض سے مربوط کر دیں اور دوسرے فریق کو انھوں نے دیکھا کہ اس کی رائے ہے کہ شریعت عقلی معنی کے لحاظ سے ہے جس کے کچھ اصول ہیں جن کی طرف مراجعت کی جاسکتی ہے تو وہ کتاب اللہ و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرنے میں جہاں تک ممکن ہو تا ان پہلوں کی مخالفت نہیں کرتے تھے کیونکہ وہ شریعت کے معقول ہونے کا اعتقاد رکھتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اس کی بناء ان مضبوط قواعد پر ہے جو کتاب و سنت سے سمجھے گئے ہیں۔ اسی لئے وہ اپنی رائے سے فتویٰ دینے میں جبکہ ان کو کوئی نص نہ ملتی تو فریق اول کے مثل ڈرتے نہ تھے اس کے علاوہ یہ لوگ ان علتوں اور نمایات کے پچانے کی تلاش میں رہتے تھے جس کے لئے احکام مقرر کئے گئے ہیں اور بعض اوقات انھوں نے اصول شریعت کے مخالفت کی بناء پر بعض احادیث کو بھی رد کر دیا خصوصاً جبکہ دوسری احادیث بھی اس کے خلاف مل گئیں اور اس مبداء کا اکثر ظہور اہل عراق میں ہوا۔ چنانچہ ربیعہ بن فروخ نے حضرت سعید بن المسیبؒ جو تابعین میں اہل مدینہ کے فقہاء کے شیخ تھے عورت کے انگلیوں کی دیت دریافت کی کہ ایک انگلی کی دیت کیا ہے تو کہا دس اونٹ کہا دو انگلی کی تو کہا بیس کہاتین انگلی کی تو کہا تیس پھر پوچھا کہ چار کی تو فرمایا بیس تو کہا کہ جب اس کا زخم زیادہ ہو گیا تو دیت کم ہوگی تو ان سے حضرت سعیدؒ نے دریافت کیا کہ کیا تم عراقی تو نہیں ہو۔ سنت یہی ہے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت سعیدؒ فرماتے تھے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت کے برابر ہوتی ہے تو ظاہر کے مطابق

حکم جاری کیا گیا اگرچہ اس کا نتیجہ عقل کے خلاف نکلے کیونکہ شریعت میں عقل کا کوئی دخل نہیں تو عورت کی تین انگلیوں کی دیت ایک تہائی دیت سے کم ہوگی اسی لئے اس کی تین انگلیوں کی دیت تیس اونٹ ہوئی لیکن چار انگلیوں کی دیت ایک تہائی سے زیادہ ہے لہذا اس کی دیت مرد کی دیت کے نصف کے برابر ہوگی یعنی بیس اونٹ اور اس نتیجہ کی وجہ ربیعہ کی سمجھ میں نہیں آئی اس لئے انھوں نے حضرت سعیدؒ سے دریافت کیا اور حضرت سعیدؒ کو یہ سوال پسند نہ آیا اور ان کے سوال سے یہ نتیجہ نکالا کہ ربیعہ ان لوگوں میں سے ہے جو نفس کے ہوتے ہوئے رائے کو شریعت میں داخل کرتے ہیں جیسا کہ اہل عراق کے متعلق مشہور ہے اسی لئے انھوں نے دریافت کیا کہ کیا تم عراقی ہو اور عراقی اس مسئلہ میں اس طرح کہتے ہیں کہ عورت کی دیت مرد کی دیت کے نصف کے برابر ہے یا تھپاؤں میں جیسا کہ جان میں اور اس نتیجہ کو چھوڑ دیتے ہیں جس کو عقل محال سمجھتی ہے اور کہتے ہیں کہ حضرت سعیدؒ کے قول میں سنت سے مراد حضرت زیدؒ ابن ثابت کی سنت ہے کیونکہ وہی یہ فتوے دیا کرتے تھے۔ اس سے اہل حدیث و اہل رائے کا فرق معلوم ہو گیا کہ اول یعنی اہل حدیث احکام کے طور پر ہر اسکی علتوں میں بحث کئے بغیر عمل کرتے تھے اور بہت کم رائے سے فتویٰ دیا کرتے تھے اور دوسرے (اہل رائے) احکام کی علتوں اور بعض مسائل کے بعض مسائل سے ربط سے بحث کیا کرتے تھے اور اگر ان کے پاس کوئی سند نہ ملتی تو رائے سے حکم دینے سے گریز نہیں کرتے تھے اور اکثر حجازی اہل حدیث تھے اور اکثر اہل عراق اہل رائے تھے اسی لئے حضرت سعیدؒ بن مسیب نے ربیعہ سے جبکہ انھوں نے اعتراض کیا تو فرمایا کہ کیا تم عراقی ہو۔

اور فقہاء عراق میں جو قیاس اور رائے میں مشہور ہوئے وہ ابراہیم بن یزید نخعی کو فی فقہ عراق تھے اور وہ حماد بن ابی سلیمان کے شیخ تھے جو امام ابو حنیفہؒ کے شیخ تھے جو اہل عراق کے فقیہوں میں مقدم ہیں اور حضرت ابراہیمؒ نے فقہ اپنے ماموں علقمہ بن قیس نخعی کو فی سے سیکھی جو طبقہ اولیٰ کے تابعین میں فقہاء کے مقدم ہیں اور حضرت ابن مسعود کے منتخب اصحاب میں سے تھے اور حضرت ابراہیمؒ عامر بن شراحیل شعبی کے معاصر تھے جو کوفہ کے محدث اور وہاں کے عالم تھے اور ان دونوں میں بعد المشرقین تھا کیونکہ حضرت شعبیؒ صاحب حدیث و اثر تھے اگر ان کے پاس کوئی فتویٰ پیش ہوتا اور وہ اس میں کوئی نص نہ پاتے تو فتویٰ دینے سے رک جاتے اور اپنی رائے پیش کرنے یا کسی دوسرے رائے لینے کو برا سمجھتے تھے۔

چنانچہ حضرت شعبیؒ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ اگر احنف (عرب) ایک مشہور عقلمند و حکیم سردار کا نام ہے)

قتل کر دے جائیں اور اس کے ساتھ ایک چھوٹا بچہ بھی قتل ہو جائے تو کیا دونوں کی دیت یکساں ہوگی یا حنف کی دیت اس کی عقل و علم کی بنا پر زیادہ ہوگی تو لوگوں نے کہا کہ برابر ہوگی تو فرمایا کہ پھر قیاس کچھ نہیں کیونکہ دونوں آدمیوں میں اندرون عقل و قیاس ضرور فرق ہونا چاہیے گویا حضرت شعبیؒ اور اصحاب حدیث و اثر میں جو ان کے مسلک پر ہیں نص کے پاس ٹھہر جاتے ہیں اور اس سے تجاوز نہیں کرتے اور جس معاملہ میں موجود ہو اور جس میں نہ ہو اس میں اپنی رائے سے کچھ کہنا نہیں چاہتے تھے اور کہتے تھے کہ عقل کو اس میں حکم کا کوئی اختیار نہیں اور نہ وہاں مصلحتیں منضبط ہیں جن کو شارع نے اپنی تشریع میں معتبر قرار دیا ہو اور جن کی طرف فتویٰ کے وقت رجوع کریں گویا احکام شرعیہ میں کوئی شیرازہ بندی آپس میں نہیں ہے اسی لئے حضرت سعید بن المسیب شیخ فقہاء اہل حدیث کو ربیعہ کے سوال سے بہت رنج ہوا جبکہ ربیعہ نے انگلیوں کی دیت کے بارے میں عقلی سوال کر دیا۔ اور چونکہ ربیعہ شریعت کی علتوں میں زیادہ بحث کیا کرتے تھے اس لئے اہل مدینہ نے ان کو "ربیعۃ الرائے" کا لقب دیدیا تھا۔ حتیٰ کہ جب عبداللہ بن سوار قاضی نے یہ کہا کہ میں نے ربیعۃ الرائے سے زیادہ کسی کو عالم نہیں پایا تو ان سے پوچھا گیا کہ نہ حسن نہ ابن سیرین تو فرمایا کہ نہ حسن نہ ابن سیرین۔ لیکن ابراہیم نخعی اور حماد فقہاء عراق ان کے طریقہ پر تھے بلکہ بعض فقہاء اہل مدینہ بھی اگرچہ اپنے فتوؤں میں کتاب اور سنت کی سند لیتے تھے لیکن انھوں نے یہ سمجھا کہ اس شریعت کے لئے کچھ مصلحتوں کا ہونا ضروری ہے جن کا حاصل کرنا مقصود ہے جس کے لئے شریعت بنائی گئی ہے اور ان کے لئے ان مصلحتوں کا اعتبار کرنا درست بھی رہا۔ تو انھوں نے ان مصلحتوں کو ان ائمہ میں جن میں کتاب و سنت نہ ملے اجتہاد کی بنیاد قرار دیا اور ان کے پاس ان کی اس دلیل میں سلف صالح کا عمل موجود تھا کیونکہ صحابہ کرام نے بہت سے مسائل میں جو ان کو پیش آئے قیاس کیا تھا جبکہ ان کو کتاب و سنت میں ان مسائل کی دلیل نہیں ملی اور ان کی رائیں انہی مصلحتوں کے اعتبار کا نتیجہ تھا۔

اہل حدیث، اہل الرائے پر الزام لگاتے ہیں کہ وہ اپنے قیاسات کی بنا پر بعض احادیث کو چھوڑ دیتے ہیں حالانکہ یہ خطا ہے اور ہم ان میں کسی کو بھی ایسا نہیں پاتے ہیں جس نے قیاس کو اس سنت پر مقدم کیا ہو جو ان کے پاس ثابت ہو چکی ہو یا اگر کسی خاص واقعہ میں ان کو کوئی روایت ملی یا روایت تو ملی لیکن اس کی سند پر اطمینان نہ ہو تو پھر اس نے رائے سے فتویٰ دیدیا جس میں بعض اوقات فتویٰ سنت کے خلاف ہو گیا جو یا تو معلوم نہ تھی یا معلوم تو تھی لیکن اس کی روایت پر

اس نے بھروسہ نہیں کیا یا اس کی نظر میں اس سے قوی حدیث اس کے معارض تھی جیسے کہ حضرت سفیان ابن عیینہ نے روایت کی ہے کہ حضرات ابو حنیفہؒ اور اوزاعیؒ مکہ معظمہ میں دارالحنافین میں جمع ہوئے تو اوزاعیؒ نے ابو حنیفہؒ سے کہا کہ تم کو کیا ہوا ہے کہ رکوع کے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت ہاتھ نہیں اٹھاتے تو ابو حنیفہؒ نے کہا اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں تو کہا یہ کیسے مجھ سے تو زہریؒ نے سالمؒ سے روایت کی ہے کہ ان کے والد نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ اٹھایا کرتے تھے جبکہ نماز شروع کرتے اور رکوع کے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت تو حضرت ابو حنیفہؒ نے کہا ہم سے حمادؒ نے حضرت ابراہیمؒ سے بیان کیا اور وہ حضرات علقمہؒ و اسودؒ سے روایت کرتے ہیں کہ ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی ہاتھ نہیں اٹھاتے مگر نماز شروع کرتے وقت اور کبھی اس کا اعادہ نہیں کرتے تھے تو اوزاعیؒ نے فرمایا کہ میں آپ سے زہریؒ کی روایت بیان کرتا ہوں جو سالمؒ سے روایت کرتے ہیں اور وہ اپنے والد سے اور آپ اس کے مقابلہ میں یہ فرماتے ہیں کہ حمادؒ نے حضرت ابراہیمؒ سے روایت کی ہے۔ تو ابو حنیفہؒ نے جواب دیا کہ حضرت حمادؒ زہریؒ سے زیادہ فقیہ تھے اور حضرت ابراہیمؒ سالمؒ سے فقہ میں بڑھ کر تھے اور حضرت علقمہؒ حضرت ابن عمرؓ سے کم نہ تھے اگرچہ حضرت ابن عمرؓ صحابی تھے یا ان کو صحبت کی فضیلت حاصل تھی اور حضرت اسودؒ کی بڑی فضیلت ہے اور عبداللہؓ ابن مسعودؓ تو عبداللہؓ بن مسعودؓ ہی میں جس پر اوزاعیؒ خاموش ہو گئے۔

اور یہ مکالمہ ان کے الفاظ پر بحث کے بغیر اس بات کی دلیل ہے کہ ہر فرقہ کے پاس کیا دلائل تھے اور نیز اس بات کی دلیل ہے کہ سب حد سنت پر قائم رہتے تھے جبکہ اس کی روایت پر ان کو اعتماد ہوتا تھا۔

اور انہی مسائل میں سے ایک مسئلہ مصراۃ کے ڈنڈ کا ہے اہل رائے کا فتویٰ تھا کہ خریدنے والا اس کو بھی واپس کرے اور اس کا جو دودھ دوہا ہے اس کی قیمت بھی واپس کرے اور اہل حدیث کا فتویٰ تھا کہ اس بکری کو واپس کر دے اور ایک صاع کھجور دیدے اس حدیث کی بناء پر جو حضرت ابو ہریرہؓ نے اس بارے میں روایت کی ہے اور مصراۃ اس بکری کو کہتے ہیں جس کے تھنوں کو باندھ کر ان میں دودھ اس غرض سے جمع رہنے دیا جائے کہ دیکھنے والا یہ سمجھے کہ وہ بہت دودھ دینے والی بکری ہے۔ اس مسئلہ میں اہل رائے کہتے ہیں کہ شریعت میں تلف شدہ چیزوں کے تاوان کا قانون یہ ہے کہ اگر اس کے مثل اور مل سکتے ہوں تو اس کا مثل

اور اگر مثل والی چیزوں سے نہ ہو تو اس کی قیمت واپس کی جائے اور یہ حدیث اس چیز میں جس کا نہ مثل ہو نہ اس کی کوئی قیمت ہو تلف شدہ چیز کا تاوان بتاتی ہے اور یہ حدیث اگر ان کو پہنچی ہو تو شک پیدا کرتی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ حدیث ان کو نہیں پہنچتی اس لئے کہ ہم نے ان کو اکثر ایسا دیکھا ہے کہ ان کو اکثر ایسی احادیث میں جو قوانین عامہ کے مخالف تھیں تو انھوں نے اس پر عمل کیا اور اس کا نام استحسان رکھا۔

بہر حال یہ زمانہ جمہور اسلام میں اہل حدیث و اہل الرائے کے مفتیوں کی تقسیم کا تھا مگر وہاں قواعد منضبط نہ تھے جو مجتہدین کے لئے واضح ہوتے کیونکہ فقہ نے اس وقت تک تدوین و ترتیب کے لائق درجہ نہیں پایا تھا۔

اس زمانہ میں اجتہاد

کتاب و سنت

جہاں تک کتاب کا تعلق ہے تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے خلفاء راشدین کے طریقہ عمل سے اس کی حفاظت فرمادی جس کی وضاحت ہم پہلے کر چکے ہیں لہذا جس طرح وہ مصاحف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ میں لکھا گیا اسی طرح پڑھا جاتا تھا اور ان مصاحف سے بہت سے مصحفوں میں اس کو نقل کیا گیا اور اور بکثرت صحابہ کرام و تابعین عظام اس کے حفظ اور اس کے پڑھانے میں مشہور ہو گئے جن کی کثرت تمام شہروں میں لا تعداد ہو گئی حتیٰ کہ ان میں سے جو بعض قاری اس دور کے آخر میں مشہور ہوئے وہ حفاظ قرآن اور اس کے معلمین کی نہر میں ایک قطرہ کے مانند ہیں۔

لیکن جہاں تک سنت کا تعلق ہے تو اس زمانہ میں اس کے راویوں کی کثرت اور علماء تابعین کی ایک جماعت کا روایت حدیث کے لئے مخصوص ہونے کے باوجود اس کی تدوین کا کوئی کام نہ ہوا لیکن یہ بات خلاف عقل تھی کہ یہ امر زمانہ طویل تک جاری رہے جبکہ جمہور کے نزدیک سنت کا اعتبار مسلم تھا کہ وہ کتاب کی تفصیل بیان کرنے کی حیثیت سے قانون شریعت کو مکمل کرنے والی ہے اور جمہور میں کوئی شخص ایسا نہ تھا جو اس رائے کی مخالفت کرتا اور سب سے پہلے اس نقص کا جس نے احساس کیا وہ دوسری صدی ہجری کی ابتدا میں امام عادل حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے مدینہ منورہ میں اپنے عامل ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم کو لکھا کہ تم احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سنت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش کرو اور ان کو جمع کرو کیونکہ مجھے علم

کے فنا ہونے اور علماء کے ختم ہونے کا ڈر پیدا ہو گیا ہے اس کو امام مالکؒ نے حضرت محمد بن الحسن کی روایت سے موطا میں روایت کیا ہے اور ابو نعیمؒ نے تاریخ اصحابان میں حضرت عمر بن عبدالعزیز سے روایت کی ہے کہ انھوں نے ہر چہار طرف لکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو تلاش کر کے جمع کرو۔

اور اس دور کے لوگوں میں حضرت محمد بن مسلم بن شہاب زہریؒ نے احادیث کے لکھنے اور کھوانے میں امتیاز حاصل کیا جو حفاظ حدیث کے اکابر میں سے تھے اور حضرت ابن عباسؓ کی گزشتہ حدیث سے ظاہر ہو چکا ہے کہ شیعان علیؓ کے پاس ایک کتاب موجود تھی جس میں ان کے فیصلے تھے جس کی حضرت ابن عباسؓ نے توثیق نہیں فرمائی اور فرمایا کہ خدا کی قسم علیؓ نے یہ فیصلہ نہیں کیا ہو گا مگر یہ کہ وہ گمراہ ہوئے ہوں اور آپؐ نے اس میں سے اکثر حصہ مٹا دیا اور بجز قلیل کے کچھ باقی نہ رکھا۔

اس زمانہ کے مشہور مفتی

مدینہ کے مفتی

(۱) امام المہدیین حضرت عائشہ صدیقہؓ | حضرت عائشہؓ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صاحبزادی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ میں جن سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت سے دو سال پہلے نکاح کیا اور جیسا کہ روایت ہے کہ ان کی عمر اس وقت سات سال کی تھی اور مدینہ منورہ میں ان کی رخصتی کر دی جبکہ ان کی عمر (۹) سال کی تھی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب بیویوں میں سے تھی حضرت عطاء ابن ابی رباحؓ نے فرمایا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ تمام لوگوں سے زیادہ فقیہ تھیں اور عام مسائل میں ان کی رائے سب سے بہتر تھی حضرت عروہؓ نے کہا ہے کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے بڑھکر عالم فقہ اور شعریں کسی کو نہ پایا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپؐ نے بکثرت روایت کی ہے مسند امام احمد بن حنبل میں آپ کی بیان کردہ احادیث صفحہ ۲۹ سے صفحہ (۲۸۲) تک یعنی (۲۵۳) صفحات میں ہیں اور آپ کی روایات میں زیادہ تر اعتماد ان باتوں پر کیا جاتا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خانہ مبارک میں انجام دیا کرتے تھے اس کے باوجود فقہ کے ہر پہلو پر آپ کی احادیث موجود ہیں اور فقہاء صحابہ آپ کی طرف رجوع کیا کرتے تھے آپ سے اکثر صحابہ و تابعین نے احادیث کی روایت کی ہے۔ اور آپ سے زیادہ روایت کرنے والے آپ کے اہل بیت سے حضرت عروہ بن زبیرؓ تھے جو آپ کے بھانجے تھے اور حضرت قاسم ابن محمدؓ تھے جو آپ کے بھتیجے تھے ۵۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

(۲) حضرت عبداللہ بن عمرؓ | حضرت عبداللہ بن عمرؓ بن خطاب عدوی قرشی نے اپنے باپ کے ساتھ اسلام قبول کیا تھا جبکہ آپ چھوٹے تھے اور سن بلوغت کو بھی نہ پہنچے تھے اور غزوہ بدر میں چھوٹے تھے اس لئے جنگ میں شریک نہ ہو سکے سب سے پہلی جنگ جس میں آپ نے شرکت کی تھی وہ غزوہ خندق تھا اور غزوہ موتہ میں حضرت جعفر بن ابی طالب کے ساتھ شرکت کی تھی اور جنگ یرموک اور فتح مصر و افریقہ میں شامل تھے اور حضور اکرم کی سنت کی بجا اتباع کرنے والے تھے حتیٰ کہ آپ جہاں اترے تھے وہاں اترتے اور جہاں آپ نے نماز پڑھی تھی وہاں نماز پڑھتے تھے اور حتیٰ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے نیچے اترے تھے تو حضرت ابن عمرؓ اس کو پانی دیا کرتے تھے تاکہ وہ خشک نہ ہو جائے اور حضرت ابن عمرؓ مسلمانوں کے امام اور مشہور مفتیین سے تھے اور بحد محتاط تھے اور فتاویٰ میں اپنے نفس کی خواہشات کے مقابلہ میں اپنے دین کی زیادہ حفاظت کرنے والے تھے باوجودیکہ اہل شام ان کی طرف مائل تھے اور ان سے اہل شام کو محبت تھی انھوں نے خلافت کے لئے جنگ چھیڑ دی اور فتنوں کے زمانہ میں کسی معاملہ میں جنگ نہیں کی اور حضرت علیؓ کی مشکلات کے زمانہ میں بھی حضرت علیؓ کے ساتھ جنگ میں شرکت نہیں کی اگرچہ اس کے بعد وہ حضرت علیؓ کے ساتھ جنگ میں شریک نہ ہونے پر ندامت کا اظہار کیا کرتے تھے اور حضرت جابر بن عبداللہ کہا کرتے تھے کہ ہم میں سے کوئی ایسا نہیں جس کی طرف دنیا مائل نہ ہوئی ہو اور وہ دنیا کی طرف مائل نہ ہوا ہو بجز حضرت عمرؓ اور ان کے صاحبزادہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث کی بکثرت روایت کی اور حلیل القدر صحابہؓ سے بھی روایت کی اور ان سے اکثر تابعینؓ نے روایت کی ہے جن میں سب سے زیادہ ان سے روایت کرنے والے ان کے صاحبزادے سالم اور ان کے مولیٰ نافع تھے حضرت شعبیؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ حدیث میں بھی جید تھے اور فقہ میں بھی جید تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دصال کے بعد (۶۰) سال زندہ رہے موسم حج وغیرہ میں لوگوں کو فتویٰ دیا کرتے تھے ۳۷ھ میں وفات پائی۔

(۳) حضرت ابو ہریرہؓ | حضرت ابو ہریرہؓ کا نام عبدالرحمن تھا جو صخر کے صاحبزادے اور قوم دوس سے تھے غزوہ خیبر کے بعد ۳۷ھ میں ہجرت کر کے آئے تھے اور پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک آپ کے ساتھ رہے آپ سے بکثرت حدیث کی روایت کی ہے اور حلیل القدر صحابہؓ سے بھی روایت کی ہے اور ان سے اکثر تابعینؓ نے روایت کی ہے جن میں زیادہ روایت کرنے والے ان کے داماد سعید بن المسیب اور ان کے مولیٰ اعرج اور ان کے علاوہ بکثرت حضرات تھے علم کا مخزن تھے اور بزرگترین

انہ قنوی ہیں سے تھے اور جلیل القدر عبادت گزار اور متواضع تھے اور صحابہ کرام میں سب سے زیادہ حافظ الحدیث تھے اور حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا اے ابو ہریرہ تم ہم سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں رہے ہو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو ہم سب سے زیادہ جانتے ہو ششہ میں انتقال فرمایا۔

تینوں بزرگوار تمام صحابہ میں مدینہ منورہ میں اس زمانہ میں حدیث و فتویٰ کے لحاظ سے زیادہ تھے اور انہی پر اہل مدینہ کے علم کا دار و مدار ہے اور انہی سے مدینہ کے بڑے بڑے تابعین نے علم حاصل کیا ہے جن میں سے چند مشہور حضرات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(۴) حضرت سعید بن مسیبؓ فخری [حضرت عمرؓ کی خلافت کے دو سال بعد آپ کی پیدائش ہوئی اور جلیل القدر صحابہؓ سے حدیث کو سنا نہایت وسیع العلم محترم دیا تھا اور حق بات کہنے والے اور اپنے نفس کے فقیہ تھے حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ سعید بن مسیب مفتیوں میں سے ہیں اور حضرت قتادہؓ نے فرمایا کہ میں نے سعید بن مسیب سے زیادہ عالم کسی کو نہ پایا اور علی بن مدینی نے فرمایا کہ میں نے تابعین میں حضرت سعیدؓ سے زیادہ وسیع العلم کسی کو نہ پایا وہ تابعین میں میرے نزدیک جلیل القدر لوگوں میں سے ہیں اور وہ سلطان کے انعامات کو قبول نہیں فرماتے تھے اور ان کی اکثر مستند روایتیں حضرت ابو ہریرہؓ سے منقول ہیں اور حضرت حسن بصریؓ کو حیب کوئی مشکل پیش آتی تو وہ حضرت سعید بن مسیبؓ سے خط کے ذریعہ سوال کرتے ایک قول کے مطابق سلمہ میں ان کا انتقال ہوا۔

(۵) عروہ بن زبیر بن عوام اسدی [آپ حضرت عثمانؓ کی خلافت کے زمانہ میں پیدا ہوئے اور اکثر صحابہؓ سے حدیث کی روایت کی اور اپنی خالہ عائشہ صدیقہؓ سے فقہ کا علم حاصل کیا سیرت کے عالم حافظ الحدیث اور قابل اعتماد تھے ان سے ان کے صاحبزادہ ہشامؓ نے اور ان کے دوسرے لڑکوں نے روایت کی اور ان سے حضرت زہریؓ ابو الزنا اور دیگر علماء مدینہ نے بھی روایت کی ہے امام زہریؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ان کو ایسا دریا پایا جو کبھی خشک نہیں ہوتا سلمہ میں وفات پائی۔

(۶) حضرت ابو بکر بن عبد الرحمن بن حارث بن ہشام فخری [آپ حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانہ میں پیدا ہوئے اور اپنے باپ اور دیگر صحابہ کرامؓ سے روایت کی اور ان سے حضرت زہریؓ اور دوسرے مجہولے تابعین نے روایت کی ہے نہایت ثقہ صاحب حجت فقیہ امام بہت زیادہ روایت بیان کرنے والے سخی اور صالح تھے عابد اور خدا رسیدہ تھے ان کو راہب قریش کہا جاتا تھا سلمہ میں وفات پائی

(۷) حضرت علی بن حسین بن ابی طالب ہاشمی [آپ شیعہ امامیہ کے چوتھے امام ہیں زید العابدینؓ کے نام سے

مشہور تھے اپنے والد اور اپنے چچا حضرت حسنؑ اور عائشہ صدیقہؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے، زہری نے فرمایا ہے کہ میں نے علی بن حسینؓ سے زیادہ فقیہ کسی کو نہیں پایا لیکن وہ احادیث کم بیان کیا کرتے تھے ان کے صاحبزادہ کا بیان ہے کہ میں نے کسی ہاشمی کو ان سے افضل نہ پایا اور حضرت ابن مسیبؓ کا بیان ہے کہ میں نے ان سے زیادہ پرہیزگار کسی کو نہ پایا ۹۲ھ میں وفات پائی۔

(۸) حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعودؓ آپ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابن عباسؓ وغیرہم سے حدیثیں لیں اور فقہ و حدیث میں امام ہونے کے علاوہ اچھے شاعر بھی تھے حضرت عمر بن عبد العزیز کے اتالیق تھے امام زہری فرماتے ہیں کہ حضرت عبید اللہ علم کا ایک دریا تھے ۹۸ھ میں وفات پائی۔

(۹) حضرت سالم بن عبد اللہ بن عمرؓ اپنے والد اور حضرت عائشہ صدیقہؓ و حضرت ابو ہریرہؓ و حضرت سعید بن المسیبؓ وغیرہم سے احادیث سنیں ان کے والد کو ان سے بہت محبت تھی اور فرمایا کرتے تھے۔
یلوموننی فی سالم والومہم و جلدۃ بین العین والاف سالم
مجھے سالم کے بارے میں لوگ ملامت کرتے ہیں اور میں ان کو ملامت کرتا ہوں۔ کیونکہ سالم میری آنکھ اور ناک کے درمیان کا چمڑہ ہے۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ زہد و فضل میں گزشتہ صالحین کے مشابہان سے زیادہ کوئی نہ تھا اپنے والد کے طریقہ پر چلتے تھے اور بہت سادہ رہتے تھے ۱۰۶ھ میں وفات پائی۔
(۱۰) حضرت ام المومنین میمونہؓ کے مولیٰ سلیمان بن یسارؓ آپ نے ام المومنینؓ میمونہؓ حضرت عائشہ صدیقہؓ حضرت ابو ہریرہؓ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ وغیرہ حضرات سے روایت کی حضرت حسنؓ ابن محمد بن الحنفیہؓ فرماتے ہیں کہ وہ میرے نزدیک سعید بن المسیبؓ سے زیادہ سمجھدار تھے اور کہا جاتا ہے کہ سعید بن مسیب کے پاس کوئی شخص فتویٰ طلب کرنے آتا تو وہ کہتے کہ سلیمان بن یسار کے پاس جاؤ اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ وہ لوگوں کے عالم تھے ۱۱۰ھ میں وفات پائی۔

(۱۱) حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکرؓ آپ نے اپنی چھوٹی بہن حضرت عائشہ صدیقہؓ و حضرت ابن عباسؓ و ابن عمرؓ وغیرہ رضی اللہ عنہم سے احادیث سنیں آپ کی چھوٹی بہن نے آپ کی تربیت کی، حضرت یحییٰ بن سعید کہتے ہیں کہ ہم نے مدینہ منورہ میں ایسا کوئی شخص نہ پایا جس کو قاسمؓ پر فضیلت دیں اور ابو الزناد نے فرمایا کہ میں نے قاسمؓ سے بڑھکر کوئی فقیہ اور احادیث کا عالم نہ پایا اور حضرت ابن عیینہؓ نے فرمایا کہ قاسمؓ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم تھے اور حضرت ابن سعیدؓ نے فرمایا کہ وہ امام فقیہ ثقف و فیج المرتبت زاہد اور

زیادہ احادیث بیان کرنے والے تھے معہرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ اگر مجھے کچھ بھی اختیار ہوتا تو میں نبی تیم کے اعمش یعنی قاسم کو خلیفہ بناتا۔

(۱۲) حضرت عبداللہ بن عمر کے مولیٰ نافعؓ اپنے مولد حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت ابی ہریرہ وغیرہم رضی اللہ عنہم سے روایت کی حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ان کو مصر روانہ فرمایا تاکہ وہاں کے باشندوں کو سنت کی تعلیم دیں حضرت سالم کی زندگی میں وہ فتویٰ نہیں دیا کرتے تھے حضرت عبداللہ بن عمر کی تیس سال تک خدمت کی دہلیبی الاصل تھے سالہ میں وفات پائی۔

(۱۳) حضرت محمد بن مسلم المعروف بہ ابن شہاب زہریؒ | سنہ ۱۸۰ میں آپ کی ولادت ہوئی اور حضرت عبداللہ بن عمرو انس بن مالک و سعید بن المسیب رضی اللہ عنہم سے روایت کی حضرت بیٹ ابن سعد فرماتے ہیں کہ میں نے کسی عالم کو حضرت زہریؒ سے زیادہ جامع علوم نہیں پایا۔ اگر تخریب کی حدیثیں بیان کرتے تو تم کہتے کہ ان سے بہتر کوئی بیان نہیں کر سکتا اور اگر عصب او انساب کے متعلق بیان کرتے تو تم کہتے کہ ان کے علاوہ کوئی شخص یہ اچھی طرح بیان نہیں کر سکتا اور اگر قرآن و سنت کے بارے میں کہنے لگتے تو بھی تم اسی طرح کہتے۔ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا کہ کوئی شخص زہریؒ سے زیادہ گزشتہ حدیثوں کا عالم باقی نہیں رہا۔ اور امام مالکؒ نے فرمایا کہ ابن شہاب باقی رہ گئے ہیں جن کی نظیر دنیا میں کوئی نہیں اور حضرت بیٹؒ فرماتے ہیں کہ وہ تمام لوگوں میں سخی تھے اور ہشام بن عبدالملک کے لڑکے کے اتالیق تھے اور اس کے مصاحب تھے ایک مرتبہ ہشام نے ان سے درخواست کی کہ ان کے کسی لڑکے کو کچھ لکھوادیں تو ان کو چار سو حدیثیں لکھوادیں پھر تقریباً ایک ماہ کے بعد اس لڑکے نے ان سے ملاقات کی اور کہا کہ وہ کتاب ضائع ہو گئی تو کاغذ منگوا کر اس کو دوبارہ لکھوادیں وہ پہلی کتاب مل گئی اور اس سے مقابلہ کرایا تو ایک حرف اس میں کم نہ تھا۔ اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ابن شہابؒ مدینہ منورہ آئے اور حضرت ربیعہؒ کا ہاتھ پکڑ کر دونوں دفر میں گئے پھر جب عصر کے وقت دونوں نکلے تو ابن شہابؒ یہ کہتے ہوئے نکلے کہ میں گمان نہیں کرتا کہ مدینہ میں ربیعہ کا مثل کوئی ہوگا اور ربیعہ یہ کہتے ہوئے نکلے کہ میں خیال نہیں کرتا کہ کوئی شخص علم کی اس حد کو پہنچا ہوگا جس حد تک ابن شہابؒ پہنچے ہوئے ہیں۔ اور ابن شہابؒ نے کہا کہ حضرت قاسمؒ بن محمدؒ نے مجھ سے فرمایا کہ میں تم کو علم کا پیر لیوں پاتا ہوں کیا میں تم کو علم کا خزانہ نہ بنادوں۔ تو میں نے کہا ضرور تو فرمایا کہ عبدالرحمنؒ کو

صاحبزادی سے ملو کیونکہ وہ حضرت عائشہ کی آغوش تربیت میں تھیں لہذا میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے ان کو بحرِ غار پایا ۱۲۲ھ میں وفات پائی۔

(۱۴) حضرت ابو جعفر بن محمد بن علی بن حسین جو باقر کے نام سے مشہور تھے اور وہ شیعہ امامیہ کے پانچویں امام تھے آپ نے اپنے والد سے اور حضرت جابرؓ و حضرت ابن عمرؓ وغیرہ سے روایت کی اپنے زمانہ میں نبی ہاشم کے سردار تھے ۱۲۲ھ میں وفات پائی۔

(۱۵) ابو الزناد عبد اللہ بن ذکوان آپ فقیہ مدینہ تھے اور آپ نے حضرت انس بن مالک اور اکثر تابعین سے حدیث کو سنا حضرت لیث ابن سعد کہتے ہیں کہ میں نے ان کے چھپے تین سو طالب فقہ و طالب شعر اور مختلف قسم کے فنون کے طالب دیکھے تھے مگر کچھ زمانہ نہیں گزرا کہ وہ اکیلے رہ گئے اور سب حضرت ربیعہ الرائے کے پاس پہنچ گئے اور حضرت ابو حنیفہؒ نے فرمایا ہے کہ میں نے ربیعہؒ اور ابو الزنادؒ کو دیکھا ہے اور ابو الزناد دونوں میں زیادہ فقیہ تھے اور حضرت سفیانؒ ابو الزناد کو امیر المؤمنین فی الحدیث کہا کرتے تھے۔ ۱۳۱ھ میں وفات پائی۔

(۱۶) حضرت یحییٰ بن سعید انصاری آپ نے حضرت انس بن مالک اور اکثر تابعین سے روایت کی ہے، حضرت یحییٰ قطانؒ کہتے ہیں کہ وہ زہریؒ سے افضل ہیں کیونکہ انھوں نے زہریؒ سے اختلاف کیا ہے لیکن زہریؒ نے ان سے اختلاف نہیں کیا ہے اور حضرت احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ یحییٰ بن سعید تمام لوگوں میں زیادہ محتاط ہیں اور حضرت وہیبؒ فرماتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ آیا تو بحرِ یحییٰ بن سعید اور امام مالکؒ کے کسی کو ایسا نہ پایا جس کے متعلق کوئی بلی بری بات نہ کہتا ہو۔ ۱۴۳ھ میں وفات پائی۔

(۱۷) حضرت ربیعہ بن ابی عبد الرحمن فروج آپ حضرت انس بن مالک اور اکثر تابعین سے روایت کرتے ہیں، امام حافظ فقیہ مجتہد اور رائے کے ماہر تھے اور اسی لئے ان کو ربیعہ الرائے کہا جاتا تھا اور حضرت یحییٰ بن سعید کہتے ہیں کہ میں نے ربیعہ سے زیادہ ذہین کسی کو نہ پایا اور حضرت سواد بن عبد اللہ قاضی فرماتے ہیں کہ میں نے ربیعہ سے زیادہ کسی کو رائے کا عالم نہیں پایا تو میں نے پوچھا کہ یہ حسن کو اور نہ ابن سیرین کو تو فرمایا کہ نہ حسن کو نہ ابن سیرین کو اور نہ فرماتے تھے کہ وہ بہت سخی تھے اور یہ وہی ہیں جن سے امام مالک بن انس نے علم فقہ حاصل کیا۔ ۱۳۲ھ میں وفات پائی۔

ملکہ کے مفتی

(۱) حضرت عبد اللہ بن عباسؓ بن عبد المطلب آپ ہجرت سے دو سال پہلے پیدا ہوئے

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ ان کو دین کی سمجھ دے اور تاویل کا علم عطا فرمائے اور حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ بہترین مفسر قرآن ہیں اگر ان کو ہماری عمر ملتی تو کوئی ان کا ہمسر نہ ہوتا اور حضرت معمرؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ کا علم عموماً ان تین حضرات سے تھا حضرت عمرؓ و ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ان سے روایت ہے کہ جب میں یہ سنتا تھا کہ کسی شخص کے پاس حدیث ہے تو میں اس کے پاس آتا اور بیٹھا مباحثہ کرتا کہ وہ خود نکلتا حالانکہ اگر میں چاہتا کہ وہ نکلے تو ایسا کر سکتا تھا۔ تفسیر فقہ میں اہل مکہ کے علم کا دار و مدار حضرت عباسؓ پر ہے۔ ۶۸۰ میں وفات پائی۔

(۲) بنی مخزوم کے مولیٰ مجاہد بن جبرؓ آپ نے حضرات سعد و عائشہ صدیقہ و ابو ہریرہ و ابن عباس رضی اللہ عنہم سے احادیث کی سماعت اور حضرت ابن عباسؓ کے پاس ایک مدت رہے اور ان سے قرآن پڑھا علم کا ایک خزانہ تھے فرماتے ہیں کہ میں نے قرآن مجید حضرت ابن عباسؓ سے تین بار پڑھا ہر آیت کے پاس ان کو ٹھہراتا تھا اور وہ پابنت کرتا تھا کہ کس بارے میں نازل ہوئی اور کیسے نازل ہوئی حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں کہ باقی لوگوں میں تفسیر کے سب سے زیادہ عالم مجاہدؓ ہیں مجاہدؓ فرماتے ہیں کہ اکثر مرتبہ حضرت ابن عمرؓ نے میری رکاب روک کر دریافت فرمایا ہے کہ ۶۸۰ میں وفات پائی۔

(۳) حضرت ابن عباسؓ کے مولیٰ عکرمہؓ آپ نے حضرات ابن عباسؓ اور عائشہ صدیقہ و ابو ہریرہ وغیرہم رضی اللہ عنہم سے روایت کی اور حضرت ابن عباسؓ سے فقہ حاصل کیا حضرت سعیدؓ بن جبیرؓ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ جانتے ہیں کہ آپ سے بڑھ کر عالم کون ہے تو فرمایا کہ ہاں عکرمہؓ ہیں اور حضرت شعبیؓ سے مروی ہے کہ کتاب اللہ کو عکرمہؓ سے زیادہ جاننے والا کوئی باقی نہیں رہا۔ اور ان پر اعتراض ہے کہ ان کی رائے خوارج کی رائے کے مطابق تھی اسی وجہ سے امام مالکؒ اور امام مسلم بن حجاج نے ان سے کوئی حدیث نہیں لی۔ ۶۸۰ میں وفات پائی۔

(۴) حضرت عطار بن ابی رباحؓ مولیٰ قریشؓ آپ حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانہ میں پیدا ہوئے اور حضرت عائشہ صدیقہ و ابو ہریرہ و ابن عباسؓ وغیرہم رضی اللہ عنہم سے حدیث سنی بسیاہ رنگ کے گھونگر والے بال والے نصیح اور زیادہ علم رکھنے والے تھے آپ فوج میں پیدا ہوئے تھے حضرت ابو حنیفہؓ فرماتے ہیں کہ عطارؓ سے افضل میں نے کسی کو نہیں پایا حضرت اوزاعیؓ فرماتے ہیں کہ عطارؓ اپنی موت کے دن لوگوں میں تمام اہل زمین سے زیادہ مقبول تھے حضرت اسماعیلؓ ابن امیہؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عطارؓ زیادہ سکوت فرمایا کرتے تھے اور جب بات کرتے تھے تو ہم کو

یہ خیال ہوتا تھا کہ خداوند تعالیٰ کی طرف سے ان کی تائید ہو رہی ہے حضرت ابن عباسؓ فرمایا کرتے تھے کہ اے اہل مکہ تم میرے پاس آتے ہو حالانکہ تمہارے اندر عطا موجود ہیں لکن میں وفات پائی (۵) حضرت حکیم بن حزام کے مولیٰ ابوالزبیر محمد بن مسلم بن تدرس آپ نے حضرات ابن عباسؓ و ابن عمرؓ و سعید بن جبیرؓ وغیرہم رضی اللہ عنہم سے حدیث بیان کی حضرت علیؓ بن عطار فرماتے ہیں کہ ہم سے ابوالزبیر نے حدیث بیان کی جو تمام لوگوں میں بلحاظ عقل کامل ترین اور حافظ ترین تھے حضرت عطاءؓ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت جابرؓ کے پاس جاتے تھے وہ ہم سے حدیث بیان کرتے تھے جب ہم وہاں سے نکلتے تو آپس میں مکالمہ کیا کرتے تو حضرت ابوالزبیرؓ ہم لوگوں میں سب سے زیادہ حدیث کے حافظ نکلتے ۱۲۷ھ میں وفات پائی۔

مفتیان کوفہ

(۱) فقیہ عراق حضرت علقمہ بن قیس نخعی آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں پیدا ہوئے اور حضرات عمر و عثمان و ابن مسعود و علی رضی اللہ عنہم سے حدیث سنی اور حضرت ابن مسعودؓ سے علم فقہ حاصل کیا اور ان کے راشد تلامذہ ہیں سے تھے حضرت ابن مسعودؓ فرماتے تھے کہ مجھے جو معلوم ہے یا جو میں پڑھتا ہوں تو علقمہؓ بھی وہ پڑھتے ہیں اور ان کو بھی معلوم ہے حضرت قابوسؓ بن ابی طیبان فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے دریافت کیا کہ آپ صحابہؓ کو چھوڑ کر حضرت علقمہؓ کے پاس کیوں آتے ہیں تو فرمایا کہ میں نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے بعض کو علقمہؓ سے سوال کرتے اور ان سے فتویٰ طلب کرتے پایا ہے حضرت ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ وہ امام و فقیہ فایق تھے اور قرآن مجید کو بہت عمدہ آواز سے پڑھتے تھے اور روایت کے نقل کرنے میں محتاط تھے صاحب خیر اور زاہد تھے حضرت ابن مسعودؓ سے چال ڈھال اور طور طریقہ میں مشابہت رکھتے تھے ۱۲۷ھ میں وفات پائی۔

(۲) حضرت مسروق بن اجدع ہمدانی آپ علامہ فقیہ تھے اور حضرت عمرو بن معدیکرب کے بھانجے تھے حضرات عمروؓ و علیؓ و ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے علم حاصل کیا حضرت شعبیؒ فرماتے ہیں کہ ان سے زیادہ طلب علم کرنے والا میں نے نہیں پایا اور وہ حضرت شریحؓ سے زیادہ فتویٰ کے ماہر تھے اور حضرت شریحؓ ان سے مشورہ لیا کرتے تھے اور حضرت مسروقؓ حضرت شریحؓ کے محتاج نہ تھے ۱۲۷ھ میں وفات پائی۔

(۳) حضرت عبیدہ بن عمرو سلمانی مرادی | آپ یمن کی فتح کے زمانہ میں سلمان ہوئے اور حضرات علی و ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے علم حاصل کیا حضرت شعبیؒ فرماتے ہیں کہ وہ فیصلہ میں شریح کے مقابلہ کے تھے اور حضرت عجلیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبیدہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ان اصحاب میں سے تھے جو لوگوں کو پڑھاتے تھے اور فتویٰ دیا کرتے تھے ۹۲ھ میں وفات پائی۔

(۴) حضرت اسود بن یزید نخعی | کوفہ کے عالم اور حضرت علقمہ بن قیس کے بھتیجے تھے۔ حضرات معاذ و ابن مسعود وغیرہ رضی اللہ عنہم سے علم حاصل کیا ۹۵ھ میں وفات پائی۔

(۵) حضرت شریح بن حارث کنڈی | حضرت عمرؓ نے ان کو کوفہ کا قاضی مقرر کیا تھا ان کے بعد حضرت علیؓ نے ان کو قاضی مقرر کیا تھا جو حجاج بن یوسف ثقفی کے زمانہ تک رہے اور اپنی موت سے ایک سال پہلے مستعفی ہو گئے اور ہم کو معلوم نہیں کہ ان کے سوا کوئی اور قاضی (۶۰) سال تک لوگوں میں عہدہ فقیہ پر رہا حضرات عمرو علی و ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے روایت کی ۹۸ھ میں وفات پائی۔

(۶) حضرت ابراہیم بن یزید نخعی | آپ فقیہ عراق تھے اور آپ نے حضرات علقمہ و مسروق و اسود وغیرہ رضی اللہ عنہم سے روایت کی اور حضرت حماد بن ابی سلمہ فقیہ کے استاد ہیں محض علمائے شہرت سے اپنے کو دور رکھتے تھے اسی لئے ستون کے پاس نہیں بیٹھتے تھے حضرت عبدالملک بن ابی سلیمان نے فرمایا کہ میں نے حضرت سعید بن جبیر کو یہ کہتے سنا ہے کہ تم لوگ ابراہیم نخعی کے ہوتے ہوئے مجھ سے فتویٰ مانگتے ہو اور علم کے بارے میں جب تک ان سے سوال نہ کیا جاتا بات نہ کرتے تھے ۹۵ھ میں وفات پائی۔

(۷) حضرت والیہ کے مولیٰ حضرت سعید بن جبیر | آپ حضرات ابن عباس و ابن عمر وغیرہ رضی اللہ عنہم سے حدیث سنی اور حضرت ابن عباسؓ سے جب اہل کوفہ حج کے زمانہ میں مسائل پوچھتے تو فرماتے کہ کیا تم میں سعید بن جبیر نہیں ہیں۔ وہ کسی کو اپنے سامنے غیبت نہیں کرنے دیتے تھے حضرت میمون بن مہران فرماتے ہیں کہ سعید بن جبیر کا ایسے زمانہ میں انتقال ہوا جب کہ دنیا کا ہر شخص ان کے علم کا محتاج تھا۔ حجاج نے ابن اشعث کے فتنہ کے زمانہ میں ان کو ۹۸ھ میں قتل کیا۔

(۸) حضرت عامر بن شراحیل شعبیؒ | آپ تابعین میں علامہ تھے۔ حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانہ میں ۹۸ھ میں پیدا ہوئے۔ امام حافظ فقیہ اور ہر فن مولیٰ تھے حضرات علی و ابی ہریرہ و عباس

وعائشہ صدیقہ وابن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت کی اور وہ حضرت ابو حنیفہ کے جلیل القدر اساتذہ میں سے تھے قاضی کو فہر ہے حضرت کچھول فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت شعبیؒ سے بڑا عالم نہیں دیکھا اور ابو حصین فرماتے ہیں کہ میں نے کسی کو شعبی سے زیادہ فقیہ نہیں پایا اور حضرت ابن سیرینؒ نے حضرت ابو بکر ندہلی سے فرمایا کہ شعبی کو لازم پکڑے رہ کہ صحابہ کی کثرت کے زمانہ میں میں نے ان کو فتویٰ دیتے پایا ہے اور حضرت ابن ابی لیلی نے فرمایا کہ شعبیؒ متبع حدیث تھے اور ابراہیمؒ صاحب قیاس ایک مرتبہ حضرت ابن عمرؓ شعبیؒ کے پاس سے گزرے اور وہ غزوات کا بیان کر رہے تھے تو فرمایا کہ تم قوم کے پاس موجود تھے اس لئے اس کو سب سے زیادہ یاد رکھتے ہو اور کچھ سے زیادہ اس کے عالم ہوا اور انہی سے روایت ہے کہ گذشتہ صالحین نے زیادہ حدیثیں بیان کرنا مکروہ سمجھا ہے اور اگر مجھے جو بات بعد میں معلوم ہوتی پہلے ہی معلوم ہو جاتی تو بجز ان احادیث کے جن پر علماء کا اتفاق ہو چکا ہے اور کچھ بیان نہ کرتا حضرت ابن عونؒ فرماتے ہیں کہ حضرت شعبیؒ کے پاس کوئی مسئلہ آتا تو جہاں تک ممکن ہوتا وہ اس سے بچنے کی کوشش کرتے اور حضرت ابراہیمؒ اس کے بیان کی کوشش کرتے یہ بھی انھوں نے فرمایا ہے کہ حضرت شعبیؒ خوش مزاج تھے اور حضرت ابراہیمؒ روکھے تھے لیکن جب کوئی فتویٰ دینے کا موقع آتا تو شعبیؒ کو انقباض ہوتا اور حضرت ابراہیمؒ کو بسط ہوتا اور حضرت شعبیؒ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا ہم فقہاء نہیں ہیں بلکہ ہم نے حدیث کو سنا تو اس کی روایت کر دی فقیہ تو وہ ہے کہ جب اس کو کسی بات کا علم حاصل ہو گیا تو اس پر عمل بھی کرے اور حضرت شعبیؒ قیاس کو ناگوار سمجھتے تھے مسئلہ میں وفات پائی۔

مفتیان بصرہ

(۱) حضرت انس بن مالک انصاریؓ | آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم تھے اور زمانہ دراز تک صحبت رسولؐ میں رہے اور بہت سی حدیثیں ان کو یاد تھیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں ہجرت سے وفات نبویؐ تک ہے پھر حضرات ابو بکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم سے علم حاصل کیا۔ عمر طویل پائی حضرت امام بخاری نے ان سے اسی حدیثیں اور امام مسلمؒ نے ان سے ستر حدیثیں اور دونوں نے ان سے (۱۲۸) متفقہ حدیثیں روایت کی ہیں مسئلہ میں وفات پائی۔

(۲) حضرت ابو العالیہ رفیع بن مہران ریاحیؒ | جو قبیلہ تمیم کی شاخ ریاح کی ایک عورت کے مولیٰ

آپ نے حضرات عمرو ابن مسعود و عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم سے احادیث سنیں، ان سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباسؓ مجھے بلند جگہ بٹھاتے تھے اور قریش اس سے نیچی جگہ پر بیٹھا کرتے تھے اور فرماتے کہ علم اس طرح شریف کے شرف کو بڑھاتا ہے اور بادشاہوں کو تخت پر بٹھاتا ہے۔
میں وفات پائی۔

(۳) حضرت زید بن ثابت کے مولیٰ حسن بن ابوالحسن سیارؓ آپ نے مدینہ منورہ میں نشو و نما پائی اور حضرت عثمانؓ کی خلافت کے زمانہ میں قرآن حفظ کیا پھر بڑے ہوئے پھر جہاد اور علم و عمل میں مشغول رہے۔ اور ممتاز بہادروں میں سے تھے اکثر صحابہؓ سے حدیث روایت کی ہے حضرت ابن سعدؒ کہتے ہیں کہ عالم رفیع المرتبت اور قابل اعتماد صاحب حجت تھے عبادت گزار بڑے علم والے فصیح و خوبصورت اور ان لوگوں میں سے تھے جو حق کے لئے لڑ لیتے ہیں اور اللہ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے ہیں۔
میں وفات پائی۔

(۴) حضرت ابوالشعثاء جابر بن زید صاحب حضرت ابن عباسؓ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اگر تمام بصرہ والے حضرت جابر بن زید کے قول کو مان لیتے تو اللہ کی کتاب کا علم ان کے پاس وسیع پاتے اور ان سے یہ بھی مروی ہے کہ تم اپنے درمیان میں جابر بن زید کے موجود ہوتے ہوئے مجھ سے دریافت کرتے ہو، حضرت عمرو بن دینار فرماتے ہیں کہ جابر بن زید بڑھ کر علم فتویٰ کا عالم میں نے کسی کو نہیں پایا اور روایت ہے کہ حضرت ابن عمرو نے ان سے طواف میں ملاقات کی اور فرمایا اے جابر تم فقہار بصرہ میں سے ہو تمہارے پاس فتوے کے لئے سوالات آتے ہیں لہذا تم بجز قرآن ناطق یا سنت ماضیہ کے فتویٰ نہ دینا اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم ہلاک ہو جاؤ گے اور لوگوں کو بھی ہلاک کرو گے۔
میں وفات پائی۔

(۵) حضرت محمد بن سیرین حضرت انس بن مالک کے مولیٰ آپ حضرت عثمانؓ کی خلافت کے دو سال باقی رہنے کے وقت پیدا ہوئے تھے اپنے مولد حضرت انسؓ اور حضرت ابوہریرہ و ابن عباس و ابن عمر وغیرہم رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے فقیہ امام وسیع العلم مستند قابل وثوق اور تعبیر خواب میں علامہ تھے زہد میں سربراہ اور وہ تھے موقر عجبی فرماتے ہیں کہ میں نے پرہیزگاری میں ان سے زیادہ فقیہ کسی کو نہ پایا اور نہ فقہ میں ان سے زیادہ کوئی پرہیزگار پایا۔
میں حضرت حسن بصریؒ کی وفات کے پورے ایک مہینہ کے بعد وفات پائی۔

(۶) حضرت قتادہ بن دعامہ دوسیؓ آپ نے حضرات انسؓ و سعید بن مسیب وغیرہ سے روایت

کی ہے نابینا تھے۔ حافظہ قوی تھا ابن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ قتادہ لوگوں میں سب سے زیادہ حافظہ تھے حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کی کوئی آیت ایسی نہیں کہ میں نے اس کے بارے میں کچھ نہ سنا ہو حضرت امام احمدؒ بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ قتادہؒ سے زیادہ تفسیر کا عالم میں نے کسی کو نہیں پایا اور اختلاف علماء کے وہ ماہر تھے اور انھوں نے حفظ اور فقہ میں ان کی تعریف کی ہے اور ان کا ذکر بہت تفصیل سے کیا ہے اور فرمایا ہے کہ مرتبے میں ان سے آگے بڑھنے والے بہت کم پاؤ گے اور حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ میں نے بیس سال کا عرصہ ہوا کہ اپنی رائے سے فتویٰ نہیں دیا اور حفظ کے علاوہ وہ عربیت اور لغت اور ایام عرب والنساب کے ماہر تھے ۱۸۰ھ میں وفات پائی۔

مفتیان شام

(۱) حضرت عبدالرحمن بن غنم اشعریؒ | آپ نے حضرات عمرو معاذ وغیرہ رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے حضرت عمرؒ ابن الخطابؒ نے ان کو شام کی طرف روانہ کیا تھا تاکہ وہاں لوگوں کو فقہ کی تعلیم دیں اور شام کے تابعین نے انہی سے علم فقہ حاصل کیا عظیم القدر تھے اور فاضل تھے ۱۸۰ھ میں وفات پائی۔

(۲) حضرت ابوالحسن خولانی عائد اللہ بن عبداللہؒ | آپ علم و عمل کے جامع لوگوں میں سے تھے حضرت معاذ بن جبلؒ اور بہت سے صحابہؓ سے علم حاصل کیا اہل دمشق کے قاضی اور ان کے واعظ اور قصہ خوا تھے حضرت زہریؒ فرماتے ہیں کہ وہ شام کے فقہاء میں سے تھے ۱۸۰ھ میں وفات پائی۔

(۳) حضرت قبیصہ بن ذویبؒ | آپ خلیفہ عبدالملک کی مہر کے محافظ تھے حضرات ابوبکر و عمر وغیرہ رضی اللہ عنہم سے روایت کی حضرت زہریؒ فرماتے ہیں کہ قبیصہ اس امت کے علماء میں سے تھے اور حضرت مکحولؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے بڑھکر عالم نہیں پایا اور حضرت شعبیؒ فرماتے ہیں کہ قبیصہؒ حضرت زید بن ثابتؒ کی قصا کو سب سے زیادہ جانتے ہیں ۱۸۰ھ میں وفات پائی۔

(۴) حضرت مکحولؒ بن ابی سلمہؒ | یہ ہذیل کی ایک عورت کے مولیٰ تھے اور ان کی اصل کابل سے تھی چھوٹے صحابہؓ سے روایت کرتے اور بڑے صحابہؓ پر تدلیس کرتے تھے یعنی ان کے درمیان کے واسطوں کو چھوڑ کر بڑے صحابہؓ سے روایت بنایا کرتے تھے۔ طلب علم میں بہت سفر کئے حتیٰ کہ اس کا حصہ وافر حاصل کیا حضرت زہریؒ نے فرمایا کہ علماء میں ہیں بھرا نہیں میں مکحولؒ کا ذکر بھی فرمایا اور حضرت ابو حاتمؒ فرماتے ہیں کہ اہل شام میں مکحولؒ سے بڑا فقیہ میں نے کسی کو نہیں پایا۔ ۱۸۰ھ میں وفات پائی۔

(۵) حضرت رجاء بن حیاء کندیؒ | آپ اہل شام کے شیخ تھے اور حکومت کے رکن تھے حضرات معاذ

وعبداللہ بن عمرو جابر وغیرہم رضی اللہ عنہم سے روایت کی حضرت مطر وراق فرماتے ہیں کہ میں نے شاہیوں میں ان سے زیادہ فقیہ کسی کو نہ پایا اور حضرت مکحول فرماتے ہیں کہ جابر اہل شام کے سردار تھے اور ابن سعد فرماتے ہیں کہ وہ قاضی اور قابل اعتماد و کثیر العلم تھے ۱۱۷ھ میں وفات پائی۔

(۶) حضرت عمر بن عبدالعزیز بن مروان | وہ بنی امیہ کے آٹھویں خلیفہ تھے مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے، مصر میں نشو و نما پائی۔ اور حضرت انس بن مالک اور اکثر تابعین سے علم حاصل کیا۔ امام فقیہ مجتہد سنت کے جاننے والے، بڑی شان کے بزرگ، صاحب وثوق، صاحب دلیل، حافظ اللہ تعالیٰ کے مطیع، خشیعہ کرنے والے اور اللہ کی طرف رجوع کرنے والے تھے عدل میں حضرت عمر بن الخطاب کے مشابہ تھے اور زہد میں حضرت حسن بصری کے اور علم میں حضرت زہری کے برابر تھے۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ ہم ان کو سکھانے آئے تھے اور اس وقت تک ان کے پاس رہے کہ ہم خود ان سے سیکھنے لگے ۱۱۷ھ میں وفات پائی۔

مفتیان مصر

(۱) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص | نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے روزہ دار عبادت گزار تھے اللہ کی کتاب پڑھنے والے اور علم طلب کرنے والے تھے۔ آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی علم کی باتیں کھیں حضرت ابو ہریرہؓ ان کے کثرت علم کا اعتراف کیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ وہ بکھا کرتے تھے اور میں بکھتا نہ تھا پر ہیزگار تھے اور اپنی حالت پر غور کیا کرتے تھے اور اپنے والد کو فتنہ میں شریک ہونے پر ملامت کیا کرتے تھے اور اس میں عدم شرکت کو نافرمانی کے خوف سے گناہ سمجھتے تھے اسی لئے صفین میں شریک ہوئے اگرچہ تلوار نہیں چلائی اور اہل کتاب کی بہت سی کتابیں حاصل کی تھیں اور اس میں غور و تامل کیا تھا اور اس میں عجیب معلومات حاصل کی تھیں، مصر لوہا نے آپ سے بہت علم حاصل کیا مصر میں ۱۱۷ھ میں وفات پائی۔

(۲) ابو الخیر مرشد بن عبداللہ تیری مفتی مصر | آپ نے حضرات ابوالیوب انصاری اور ابوبصر غفاری اور عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہم سے روایت کی اور آخر الذکر اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہم سے علم فقہ حاصل کیا ابن یونس کہتے ہیں کہ وہ اپنے زمانہ میں اہل مصر کے مفتی تھے ۱۱۷ھ میں وفات پائی۔

(۳) یزید بن ابی حبیب مولیٰ ازد | اگرچہ آپ نے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی روایت کی ہے لیکن ان کی اکثر روایت تابعین رضی اللہ عنہم سے ہے ابوسعید بن یونس کہتے ہیں کہ وہ اہل مصر کے

مفتی تھے اور حلیم اور عاقل تھے اور انھیں نے سب سے پہلے مصر میں علم کا چرچا پھیلایا اور مسائل اور حلال و حرام کو ظاہر کیا حالانکہ اس سے پہلے ترغیب اور جنگوں اور فتنوں کی احادیث بیان کی جاتی تھیں بیٹ بن سعدؒ فرماتے ہیں کہ یزید ہمارے عالم اور ہمارے سردار تھے اور کہا جاتا ہے کہ یزید ان تینوں میں سے ایک تھے جن کو حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز نے مصر میں فتوے کی اجازت دی تھی اور وہ بربر الاصل تھے ان کے والد و نقلہ کے رہنے والے تھے اور مصر میں نشوونما پائی اور جب کبھی کسی خلیفہ کی بیعت کی جاتی تو سب سے پہلے عبداللہ بن ابی جعفر اور یزید بن ابی حبیب بیعت کیا کرتے تھے ابن ہشیم فرماتے ہیں کہ یزید بیمار ہوئے تو حوثرہ بن سہیل حاکم مصر نے ان کی عیادت کی اور فرمایا اے ابو جابر تمہارا کیا فتویٰ ہے اس کپڑے میں نماز پڑھنے کے متعلق آپ کا کیا فتویٰ ہے جس میں ٹھپروں کا خون ہو تو انھوں نے اپنا چہرہ پھیر لیا اور کچھ جواب نہ دیا تو وہ کھڑے ہو گئے تو یزیدؒ نے ان کی طرف دیکھ کر کہا کہ تو روزانہ ایک خلق کو قتل کرتا ہے اور مجھ سے ٹھپروں کے خون کے بارے میں دریافت کرتا ہے اور حضرت سعیدؒ بن عقیل فرماتے ہیں کہ زباں بن عبدالعزیز نے حضرت یزیدؒ کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ میرے پاس آئیں تاکہ میں آپ سے علم کے بارے میں کچھ دریافت کروں تو انھیں نے جواب کہلا بھیجا کہ بلکہ تم میرے پاس آؤ کیونکہ میرے پاس تمہارا آنا تمہارے لئے زینت کا باعث ہوگا اور تمہارے پاس میرا آنا میرے لئے عیب کا باعث ہوگا۔ ۲۸ھ میں وفات پائی۔

مفتیان مین

(۱) حضرت طاؤس بن کسبان جندی | ان لڑکوں میں سے تھے جو جنگ میں گرفتار ہوئے ہیں آپ نے حضرات زید بن ثابت و عائشہ صدیقہ و ابو ہریرہ و غیرہم رضی اللہ عنہم سے احادیث سنیں اور علم و عمل میں چوٹی کے لوگوں میں سے تھے حضرت عمرو بن دینارؒ فرماتے ہیں کہ میں نے طاؤس کے مثل کسی کو نہیں دیکھا اور قیس بن سعید فرماتے ہیں کہ طاؤسؒ ہم میں ایسے تھے جیسے اہل بصرہ میں بن سیرین اور ذہبیؒ نے فرمایا کہ طاؤسؒ اہل مین کے شیخ تھے اور ان کے فقیہ اور ان کے لئے باعث برکت تھے جلیل القدر تھے اور حج بہت زیادہ کئے تھے اسی لئے ان کی موت بھی مکہ مکرمہ میں ۶۷ھ میں واقع ہوئی تھی۔

(۲) حضرت وہب بن منہ صغائی | عالم اہل مین تھے آپ نے حضرات ابن عمرو بن عباس و جابر و غیرہم رضی اللہ عنہم سے روایت کی اور ان کے پاس اہل کتاب کے علم کا کافی ذخیرہ تھا کیونکہ اس طرف

انہوں نے توجہ کی تھی اور بالغ نظری سے کام لیا تھا۔ بجلی فرماتے ہیں کہ وہ مستند تابعی اور قاضی تھے۔
 ۱۲۹ھ میں وفات پائی۔

(۳) حضرت یحییٰ بن ابی کثیر مولیٰ طی آپ نے حضرت انس بن مالک اور اکثر تابعین سے روایت کی حضرت شعبہؒ فرماتے ہیں کہ وہ حدیث میں زہری سے زیادہ اچھے تھے اور حضرت احمدؒ فرماتے ہیں کہ اگر کبھی امام زہریؒ ان کی مخالفت کریں تو حضرت یحییٰؒ کا قول معتبر ہوگا ۱۲۹ھ میں وفات پائی۔
 یہ لوگ جن کے ہم نے نام لکھے ہیں اس دور میں وہ جلیل القدر حضرات تھے جو لوگوں کو فتوے دیا کرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث کی روایت کرتے تھے اور لوگوں میں یہ طریقہ نہ تھا کہ کسی معین فقیہ کی طرف منسوب ہوں کہ اس نے جو روایت یا راوی بیان کی ہو اس پر عمل کیا جائے بلکہ مختلف شہروں میں یہ مفتی فقہ اور روایت حدیث سے مشہور تھے تو فتویٰ مانگنے والا ان میں سے جس کے پاس چاہتا جاتا اور جو واقعہ اس کو پیش آیا اس کے متعلق دریافت کرتا تو وہ اس کو فتویٰ دیدیتا اور ایسا بھی ہوتا کہ وہ دوبارہ کسی اور مفتی کے پاس جاتا اور شہروں کے قاضی لوگوں کا فیصلہ انہی امور کے لحاظ سے کرتے تھے جو کتاب اللہ یا اس کے رسول کی سنت سے معلوم ہوتا یا اس رائے سے جو ان پر ظاہر ہوتی اور ایسا اوقات وہ اپنے شہر کے مشہور مفتیوں سے فتویٰ طلب کرتے اور اکثر ایسا بھی ہوا ہے کہ وہ استفتاء خلیفہ وقت کے پاس بھیجتے اور جو واقعہ پیش آیا اس کے متعلق دریا کرتے چنانچہ حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز کے زمانہ میں اکثر ایسا ہوا۔

اس زمانہ میں ایک فرقہ پیدا ہوا جس کو مورخین نے خوارج کے نام سے موسوم کیا ہے اور ان کی اصل وہ جماعت ہے جس نے حضرت عثمانؓ بن عفان پر خروج کیا تھا کیونکہ انہوں نے ان امور کی بناء پر جو حضرت عثمانؓ سے سرزد ہوئی تھیں ان کی مخالفت کی اور اسی بنا پر انہوں نے ان پر خروج کو جائز قرار دیا تھا پھر انہوں نے ان کو شہید کیا اور جب انہوں نے حضرت علیؓ کی بیعت کی تو حضرت علیؓ و حضرت معاویہؓ کے درمیان معاملہ کی شدت کا سبب اکثر یہی لوگ تھے حتیٰ کہ انجام کار دونوں جماعتوں کے درمیان جو عالم اسلامی کے منتخب اور برگزیدہ لوگ تھے میدان صفین میں جنگ عظیم کا باعث بنے اور جب حضرت معاویہؓ اور ان کے اصحاب نے حکیم کی دعوت دی تو پہلے تو اس پر راضی ہو گئے پھر اس کے بعد ان پر عیب لگایا اور کہا کہ یہ تو کفر ہے اس لئے کہ (لا حکم الا للہ یعنی اللہ کے سوا کسی کو حکم کا اختیار نہیں) اور اس کلمہ کو انہوں نے اپنا شعار یعنی علامت قرار دے لیا حتیٰ کہ جس کی رائے خوارج کی رائے سے مشابہت رکھتی تو اس کو کہا جاتا کہ یہ تو "حکم" ہیں (یعنی لا حکم الا للہ کہنے والے

ہیں) اور حضرت علی کے درمیان بہت سخت تقریریں ہوئیں پھر انھوں نے حضرت علیؓ سے جنگ کی اور حضرت علیؓ نے بھی ان سے جنگ کی جس سے حضرت علیؓ کا مرکز اپنے اس خصم کے مقابلہ میں کمزور ہو گیا جو ایک انتہائی فرمانبردار شکر تھا اور انجام کار انہی خارجیوں میں سے ایک کے ہاتھ سے آپ کی شہادت واقع ہو گئی جس کا نام عبدالرحمن بن ملجم تھا اور اسی وقت سے ایک خاص فرقہ ممتاز شخصیت والا پیدا ہو گیا جو "شراۃ" کے نام سے مشہور تھا اور یہ نام اللہ تعالیٰ کے اس قول سے لیا۔

ومن الناس من يشرى نفسه
اور بعض آدمی ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی
ابتغاء مرضات الله۔
میں اپنی جان تک صرف کر دالتے ہیں اور ان کا

عام اصول حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی محبت اور حضرات عثمان و علی و معاویہ رضی اللہ عنہم سے برادری پر مبنی تھا اس لئے کہ حضرت عثمانؓ نے ان کی مخالفت کی تھی اور حضرت علیؓ حکیم پر راضی ہو گئے تھے اور حضرت معاویہؓ ان کی رضامندی کے بغیر ان پر حاکم بن گئے تھے۔

اور اسی سے خلافت کے متعلق ان کا یہ اصول معلوم ہوا کہ امر خلافت امت کے حوالہ ہے وہ جس کو چاہے اور جس خاندان سے چاہے منتخب کرے اور خلافت کے لئے قریش کی خصوصیت کے منکر تھے اور اس امر کے قائل تھے کہ خلیفہ کی اطاعت سوا اس دائرہ حدود کے جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی کتاب میں یا اس کے رسول کی سنت متبعہ میں معین ہے واجب نہیں اور اگر اس نے اس دائرہ کی مخالفت کی تو پھر وہ اس سے بری ہیں اور اس کی مخالفت واجب ہو گئی اور وہ لوگ کافر اور فاسق کے درمیان کچھ فرق نہیں سمجھتے تھے بلکہ ہر وہ شخص جو حدود الہی سے تجاوز کرے وہ ان کے نزدیک فاسق ہے اور فاسق ہی کافر ہے اور ظاہر قرآن سے ان کی تائید ملتی ہے اور اسی لئے وہ لوگ ہر اس شخص کو جس نے حضرت معاویہ کی حمایت کی اور حضرات علی و عثمان رضی اللہ عنہم سے بیزاری ظاہر نہیں کی اس کو ملت سے خارج سمجھتے تھے حالانکہ جمہور امت یہی لوگ تھے (یعنی حضرت معاویہ کی حمایت کرنے والے اور حضرات علی و عثمانؓ سے بیزاری نہ کرنے والے) تو ان خارجیوں نے اسی جمہور امت سے جنگ کی اور جنگ کو جائز قرار دیا اور ان میں بڑے بڑے زعماء تھے جنھوں نے ان کو خلفاء جمہور سے جنگ کے لئے ابھارا اور یہ سب محض اس وجہ سے ہوا کہ دین کے معاملہ میں ان کی رائیں شدید تھیں اور وہ لوگ ظاہر قرآن کو لیتے تھے اور سنت سے صرف انہی کی احادیث کو قبول کرتے تھے جن کو وہ دوست سمجھتے تھے اور اس بارہ میں ان کی مستند احادیث وہ تھیں جو شیخین (ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما) کے زمانہ کی احادیث مشہور تھیں اور ان میں بڑے بڑے علماء اور مفتی تھے جن کی طرف وہ رجوع ہوتے

تھے مگر جمہور پران کی شدت اور ان کے بارہ میں ان کا عقیدہ جمہور امت کو ان سے متنفر کرانے کا باعث بنا اسی لئے ہر وہ شخص جس پر اس کا شبہ ہوتا تھا کہ اس کی رائے خوارج کی رائے کے مطابق ہے تو اس سے روایت نہ کرتے تھے اگرچہ وہ محدث ہو اور نہ ان سے فتویٰ لیتے تھے اگرچہ وہ مفتی ہو یا جوہر یہ خوارج تمام فرقوں میں جھوٹ سے زیادہ بچنے والے تھے کیونکہ وہ جھوٹ کو کفر سمجھتے تھے اور ان سے نفرت کی وجہ سے بعض ائمہ حدیث نے حضرت عکرمہؓ کی حضرت ابن عباسؓ سے روایت کو ساقط الاعتبار قرار دیدیا چنانچہ حضرات مالک بن انس اور مسلم بن الحجاج نے ان کی کوئی روایت نہیں بیان کی کیونکہ ان پر خوارج کی رائے رکھنے کا شبہ تھا اور بعض ائمہ نے خوارج کے فقیہ اور شاعر عمران بن حطان کی روایت کو اسی بنا پر ضعیف قرار دیا ہے۔ لیکن خود خوارج میں زیادہ عرصہ تک اتحاد باقی نہ رہا بلکہ جمہور کے بارے میں ان کے راویوں میں اختلاف کی بنا پر تفریق پیدا ہونے لگی اور ان کی شدت وحدت بنی امیہ کے زمانہ میں اور دولت عباسیہ کے شروع زمانہ تک رہی۔

اور فرقہ شیعہ بھی اسی زمانہ میں پیدا ہوا جو حضرت علیؓ بن ابی طالب اور ان کے اہل بیت کی محبت پر قائم رہا اور ان کی وہ اصل جو ان کے تمام فرقوں میں مسلم ہے یہ ہے کہ خلافت حضرت علیؓ کا حق ہے جس کے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کی وجہ سے مستحق ہوئے اور اسی لئے وہ ان کو وصی کہا کرتے تھے اور یہ کہ ان کے بعد خلافت اس کا حق ہے جو ان کی اولاد سے ہو ان سے خلافت کو بجز ظالم و غاصب کے کوئی نہیں نکال سکتا اور اسی وجہ سے ان میں سے بعض کو حضرات شیخین (ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما) پر نکتہ چینی کا موقع ملا کیونکہ ان کی رائے میں انھوں نے حضرت علیؓ کا حق غصب کیا تھا اور ان لوگوں نے امامت کو ان کے بعد ان کے لڑکے حضرت حسنؓ و پھر ان کے دوسرے صاحبزادہ حسینؓ کے لئے مخصوص قرار دیا اور اس میں ان کے درمیان کسی قسم کا اختلاف نہیں البتہ حضرت حسینؓ کی شہادت کے بعد وہ دو فرقوں میں بٹ گئے ایک نے تو محمد بن حنفیہ کو مستحق امامت قرار دیا کیونکہ وہ حضرت حسینؓ کے بعد ان کے سب سے بڑے لڑکے تھے اور ان لوگوں کا لقب کیسانہ ہوا اور انہی محمد کا نام اس ہنگامہ میں لیا جاتا ہے جس کو مختار بن ابی عبید تقفی نے بنی امیہ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے خلاف اٹھایا تھا اور انہی کو "مہدی" بھی کہا جاتا تھا اور اس ہنگامہ کی روح کو دین سے کوئی تعلق نہ تھا جیسے خوارج کی روح کو دین سے کوئی سروکار نہ تھا بلکہ دنیوی تعلق تھا اور اسی لئے انھوں نے اپنی اغراض حاصل کرنے کے لئے جھوٹ کو حلال کر لیا تھا اور بعض شیعہ نے خلافت کو صرف اولاد فاطمہؓ میں منحصر

کر رکھا ہے چنانچہ ان کے خیال کے مطابق حضرت حسینؑ کے بعد ان کے صاحبزادے علی زین العابدینؑ امامت کے مستحق ہوئے جو اس زمانہ کے فقہاء میں سے تھے اور جب ان کا وصال ہوا ہے تو ان کے دواڑے کے تھے ایک محمد بن علی جن کو باقر کہا جاتا ہے اور دوسرے زید بن علی تو حضرت باقرؑ کو امام قرار دیا اور ان کی وفات کے بعد دو فرقے ہو گئے ایک نے تو زید بن علی کو امام قرار دیا اور یہی زیدیت کہلاتے اور ان میں سے بعض باقرؑ کی اولاد کی محبت پر قائم رہے اور امامت کو ان کے صاحبزادہ جعفر صادقؑ کی طرف منتقل کیا اور امامت کے متعلق زیدیت کی ایک خاص رائے تھی کہ وہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما سے بیزار ہیں کا اظہار نہ کرتے تھے اور کہتے تھے کہ وہ حاکم ہوئے اور انھوں نے عدل سے کام لیا اور یہ کہتے تھے کہ امامت حضرت علیؑ کی اس اولاد میں ہے جو فاطمہؑ سے ہو لیکن امام کا تعین اس کی صفات سے ہوتا ہے اور اس بات کا انکار کرتے ہیں کہ وہ وصیت میں نام کے ساتھ معین کیا جائے جیسے کہ جعفریہ کہتے ہیں اسی لئے ان کی رائے تھی کہ اولاد علیؑ میں سے جو شخص اپنی امامت کی طرف دعوت دے اور وہ صفات امامیہ کا حامل ہو تو اس کی اتباع اور اس کی مدد واجب ہے اور اسی لئے حضرت زید بن علیؑ کے ساتھ ان کے اس ہنگامے میں شریک ہوئے جو ہشام بن عبد الملک کے زمانہ میں انھوں نے اٹھایا تھا اور جب وہ شہید ہو گئے تو ان کے صاحبزادے یحییٰ کے ساتھ کھڑے ہوئے پھر محمد مہدی کے ساتھ جو نفس زکیہ کے نام سے مشہور تھے جو عبد اللہ بن حسن بن حسن بن علی کے فرزند تھے جنھوں نے منصور عباسی کے خلاف حکومت عباسیہ کے شروع میں بغاوت کی تھی۔

اس دور میں تین فرقے تھے جن کی اصل تشیع تھی اور وہ کیسانیت اور امامیہ زیدیت اور امامیہ جعفریہ تھے اور ہر گروہ اپنا علم اور اپنا دین اسی سے سیکھتا تھا جس کی نسبت اس کے امام کی طرف ہوتی تھی اور جو ان کی ہوا نقت کریں اور ان ائمہ کے بارے میں ان کے اعتقادات مختلف تھے جو اعتدال اور غلو کے لحاظ سے مختلف تھے اور بعضوں نے حضرت علیؑ اور ان کے اہل بیت کی تائید میں اس قدر غلو کیا کہ بہت سی ایسی احادیث روایت کیں کہ ائمہ جمہور کو ان میں کوئی شک نہ تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ان کی نسبت جھوٹی ہے اسی لئے انھوں نے ہر غلو کرنے والے شیعہ یا شیعیت کی تبلیغ کرنے والے کی روایت قبول کرنے میں اسی طرح توقف کیا جس طرح غلو کرنے والے خوارج کی روایت قبول کرنے میں توقف کیا۔

چوتھا دور

دوسری صدی کی ابتداء سے چوتھی صدی کے نصف تک کی فقہ اور یہی زمانہ احادیث و فقہ کی تدوین اور ان بڑے ائمہ کے ظہور کا زمانہ ہے جن کی قیادت کا جمہور نے اعتراف کیا۔

سیاسی پس منظر

اس دور میں وہ خفیہ سیاسی جماعت کامیاب ہو گئی جو بنی امیہ سے آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب خلافت کو منتقل کرنا چاہتی تھی چنانچہ خلافت بنی عباس بن عبد المطلب میں چلی گئی اور ان میں سب سے پہلا خلیفہ ابوالعباس عبداللہ سفاح بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس تھا اور عباسیوں نے بنی امیہ کی مخالفت میں اس شدت سے کام لیا کہ تاریخ میں کوئی آدمی اس شدت کا نہیں پایا جاتا اور انتہائی بے رحمانہ اور وحشیانہ اعمال کے مرتکب ہوئے جس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ فارس کے رہنے والے اپنے موافقین اور مددگاروں کو خوش کریں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ لوگ بنی امیہ کے عمائد میں سے ایک شخص کے فرار کا موجب بنے جس نے بلاد اندلس میں داخل ہونے کا ارادہ کیا اور وہاں ایک بڑی سلطنت قائم کی جو بنی عباس سے مستقلاً جدار ہی اور اسلامی سطح میں یہ سب پہلی تقسیم لیکن یہ تبدیلی ان کے حجاز اور بھائیوں کو جو اولاد علی بن ابی طالب سے تھے نہ بھائی جو اپنے کو ہر خاندان سے زیادہ خلافت کا مستحق سمجھتے تھے چنانچہ انھوں نے اس خلافت کو اپنے لئے حاصل کرنے کا مصمم ارادہ کیا یہ کہ اس کی صفائی کو ان کے دشمنوں کے لئے سکدر کر دیں چنانچہ علویں میں سے پہلے ہنگامہ برپا کرنے والے اٹھے پھر اولاد حسن بن علی بن محمد بن عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی اور وہ منصور سے اپنا مقصد حاصل کر لیتے اگرچہ فلطیاں اور سور اتقاہیں پیش نہ آئیں جو ان کا مدینہ منورہ میں اور ان کے بھائی ابراہیم کا بصرہ اور کوفہ کے درمیان خاتمہ نہ کر دیتیں۔

پھر دوسرا ہنگامہ اس کے پوتے موسیٰ ہادی بن محمد ہدی بن ابی جعفر کے مقابلہ میں اطراف کے

میں اٹھا اور باغی اپنا مقصد حاصل کئے بغیر مارا گیا اور میدان جنگ سے محمد نفس زکیہ کے بھائی ادریس بن عبد اللہ بھاگ گئے اور مغرب اقصیٰ کی طرف چلے گئے اور برابر میں خلافت اسلامیہ کی بنیاد ڈالی اور یہ دوسرا حصہ تھا جو خلافت عباسیہ سے قطع ہوا اور یہی خلافت ادریسیہ کہلاتی۔

اور اسی طرح ان کے بھائی یحییٰ بن عبد اللہ مشرق کی طرف بلاد دیکم میں بھاگ گئے جن کا اتباع ایک بڑی جماعت نے کیا لیکن رشید نے ان یحییٰ پر فضل بن یحییٰ بن خالد بن برمک کے ذریعہ سیاسی چالوں سے مدد لے کر اس کو اس کے قلعے سے اتار لیا اور اس کو ایک امن کا معاہدہ لکھ کر دیا لیکن جب وہ اثرات رشید نے جس بات کا وعدہ کیا تھا پورا کیا۔

رشید نے دیکھا کہ اس وقت اس کو ایک ایسی مضبوط قومی حکومت کی ضرورت ہے جو مغرب میں ادریسیوں کی طماع نظروں کے سامنے دیوار بن کر کھڑی ہو سکے تو اس نے اپنے ہاتھ سے افریقیہ میں دولت اغالہ کی بنیاد رکھی پھر ماموں نے خراسان میں امارت طاہریہ کی بنیاد رکھی اور بلاد مین میں امارت زیادہ کی اور ان سب کا مقصد مختلف مالک میں شیعہ کے مقاصد کو ناکام کرنا تھا۔ لیکن شیعہ امامیہ اتفاق کر چکے تھے کہ حضرت جعفر بن محمد صادق کو خلیفہ بنائیں جو ائمہ شیعہ کے چھٹے امام تھے اور ان کے ماننے والے بہت تھے مگر انھوں نے اپنے لئے خلافت کو پسند نہیں کیا اور جب ان کی وفات ہو گئی تو ان کے ماننے والے دو فرقوں میں منقسم ہو گئے ایک نے تو ان کے رٹکے موسیٰ کاظم کو امام تسلیم کیا اور یہی موسوی کہلاتے ہیں اور انھوں نے امامت کو ان کے بعد ان کی اولاد اور ان کی نسل میں ان کے بارہویں امام تک پہنچایا اور اسی بنا پر وہ امامیہ اثنی عشریہ کہلانے میں اور یہ بارہویں امام ابو القاسم محمد عسکری بن حسن عسکری بن علی ہادی بن محمد حواد بن علی رضا بن موسیٰ کاظم بن جعفر صادق بن محمد باقر بن علی زین العابدین بن حسین بن علی ابن ابی طالب ہیں اور شیعہ امامیہ کا دعویٰ ہے کہ وہ اپنے والد کی وفات کے بعد ۲۹ھ میں چھپ گئے اور آخری زمانہ میں ظاہر ہوں گے اور زمین جو ظلم و جور سے بھری ہو گی وہ اس کو عدل سے بھر دیں گے چنانچہ یہ فرقہ اس وقت تک ان کا انتظار کر رہا ہے اور وہ ہر کے فرقہ نے حضرت اسماعیل بن جعفر صادق علیہم السلام کو امام مانا اور یہ اسماعیلیہ کے نام سے مشہور ہیں اور اس فرقہ نے پہلے فرقہ کے برعکس خلافت کے حصول کی کوشش کی، انھوں نے اپنا طریقہ کار مخفی دعوت سے شروع کیا اور اس کی تعلیمات کچھ ایسی متحرک ہیں جس سے نفرت رکھنے والے لوگ بھی اس طرف مائل ہو گئے حتیٰ کہ جب ان کے ارادے پورے ہو گئے تو ان کا امام عبید اللہ المہدی بلاد افریقیہ میں ظاہر ہوا جس سے دولت فاطمیہ کی ابتدا ہوئی اور یہ

تمام مغرب میں غلبہ۔ تسلط کاملہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوا اور یہ زمانہ ابھی ختم بھی نہ ہونے پایا تھا کہ ان کی ایک عظیم الشان اور مضبوط حکومت قاہرہ مصر مغربیہ میں قائم ہو گئی۔

دولت عباسیہ کا دار و مدار دو عصبتوں پر تھا ایک عصبت عربیہ یہ ان عربوں سے متعلق تھی جو عباسی خلفاء کے ساتھ تھے اور عصبت فارسیہ جو دعوت عباسیہ کے پھیلا نے والے تھے خلفاء بنی عباس کی عادت تھی کہ ان دونوں فریق میں سے کسی ایک پر اگر ان کو شبہ ہو جاتا تو اس کے مقابلہ میں دوسرے فریق سے مدد لیتے حتیٰ کہ ماموں بن رشید جس کی تربیت خالص فارسی تھی اور انہی کی مدد سے وہ اپنے بھائی محمد امین پر غالب ہوا تھا یہی مناسب سمجھا کہ عربی عصبت کو توڑ دے اور اپنی بنیاد دوسری عصبت پر رکھے اور جب اس کا بھائی امحاق معتصم خلیفہ ہوا تو اس نے اپنے لئے دوسری عصبت ترک غلاموں کی بنائی جو اس کے پاس بہت زیادہ تھے مدبر ہی خلافت عباسیہ کے فنا کا سبب بنا کیونکہ متوکل ابن معتصم نے ان سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہا تو قبل اس کے کہ وہ ان کو شام میں ختم کر دے انھوں نے اسی کو ختم کر دیا۔ اور یہ اس کے لڑکے منتصر کے نفاق سے ہوا اور اسی وجہ سے تمام خلفاء نے اس اقتدار کے سامنے جس کو معتصم نے قائم کیا تھا اپنا تسلیم ختم کر دیا چنانچہ قریب بعید سب پر ترکوں نے اپنا اقتدار قائم کر لیا اور اسی ضعف کی وجہ سے مشرق میں متعدد حکومتوں کی بنیاد پڑی چنانچہ ماوراء النہر میں حکومت سامانیہ اور فارس میں دولت صفاریہ قائم ہو گئیں اور یہ زمانہ ختم نہ ہونے پایا تھا کہ بتو بوبہ کھڑے ہو گئے اور انھوں نے اپنے خاندان کے لئے ایک علیحدہ حکومت قائم کی اور یہاں تک ذیت پہنچ گئی کہ خود بغداد پر جو خلافت بنی عباس کا دار الخلافہ تھا قابض ہو گئے اور بنی عباس کا بجز نام کے کچھ باقی نہ رہا اور بنی بویہ اور ان کے دلی حمایتیوں کا تسلط قائم ہو گیا۔

یہ اس حکومت کا حال تھا جس نے ۱۲۲ھ میں بنی امیہ سے ایک عظیم حکومت میراث میں وصول کی تھی اور ابھی ۳۳ھ نہیں آیا تھا کہ خلافت کا صرف نام ہی باقی رہ گیا اور عرب کا اقتدار دوسری قوموں مثلاً فارس و دلم و ترک و بربر میں چلا گیا اور معتصم کے زمانہ سے فوج کے دفتر میں ایک عربی بھی باقی نہ رہا۔

اس دور کی خصوصیات

(۱) وصیت تمدن احب ابو جعفر منصور خلیفہ ہوا تو اس نے شہر بغداد کی بنیاد ڈالی تاکہ وہ بلاد اسلامیہ

کا دار الخلافہ بنے اور اس کی بنیاد میں اس درجہ ندرت پیدا کی کہ وہ اس زمانہ میں دنیا کے تمام شہروں پر

فایق ہو گیا اور جب وہ بالکل تیار ہو گیا تو وہاں پر تمام اسلامی شہروں سے علماء کو جمع کیا اور اسی طرح ہر طرز و طریقہ کے تجارت و صناعتوں کو جمع کیا اس کا زمانہ ختم نہیں ہوا تھا کہ وہ تمام شہروں میں ممتاز اور صحیح معنوں میں عروس البلاد کی دھن بن گیا اور وہاں کے رہنے والوں کی تعداد دو لاکھ سے زیادہ ہو گئی اور دجلہ کے کنارے پھیلتا چلا گیا چنانچہ مغربی کنارہ مدینہ منصور تک اور مشرقی کنارہ مدینہ مہدی تک وسعت پا گیا چونکہ اس کی تعمیر میں عربی و فارسی و رومی تینوں دماغوں نے کام کیا تھا اور ہر دماغ نے اختراع و ایجاد کی اپنی پوری صلاحیتیں اس پر صرف کی تھیں اس لئے بغداد حقیقت میں تمام شہروں کا سرتاج بن گیا۔

اگر آپ مملکت اسلامیہ کی حدود پر نظر ڈالیں تو مغرب میں آپ کو شہر قرطبہ جو جزیرہ اندلس میں ہے نظر آئے گا جو بغداد کی برابری کا دعویٰ کر رہا ہے یہ شہر امیر جلیل عبدالرحمن بن معاویہ بانی دولت امویہ کا پایہ تخت ہے۔ اور اگر آپ افریقیہ کی طرف متوجہ ہوں تو آپ کو شہر قیروان ملے گا جس کو افریقیہ رومانیہ کے شہروں کی عظمت ترکہ میں ملی ہے اور ان کا حسن و جمال وہاں منتقل ہوا ہے ایسے ہی شہر فسطاط یادگے جو مصر کا دار الخلافہ ہے جس کی عظیم الشان مسجدیں علماء کے اجتہاد و استنباط اور عظیم الشان علمی یادگاروں کی امین ہیں انہی علماء میں سے عام لوگوں کے سامنے ائمہ مجتہدین کے فقہ اور ان کے اختلاف کو واضح کیا اصحاب امام مالک ہیں ابن وہب اور ابن قاسم جیسا کون ہو گا اور اصحاب شافعی میں روح دمرنی جیسا کون ہو گا اور جامع فسطاط نے ہی امام شافعی کے علم کو ظاہر کیا اور اصحاب ابو حنیفہ میں ابو جعفر طحاوی کے شل کون ہے؟ یہ تمام فسطاط کی بہترین یادگاریں ہیں اس شہر کے بارے میں مورخین نے جو کچھ لکھا ہے اس کے جاننے والے خوب جانتے ہیں کہ اس شہر کے تمدن علم اور تجارت اور صنعت شہر بغداد سے کسی طرح کم نہ تھا پھر ذرا شہر دمشق کو دیکھو اگرچہ وہاں خلافت کی عظمت نہ رہی تاہم بنو امیہ کی عظمت جو اس کو میراث میں ملی تھی اس کا محافظ ہے اور کوفہ و بصرہ کو تو ہمیشہ ہی علماء اور حکماء کے مسکن ہونے کا شرف حاصل رہا ہے۔ بغداد باوجود ان شہروں سے نزدیک ہونے کے اپنی عظمت سے ان کے چاند ستاروں کو ماند نہ کر سکا۔ کیونکہ بصرہ ہندوستان کی تجارت کا بڑا مرکز تھا اور کوفہ عربی عنصر کا مستقر تھا اور اگر مشرق کی طرف رخ کرو تو مرو اور نیشاپور وغیرہ بڑے دعوت نظارہ دیتے نظر آئیں گے اور وسعت تمدن سے تجارت و زراعت و صنعت کے دائرہ کی وسعت لازمی ہے چنانچہ اس دور میں یہ سب چیزیں عروج پر پہنچی ہوئی تھیں حتیٰ کہ دنیائے اسلام کا تمدن ہر تمدن پر سبقت پا چکا تھا کیونکہ وہ مختلف تمدنوں کا خلاصہ تھا۔ اور اس میں کچھ شک نہیں کہ فقہ میں اس کا اثر بہت بڑا تھا کیونکہ اس منصب پر قائم رہنے والے کے

لئے مختلف مسائل کی ترتیب اور وضع کرنے کی ضرورت تھی تاکہ وہ جوابات کا صحیح استنباط کر سکے۔

(۲) اسلامی شہروں میں علمی حرکت | پہلے دور کے آخر میں علمی حرکت کی ابتدا ہوئی اور اس دور میں اس نے خوب خوب ترقی کی کیونکہ قدیم تمدن کی باتیں عرب مفکرین کے دماغوں میں پہنچ چکی تھیں اور اس کے دو سبب تھے۔

پہلا سبب تو یہ تھا کہ اسلام میں موالی یعنی غلام بکثرت داخل ہو چکے تھے جن میں اکثر فارسی و رومی و مصری تھے ان میں سے بعض وہ تھے جو بچپن کی حالت میں قید ہوئے اور اپنے مسلمان آقاؤں کی آغوش میں تربیت پائی اور علوم اسلامیہ ان کے پاس تھے اس کے وہ وارث بنے جس کی بنیاد کتاب و سنت تھی چنانچہ انھوں نے ان سے بہت کچھ حاصل کیا اور اس جماعت میں عربی عنصر کے مقابلہ میں بڑے بڑے قراء اور جلیل القدر محدثین نکلے اور ان میں بعض وہ لوگ تھے جنھوں نے بڑی اور پختہ عمر میں اسلام قبول کیا اور اس کا نتیجہ افکار کی آمیزش اور عقول کی پختگی ہے۔ اور اس دور کی ابتداء کے وقت ان موالی کی بڑی شان سیاست مدنی میں پیدا ہو چکی تھی کیونکہ خلافت عباسیہ کا قیام جب ہوا ہے تو دولت عباسیہ کے موالیوں کی قیادت اہل خراسان و عراق کر رہے تھے اور اسی بنا پر وہ حکومت کے شریک ہو گئے اور اس سے ان کا علمی سیاسی اشتراک مکمل ہو گیا۔

دوسرا سبب رومی و فارسی کی وہ کتب تھیں جن کا عربی زبان میں ترجمہ پہلے دور کے آخر میں شروع ہو چکا تھا اور اس دور میں اس کا اہتمام ابی جعفر منصور کے زمانہ سے جو خلفاء عباس کا دوسرا خلیفہ تھا اس طرف اور بھی زیادہ توجہ کی گئی اور یہ کام مامون بن رشید کے زمانہ تک تیسری صدی کی ابتداء میں ترقی کرتا رہا جو یونانی علوم اور ارسطو کے نظریات کا مدار تھا اس میں اور بھی کتابیں بکثرت شائع ہونے لگیں اور اہل کلام کی معلومات کا اصلی سبب بنیں ان تکلمین نے جن کے سرماموں کے زمانہ میں بہت ادب ہو گئے تھے محدثین کو ان کے بلند مرتبہ سے گرانے کے قریب پہنچ گئے کیونکہ مامون ان کی جانب مائل تھا اور اسی میل کا نتیجہ مسئلہ خلق قرآن کی صورت میں ظاہر ہوا اور مامون محدثین کو اپنا عقیدہ بدلنے پر مجبور کرنے لگا اور جس شخص نے اس کے اس خط کو دیکھا ہے جو اس نے حافظ بغداد کے نام لکھا ہے وہ جانتا ہے کہ محدثین کے بارے میں تکلمین کی کیا رائے تھی روسائے بارے میں لکھا تھا تو اس نے ان کو ایک ایک کر کے نام بنام لکھا ہے اور ان کے افکار پر طعن اور ان کے اخلاق پر طنز کیا ہے اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ مامون خلیفۃ المسلمین ہونے کے باوجود اس مسئلے میں غلطی پر تھا کیونکہ اس نے ایسے عقیدہ میں مداخلت کی ہے جس میں جمہور مسلمانوں کا اختلاف تھا

اور اہل علم کے ایک فریق کو مجبور کیا کہ وہ اس کی رائے کو اختیار کریں جو اس کی رائے ہے یہ آزادی فکر کا رد کتنا ہے جس کے جواز کی کوئی دلیل نہ تھی اور جملہ اہل حدیث اہل کلام کی اس حرکت کے خلاف کھڑے ہونے پر متفق اللسان تھے اور جمہوران کے ساتھ تھے چنانچہ انھوں نے اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کی اور اسی لئے ہمارے اور اہل کلام کے درمیان تعلق منقطع نظر آتا ہے بجز ان امور کے جن کو اہل حدیث ان سے نقل کرتے ہیں، لیکن خود انھوں نے جن امور کو لکھا ہے ان میں سے ہم کسی کا اثر نہیں پاتے ہیں لیکن اس کے باوجود اس دور کی نقہ سازی میں ان کو بڑا موقع ملا عنقریب ان کے مناظرات کا ذکر آئے گا جو انھوں نے سنت اور قیاس کے بارے میں کیا ہے اور مشہور تنکلمین کے سردار عمرو بن عبید متوفی ۱۲۴ھ اور ابوالہذیل علاف متوفی ۱۲۵ھ اور عمرو بن بحر جاحظ متوفی ۱۸۵ھ ہیں۔

(۳) حفاظ قرآن کریم کی زیادتی اور اس کے حسن ادا کی طرف توجہ | اس دور میں حفاظ قرآن کریم بہت زیادہ ہوئے اور تمام ممالک اسلامیہ میں پھیل گئے جیسا کہ اس کی تحریر پھیل گئی تھی مگر ہر خطہ کے مسلمانوں نے چند قراء کی برتری کا اعتراف کیا ہے جن کے اسماء مشہور ہو چکے ہیں وہ یہ ہیں۔

(۱) مدینہ منورہ میں، حضرت نافع بن ابی نعیم جو جعونہ کے مولیٰ تھے حضرت ابن عباس کے شاگردوں سے علم حاصل کیا اور ۱۶ھ میں وفات پائی اور ان سے جن لوگوں نے قرأت کی روایت کی ان میں سے مشہور عیسیٰ بن یسنا الملقب بہ قالون تھے جنھوں نے ۲۷ھ میں وفات پائی اور ابوسعید عثمان بن سعید مصری تھے جو ملقب بہ ورش تھے اور ۱۹ھ میں وفات پائی اور اکثر اہل مغرب انہی کی قرأت پڑھتے ہیں۔

(۲) مکہ مکرمہ میں، حضرت عبداللہ بن کثیر جو عمرو بن علقمہ کے مولیٰ تھے ان کی اصل فارس سے ہے حضرت ابن عباسؓ کے شاگردوں سے پڑھا اور ۲۸ھ میں وفات پائی اور جن لوگوں نے ان کے قرأت کی روایت کی ان میں مشہور ابو الحسن احمد بن عبداللہ بن کثیر تھے جو ۳۷ھ میں فوت ہوئے اور ابو عمر محمد تھے جن کا لقب قنبل تھا جنھوں نے ۲۹ھ میں وفات پائی اور یہ دونوں ابن کثیرؓ کے شاگردوں سے روایت کرتے ہیں۔

(۳) بصرہ میں، ابو عمرو بن عمار مازنی تھے جو دراصل کاذرونی تھے حضرت ابن عباسؓ کے شاگردوں سے علم حاصل کیا انھوں نے کوفہ میں ۳۵ھ میں وفات پائی اور ان سے جن لوگوں نے روایت کی ان میں یحییٰ بن مبارک یزیدی مشہور ہیں اور یحییٰ سے ابو عمر حفص بن عمرو بن کثیرؓ کی جنھوں نے ۳۶ھ میں وفات پائی اور ابوشعیب صالح بن زیاد سوسی ہیں جنھوں نے ۳۶ھ میں

وفات پائی اور اکثر اہل سوڈان ابی عمر کے طریقہ کے مطابق قرآن مجید پڑھتے ہیں۔

(۴) دمشق میں حضرت عبداللہ بن عامر جنہوں نے حضرت عثمانؓ اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہما کے شاگردوں سے پڑھا ۱۱۸ھ میں وفات پائی۔ اور ان کی قرأت جنہوں نے روایت کی ان میں مشہور ابوالولید ہشام بن عمار دمشقی ہیں جنہوں نے ۱۲۵ھ میں وفات پائی اور ابو عمرو عبداللہ بن احمد بن بشیر بن ذکوان ہیں جنہوں نے ۱۲۲ھ میں وفات پائی اور یہ دونوں حضرات ابن عامر سے ایک واسطہ سے روایت کرتے ہیں۔

(۵) کوفہ میں (۱) حضرت ابوعاصم بن ابی النجود جنہوں نے حضرات علی و عثمان و ابن مسعود و ابی وزید بن ثابت رضی اللہ عنہم کے شاگردوں سے پڑھا اور کوفہ میں ۱۲۸ھ میں وفات پائی ان سے جن لوگوں نے روایت کی ان میں مشہور شعبہ بن عیاش کوفی ہیں جنہوں نے ۱۶۳ھ میں وفات پائی اور حفص بن سلیمان ہیں جنہوں نے ۱۸۰ھ میں وفات پائی اور مصری انہی کی قرأت پڑھتے ہیں اور اکثر بلاد اسلامیہ میں بھی انہی کی قرأت پڑھی جاتی ہے۔

(ب) حضرت حمزہ بن حبیب زیات جنہوں نے حضرات علی و ابن مسعود و عثمان رضی اللہ عنہم کے طریقہ پر پڑھا ۱۲۵ھ میں وفات پائی اور ان کے قرأت کی جنہوں نے روایت کی ان میں مشہور خلف بن ہشام بزاز ہیں جنہوں نے ۲۲۹ھ میں وفات پائی اور عیسیٰ بن خالد ہیں جن کا لقب خلاد تھا جنہوں نے ۲۲۸ھ میں وفات پائی اور انہوں نے حضرت حمزہ کے شاگردوں سے پڑھا ہے۔ (ج) حضرت ابوالحسن علی بن حمزہ کسائی جو بنی اسد کے مولیٰ اور اہل فارس سے تھے حضرت حمزہ بن حبیب سے پڑھا ۱۸۹ھ میں وفات پائی ان سے جن لوگوں نے روایت کی ان میں مشہور ابوالحرث لیث بن خالد ہیں جنہوں نے ۲۲۸ھ میں وفات پائی اور دوری جو ابی عمرو بن غلام کی روایت پر پڑھتے تھے۔

یہی وہ لوگ ہیں جو قرأت شیعہ کے نام سے مشہور ہوئے اور یہ انہیں یہ اتقان و ضبط میں فائق شہرت میں حسب ذیل تین اشخاص بھی شہرت میں ان کے قریب قریب پہونچے۔

(۱) حضرت ابو جعفر زید بن تعقاع مدنی جن کا ۱۳۸ھ میں انتقال ہوا اور ان کے دونوں راوی عیسیٰ بن وردان اور سلیمان بن جمار ہیں۔

(۲) حضرت یعقوب بن اسحاق حضرمی جن کا انتقال ۲۰۵ھ میں ہوا اور ان کے دونوں راوی اویس درج ہیں۔

(۳) حضرت خلف بن ہشام بزار جن کے راوی حمزہ بن حبیب ہیں اور ان کے دونوں راوی اسحاق دماق اور ادریس خداد ہیں اور ان تینوں متقدمین کو قراء عشرہ کہا جاتا ہے اور ان قراء عشرہ کے ساتھ چار اور قراء ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

(۱) محمد بن عبدالرحمن مکی جو ابن محصیین کے نام سے مشہور ہیں اور ان کے دونوں راوی بزی ہیں جو ابن کثیر کی روایت کرتے ہیں ابو الواحسن بن شینوذ ہیں۔

(۲) یحییٰ بن مبارک یزیدی جو ابی عمرو بن علاء کی روایت سے ٹپھتے ہیں اور ان کے دونوں راوی سلیمان بن حکم اور احمد بن فرخ ہیں۔

(۳) حسین بن ابوالحسن بصری فقیہ ہیں اور ان کے دونوں راوی شجاع بن ابی نصر بلخی اور نوری ہیں جو ابی عمرو بن علاء اور کسائی کی روایت کرتے ہیں۔

(۴) ائش سلیمان بن مہران ہیں اور ان کے دونوں راوی حسن بن سعید سطوی اور ابوالفرج شینوذی سطوی ہیں لیکن ان چاروں قراء کی قرأت نے تو اتر کا درجہ نہیں پایا اسی لئے یہ قرأت شاذ کہلاتی ہے۔ ان قراءتوں میں بجز ان چند باتوں کے اور کوئی اختلاف نہیں جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ کے کچھ ہوئے مضمون میں پایا جاتا ہے۔

اور یہ دور ابھی ختم نہیں ہوا تھا کہ قرأت علوم دینیہ کا ایک مستقل علم بن گیا چنانچہ علماء نے اس فن میں ایسی کتابیں لکھنا شروع کیں جن کا تعلق اس کی صحت و ادا اور روایت سے ہے۔

(۴) سنت کی تدوین | یہ دور ترویج سنت کا بہترین تھا کہ راویاں حدیث نے اس کی جمع و تدوین کی ضرورت کا خیال کیا اور تصنیف کے یہ معنی تھے کہ ایک ہی قسم کی احادیث کے بعض موضوع کو بعض موضوع میں ملا دیا جائے جیسے نماز کی احادیث اور روزہ کی احادیث اور حواس کے مثل ہوں، اور یہ خیال تمام اسلامی شہروں میں قریب قریب ایک ہی وقت میں پیدا ہوا حتیٰ کہ یہ پتہ نہ چل سکا کہ کس نے سب سے پہلے اس میں سبقت کی چنانچہ اس دور کے طبقہ اولیٰ کے مدونین میں مدینہ منورہ میں حضرت امام مالک بن انس اور مکہ مکرمہ میں حضرت عبدالعزیز بن جریر اور کوفہ میں حضرت سفیان ثوری اور بصرہ میں حضرات حماد بن سلمہ اور بصرہ میں سعید بن ابی عمرو اور واسط میں حضرت شیم بن بشیر اور شام میں حضرت عبدالرحمن اوزاعی اور یمن میں حضرت محمد بن راشد اور خراسان میں حضرت عبداللہ بن مبارک اور رے میں جریر بن عبدالحمید تھے اور یہ سلسلہ کے اوپر چند سالوں میں تھے اور ان کتابوں میں احادیث صحابہؓ اور تابعینؓ کے اقوال

سے ملی ہوئی تھی جیسا کہ ہم موطاً امام مالک رحمۃ اللہ علیہ میں پاتے ہیں۔

ان کے بعد دوسرے طبقہ نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث دوسروں کے اقوال سے جدا کر کے لکھیں اور اس کا آغاز ۲۰۰ھ کے شروع میں ہوا پھر مسانید تصنیف کی گئیں جیسے مسند عبد اللہ بن موسیٰ کوئی اور مسند مسدود بن مسرہ بصری اور مسند بن موسیٰ مصری اور نعیم بن حماد خزاعی اور اسحاق بن راہویہ اور عثمان بن ابی شیبہ اور امام احمد بن حنبل ان حضرات نے احادیث کو ان کے راویوں کے مسانید میں درج کیا۔ مثلاً مسند ابو بکر صدیقؓ تو اس میں وہ تمام روایات درج کر دیں گے جو آپ سے مروی ہیں پھر آپ کے بعد صحابہ کو یکے بعد دیگرے اسی ترتیب سے درج کریں گے لیکن ان مسانید میں اب صرف مسند امام احمد بن حنبل ہمارے پاس رہ گئی ہے۔

اس کے بعد اور ایک طبقہ پیدا ہوا جس نے اپنے سامنے اس بڑی اور عظیم الشان دولت کو پایا تو اس نے اپنے لئے انتخاب کا دروازہ کھول دیا اور اس طبقہ کے سرخیل دو جلیل القدر امام سنت کے شیخ ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری جعفی (جن کا انتقال ۲۵۶ھ میں ہوا) اور مسلم بن حجاج نیشاپوری تھے (جن کا ۲۶۱ھ میں انتقال ہوا) ان دونوں نے اپنی تصانیف کو روایات میں انتہائی وقت نظر اور انتخاب سے تصنیف کیا ہے کہ اس بارہ میں انتہائی درجہ تک پہنچ گئے اور بالکل ان کے نقش قدم پر ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ اور ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ سلمیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ اور ابو عبد اللہ محمد بن یزید قزوی المشہور بابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ اور ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب سنائی متوفی ۲۸۰ھ تھے اور ان کی کتابیں اہل حدیث کی زبان پر کتب صحاح ستہ کے نام سے مشہور ہیں جن کا سلمانوں کے نزدیک بہت بڑا درجہ ہے کیونکہ ان کے راوی نہایت مستند ہیں خصوصاً بخاری مسلم اور صرف انہی حضرات نے احادیث کی کتابیں نہیں تالیف کیں بلکہ ان کے علاوہ اور بہت سے لوگ اس راہ پر چلے ہیں لیکن ان لوگوں نے جو شہرت عظیمہ پائی ہے وہ اور کوئی نہ پاسکا۔

اس زمانہ کے لوگوں میں ایسے لوگ بھی تھے جن کی ہمتیں رواۃ حدیث تابعین کے اور ان کے بعد کے لوگوں کے حالات کی بحث میں صرف ہوئیں اور ان میں سے ہر شخص کی تعریف جس کا وہ مستحق تھا ضبط و اتقان دعوائت کی یا اس کے خلاف اوصاف بیان کر دیں اور ان لوگوں کو اصحاب جرے و تعویل کہا جاتا ہے کہ جن کو انھوں نے عادل قرار دیا ان کی روایت مقبول ہوئی اور جس کو انھوں نے مجروح قرار دیا اس کی روایت چھوڑ دی گئی اور کبھی اس حالت کے بیان میں اختلاف بھی ہو گیا کہ ہم بعض راویوں کو ایسے پاتے ہیں کہ اس کی عدالت ضبط اور اتقان پر عام لوگوں کا اتفاق ہے

انتہائی بلند درجہ ہے اور بعضوں نے اسی راوی کے ترک پر اتفاق کر لیا جو انتہائی کمترین درجہ ہے اور اس کے درمیان بھی موجات ہیں کہ بعض بعض سے کم ہیں اور بعض اسناد ایسی ہیں جیسے حکمتاً سورت حتیٰ کہ سننے والا اس کے صدق روایت کا یقین نہیں رکھتا اور بعض اس سے بھی کم۔

اس دور میں علم حدیث نے اس قدر ترقی کی کہ اب یہ ایک مستقل فن بن گیا اور بہت سے ایسے لوگ پیدا ہو گئے تھے جنہوں نے حدیث ہی کو اپنا اور حنا بچھونا بنا لیا تھا اگرچہ فقہ اور استنباط میں ان کو کچھ زیادہ کمال حاصل نہ تھا۔

(۵) مادۃ فقہ میں نزاع، ان اصول سے جن سے احکام کا استنباط ہوتا ہے احکام مرتب کرنے والوں میں اسی زمانہ میں سخت اختلاف پیدا ہو گیا اور یہاں ہم اس نزاع کی تفصیلی کیفیت بیان کرتے ہیں

(۱) احادیث میں نزاع، سابقہ دور اس حالت میں گزرا کہ احادیث ہی شریعت کی اصل بنیاد تھی کہ فتویٰ دینے والے جب قرآن مجید میں کوئی حکم نہ پاتے تو احادیث کی طرف رجوع کرتے لیکن زمانہ کی درازی اور رواۃ حدیث کی کثرت اور وضعی احادیث کی اشاعت نے اس میں بہت اختلاف پیدا کر دیا حتیٰ کہ جو احکام کا استنباط کرنا چاہتا اپنے سامنے ایسی گھائی پاتا جس کو عبور کرنا مشکل ہوتا سنت صحیحہ کی تحقیق میں قبل اس کے نصوص کے سمجھنے میں اور اس سے احکام کے استنباط کرنے میں مشغول ہو تو اس نے ان دو لفظوں میں نزاع کے ابواب سے ایک باب کو کھول دیا۔

(۲) کیا حدیث شریعت اسلامی کے اصول سے ایک ایسی اصل ہے جو قرآن کریم کو مکمل کرنے والی ہے؟

(۳) اگر ہم ایسا کہیں تو اس کے اعتماد کا کیا طریقہ ہے؟ پہلے نقطہ نظر سے تو ایک قوم نے احادیث کو مطلقاً چھوڑ دیا اور صرف قرآن کریم کو کافی قرار دیا اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے تو اپنی کتاب "ام" کے ساتویں جز میں ایک باب یہی باندھا کہ "باب اس جماعت کے اقوال کی حکایت جس نے احادیث کو بالکل رد کر دیا" اس میں ان کا قول بیان کیا انہی میں سے ایک آدمی کی زبان سے کہ اس نے اس سے کہا۔

"تم عربی ہو اور قرآن انہی کی زبان میں اترا جس میں تم ہو اور تم اس کے اچھے حافظ ہو اور اس کو اچھی طرح سمجھتے ہو اسی میں اللہ تعالیٰ کے فرائض ہیں کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے اتارا اگر کوئی شخص شک کرے کہ قرآن اس پر مشتبہ ہو گیا تو تم اس کو توبہ کراؤ گے اگر اس نے توبہ

کر لی تو بہتر ورنہ اس کو قتل کر دو اس لئے کہ اللہ عزوجل نے قرآن مجید میں فرمایا ہے تَبَيَّنَا نَا
يُكَلِّ شَيْئًا (ہر چیز کا اس میں بیان ہے) تو یہ بات کس اور کتے یا تیرے لئے کیسے جائز ہے
کہ کسی چیز کے بارے میں جس کو اللہ تعالیٰ نے فرض کیا ہے کبھی تو کہے کہ فرض عام ہے اور کبھی کہے کہ
فرض خاص ہے اور کبھی امر اس میں فرض ہے اور کبھی امر اس میں دلالت ہے اور اگر چاہے ذواہت
ہے اور اسی قسم کے اور بھی فرق ہیں۔

ایک حدیث ہے جس کو ایک شخص سے روایت کیا جاتا ہے وہ دوسرے سے دوسرے سے یا
دو حدیث یا تین حدیث حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دو اور میں نے تم کو اور اس کو جو
تمہارے طریقہ پر ہے اس طرح پایا ہے کہ جس سے تم ملاقات کرتے ہو اس کو بھول چوک اور غلطی
سے بری کرتے ہو حالانکہ تم نے اس کو صدق اور حفظ میں مقدم کیا ہے اور نہ میں نے کسی ایسے شخص
سے ملاقات کی جس سے تمہاری ملاقات ہوتی ہو کہ وہ غلطی کرے یا بھول کرے یا اپنی حدیث میں
خطا کرے بلکہ میں نے تم کو کئی لوگوں کے بارے میں یہ کہتے سنا ہے کہ فلاں نے فلاں حدیث
میں خطا کی اور فلاں نے فلاں حدیث میں اور میں نے تم کو یہ بھی کہتے سنا ہے کہ اگر کوئی
شخص کسی حدیث کی بابت جس کے ذریعہ تم نے کوئی چیز حلال یا حرام کی ہو کہے کہ یہ علم خاصہ
ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں کہا ہے بلکہ تم نے یا جس نے تم سے حدیث
بیان کی ہے اس نے خطا کی ہے اور تم نے جھوٹ کہا ہے یا جس نے تم سے حدیث بیان کی ہے
اس نے جھوٹ کہا ہے تو تم اس سے تو یہ نہیں کراتے اور اس سے زیادہ کچھ نہیں کہتے کہ
لو نے بہت برا کہا میں کہتا ہوں کہ کیا یہ جائز ہے کہ قرآن مجید کے احکام میں فرق کیا جائے
اور اس کا ظاہر ایک ہو اس کے نزدیک جس نے اس کو سنا اس کی خبر سے جس میں وہ وصف
ہو جو تم بیان کرتے ہو اور ان کی خبروں کو تم کتاب اللہ کا قائم مقام قرار دیتے ہو اور تم
اسی سے دیتے ہو اور اسی سے منع کرتے ہو۔

پھر کہا کہ جب تم نے یہ حجت قائم کر لی کہ تم ان کی خبروں کو قبول کر دو گے اور ان میں وہ
بات موجود ہے جو تم نے ان کی خبروں کو قبول کرنے کے بارے میں مقرر کی ہے تو تمہاری کیا
دلیل ہے اس کے بارے میں جو اس کو رد کر دے پھر کہا کہ میں اس سے کچھ بھی قبول نہ کروں گا
جس میں وہم کا امکان ہو اور نہ میں اس کو قبول کروں گا کہ مجھ سے اس بات کے بیان کروں
جس کی میں اللہ پر گواہی دوں جیسے کہ میں اس کی اس کتاب سے گواہی دوں جس میں کسی حرف

کے بارے میں شک ہو یا جائز ہو کہ کوئی چیز اس کے احاطہ کے قائم مقام ہو اور اس

سے نہ ہو۔

اس قول کی حکایت اور اس کی دلیل سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس کا کہنے والا ان اخبار کو رد کر رہا ہے جو علم کو مفید نہیں بوجہ جواز خطا و نسب ان کے اپنے راویوں پر اور وہ سنت کو اس حیثیت سے رد نہیں کر رہا ہے کہ وہ سنت ہے حتیٰ کہ اگر وہ بات اس طریق سے ثابت ہو جائے جو علم کے مفید ہو جیسے سنت متواترہ تو اس کو قبول کیا جائے گا لیکن اس نے اس مذہب پر رد کے درمیان اس بات کی صراحت کر دی کہ وہاں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جنہوں نے سنت کو اس حیثیت سے رد کر دیا کہ وہ سنت ہے اور کچھ لوگوں نے اس حیثیت سے سنت کو رد کیا ہے کہ وہ حکم قرآن کی تفصیل نہیں ہے چنانچہ کہا ہے کہ۔

اور اس میں لوگوں کے دو مذہب ہو گئے ہیں ایک فریق تو حدیث کو قبول ہی نہیں کرتا جب کہ کتاب اللہ میں تفصیلی حکم موجود ہو تو میں نے کہا کہ پھر اس کا نتیجہ کیا ہوگا کہ اس کو ایک بڑے معاملہ تک پہنچا دیا یعنی جس نے ایسا عمل کر لیا جس پر کم از کم نماز یا زکوٰۃ کا اطلاق کیا جاسکے تو اس نے اس فرض کو ادا کر دیا جو اس پر واجب تھا کہ اس کے لئے کسی وقت کے پابندی کی ضرورت نہیں اور اگر اس نے دن میں دو رکعت پڑھ لیں یا تمام عمر میں دو رکعت پڑھ لیں اور یہ کہدیا کہ کتاب اللہ میں جو چیز ہو وہ کسی پر فرض نہیں اور دوسرا فریق کہتا ہے کہ جس بارہ میں قرآن مجید کا حکم موجود ہے اس کے بارے میں حدیث قبول کی جائے گی تو یہ قول بھی اس قول کے قریب ہی ہو جو یہ کہتا ہے کہ جس کا حکم قرآن میں نہ ہو اس کے منعلق حدیث قبول نہیں تو اس کا نتیجہ بھی وہی ہوگا جو فریق اول کا ہے یا اس کے قریب اور اس پر یہ اعتراض ہوگا کہ اس نے حدیث کو رد کرنے کے بعد پھر اس کو قبول کر لیا اور یہ کہ وہ نہ نسخ و منسوخ کو مانتا ہے اور نہ خاص و عام کو اور یہ اس نے غلطی کی

اس کے بعد امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ان دونوں مذہبوں کی گمراہی کا طریقہ واضح ہے اور امام شافعیؒ نے اس شخص کی شخصیت نہیں بتائی جس کی یہ رائے ہے اور نہ تاریخ نے اس شخص کو ظاہر کیا الا انیکہ امام شافعیؒ نے اپنے اس مناظرہ میں جو آپ نے اصحابِ رائے کے ساتھ کیا تھا جس کی تفصیل آگے آئے گی تصریح کی ہے کہ یہ مذہب بصرہ کی طرف منسوب ہے اور بصرہ مرکز تھا حرکت علمیہ کلامیہ کا اور وہیں سے معتزلہ کے مذاہب پھوٹے جس میں ان کے بڑے بڑے معتزلہ مصنفین پیدا ہوئے

اور وہ اہل حدیث کے ساتھ جھگڑنے میں مشہور تھے ممکن ہے کہ یہ کہنے والا انہی میں سے ہو۔

اور مجھے اپنے اس گمان کی تائید اس بیان سے بھی ہوئی جو میں نے کتاب "موسومہ" تاویل مختلف الحدیث" مصنفہ حضرت ابی محمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ متوفی ۲۷۲ھ میں دیکھا جس کے شروع میں موصوف نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھ کو اپنی اطاعت کی سعادت عطا فرمائے اور تم پر اپنی حفاظت کا احاطہ کرے اور اپنی رحمت سے تم کو حق کی توفیق عطا فرمائے اور تم کو اس کا اہل بنائے کہ ان باتوں پر جن سے تم واقف ہو تفصیل سے لکھا ہے کہ اہل کلام اہل حدیث پر کیا عیب لگاتے ہیں اور ان کی ذلت کرتے ہیں اور اپنی کتابوں میں ان کی مذمت اور مجبور بیان کرتے ہیں ان پر جھوٹ اور ایسے متناقض روایتوں کے بیان کرنے کا الزام لگاتے ہیں جس سے اختلافات پیدا ہوئے اور کثرت سے مذاہب پیدا ہو گئے اور جماعتیں ٹکڑے ٹکڑے ہو گئیں اور مسلمانوں کے آپس میں دشمنیاں پڑ گئیں ایک نے دوسرے کو کافر قرار دیا اور ہر فرقہ نے اپنے مذہب کے لئے ایک عین حدیث سے تائید حاصل کر لی اس کے بعد مختلف فرقے جن حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں کہ بعض احادیث بعض کی مخالفت کرتے ہیں تفصیل سے بیان کیا اور اس کے بعد اہل سنت کے خلاف سخت اعتراضات ایسی بلینج عبارات میں جو دلوں پر اثر کریں نظام اور جاخط بلینج مشکلمین کی طرف سے بیان کئے ہیں پھر دوسرے باب میں مشکلمین پر اپنا اعتراض لکھا ہے اور ان پر یہ الزام لگایا ہے کہ وہی زیادہ اختلاف کا باعث بن رہے ہیں باوجودیکہ وہ دعویٰ کرتے ہیں معرفت قیاس اور غور و فکر کے اسباب ہمیا کرنے کا چنانچہ ابو الہذیل علاف نظام کی مخالفت کرتا ہے اور بخاران دونوں کی مخالفت کرتا ہے اور ہشام بن حکم ان سب کی مخالفت کرتا ہے اور اسی طرح ثامہ بن اشرس ان سب کی غرض ان میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جس کا خود مستقل مذہب نہ ہو کہ اس نے اپنی رائے سے قائم کر لیا ہو اور ہر ایک کے مذہب کے چند متبع بھی ہیں پھر نظام کی نہایت قبیح قول سے توصیف بیان کی اور خود اس کے اصحاب لے اس پر جو عیب لگائے اس کی صراحت کی اور اس کے وہ مسائل فقہیہ بیان کئے جس میں اس نے اجماع کی مخالفت کی مثلاً اس کا یہ قول کہ الفاظ کنایات سے طلاق واقع نہیں ہوئی اگرچہ اس نے نیت بھی کی ہو اور یہ کہ نیند کسی حالت میں بھی ناقض وضو نہیں ہے اور نظام نے فقہاء صحابہ جیسے بڑے مفتیوں پر جو الزام لگایا ہے اس کا ذکر کیا پھر ابو الہذیل کا ذکر کیا اور اس کا بھی اسی طرح برائی کے ساتھ تذکرہ کیا تو اسی طرح عبید اللہ بن حسن قاضی بصرہ کی جس کا یہ قول ہے کہ ہر مجتہد صاحب الایمان ہے حتیٰ کہ اصول میں بھی اس کی صحت قائم رہتی ہے۔

اس کے بعد اصحاب رائے کا ذکر کیا اور ان کے عیوب بیان کئے اور ابتدا امام ابوحنیفہؒ سے کی ہے اور ان کے وہ مسائل ذکر کئے جس میں انھوں نے نصوص کی مخالفت کی ہے۔ پھر جاحظ کے بارے میں بحث کی ہے اور اس نے جواب اہل سنت کی تنقیص کی ہے اور ان کے روایات کی جو منہی اڑائی ہے اس کا ذکر کیا ہے پھر حضرات اہل حدیث کا ذکر کیا اور ان کے وہ اوصاف بیان کئے ہیں جن سے مسلمان اچھی صفت کے ساتھ موصوف ہو سکتے ہیں۔

بعض طعن کرنے والے ان پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ وہ ضعیف روایتیں بیان کرتے ہیں اور غریب روایتیں تلاش کر کے لاتے ہیں حالانکہ غریب میں علت ہوتی ہے لیکن چونکہ وہ لوگ ضعیف اور غریب کو حق سمجھتے تھے اس لئے اس کی روایت نہیں کی بلکہ انھوں نے نیک و بد اور صحیح و سقیم سب کو اس لئے جمع کر دیا تاکہ وہ ان کے درمیان فرق کریں اور ان کا پتہ لگائیں چنانچہ ایسا ہی کیا۔ پھر اس کے بعد ان مقاصد کا ذکر کیا جس کے لئے کتاب لکھی گئی ہے یعنی ان احادیث کی طرف سے جواب دینا جس کے متعلق متکلمین نے دعویٰ کیا ہے کہ وہ آپس میں متناقض ہیں یا یہ کہ وہ قرآن مجید کے مناقض ہیں اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جس زمانہ میں امام شافعیؒ نے یہ رسالہ لکھا ہے یا اس کے تھوڑا عرصہ پہلے متکلمین کا اہل سنت پر بڑے بڑے حملے کئے اور چونکہ اکثر متکلمین بصرہ میں تھے تو یہ بات یقینی معلوم ہوتی ہے کہ جس نے امام شافعیؒ سے مناظرہ کیا تھا وہ انہی میں سے ہوگا۔

یہ رائے اصحاب حدیث کی قوت سے ٹکرا کر چھپ گئی اور احادیث پر اعتماد کا مذہب غالب ہوا اس صفت کی بناء پر کہ وہ قرآن مجید کے بعد اصول شریعت اسلامیہ کی ایک اصل ہے لیکن اس مذہب کے ماننے والے اس طریقہ کے بارے میں مختلف رائے ہو گئے جس کی بناء پر احادیث پر اعتماد کیا جاسکتا چنانچہ بعض لوگوں نے خبر خاص کو رد کر دیا جس کو فقہاء کی زبان میں خبر واحد کہا جاتا ہے جو علم کو فائدہ نہیں پہنچاتی۔

چنانچہ امام شافعیؒ نے اس شخص کی زبان سے جو اس رائے کی طرف سے مدافعت کرتے ہیں یوں بیان کیا ہے۔

”حکام اور مفتیوں میں سے کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ فتویٰ دے یا حکم کرے مگر احاطہ کی حیثیت سے اور احاطہ کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ وہ جانے کہ ظاہر و باطن میں حق ہے اور اس سے اللہ پر گواہی دے سکے اور یہ قرآن مجید و احادیث ہیں جن پر اتفاق ہے اور یا ہر وہ

چیز جس پر لوگ اتفاق کر لیں اور اس میں مختلف نہیں ہیں تو حکم سب کا ایک ہے ہم پر یہ لازم ہے کہ ہم ان میں سے بجز ان باتوں کے جس کو ہم نے بیان کر دیا اور کچھ قبول نہ کریں مثلاً ظہر کی چار رکعتیں ہیں اس میں نہ نزاع ہے نہ کوئی مسلمان اس کی مخالفت کرتا ہے اور کسی کو اس میں شک کی گنجائش بھی نہیں۔

اس کے بعد انھوں نے اپنی غرض بیان کی کہ وہ علم جس کا اتباع واجب ہے اس کی چند اقسام ہیں۔ (۱) جس کو عوام نے عوام سے نقل کیا ہو جس سے اللہ و رسول پر گواہی دی جاسکے مثلاً جملہ فرائض (۲) کتاب جس میں تاویل کا احتمال ہو اور اسی وجہ سے اس میں اختلاف ہو سکتا ہو اور جب اس میں اختلاف ہو تو ظاہر ہر عمل ہوگا اور اس کی عام باتیں ابداً باطن کی طرف نہ پھیری جائیں گی اگرچہ اس کا احتمال ہو البتہ لوگوں کے اس پر اجماع سے پھیری جاسکتی ہیں لیکن اگر اس میں وہ اختلاف کر جائیں تو ظاہری معنی ہی مراد ہوں گے۔

(۳) جس پر مسلمانوں کا اتفاق ہو چکا اور اپنے سے پہلے کے لوگوں کا اس پر اجماع بھی بیان کیا ہو اگرچہ یہ ایسا کتاب و سنت سے نہیں کہتے میرے نزدیک یہ متفق علیہ حدیث کے قائم مقام ہے اس لئے کہ اتفاق رائے پر نہیں ہو سکتا رائے میں اختلاف ہو کر رہتا ہے۔

(۴) خبر خاص سے حجت اس وقت تک نہیں لی جاسکتی جب تک کہ اس کی نقل ایسے طریقہ پر واقع ہو کہ جس میں خطا کا امکان نہ ہو تو سنت کے متعلق اس رائے کا حاصل یہ ہے کہ اس سے دلیل اسی وقت پکڑی جاسکتی ہے جبکہ وہ متواتر ہو کہ اس کو عوام عوام سے نقل کریں حتیٰ کہ وہ خطا سے پاک ہو لیکن پہلی رائے کی طرح جمہور اسلام نے اس رائے کو بھی ترک کر دیا ہے اور بعض لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث اس وقت تک قبول نہیں کی جاسکتی جب تک کہ عوام عوام سے نہ نقل کریں یا شہروں کے فقہاء اس پر عمل کرنے پر متفق نہ ہو جائیں اور سابقہ وجہ پر ایک تیسری وجہ کا اضافہ کیا اور کہا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی ایک صحابی کسی فیصلہ کی روایت کرے کہ آپ نے ایسا فیصلہ کیا ہے اور کسی صحابی نے اس روایت کی مخالفت نہیں کی تو اس سے ہم دو باتوں کی دلیل لیں گے ایک تو یہ کہ اس نے اس حدیث کو جماعت صحابہ میں بیان کیا اور دوسرا یہ کہ اگر انھوں نے اس پر رد نہیں کیا کسی ایسی جو اس کی مخالف ہو تو سمجھا جائے گا کہ وہ اس حدیث کو جانتے تھے گویا اس صحابی نے ان کو اس حدیث کی خبر دی تو یہ خبر ان کے عوام کی طرف سے ہوئی

اور یہی طریقہ ہے جس کی طرف فقہاء عراق مثلاً امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب کا میلان واقع ہوا اور اسی مطلب کو امام ابو یوسفؒ نے سوار اور پیادہ کے حصہ کے باب میں اپنی اس کتاب میں جس کو سیرالازاعی (نامی کتاب) کی تنقید میں لکھا ہے بیان کیا ہے۔ اور اس کو امام شافعیؒ نے (اپنی کتاب) ام میں بیان کیا ہے چنانچہ لکھا ہے کہ تم کو وہ احادیث اختیار کرنی چاہئیں جس کو عوام جانتے ہیں اور شاذ (نادر) احادیث سے بچو کیونکہ ہم کو ابن ابی کریمہ نے حضرت ابی جعفرؒ سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کو بلوایا انھوں نے آپ سے گفتگو کی حتیٰ کہ عیسیٰؑ کے بارے میں جھوٹ بیان کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر چڑھے اور اپنے لوگوں کے سامنے تقریر فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ میری طرف سے عنقریب احادیث خوب خوب بیان کی جائیں گی تو مجھ سے جو احادیث ایسی بیان ہوں جو قرآن مجید کے مطابق ہوں تو وہ تو میری طرف سے سمجھو اور جو میری طرف سے ایسی احادیث بیان ہوں جو قرآن مجید کے خلاف ہوں تو وہ میری نہ ہوں گی اور حضرات مسعر بن کدام اور حسن بن عمارہ رحمہم اللہ نے حضرت عمرو بن مرہ سے انھوں نے حضرت بختری سے انھوں نے حضرت علی بن ابی طالب سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جب تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مل جائے تو سمجھ لو کہ وہی چیز زیادہ ہدایت والی اور زیادہ تقویٰ والی اور زیادہ حیات والی ہے اشعث بن سوار اور اسماعیل بن ابی خالد حضرت شعبی سے وہ حضرت قرقطہ بن کعب انصاریؒ سے روایت کرتے ہیں کہ میں انصار کی ایک جماعت میں کوثر آیا تو حضرت عمر بن الخطابؓ پیدل ہماری مشایعت کرتے ہوئے ایک مقام تک آئے (جس کا انھوں نے نام بھی بتایا) پھر آپ نے فرمایا کہ اے جماعت انصار کیا تم جانتے ہو کہ میں نے کیوں تمہاری مشایعت کی تو انھوں نے کہا کہ ہاں ہمارے اعزاز کا خیال کرتے ہوئے اس پر فرمایا کہ ہاں تمہارا اعزاز بھی تھا اور اس لئے بھی کہ تم ایک ایسی قوم کے پاس آؤ گے کہ وہ قرآن مجید ایسے پڑھتے ہو گے جیسے شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ ان کے سامنے تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت کم بیان کرنا اور مجھے تم اپنا شریک سمجھو اس پر قرقطہؒ نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث ہرگز بیان نہ کروں گا۔

ہم کو جہاں تک خبر ملی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مجز و شاہدوں کے قبول نہ کرتے تھے اور اگر کتاب طویل نہ ہو جاتی تو میں تمہارے لئے حدیث کی سند بیان کرتا اور حضرت علیؓ بن ابی طالب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث قبول کی

نہیں کرتے تھے اور روایت بہت زیادہ بڑھتی جاتی ہے اور اس سے نامعلوم باتیں بھی نکلتی ہیں اور نہ اس کو اہل فقہ جانتے ہیں اور نہ وہ کتاب و سنت کے موافق ہیں لہذا نادر و شاذ احادیث سے بچو اور ان احادیث کو اختیار کرو جس کو عام مسلمان جانتے ہیں اور جس کو فقہاء جانتے ہوں اور تمام اشیاء کا اسی پر قیاس کرو تو جو حدیث قرآن مجید کی مخالفت کرے تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نہیں ہے اگرچہ روایت سے ثابت ہوتی ہو، ہم سے ایک ثقہ راوی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث بیان کی ہے کہ آپ نے مرض الموت میں فرمایا کہ میں اسی کو حرام کرتا ہوں جس کو قرآن نے حرام کیا ہے۔ خدا کی قسم مجھ پر کوئی بات نہ رکھیں۔ میں تو قرآن مجید اور مشہور احادیث کو امام اور رہنما بناتا ہوں اور اسی کا اتباع کرتا ہوں اور اسی پر ان باتوں کا قیاس کرو جو تم کو پیش آئیں اور قرآن و سنت میں موجود نہ ہوں، لیکن امام شافعیؒ نے اس رائے پر اعتراض کیا ہے اور اس کو رد کیا ہے اور جمہور اہل حدیث اس کے خلاف ہیں۔

اس سلسلہ میں ایک تیسری رائے اور ہے جس پر امام مالکؒ اور ان کے اصحاب چلتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ سنت دو طریقوں سے ثابت ہوتی ہے ایک تو یہ کہ اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ائمہ وہی کہیں جو اس کے موافق ہو اور اسی کی نسبت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ہمارا اسی پر عمل ہے (دوسرے یہ کہ لوگوں کو اس میں اختلاف کرنے نہ پائیں) اور یہ وہی ہے جس کے بارہ میں امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اسی کو ہم متفق علیہ قرار دیتے ہیں) اور اگر ہم اس بارہ میں ائمہؒ کا قول نہ پائیں اور لوگوں کو اس میں اختلاف کرتے پائیں تو اس کو رد کر دیں گے۔ ان کے نزدیک حدیث کی تحقیق کا یہ قاعدہ ہے کہ جس پر اہل مدینہ کا عمل ہے اور وہ اس پر متفق ہوں اور امام مالکؒ نے اہل مدینہ منورہ کے عمل کو اور ان کے فقہاء کے اتفاق کو بڑی اہمیت دی ہے کہ سابقہ دونوں اعتبار پر ایک وسیلہ حدیث پر اعتبار کا زیادہ کر دیا اور امام شافعیؒ نے اس مذہب کی تنقید میں اس کی اصل اور تطبیق دونوں پر تنقید کی ہے، میں چاہتا ہوں کہ یہاں ایک خط کی نقل کر دوں جس کو اس زمانہ کے سید فقہاء۔ بلکہ علم و اخلاق کے حاکم سے جمیع بلاد کے فقہاء کے سردار یعنی حضرت لیثؒ بن سعیدؒ فقیہ مصر نے اپنے بھائی حضرت مالکؒ بن انس کو لکھا تھا جس میں ان کے مذہب پر اہل مدینہ گئے عمل پر اعتماد کرنے کی وجہ سے جو اعتراضات ہوتے ہیں اس کو وضاحت سے لکھا ہے اور یہ خط دراصل اس خط کا جواب ہے جو ان کو حضرت امام مالکؒ نے لکھا تھا لیکن ہم کو یہ خط نہ ملا البتہ اس کا جواب حضرت ابی عبد اللہ محمدؒ

بن ابوبکر المعروف بابن قیم الجوزیہ کی کتاب اعلام الموقعین میں ملا جو حضرت ابو یوسف یعقوب بن سفیان قسوی کی کتاب تاریخ و معرفت سے نقل کیا گیا ہے چنانچہ حضرت لیث قرطبی نے فرماتے ہیں۔

آپ پر سلام ہو۔ میں تمہاری طرف اس اللہ کی حمد کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں اباعد اللہ تعالیٰ تمکو اور سبکو عافیت دے اور دنیا و آخرت میں ہماری عاقبت کو بہتر بنائے مجھے تمہارا خط ملا جس میں تم نے اپنا اصلاح حال لکھا ہے جس سے مجھے خوشی ہوئی یہ تمہارے لئے اللہ تعالیٰ دائم کرے اللہ اس کی مدد پر شکر کرتے ہوئے پورا کرے اور اس کے احسان میں زیادتی کرے اور تم نے جو فرمایا ہے کہ تم نے ان خطوں کو دیکھا جو میں نے تم کو بھیجا اور ان کو اپنے پاس محفوظ رکھا ہے اور اس پر اپنی مہر لگاتی ہے اور ہمارے پاس تمہارے خطوط پہنچے تو اللہ تعالیٰ تم کو جزا خیر دے اس بات کی جو تم نے اس خطوط کے ساتھ کیا تو تمہارے خطوط کے متعلق میں نے بھی یہی پسند رکھا کہ اس کی اس حقیقت تک پہنچوں جو اس میں تمہاری نظر کے مطابق ہوں اور تم نے یہ بھی لکھا ہے کہ جو خطوط میں نے تم کو لکھے ہیں اس سے تم کو نشاط پیدا ہوا اس امر کی درستگی کے لئے جو تمہارے متعلق مجھے معلوم ہوئی تھی جس پر میں نے نصیحت کی ابتدا کی تھی اور مجھے امید ہے کہ اس کا میرے پاس کوئی مقام ہوا ورنہ یہ کہ اس بات سے تم کو کسی نے نہیں روکا تھا مگر یہ کہ تمہاری رائے ہمارے بارے میں ابھی تھی مگر میں نے تم سے اب جیسے مذاکرہ کر رہا ہوں کبھی نہیں کیا تھا اور یہ کہ تم کو خبر ملی ہے کہ میں لوگوں کو ایسے فتویٰ دے رہا ہوں جو اجماع کے مخالف ہیں اور مجھ کو اپنے نفس کا خوف ہے بوجہ اس اعتماد کے جو مجھ پر پہلے سے لوگ کرتے ہیں یہ اس وجہ سے تھا جو میں انکو فتویٰ دیتا تھا اور یہ کہ لوگ اہل مدینہ کے تابع ہیں جہاں ہجرت واقع ہوئی اور وہیں قرآن مجید نازل ہوا اور جو کچھ تم نے اس کے متعلق اپنی رائے لکھی وہ انشاء اللہ ٹھیک ہوگی اور تم جو بات چاہتے ہو وہی واقع ہوگی اور میں کسی ایسے شخص کو جس کی طرف علم کی نسبت ہوگی مجھ سے زیادہ شاذ فتاویٰ کو برا سمجھتا ہوگا اور نہ گذشتہ علماء مدینہ کی فضیلت بیان کرنے میں مجھ سے زیادہ ہوگا اور نہ ان کے متفقہ فتاویٰ کو مجھ سے زیادہ قبول کرنا ہوگا اور اس پر اللہ کی تعریف ہے جو رب العالمین ہے اللہ جس کا کوئی شریک نہیں لیکن آپ نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ منورہ میں قیام تھا اور وہاں آپ پر صحابہ کے سامنے قرآن مجید کا نزول ہوا اور ان باتوں کا ان کو علم ہوا جو اللہ تعالیٰ نے

ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ تعلیم دی اور یہ کہ لوگ اس بارہ میں ان کے مانع ہوئے تو واقعی ایسا ہی ہے جیسا کہ تم نے بیان کیا لیکن یہ جو تم نے ذکر کیا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ -

والسابقون الاولون من المهاجرين
والانصار والذين اتبعوهم باحسان
رضی اللہ عنہم ورضوانہ و
اعدائہم جنات تحتہم الا نہار
خالدين فیہا ابدًا ذلک الفوز
العظیم -

اور جو مهاجرین اور انصار (ایمان لانے میں سب سے سابق اور مقدم ہیں اور بقیہ امت میں) جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں اللہ ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اس (اللہ) سے راضی ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ایسے باغ ہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں

جاری ہوں گی جن میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے (اور) یہ بڑی کامیابی ہے۔

تو ان سابقین اولین میں سے بہت سے توجہ دانی سبیل اللہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی مرضی حاصل کرنے نکلے اور فوج در فوج جمع ہوئے اور لوگ ان کے پاس جمع ہوئے ان کے سامنے اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت ظاہر کی اور انھوں نے اس میں سے کچھ نہیں چھپا یا جو وہ جانتے تھے اور ان کے ہر شکر میں ایک جماعت ہوتی تھی جو اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت سکھاتے تھے اور اپنی رستے سے ان معاملات میں اجتہاد کیا کرتے تھے اور اس بات میں ان پر ابتدا حضرت ابو بکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم نے کی تھی جن کو مسلمانوں نے اپنے لئے منتخب کیا تھا اور یہ تینوں نہ مسلمانوں کی فوجوں کو صلح کرنے والے تھے اور نہ ان سے غافل تھے بلکہ ہر ایک چھوٹے سے چھوٹے معاملہ میں ان کو اقامت دین کے لئے اور اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت میں اختلاف سے ڈرا یا کرتے تھے تو انھوں نے کوئی ایسا معاملہ نہ چھوڑا جس کی قرآن نے تفسیر کی ہو یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر عمل کیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اس کا مشورہ کیا ہو مگر یہ کہ ان کو انھوں نے سب کچھ بتا دیا جب کوئی موقع آیا تو اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مصر و شام و عراق میں حضرات ابو بکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں عمل کیا حتیٰ کہ انھوں نے وفات پائی اس کے سوا انھوں نے کوئی حکم نہیں دیا تو مسلمانوں کی فوجوں کو یہ جائز نہیں کہ آج ایسی بات پیدا کریں جس کو ان کے سلف

اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے تابعین نے نہ کیا باوجودیکہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد میں فتاویٰ کی بہت سی باتوں میں اختلاف کیا ہے اور اگر مجھے اس کا علم نہ ہوتا کہ تم ان اختلافات کو جانتے ہو تو میں تم کو وہ تفصیل سے لکھتا، پھر اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تابعین نے بہت سی باتوں میں اختلاف کیا چنانچہ حضرت سعید بن المسیب اور ان کے مثل لوگوں نے سخت اختلاف کیا پھر جو لوگ ان کے بعد ہوئے انھوں نے اختلاف کیا چنانچہ میں ان کے پاس مدینہ منورہ وغیرہ مقامات میں حاضر ہوا اور اس وقت ان کے سرکردہ حضرات ابن شہاب و ربیعہ بن ابی عبد اللہ رحمہم اللہ تھے اور حضرت ربیعہ کو بعض گزشتہ باتوں کے متعلق جو اختلاف تھا وہ تم جانتے ہو اور میں حاضر ہوا اور ان کے بارے میں تمہارا اور اہل مدینہ کے اصحاب لڑائے مثلاً حضرات یحییٰ بن سعید و عبید اللہ بن عمر اور کثیر بن فرقہ وغیرہ رحمہم اللہ کے اقوال سننے جو ان سے زیادہ عمر رسیدہ تھے حتیٰ کہ اس کراہت کی وجہ سے آپ ان کی مجلس چھوڑنے پر مجبور ہو گئے اور آپ اور عبدالعزیز بن عبداللہ سے میں نے مذاکرہ کیا اور جو اعتراض میں نے ربیعہ پر کیا تھا تم نے اس پر میری موافقت کی تھی کہ تم بھی ان کی وہ باتیں بری سمجھتے تھے جن کو میں ان کے حق میں بری سمجھتا تھا باوجودیکہ ربیعہ کے پاس خیر کثیر اور راسخ عقل اور بلیغ زبان اور ظاہری فضیلت اور اسلام میں اچھا طریقہ اور اپنے عوام اور براءہ ان اسلام کے لئے سچی محبت اور ہمارے لئے خاص طور پر محبت صادقہ تھی اللہ تعالیٰ ان پر رحمت کرے اور ان کو بخشیدے اور ان کو ان کے اعمال کی بھی جزا دے اور ہم جب حضرت ابن شہاب سے ملتے تو بہت اختلاف ہوتا تھا اور جب ہم میں سے کوئی ان کو لکھتا تھا تو بلا اوقات وہ ایک معاملہ کے بارہ میں اپنی صاحب رائے اور علم کی بنا پر تین طریقوں سے لکھتے تھے جو ہر ایک دوسرے کے مخالف ہوتا تھا اور وہ یہ محسوس نہ کرتے تھے کہ انھوں نے اس بارہ میں پہلے کیا رکھے تھے اور یہی وجہ تھی کہ میں نے ان کو چھوڑ دیا جس پر تم نے مجھ پر اعتراض بھی کیا اور تم کو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ میں نے کس مسئلہ کی وجہ سے انکار کیا وہ یہ کہ مسلمانوں کی چھادنیوں میں کوئی شخص بارش کی رات دو نمازوں کو جمع کرے اور ملک شام کی بارش تو مدینہ منورہ کی بارش سے زیادہ ہوتی ہے جس کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ ان کے کسی امام نے بارش کی رات

میں نمازوں کو جمع نہیں کیا جن میں حضرات ابو عبیدہ بن الجراح اور خالد بن ولید اور
 یزید بن ابی سفیان و عمرو بن العاص اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم موجود تھے اور ہم کو
 خبر ملی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حلال و حرام کو تم میں سب سے
 زیادہ جانتے والے معاذ بن جبل ہیں اور معاذ قیامت کے دن علماء سے ایک قدم آگے
 رہیں گے، اسی طرح حضرات شرجیل بن حسنہ اور ابو الدرداء اور بلال بن رباح رضی
 اللہ عنہم بھی تھے اور مصر میں حضرت ابو ذر غفاری اور حضرات زبیر بن العوام اور سعد بن ابی
 وقاص رضی اللہ عنہما تھے اور حمص میں ستر اہل بدر صحابی اور تمام مسلمانوں کی چھاؤنیوں
 میں تھے اور عراق میں حضرات ابن مسعود اور حذیفہ بن الیمان اور عمران بن حصین رضی
 اللہ عنہم تھے اور خود امیر المومنین علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کئی سال وہاں مقیم
 رہے جن کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کافی اصحاب تھے کہ انھوں نے
 کبھی مغرب و عشاء کو جمع نہیں کیا، اور ابن شہاب کے انہی مسائل میں ایک شخص کی گواہی
 اور صاحب حق کی قسم پر فیصلہ کرنا ہے اور ہم کو معلوم ہے کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم نے ایسا فیصلہ نہ تو شام و حمص و مصر و عراق میں کیا اور نہ خلفاء راشدین
 حضرات ابو بکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم نے کیا پھر حضرت عمر بن عبد العزیز
 خلیفہ ہوئے اور جیسا کہ ہم کو معلوم ہے کہ وہ احیاء سنن میں اور اقامت دین کی کوشش
 میں اور اصابت رائے میں اور علم میں کس مقام بلند پر تھے اور کس طرح سلف کے طریقہ
 پر کار بند تھے تو ان کو حضرت رزیق بن حکم نے کھاکہ تم مدینہ منورہ میں ایک شخص کی
 گواہی اور صاحب حق کی قسم پر فیصلہ کرتے تھے تو انھوں نے اس کا جواب دیا کہ ہم مدینہ
 منورہ میں ایسا ہی کیا کرتے تھے لیکن جب اہل شام کو اس کے خلاف فیصلہ کرتے
 دیکھا تو اب ہم دو عادل مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی کے بغیر فیصلہ نہیں کرتے
 اور انھوں نے کبھی کبھی بارش کی رات میں مغرب اور عشاء میں جمع نہیں کیا حالانکہ
 بارش ان کے مکان پر ہوا کرتی تھی جو خاصہ میں تھا۔

اور انہی مسائل میں سے ایک مسئلہ یہ بھی تھا کہ اہل مدینہ عورتوں کے ہر کے بارہ
 میں فیصلہ کرتے تھے کہ وہ جب چاہے اپنے مہر بوجہل کا مطالبہ کر لے تو اس کو فوراً
 دیا جائے اور اہل عراق نے اس بارہ میں اہل مدینہ کی موافقت کر لی تھی بلکہ اہل شام

و مصر نے بھی لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے کسی نے اور نہ ان کے بعد کسی نے کسی عورت کو اس کا مہر مؤجل بجز موت یا طلاق سے تفریق کے دلوانے کا فیصلہ نہیں کیا کہ وہ اپنے حق کا مطالبہ کر سکے۔

اور انہی مسائل میں سے ایک مسئلہ ایلاہ کا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ طلاق ہو ہی نہیں سکتی جب تک کہ مرد اس کی حد مقرر کر دے اگر چار مہینے گزر جائیں اور مجھ سے حضرت نافعؓ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے اور وہی مہینوں کے گزرنے کے بعد حد بندی کے راوی ہیں کہ ایلاہ جس کا ذکر اللہ عزوجل نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے اس کے مطابق ایلاہ کرنے والے کو یہ جائز نہیں کہ جب مدت ختم ہو جائے تو بجز اس کے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے یا تو رجوع کرے یا طلاق دیدے اور تم کہتے ہو کہ اگر وہ ان چار مہینے کے بعد جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اگر وہ پھیر گیا اور تحدید نہیں کی تو اس پر طلاق واقع نہ ہوگی اور ہم کو یہ بات پہنچی ہے کہ حضرات عثمان بن عفان اور زید بن ثابت اور قبیصہ بن ذویب اور ابوسلمہ بن عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہم نے ایلاہ کے بارے میں کہا ہے کہ اگر چار مہینے گزر جائیں تو اس پر طلاق بائن پڑ جائے گی اور حضرات سعید بن المسیب اور ابوبکر بن عبدالرحمن بن حارث بن ہشام اور ابن شہاب رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ جب چار مہینے گزر جائیں تو اس پر ایک طلاق واقع ہوگی اور عدت میں اس سے رجوع کیا جاسکتا ہے۔

اور انہی مسائل میں سے ایک مسئلہ یہ ہے کہ حضرت زید بن ثابتؓ کہتے ہیں کہ جب مرد اپنی عورت کو اختیار دیدے کہ یا شوہر کے پاس رہے یا اپنے کو طلاق دیدے تو اگر اس نے شوہر کے پاس رہنا اختیار کیا تو بھی اس پر ایک طلاق واقع ہو جائیگی اور اگر اس نے اپنے کو تین طلاق دیدیں تو بھی ایک طلاق واقع ہوگی۔ اور عبدالملک بن مروان نے یہی فیصلہ کیا تھا اور حضرت ربیعہؓ بن عبدالرحمن بھی یہی کہا کرتے تھے اور لوگ اس بات پر متفق تھے کہ اگر اس نے اپنے شوہر کو اختیار کر لیا تو اس پر طلاق واقع نہ ہوگی اور اگر اس نے اپنے لئے ایک یا دو طلاق اختیار کر لیں تو اس میں رجعت کا حق ہے اور اگر اس نے اپنے نفس کو تین طلاق دیدی تو اس سے جدا ہوگئی اور اس وقت تک اس کے لئے وہ حلال نہ ہوگی جب تک کہ وہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ

کرے اور اس سے جل بھی کرے پھر اس کو طلاق دے یا مرجائے الا انیکہ وہ شوہر
اسی مجلس میں اس پر مدکر دے اور کہدے کہ میں نے تجھے ایک طلاق کا مالک بنایا تھا
اور اس پر قسم کھائے اور اس کے اور اس کی عورت کے درمیان چھوڑ دیا جائے گا۔

اور انہی مسائل میں سے ایک مسئلہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ
جس شخص نے لونڈی کا نکاح کر دیا پھر اس کے شوہر نے اس کو خرید لیا تو اس شوہر کا
اس لونڈی کو خرید لینا تین طلاق ہو گئیں اور حضرت ربیعہؓ بھی یہی کہتے تھے اور اگر کسی
آنا و عورت نے کسی غلام سے نکاح کر لیا پھر اس کو خرید لیا تو بھی یہی مسئلہ ہے اور ہم کو
تمہارے فتاویٰ کی خبر ملی ہے کہ جو ناپسندیدہ ہیں اور میں نے بعض کے متعلق تم کو لکھا
بھی تھا لیکن تمہارا جواب نہیں آیا تو مجھے خوف ہوا کہ شاید تم پر یہ بار گراں بن گیا ہو تو میں
جن امور کو ناپسند کرتا ہوں اس کے بارہ میں تم کو نکھتا چھوڑ دیا اور ان امور کے بارہ میں
بھی جن پر میں نے تمہاری رایوں پر اعتراض کیا ہو جن میں سے یہ بھی ہے کہ مجھے معلوم ہوا ہے
کہ آپ نے حضرت افر بن عاصم ہلالی کو جبکہ انھوں نے نماز استسقاء پڑھنے کا ارادہ کیا
اور یہ حکم دیا کہ خطبہ کے پہلے نماز پڑھیں تو یہ بات مجھے بری معلوم ہوئی اس لئے کہ نماز
استسقاء کا خطبہ جمعہ کے دن کے خطبہ کے مثل ہے الا انیکہ جب امام خطبہ سے فراغت
پانے کے قریب ہو تو دعا کرے اور اپنی چادر کو پلٹ دے پھر اتر کر نماز پڑھائے اور حضرت
عمر بن عبدالعزیز اور ابو بکر محمد بن عمرو بن حزم وغیرہما رحمہما اللہ نے ایسا ہی کیا ہے کہ ان میں
سے ہر ایک دعا اور خطبہ کو نماز پر مقدم رکھتے تھے اس لئے لوگوں نے زفر بن عاصم کے
اس فعل کو ناپسند کیا اور تعجب سے دیکھا۔

اور انہی مسائل میں سے ایک یہ ہے کہ مجھے خبر ملی ہے کہ آپ نے کہا ہے کہ اگر کسی
مال میں دو شخص شریک ہوں تو ان دونوں پر صدقہ اس وقت تک واجب نہ ہوگا جب
جب تک کہ ان میں سے ہر ایک کے حصہ میں اس قدر مال نہ ہو کہ جس پر صدقہ واجب
ہو والا نکہ حضرت عمر بن الخطاب کے خط میں ہے کہ دونوں پر صدقہ واجب ہے اور
دونوں برابر حصوں میں تقسیم کیا جائے گا اور تمہارے پہلے حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز وغیرہ
کے زمانہ میں اسی پر عمل تھا اور اس کی روایت حضرت یحییٰ بن سعید نے کی ہے جو
اپنے زمانہ کے افاضل علماء سے کمتر تھے اللہ تعالیٰ ان پر رحمت کرے اور ان کی

مغفرت فرماتے اور جنت ان کا ٹھکانہ بناتے ۔

اسی طرح مجھے یہ خبر ملی ہے کہ تم اس کے بارہ میں کہتے ہو جو دیوالیہ ہو جائے اور اس کو کوئی شخص سامان فروخت کر چکا ہو اور اس نے قیمت کا ایک حصہ لے لیا ہو یا خریدار نے کچھ مال صرف کر دیا ہو تو جو سامان اب اس کے پاس باقی ہے وہ لے لے لیکن عام دستور یہ تھا کہ بائع نے جب قیمت کا کچھ حصہ لے لیا یا خریدار نے سامان کا کچھ حصہ صرف کر دیا تو اب وہ مال بغیر وہ نہیں رہا ۔

اور اپنی امور میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ آپ یہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر بن العوام کو صرف ایک گھوڑے کا حصہ دیا اور لوگ سب یہ بیان کرتے ہیں کہ آپ نے ان کو دو گھوڑوں کے چار حصے دیئے البتہ تیسرے گھوڑے کا آپ نے ان کو حصہ نہیں دیا اور اس حدیث پر تمام لوگوں کا یعنی اہل شام و اہل مصر و اہل عراق اور اہل افریقیہ کا اتفاق ہے اس میں دو آدمیوں کا بھی اختلاف نہیں ہے تو تمہارے لئے یہ زیانہ تھا کہ اس طرح بیان کرتے اگرچہ کسی ایک محبوب شخص سے بھی تم نے سنا ہو اور اس طرح تمام امت کی مخالفت کرتے ۔

اور اسی طرح کی بہت سی باتیں ہیں جو میں نے چھوڑ دیں اور میں تمہارے لئے اللہ سے توفیق چاہتا ہوں اور طول بقا اس لئے کہ میں اس میں لوگوں کا نفع دیکھتا ہوں اور تم جیسے شخص کے جانے سے مجھے لوگوں کے ضایع ہونے کا ڈر ہے و نیز آپ سے مجھے جو اس ہے اگر مکان کی دوری ہے تو آپ کا تو یہ مرتبہ میرے پاس ہے اور میری یہ باتیں آپ کے متعلق ہے تو اس کو یقین مانئے اور اپنی اور اپنی حالت اور بال بچوں کی خیریت اور اپنی یا اپنے کسی متعلق کی کوئی ضرورت ہو تو اس سے ضرور اطلاع دیجئے کہ اس سے مجھے بجد مسرت ہوگی اور ہم اب الحمد للہ بنجر و عافیت ہیں ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ ہم کو اور آپ کو ان باتوں کے شکر کی توفیق عطا فرمائے جو اس نے ہم کو عطا کی میں اور جو نعمتیں اس نے ہم کو عطا کی ہیں وہ تمام فرماتے اور تم پر سلام اور اللہ کی رحمت ۔

ہم نے اس خط کو مکمل تمہارے سامنے پیش کرنے کا اس لئے ارادہ کیا تھا تا کہ ادبی تنقید کی بہترین مثال ہو سکے کیونکہ ہم نے اختلاف کے بارہ میں اس سے زیادہ مہذب اور شریفانہ طریقہ نہیں پایا کاش ہم اپنے آباء کے نقش قدم پر چل سکیں ۔

لیکن شیعہ حضرات تو حدیث کو اسی وقت قابل اعتبار سمجھتے تھے جبکہ اس کی روایت ان کے ائمہ کے واسطے سے یا ان کے ذریعہ سے پہونچے جو ان کے مذہب پر ہو اور اس کے سوا سب چھوڑ دیا کرتے تھے کیونکہ جو حضرت علیؑ سے محبت نہیں رکھتا وہ اس بھروسہ کا اہل نہیں۔ اور اسی طرح خوارج نے ان احادیث پر انحصار رکھا جس کو وہ صحابہ میں سے دوست رکھتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک احادیث وہی قابل اعتبار ہیں جو فتنہ کے پہلے ظاہر ہو گئیں اس کے بعد کی احادیث اور جمہور امت کو چھوڑ دیا اور ان کی دشمنی اختیار کی کیونکہ انھوں نے ان کے خیال کے مطابق ائمہ ظلم کی پیروی کی لہذا وہ ان کے اعتبار کے قابل نہ رہے لیکن وہ رائے جس پر عام اہل حدیث ہیں جن کے سرگروہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ہیں یہ ہے کہ حدیث کا اعتبار اس طرح ہوتا ہے کہ ایک عادل شخص دوسرے اپنے جیسے عادل سے روایت حاصل کرے حتیٰ کہ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہونچا دے خواہ راوی ایک ہی کیوں نہ ہو اور اس کے علاوہ اور شرائط کا کوئی وزن نہیں رکھا اور اسی وجہ سے روایت کردہ حدیث کی قدر و قیمت کا انداز کرنے میں بڑا اختلاف ہوا۔ اسی لئے تم دیکھو گے کہ حنفی ایک حدیث پر اس کی شہرت کی وجہ سے عمل کرتا ہے اور شافعی اس کے سند کے ضعف کی وجہ سے اس کو چھوڑ دیتا ہے اور مالکی کسی حدیث کو اس لئے چھوڑ دیتا ہے کہ عمل اس کے خلاف رہا ہے اور اسی حدیث پر شافعی اس کے سند کی قوت کی بنا پر عمل کرتا ہے اور جب شراح اور حامیاں مذاہب اور اس ناقدین کا زمانہ آیا تو انھوں نے اُن اصولوں کو اختیار نہیں کیا جس کو ان کے ائمہ نے اختیار کیا اور ان کے مخالفین پر ہر اس حدیث کی مخالفت کا الزام لگانے لگے جس کی سند صحیح ہو اگر وہ ان شرائط کو پورا نہ کرے جس کی اس کے ناقدین نے شرط لگائی تھی اسی طرح ہم ان لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ ہر اس حدیث کو کمزور قرار دینے کی کوشش کر رہے ہیں جس کو ان کے امام قبول نہیں کیا یا تو اس کی سند میں نکتہ چینی کر کے یا اور کسی وجہ کی بنا پر حالانکہ آسان طریقہ تو یہ تھا کہ وہ یہ کہہ دیتے کہ امام نے اس حدیث کو اس وجہ سے نہیں لیا کہ اس میں وہ شرط مسک پوری نہ تھی جس کو امام نے حدیث پر عمل کرنے کے لئے ضروری کہا ہے اور عنقریب اور اس قسم کے بہت سے نظائر آپ کی نظر سے گذریں گے۔

(نزع دوم) قیاس اور رائے اور استحسان میں نزاع۔ صحابہ اور تابعین جب قرآن کریم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں کوئی حکم نہ پاتے تو مجبوراً رائے کو اختیار کرتے جیسا کہ

فتاویٰ سے ظاہر ہے رائے کا مطلب یہ ہے کہ دین کے قواعد عامہ کی بناء پر کوئی حکم نکلایا جائے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے۔

نہ نقصان اٹھانا ہے اور نہ نقصان پہنچانا۔

لا ضرر ولا ضرار

اور جیسا کہ ارشاد نبویؐ ہے۔

دع ما یریبک الی ما لا یریبک جو چیز تم کو شبہ میں ڈالے اس کو چھوڑ دو اور وہ چیز اختیار کرو جو تم کو شبہ میں نہ ڈالے۔

مگر وہ اصل معین کا اہتمام نہیں کرتے تھے جو محل حادثہ کے مشابہ ہو جس کے متعلق وہ فتویٰ دے رہے ہوں جیسے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت محمد بن مسلمہ کو حکم دیا تھا کہ وہ اپنے پڑوس کی تہر کو اپنی زمین میں سے گزرنے دیں کیونکہ اس سے اس کے پڑوسی کا توفائدہ تھا لیکن محمد کو اس سے کچھ نقصان نہ تھا تو اس فتویٰ کی علت اصل عام سے ہے کہ مفید چیز جائز اور مضر چیز ممنوع لیکن انھوں نے اس کو کسی اصل معین پر قیاس کر کے حکم نہیں دیا تھا اور اسی کو فقہاء کی اصطلاح میں مصالح مرسلہ کہتے ہیں یعنی جس کی کوئی اصل معین نہ ہو، لیکن اگر اسی رائے میں کچھ وسعت ہو جائے تو پھر وہ نقصان کا باعث ہو سکتی ہے کیونکہ اس سے اکثر حدیثوں کے چھوڑنے تک زیادت آجائے گی خصوصاً جبکہ اس رائے والا احادیث کی چھان بین کرنے والا ماہر نہ ہو اور کسی شہر کے عالم کے لئے یہ آسان نہیں کہ اس کے علم میں وہ تمام احادیث ہوں جو دوسرے شہروں میں پھیلے ہوئے علماء کے پاس ہیں اور اگر وہ ان لوگوں میں سے ہو جو پڑے سے فتویٰ دینے میں وسعت کرتے ہیں اس بات کا قوی امکان ہے کہ وہ اُس حدیث کے خلاف فتویٰ دیدے جو اس کو یاد نہ ہو اور دوسرے کو وہ یاد ہو اسی لئے فقہاء نے اس خطرہ کو محسوس کر کے رائے کے دائرہ کو محدود کر دیا اور یہ شرط لگا دی کہ رائے سے استنباط کرنے والے کے لئے ایک اصل معین ہونی چاہیے جس کی طرف وہ فتویٰ دیتے ہیں رجوع کرے اور یہ اصل یا تو قرآن مجید ہوگی یا حدیث اور یہی قیاس ہے جس کو قرآن مجید اور احادیث کے بعد اصول شریعت میں سے ایک اصل قرار دیا اور اس میں فقہاء عراق نے بہت جدوجہد کی مگر وہ اکثر قیاس کو چھوڑ کر ایک ایسی بات کی طرف رجوع کرتے ہیں جس کو استحسان کہتے ہیں چنانچہ حضرت محمد بن حسن اکثر مبسوط میں کہتے ہیں کہ میں قیاس کو چھوڑ کر اس کو مستحسن سمجھتا ہوں کہ کبھی ان کا استحسان یہ ہوتا ہے کہ وہ کسی اثر کی طرف رجوع کرتے ہیں جو مقتضائے قیاس کی مخالفت کرتا ہے یا اصول عامہ کی طرف رجوع کرنا ہوتا ہے اور اسی کو پہلے رائے کہا جاتا تھا (تمام)

جانتے ہیں کہ فارمین کے سامنے وہ اصول رکھ دیں جس سے اہل حدیث اور اہل رائے کے موقف میں تمیز ہو جائے۔

اہل حدیث دو وجہ سے صرف احادیث کو اپنے سامنے رکھتے ہیں اول یہ کہ وہ قرآن کو مکمل کرنے والی ہیں دوسرے وہ خود مستقل احکام ہیں کہ شارع نے اس شخص کے لئے جو اسلام کو اپنا دین قرار دے ان کی حیثیت اطاعت کے لحاظ سے ایسی قرار دی ہے کہ اس کو ان علتوں کا سبب دریافت کرنے کی ضرورت نہیں جس کی شارع نے شریعت میں رعایت رکھی ہے اور نہ اس کے ایسے اصول عامہ قرار دئے ہیں جس کی طرف مجتہد رجوع کر سکے اور نہ مختلف ابواب کے خاص اصول رکھے ہیں اس لئے یہ صرف اس لفظ کے مقلد ہیں اسی لئے ہم ان کو دیکھتے ہیں کہ وہ جب کسی مسئلہ میں نص نہیں پاتے تو خاموش رہتے ہیں اور فتویٰ نہیں دیتے لیکن اہل رائے و قیاس نے شریعت کو معنی کے لحاظ سے عقلی قرار دیا اس کے لئے اصول عامہ قرار دئے جس کو قرآن مجید نے بیان کیا اور احادیث نے اس کی تائید کی اور اسی طرح ابواب فقہ سے ہر باب کے اصول بنائے جس کو قرآن مجید و احادیث سے مرتب کیا اور تمام مسائل جو پیش آتے ہیں ان کو انہی اصول کی طرف لے گئے جو اس باب میں آتے ہوں اگرچہ اس مسئلہ میں کوئی نص نہ ہو اور وہ احادیث کی صحت پر اہل حدیث ہی کی طرح اعتماد کر لیتے ہیں مگر وہ احادیث کی روایت زیادہ نہیں بیان کرتے اس لئے کہ ان کو اپنے اصولوں پر کافی بھروسہ ہے اور احادیث کے متعلق ان کی رائے بھی پہلے بیان ہو چکی ہے اور جب وہ ایسی احادیث پاتے ہیں جو ان اصولوں کی مخالفت کرتی ہوں اور ایسی احادیث صحیح ثابت ہو جائیں تو ان پر عمل کرنے سے نہیں ہٹتے اور اس وقت اس کو استحسان کہتے ہیں اور کبھی باب کے اصل معین پر قیاس کو چھوڑ کر اصول عامہ اختیار کر لیتے ہیں اس کو بھی استحسان کہتے ہیں اور جو شخص کہ ان مسائل سے واقف ہے جن کو ان فقہاء نے استنباط کیا ہے جو قیاس کے قائل ہیں اور وہی جمہور اسلام اس کو معلوم ہے کہ حضرت ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب اگرچہ لفظ استحسان میں اپنے کو منفرد قرار دیتے ہیں لیکن استحسان کے معنی میں جملہ فقہاء ان کے شریک ہیں چنانچہ حضرت مالکؒ نے اس کو مصالح مرسلہ کا نام دیا ہے حالانکہ وہ بھی استحسان کی ہی ایک قسم ہے اور مذاہب مختلفہ میں آپکو بہت سے مسائل ملیں گے جن کی بنیاد یہی استحسان پر ہے۔

اور انہی قیاس اور استحسان کرنے والے جلیل القدر صحابہ اور سلف صالح ہیں جیسے دور اول میں حضرت عمرؓ اور دور ثانی میں حضرت ابن عباسؓ اور تابعین میں حضرات ربیعہؒ ابراہیم نخعیؒ رحمہما اللہ۔

اس دور میں اہل سنت اور اہل رائے کے درمیان سخت اختلاف واقع ہوا جو ایک طرف قیاس و استحسان کے ماننے والوں پر عام ہے اور دوسری جہت اہل قیاس اور اہل استحسان کے درمیان بھی ہے اور یہ سب اہل الرائے کے خلاف ہو گئے جس میں اہل حدیث و متکلمین سب برابر کے شریک ہو گئے حالانکہ ان دونوں فریقوں کے درمیان آپس میں عداوت تھی کیونکہ شریعت کے بارے میں اہل حدیث کا خیال تو ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں اور متکلمین شریعت کو محض ایک تعبدی (تقلیدی) چیز مانتے تھے جس میں غور و قیاس کی گنجائش نہیں کہ ہر وہ چیز جو شارع ثبوت کامل کے ساتھ ثابت ہو جس میں کوئی شک نہیں تو اس پر عمل لازم ہو جاتا ہے اس لئے وہ اہل حدیث کے ساتھ اس بات میں متفق ہیں کہ وہ تعبد محض ہے لیکن وہ اہل حدیث سے اس بات میں اختلاف رکھتے ہیں کہ حدیث کا اعتبار شریعت کے اصول میں ایک اصل کے لحاظ سے نہیں سمجھے۔

ہر ایک فریق اپنی حجت پیش کرنے لگا ہم نے بھی ایسی ایسی تحریریں اہل حدیث کی اور متکلمین کی دیکھی ہیں جن کے ذریعہ رائے کی ہنسی اڑائی گئی ہے مگر دونوں فریق میں ایک ہی روح کا فرما نہیں ہے کیونکہ اہل حدیث شریعت کو اس سے بالاتر سمجھتے تھے کہ وہ اہل الرائے کی رایوں کی جولا نگاہ بن جاتے اس لئے کہ شریعت اللہ کی طرف سے ہے خواہ وہ قرآن مجید ہو یا حدیث اور جو شریعت ایسی ہو وہ خطا اور اختلاف سے بعید ہے اور رائے کے انسان سے متعلق ہوتی ہے جس میں خطا کا بھی امکان ہے اور اصابت کا بھی اور یہاں اختلاف اور تفریق رونما ہو گی جس کی ہم کو مانعت کی گئی ہے اور متکلمین کہتے ہیں کہ شریعت نے مختلف امور کو جمع کر دیا ہے کہ اس نے تمام احکام کو جمع کر دیا اور متشابہات کو الگ کر دیا اسی لئے اس کے احکام بھی مختلف ہو گئے اور اس قسم کے احکام بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جو ایسے ہوں اس میں عقل کے غور کا میدان نہیں ہے۔

اور بہترین تحریر جو قیاس کی طرف سے مدافعت کرنے کی اور اس کو شرعی حجت قرار دینے کی ہم تک پہنچی ہے وہ یہ ہے جو ہم نے امام محمد بن ادریس کے رسالہ ۱۰ ہولہ میں اور کتاب ام میں پڑھی ہے اور قیاس کی تردید میں ہم نے جو بہترین تحریر دیکھی ہے وہ ہے جس کو حضرت داؤد بن علی امام اہل ظاہر نے لکھی ہے جو تیسری صدی کے نصف میں پیدا ہوئے اور اپنا مذہب اس بنیاد پر قائم کیا کہ قرآن مجید اور احادیث کے ظاہر پر عمل کیا جائے اور قیاس کو بالکل چھوڑ دیا جائے حالانکہ اس زمانہ کے اکثر فقہاء نے قیاس کو شریعت کے اصول میں سے ایک اصل قرار دیا اور

سب سے پرانا قول امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کا ہے اور اسی لئے انھوں نے صرف اصحابِ رائے کے نام سے شہرت حاصل کی۔ لیکن استحسان پر تو حضرت محمد بن ادریس شافعیؒ نے اپنے رسالہ میں اور کتاب الام کے ساتویں باب میں سخت جملہ کیا جس کا خلاصہ یہ ہے۔

اس شخص کے لئے جو حاکم یا مفتی ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے اس کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ بغیر خبریقینی کے حکم لگائے یا فتویٰ دے اور وہ قرآن مجید ہے یا حدیث یا جس کو اہل علم نے کہا ہو اور اس میں آپس میں اختلاف نہ ہو یا اسی پر قیاس ہو لیکن استحسان کے ذریعہ حکم لگانا یا فتویٰ دینا جائز نہیں اور کیونکہ استحسان واجب نہیں اور نہ ان معانی میں سے کسی میں شامل نہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

ایحسب الانسان ان
یکثرک سدی۔ کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ یوں ہی بے لگام چھوڑ دیا جائے گا۔

اور قرآن مجید کا صحیح علم رکھنے والے بیساکہ تم کو معلوم ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں رکھتے "سدی" وہ ہے جس کو نہ حکم دیا گیا اور نہ ممانعت کی گئی اور جس نے فتویٰ دیا یا حکم لگایا اس چیز میں جس کا اس کو حکم نہیں دیا گیا تو گویا اس نے اپنے نفس کو "سدی" میں داخل ہونے کی اجازت دیدی حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو علم کرا دیا تھا کہ اس نے اس کو بے لگام (یعنی "سدی") نہیں چھوڑا اور یہ بھی ان کی رائے ہے کہ اگر اس نے یہ کہا کہ میں جو چاہتا ہوں کہتا ہوں اور دعویٰ کیا کہ قرآن مجید اور احادیث میں اس کے خلاف ہے تو اس نے انبیاء اور جماعت کے نام احکام کی مخالفت کی جس سے تمام لوگوں نے روایت کی پھر اس کے بعد وہ فرماتے ہیں جس نے یہ کہا کہ میں استحسان نہ خدا کے حکم سے کرتا ہوں نہ رسول کے حکم سے تو اس نے خدا اور رسول کے قول کو قبول نہیں کیا اور نہ اس کی تلاش کی جائے گی کہ اللہ اور رسول کے حکم سے کیا کہا اور اس قول کے کہنے والے کی بالکل کھلی غلطی ظاہر ہوگی کیونکہ وہ کہتا ہے کہ میں کہتا ہوں اور اس بات پر عمل کرتا ہوں جس کا نہ مجھ کو حکم دیا گیا اور نہ اس سے منع کیا گیا اور اس کا کوئی نمونہ نہیں جس کا مجھے حکم دیا گیا یا جس سے مجھے روکا گیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے قول کے خلاف فیصلہ کیا اور کسی کو بغیر اطاعت اختیار کرنے کے نہیں چھوڑا۔

پھر وہ کہتے ہیں کہ

جس نے یہ حق حاصل کر لیا کہ وہ بغیر یقینی خبر اور اس پر قیاس کے حکم یا فتویٰ دے تو اس پر یہ اعتراض ہو گا کہ اس کے اس قول کا مطلب کہ میں جو جانتا ہوں کرتا ہوں اگرچہ مجھے اس کا حکم نہیں دیا گیا اس نے کتاب و سنت کے مقصد کی مخالفت کی اور اسی کی زیان سے اس پر اعتراض ہو گا اور اس قول کا مطلب کہ میں اس بارے میں کسی کو نہیں جانتا مخالف ہو گا اگر کہا جائے کہ وہ کیا ہے تو کہا جائے گا کہ میں کسی اہل علم کو نہیں جانتا کہ اس نے کسی عقلمند صاحب ادب کو اجازت دی ہو کہ وہ اپنے نفس کی رائے سے حکم یا فتویٰ دے یہاں تک کہ وہ اس چیز کا عالم ہو جس پر کتاب و حدیث و اجماع اور متشابہات کی تفصیل کے لئے عقلی امور کا دار و مدار ہو، اگر وہ اس کا دعویٰ کریں تو ان سے کہا جائے گا کہ کیوں ان عقلمندوں کے لئے جن کی عقلیں قرآن و سنت جاننے والوں کی عقلوں سے زیادہ ہیں اور فتادی ہیں بھی وہ سب سے زیادہ ماہر ہیں یہ کیوں جائز نہیں ہے کہ وہ یہ کہیں جب کوئی بات ان کے سامنے پیش آئے جس کے متعلق مسئلہ وہ جانتے ہیں کہ اس بارے میں نہ قرآن مجید کا کوئی حکم ہے نہ حدیث میں نہ اجماع حالانکہ وہ سب عقل میں فہم میں علوم سے زیادہ بہتر طریقہ پر ظاہر کر سکتے ہیں اگر تم یہ کہو کہ انکو اصول کا علم نہیں ہے تو تم سے کہا جائے گا کہ خود تمہارے لئے کیا دلیل ہے کہ تم اصول جانتے ہو جبکہ تم خود بغیر اصل اور اصل پر قیاس کے کہتے ہو کیا تم کو خوف ہے کہ اہل عقول جو اصول سے ناواقف ہیں وہ ان لوگوں سے زیادہ ہیں جو اصول کو نہیں جانتے تو وہ قیاس بہتر نہیں کر سکتے ان باتوں کا جو وہ نہیں جانتے اور کیا تمہارا اصول کو جاننا اس پر قیاس کرنا تم کو سکھادیا یا تمہارے لئے اس کا چھوڑ دینا جائز کیلئے اور اگر چھوڑنا جائز کر دیا ہے تو ان کو تمہارے ساتھ گفتگو کرنا جائز ہے اس لئے کہ ان چرس بات کا ڈر زیادہ ہے اس پر قیاس کا چھوڑ دینا یا اس میں خطا کرنا ہے میں انکو نہیں جانتا مگر یہ کہ صیاب پران کی تعریف کروں گا اگر وہ تم سے نمونہ لئے بغیر کہیں گے اگر ان میں سے کسی کی تعریف کی جا سکتی ہو کہ وہ بغیر کسی نمونہ کے کہے کیونکہ وہ کسی نمونہ کو نہیں جانتا اسی لئے انھوں نے اس کو چھوڑ دیا اور تم سے زیادہ وہ خطا میں معذور ہیں کیونکہ انھوں نے تو ان باتوں میں خطا کی ہے جن کو وہ نہیں جانتے اور تم کو میں ان سے زیادہ گنہگار سمجھوں گا جبکہ تم نے ان باتوں کو چھوڑ دیا جو تم جانتے ہو ان اصول پر قیاس کرنے کو جس سے تم ناواقف نہیں

ہو، اور اگر تم یہ کہو کہ ہم نے جو قیاس کو چھوڑا تو وہ اصل سے ناواقفیت کی بنا پر نہیں چھوڑ رہے تو کہا جائیگا کہ اگر قیاس حق ہے تو تم نے حق کی مخالفت کی اس کو جانتے ہوئے تو اس میں وہ گناہ ہے کہ اگر تم اس سے ناواقف ہو تو تم اس کے اہل نہیں کہ علم کے بارے میں کوئی گفتگو کر سکو اور اگر تمہارا یہ زعم ہو کہ تمہارے لئے قیاس کا چھوڑ دینا اور جو کچھ تمہارے اہام میں آگیا اور ذہنوں میں جم گیا اور تمہارے کانوں نے جس کو اچھا سمجھا اس کا کہنا جائز ہے تو تم نے قرآن و حدیث اور اس پر اجماع کے دلائل کی وہی صفت بیان کی جو ہم نے تعریف کی کہ کسی کے لئے جائز نہیں کہ علم یقینی کے بغیر کچھ کہے۔

وہ پھر فرماتے ہیں۔

کہ کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ جب حاکم اور مفتی کسی معاملہ میں جس میں حدیث کا کوئی حکم نہ ہو اور نہ قیاس ہو یہ کہے کہ میں اس کو مستحسن سمجھتا ہوں تو لازمی ہے کہ یہ خیال کرے کہ دوسرے کے لئے جائز ہے کہ اس کے خلاف استحسان کرے پھر ہر شہر کا حاکم اور مفتی جو بات مستحسن سمجھے گا وہی کہے گا تو ایک ہی چیز میں مختلف احکام اور فتاویٰ دئے جائیں گے تو اگر یہ ان کے نزدیک جائز ہو تو انہوں نے اپنے نفسوں کو مہلت دیدی کہ انہوں نے جیسا چاہا حکم کر دیا اگرچہ وہ تنگ ہو کہ اس میں داخل ہونا ان کے لئے جائز نہ ہو۔ اور اگر وہ شخص جو قیاس کا قائل ہے یہ کہے کہ لوگوں کو میرا کہا مانتا ضروری ہے، تو اس سے کہا جائے گا کہ کس نے تمہاری اطاعت کا حکم دیا ہے کہ لوگوں پر تمہاری اتباع ضروری ہو ذرا تم غور کرو کہ اگر تمہارے علاوہ کوئی اور بھی اسی کا دعویٰ کرے تو تم اس کی اطاعت کر دے یا کہو گے کہ میں اس کے سوا کسی کی اطاعت نہ کروں گا جس کی اطاعت کا مجھے حکم دیا گیا ہے تو اسی طرح کسی پر کسی کی اطاعت واجب نہیں بلکہ اطاعت اسی کی واجب ہے جس کا اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول نے اس کی اطاعت کا حکم دیا ہو، بلکہ طاعت تو اسی کی ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے یا اس کے رسول نے اطاعت کا حکم دیا ہو اور حق اسی میں ہے جسکی اتباع کا اللہ و رسول نے حکم دیا ہو اور اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے اس پر نص کے ذریعہ دلیل دی ہو یا دلائل سے استنباط کا حکم دیا ہو۔

مندرجہ بالا عبارت میں امام شافعیؒ نے جو کچھ کہا اس میں گویا وہ دیکھ رہے ہیں کہ محمد بن حسن یہ کہتے ہیں کہ میں اس کو استحسان سمجھتا ہوں اور قیاس کو چھوڑ رہا ہوں اور ابو حنیفہؒ نے مستحسن سمجھا

اور قیاس کو چھوڑ دیا“ اور ان سب کو اس شخص کے مقام میں رکھا جو بغیر کسی مثال کے محض اپنے وہم و خیال سے کہتے ہیں لیکن جن لوگوں نے حضرت محمد بن حسن کے اقوال کی تفسیر کی ہے اور جو ان کے کلام سے سمجھ میں آتا ہے وہ اس بات کی دلیل ہے کہ استحسان کا مطلب ان کے نزدیک یہ ہے کہ کسی حدیث کی بناء پر یا کسی اصول عامہ کی طرف رجوع کیا جائے جو دراصل متقدمین کی رائے کا کام ہو یا کسی دوسری معین اصل کی طرف رجوع کیا جائے اور خود امام شافعیؒ نے قیاس کرنے والوں کے اختلاف کے بیان میں لکھا ہے کہ کبھی کوئی مسئلہ پیش آتا ہے جس میں قیاس کا احتمال ہوتا ہے تو دونوں اصولوں میں اس کی شباهت معلوم ہوتی ہے تو ایک شخص ایک اصل کی طرف اور دوسرا دوسری اصل کی طرف جاتا ہے جس سے وہ مختلف ہو جاتے ہیں اہل عراق کا استحسان کہنے کا مطلب مسئلہ کو دوسری اصل کی طرف جو خاص ہو یا عام یہ جاننا ہوتا ہے اور یہ قول بجز خواہش کے نہیں ہوتا بلکہ صرف عقلی بحث رہ جاتی ہے جو آسان ہے۔

اور حضرت امام شافعیؒ نے اپنی کتاب میں جس کا نام ”رد علی محمد بن الحسن“ ہے لکھا ہے کہ فقہ میں محمد بن حسن جس اصل کی طرف گئے ہیں یہ ہے کہ فقہ میں کوئی بات بجز خبر یقینی یا قیاس کے نہیں کہی جاسکتی۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس دور میں قیاس کو شریعت میں اصل قرار دینے کا مسئلہ بہت کامیابی حاصل کر گیا اگرچہ کہ اس کو بطور استنباط اختیار کرنے میں فقہاء ایک درجہ پر نہ رہے جیسا کہ حنفیہ اس میں بہت شدت اور غلو رکھتے تھے اور خابہ اور مالکیہ کا نفوذ اس میں بہت کم تھا اور شافعیؒ دونوں فریقوں کے درمیان تھے لیکن شیعہ اور اہل حدیث اس سے بہت دور تھے اور ظاہر یہ ہے اس کے چھوڑنے میں بہت غلو سے کام لیا۔

(سوم) اجماع کے متعلق نزاع فقہاء بعض مسائل کی حجت بیان کرتے وقت یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ یہ مسئلہ متفق علیہ ہے گواجماع بھی کتاب و سنت کی طرح دین کی ایک اصل قرار دیتے ہیں اور اس بارہ میں قرآن و احادیث کی نصوص سے جن کا مفہوم یہ ہے کہ جماعت سے نکلنا حرام ہے دلیل لاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس سے مراد بجز اس کے کچھ نہیں کہ حلت و حرمت میں جماعت کی مخالفت کی جائے چنانچہ امام شافعیؒ اللہ تعالیٰ کے اس قول سے دلیل لاتے ہیں۔

ومن یشاقق الرسول من بعدا
ما تبین لہ الہدی ویتبع غیر
اور جو شخص رسول کی مخالفت کریگا بعد اس
کے کہ اس کو امر حق ظاہر ہو چکا تھا اور مسلمانوں

سبیل المؤمنین نولہ مالتولی کاراستہ چھوڑ کر دوسرے راستہ ہو لیا تو ہم کو کہہ نہیں
 ونصلہ جہنم وساءت مصیراء میں داخل کریں گے اور وہ بری جگہ ہے جانے کی۔
 چنانچہ فرماتے ہیں کہ مؤمنین کے راستے کے سوا راستہ کا اتباع ہی اجماع کی مخالفت ہے۔
 لیکن جب اپنے مخالفین کے ساتھ مناظرہ کیا تو اس اجماع کا انکار کر گئے جس اجماع کے ان کے
 مخالفین مدعی تھے اور اس سے انکار کر گئے کہ بجز اس فرض کے جس سے کوئی شخص لاعلم نہیں
 رہ سکتا جیسے نمازیں اور زکوٰۃ اور حرام کی حرمت اور کسی میں یہ اجماع نہیں ہے لیکن خاص علم کا
 کہ نہ جانتا عوام کو نقصان نہیں پہنچاتا تو ہم اس کے بارہ میں دو قول ہیں سے ایک قول کہتے ہیں
 جس بارہ میں ہم نہیں جانتے کہ انھوں نے اختلاف کیا ہم یہ کہیں گے کہ ہم کو معلوم نہیں کہ انھوں نے
 کن باتوں میں اختلاف کیا ہے اور جن باتوں میں اختلاف کیا ہے اس بارہ میں ہم کہیں گے کہ انھوں
 نے اختلاف کیا اور اجتہاد کیا تو ان کے جو اقوال قرآن مجید یا احادیث سے زیادہ مشابہ تھے وہ
 ہم نے لے لیا اگر ان دونوں میں سے کسی ایک کی بھی دلیل نہ ملے حالانکہ ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ
 دلیل نہ ملے یا وہ قول لیں گے جو ابتداء تصرف و انجام کے لحاظ سے اہل علم کے نزدیک مستحسن ہو
 اور ان کے اختلاف پر یہ کہنا بھی صحیح ہو گا جیسا کہ میں نے بیان کر دیا کہ ہم یہ کہیں گے کہ یہ قول چند
 لوگوں سے مروی ہے جنھوں نے آپس میں اختلاف کیا تو ہم نے دو کو چھوڑ کر تین کا قول اختیار کیا یا تین
 کا چھوڑ کر چار کا اختیار کر لیا اگرچہ ہم اس کو اجماع نہیں کہیں گے۔ کیونکہ اجماع اس شخص پر حکم ہو گا
 جو ان لوگوں کی طرف سے نہ کہے جن کو ہم نہیں جانتے کہ اگر وہ کہتا تو کیا کہتا اور یہ اجماع کی روایت
 کا ادعا رہے اور کبھی اس بات میں مخالف بھی پایا جاتا ہے جس میں اجماع کا دعویٰ کیا ہو۔

اور کسی مناظرہ کرنے والے نے ایک سوال کیا جس کا تعلق مجتہدین کی شخصیت سے متعلق
 ہے تو اس کو فرمایا تو اپنے اس سے سوال فرمایا کہ ”وہ اہل علم کون ہیں کہ جب وہ کسی بات پر اتفاق
 کر لیں تو ان کا اتفاق حجت ہے“ تو اس نے جواب دیا کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان کو کسی شہر والے
 فقیہ بتالیں اور اس کے قول پر راضی ہو جائیں اور اس کے حکم کو قبول کر لیں ”اس پر آپ نے
 بڑا طویل مناظرہ کیا پھر فرمایا۔

”میں کہتا ہوں کہ میں اہل کلام کے سب فرقوں کو اکثر شہروں میں پھیلایا پاتا ہوں کہ انھوں نے
 آپس میں ایسا ہی ایک شخص مقرر کر لیا ہے جیسا کہ تمہارا مقصود ہے اور تم بھی ایسے شخص کو اس مقام
 پر رکھ رہے ہو جو تم نے بیان کیا کیا وہ بھی ان ہی فقہار میں داخل ہیں جن کے اتفاق کے بغیر فقہار کا

کلام قبول نہیں کیا جاسکتا یا یہ ان میں سے خارج ہوں گے۔

پھر آپ نے اس سے دوسرا سوال کیا جو اجماع کے نقل سے متعلق تھا چنانچہ فرمایا۔

”تم اپنے قول پر غور کرو کہ حجت اس وقت تک قائم نہیں ہو سکتی جب تک کہ تمام شہروں کے فقہاء اس پر متفق نہ ہو جائیں تو کیا تم ان سب کے اتفاق کی صورت نکال سکتے ہو اور حجت اس وقت تک کسی ایک پر قائم نہیں ہو سکتی جب تک کہ ان سب سے نہ مل لو یا عام طور پر لوگ ان لوگوں میں ہر ایک سے روایت نہ کریں۔“

تو اس نے جواب دیا کہ یہ ممکن نہیں۔ میں یہ کہتا ہوں کہ اگر تم نے خاص خاص لوگوں کے نقل کرنے کو قبول کر لیا تو تم نے وہی بات قبول کر لی جس پر تم نے عیب لگایا اور اگر تم نے تمام نقل کے بغیر ہر فقیہ کے قول کو قبول نہیں کیا تو ہم تمہارے اس قول کی اصل نہ پائیں گے کہ جس پر تمام شہروں والے متفق ہو جائیں جبکہ ہم خواص کے نقل کرنے کو قبول نہ کریں کیونکہ ابتداءً اس کا کوئی طریقہ نہیں کیونکہ وہ تمہارے لئے کسی جگہ جمع نہ ہوں گے اور عام لوگوں کا عام لوگوں سے ان سے نقل کرنے کی غیر تم نہیں پاسکتے۔

اور یہ بات ظاہر ہے کہ امام شافعیؒ کے پاس اتباع کے وجود سے انکار کی معقول وجہ موجود ہے کیونکہ یہ اس پر موقوف ہے کہ ہر زمانہ کے مجتہدین کی شخصیت کا علم ہو اور عوام عام طور پر اس کا اعتراف کریں اور اس مسئلہ میں جس کے متعلق فتویٰ لیا جا رہا ہے ہر ایک شخص کا قول منقول ہو اور ان سے یہ قول ایک ایسی جماعت نقل کرے جو تھوٹ اور غلطی سے پاک ہو اور یہ بجز ان امور کے جو علم عام کہلاتے ہیں اور امور میں ممکن نہیں جیسے اس بات کا علم کہ فرض نمازیں پانچ ہیں اور یہ کہ صبح کی نماز دو رکعت ہے اور اسی طرح کے اور امور۔ لیکن جس کو علم خاص کہا جاتا ہے تو بہت کم ایسا دیکھا گیا ہے کہ تم کوئی مسئلہ ایسا پاؤ جس کے متعلق آسانی سے کہہ سکو کہ ایک زمانہ کے مجتہدین نے اس کے جواب میں اتفاق کر لیا ہے اور اسی لئے حضرت امام احمدؒ سے منقول ہے کہ جس نے اجماع کا دعویٰ کیا وہ تھوٹا ہے اور باوجودیکہ حضرت شافعیؒ حقیقت اجماع کا انکار کرتے ہیں پھر بھی وہ دین کی ایک حجت اس کو قرار دیتے ہیں کہ سلف سے حکم کو نقل کیا جائے اور ان کو اس میں کسی اختلاف کا علم نہ ہو گویا ان کے نزدیک اختلاف حجت کی تعبیر میں ہے نہ کہ نفس حجت میں۔

اور احناف اکثر اجماع سلک کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ ایک شخص جواب دے اور سب خاموش رہیں لیکن جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں وہ اس کو تائید حدیث کا ایک طریقہ سمجھتے ہیں جیسا کہ اس سے

پہلے سنت کی فصل میں بیان کیا جا چکا ہے گو یا وہ اعتراض چھوڑ دینے کی وجہ سے صحت حدیث پر موافقت کر رہے ہیں تو یہ ان کے عام لوگوں کی متفقہ خبر ہوئی کیونکہ اگر ان کے نزدیک کوئی حدیث ایسی موجود ہوتی جو اس کے مخالف ہوتی تو وہ رد کرنے میں تامل نہ کرتے۔

اور امام مالکؒ اکثر یہ فرماتے ہیں کہ ”یہی مسئلہ ہمارے پاس متفق علیہ ہے“ اور وہ بھی اس کو ایک طریقہ تائید حدیث کا سمجھتے ہیں جیسا کہ ہم نے بیشتر بیان کر دیا اور خلاصہ یہ ہے کہ اگر کسی مسئلہ میں قرآن مجید اور احادیث سے کوئی حکم نہ ملے اور اس کے متعلق سلف کا کوئی فتویٰ مل جائے اور ان میں کسی سے اس فتویٰ کے بارہ میں اختلاف معلوم ہو تو جمہور فقہاء اس کو دین میں حجت قرار دیتے ہیں کیونکہ ان کا یہ اجتماع کسی رائے کی بنا پر نہیں ہوتا ہے کیونکہ رائے میں اختلاف ضروری ہے اور یہ حقیقت میں سنت پر عمل کرنے کی طرف راجح ہے۔ اور اختلاف کا نہ ہونا کسی سنت کے وجود کی دلیل ہے جس پر فتویٰ کا دار و مدار ہے چنانچہ ایسا مسئلہ جس میں علماء نے اجتہاد کیا ہو اس میں انصاف بہت ہی کم پایا جاتا ہے۔

(چہارم) نزاع اس عظیم مسئلہ میں جس پر تکلیف احکام شرعیہ کا دار و مدار ہے۔ احکام شرعیہ کی تکلیف کا دار و مدار صرف دو حکموں پر ہے۔ کرو اور نہ کرو اور انہی دونوں میں سے پہلے کو امر دوسرے کو نہی کہا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں امر بھی ہے نہی بھی اور احادیث میں بھی امر و نہی ہے تو جس بات پر دونوں کا امر یا دونوں سے منع ثابت ہو تو کیا؟ دونوں حکم کے لازمی ہونے میں فرض اور منع میں حرام ہیں یا دونوں کے احکام میں کچھ مراتب ہیں حتیٰ کہ ان کے موکد ہونے کی دوسری دلیل کی ضرورت ہوگی اور اگر یہ کہا جائے کہ دونوں کا امر اور دونوں کی نہی لازمی ہے تو اگر امور بہ عبادت اور معاملات میں دوسرا امر سے مربوط ہو تو کیا اس کا چھوڑ دینا محلی ہوگا؟ جس سے وہ مربوط ہے اور اس غلل کی مقدار کیا ہوگی؟ اور اسی طرح جس سے منع کیا جائے وہ بھی کسی چیز سے مربوط ہو تو کیا اس کا فعل کسی چیز میں موثر ہوگا؟ اور اس تاثیر کی مقدار کیا ہوگی؟ اس مسئلہ میں ہم چند مثالیں دیتے ہیں جن سے مقصود کی وضاحت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

یا ایہا الذین امنوا لیستأذنکم
الذین ملکتم ایما نکم والذین
لم یبلغوا الحلم منکم ثلاث مراتب
اے ایمان والو غلام اور اُن لوگوں کو تم میں جو
حلیوغ کو نہیں پہنچے تین قسموں میں اجازت لینا
چاہیے۔

تو یہ اجازت لینے کا امر کسی دوسری شے سے مربوط نہیں ہے، اور ارشاد باری تعالیٰ ہے۔
 یا ایہا الذین آمنوا اذا قمتم الی الصلاۃ فاعسلوا وجوہکم۔
 اے ایمان والو جب تم نماز کو اٹھنے لگو تو اپنے چہروں کو دھوؤ۔

تو یہ امر وضو کا عبادت سے یعنی نماز سے مربوط ہے اور فرمایا۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا
 یا ایہا الذین آمنوا اذا تداینتم بدین الی اجل مسمی فاکتبوا۔
 اے ایمان والو جب معاملہ کرنے لگو ادھار کا ایک میعاد معین تک (کے لئے) تو اس کو لکھ لیا کرو۔

تو یہ لکھنے کا امر بھی ایک مقصد یعنی قرض کے تحفظ کا ذریعہ ہے۔ اور ارشاد فرمایا
 یا ایہا النبی اذا طلقتم النساء فطلقوهن لعدتھن۔
 اے پیغمبر! آپ لوگوں سے کہد بچے کہ جب تم لوگ (اپنی) عورتوں کو طلاق دینے لگو تو ان کو

(زمانہ) عدت (یعنی حیض) سے پہلے (یعنی طہریں) طلاق دو۔
 تو اس امر میں بھی طلاق میں ابتدائی عدت کے خیال رکھنے کا جو حکم ہے وہ بھی ایک مقصد یعنی طلاق ذریعہ ہے تاکہ وہ مطلقہ کے لئے ضرر کا سبب نہ ہو۔

نوکیا یہ کہا جائے گا کہ ہر وہ چیز جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے حتمی ہے اور یہ اگر کسی دوسری چیز سے مربوط ہو تب بھی حتمی ہو گا اور اگر وہ چھوڑ دی جائے جس میں وہ مربوط ہے تو نماز وغیرہ وضو کے باطل ہوگی اور بغیر کتابت کے قرض باطل ہو گا اور اس کا دعویٰ قابل قبول نہ ہو گا اور اگر عورت حایضہ ہو تو طلاق باطل ہوگئی۔ اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

ولا تقتلوا النفس التی حرم اللہ الا بالحق۔
 اور جس جان (کے قتل) کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے اس کو بغیر حق کے قتل مت کرو۔

تو قتل جس سے منع کیا گیا ہے وہ کسی دوسری چیز سے مربوط نہیں ہے۔ اور ارشاد فرمایا۔
 یا ایہا الذین آمنوا لا تقرّبوا الصلاۃ وانتم سکراری حتی تعلموا ما تقولون
 اے ایمان والو تم نماز کے پاس بھی ایسی حالت میں مت جاؤ کہ تم نشہ میں ہو یہاں تک کہ تم سمجھنے لگو کہ منہ سے کیا کہتے ہو۔

تو قرار دیا کہ مست کا نماز پڑھنا نماز کے ساتھ مربوط ہے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی مناجات کا صحیح موقع حاصل کر کے اور فرمایا۔

یا ایہا الذین آمنوا اذا نودی اے ایمان والو جب جمعہ کے روز نماز (جمعہ)

للصلوة من يوم الجمعة فاسعوا
الى ذكر الله وذروا البيع۔

کے لئے اذان کہی جایا کرے تو تم الشکر کی یاد یعنی
نماز و خطبہ کی طرف فوراً چل پڑا کرو اور خرید و
فروخت (اور دوسرے مشاغل جو ہیں چھوڑ دیا کرو۔

تو بیع جس سے منع کیا گیا ہے وہ نماز کی حفاظت کے لئے ہے اور فرمایا۔

وان اسر دتم استبدال زوج
مکان زوج و آتیتم احد نهن
قنطاراً فلا تاخذوا منه شیئاً۔

اور اگر تم بچائے ایک بی بی کے دوسری بی بی
کرنا چاہو اور تم اس ایک کو انبار کا انبار مال
دے چکے ہو تو تم اس میں سے کچھ بھی مت لو۔

تولینا جس سے منع کیا گیا ہے وہ مربوط ہے طلاق سے تو کیا یہ کہا جائے گا کہ ہر وہ چیز جس
سے منع کیا گیا ہے حتیٰ ہے اور یہ کہ جب وہ کسی چیز سے مربوط ہو تو وہ بھی حرام ہوتی اور اس
حرمت سے متاثر ہوتی اور اس تاثیر کی مقدار کیا ہے؟ اس کا بالکل باطل ہو جاتا، یا فقط اس کا
نقصان مثلاً کہا جائے گا کہ اذان کی آواز سننے کے بعد بیع اور طلاق کے بعد مال کا لینا اور مست
شخص کی نماز حرام ہے تو ان صورتوں میں اس کے اثر کی کیا مقدار ہوگی۔ اسی طرح احادیث میں
بھی اور مرد و نوای موجود ہیں تو کیا تمام وہ باتیں جن کا حکم دیا گیا اور جن سے منع کیا گیا حتیٰ ہیں اور
جن چیزوں پر یہ مربوط ہے ان کے مخالفت کے اثر کی مقدار کیا ہے۔

یہ مسئلہ باوجودیکہ اہم ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا وہ شریعت کی بنیاد ہے اس دور کے فقہاء
نے اس پر اتفاق نہیں کیا بلکہ اس کی تفصیل اور اجمال میں بہت سے اختلاف کئے ہیں۔

چنانچہ امام شافعیؒ نے کتاب اللام کے پانچویں جرم ۱۱ میں لکھا ہے کہ قرآن مجید و احادیث
اور عوام کے کلام میں امر کے کسی معافی کا احتمال ہے۔

(اول) یہ کہ اللہ عزوجل نے اولاً پہلے کسی چیز کو حرام کیا ہے پھر اس کو جائز قرار دیا تو گویا پہلے
پرامر کے معنی حرام کو حلال کرنا ہے جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے۔

واذا حللتم فاصطادوا۔ اور جس وقت تم احرام سے باہر آ جاؤ تو شکار کیا کرو۔

اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

فاذا قضیت الصلاة فانتشروا
فی الارض وابتغوا من فضل الله۔

پھر جب نماز (جمعہ) پوری ہو چکے تو (اس وقت)
تم کو اجازت ہے کہ تم زمین پر چلو پھرو
اور خدا کی روزی تلاش کرو۔

اور یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے احرام کی حالت میں شکار کو حرام کیا اور اذان کے وقت بیع کو حرام کیا پھر ان کو حرام اوقات کے علاوہ حلال کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَأَتُوا النِّسَاءَ صَدَقَاتِهِنَّ مَخْلَّةً خَانَ
طَبِينَ لَكَ عَنْ شَيْءٍ مِنْهُ فَنَسَا
فَكَلَوْهُ هِنْئًا مَرِيئًا۔
اور تم لوگ بیبیوں کو ان کے مہر خوش دلی
سے دے دیا کرو ہاں اگر وہ بیبیاں خوش دلی
سے چھوڑ دیں تم کو اس مہر میں کا کوئی جزو نہ
تم اس کو کھاؤ مزہ دار خوش گوار سمجھ کر۔

اور جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

فَإِذَا وَجَبَتْ جُنُوبُهُمْ فَلَئِمَ
مِنْهَا۔
پس جب قربانیاں (کسی) کو ڈک کے بل گر پڑیں
(اور ٹھنڈے ہو جائیں) تو تم خود بھی کھاؤ۔

اور اللہ عز و جل کی کتاب اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں اس کی بہت
مثالیں ہیں مگر احرام سے فارغ ہونے کے بعد شکار کرنا اور نماز جمعہ کے بعد تجارت کے لئے علیحدہ
ہونا اور اگر عورت بخوشی مہر چھوڑ دے تو اس سے فائدہ اٹھانا اور ذبح ہونے کے بعد قربانی
کا گوشت کھانا واجب اور فرض نہیں ہے اس کا احتمال ہے کہ ان کو بتایا ہو کہ نکاح میں کیا بھلائی
ہے اُسی کی طرف متوجہ کیا ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ وَالصَّالِحِينَ
مِنْ عِبَادِكُمْ۔
اور تم میں (یعنی احرار میں) جو بے نکاح ہوں تم
ان کا نکاح کر دیا کرو۔

اس لئے کہ اللہ عز و جل نے اس کی یہ مصلحت بتائی۔

إِن يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ
مِنْ فَضْلِهِ۔
اگر وہ لوگ مفلس ہونگے تو خدا تعالیٰ اگر
چاہے گا) ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔

جو اس بات کی دلیل ہے کہ نکاح غنا اور عفت کا ایک سبب ہے جیسے نبی صلی اللہ
علیہ وسلم کا ارشاد کہ۔

سَافِرُوا تَصْحُوا وَتَرْزُقُوا۔
سفر کرو تو صحت پاؤ گے اور رزق ملے گا۔

کہ یہ ایک دلالت ہے نہ یہ کہ طلب صحت و رزق کے لئے سفر کرنا فرض ہو۔

اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ نکاح کا حکم لزوم کا ہو کیونکہ جو بات اللہ کی طرف سے
فرض بتائی جائے اس میں فائدہ بھی ہے اس لئے فرض اور بھلائی جمع ہو جائیں گے

اور بعض علماء نے کہا کہ جملہ احکام اباحت پر ہیں اور رشد پر دلالت حتیٰ ہے دلالت کتاب یا سنت یا اجماع سے اس بات پر ہوگی کہ حکم سے لزوم مراد ہوگا تو وہ فرض ہوگا جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد کہ ۔

وَاتِمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ ۔ تم نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔

تو یہ دلیل ہے کہ یہ دونوں حتیٰ ہیں اور جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد کہ

خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً ۔ آپ انکے مالوں میں سے صدقہ (جسکو یہ لاتے ہیں) لے لیجئے ۔

اور جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد کہ

وَآتُوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ ۔ حج و عمرہ کو اللہ تعالیٰ کے واسطے پورا پورا ادا کرو۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد کہ

وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مِنْ

اسْتِطَاعٍ إِلَى سَبِيلٍ ۔ حج کرنا ہے یعنی اس شخص کے ذمہ جو کہ طاقت

رکھے وہاں تک پہنچنے کی۔

اللہ تعالیٰ نے اس میں حج اور عمرہ کا ذکر ایک ساتھ کیا اور فرض میں حج کا علیحدہ ذکر کیا اس لئے اکثر اہل علم نے عمرہ کو لزوم میں نہیں گنا اگرچہ ہم یہ نہیں چاہتے کوئی مسلمان اس کو چھوڑے۔ اور اس قسم کی مثالیں قرآن میں بہت ہیں۔

اور جس سے اللہ تعالیٰ منع فرمادے تو وہ بالکل حرام ہے جب تک ایسی دلیل نہ مل جائے جس سے یہ ثابت ہو کہ اس سے ممانعت حرمت کے لئے نہیں ہے بلکہ اشد یا تنزیہ۔ اس کا ادب ملحوظ ہے اس وقت تک حرام سمجھی جائے گی اور جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے وہ بھی اسی طرح ہے۔

اور جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ امر فرض ہے اس وقت تک وہ غیر فرض رہے گا اس سے اُن کا مقصد یہ ہے کہ امر وہی کے درمیان جو فرق ہم نے بیان کیا ہے اس پر وہ دلالت ہو اور جو کچھ ہم نے ابتداء کتاب میں قرآن اور سنت سے بیان کیا اور اسی کے مشابہ امور سے اسی لئے ہم نے خاموشی اختیار کی کہ جن امور کو ہم نے بیان نہیں کیا اُن سے وہ بہت زیادہ اور کافی ہے جن کو ہم نے ذکر کر دیا۔ حضرت سفیان نے محمدؐ پر عجلان سے انھوں نے اپنے والد سے اور انھوں نے حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت

کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

ذرونی ما ترککم فانہ انما ہلک
من کان قبلکم بکثرة سؤالہم
واختلافہم علی انبیائہم فما
امرکم بہ من امر فأتوا منه
ما استطعتم وما نہیتمکم
عندہ فانتہوا۔

میں جس چیز کا بیان کرتا تم سے چھوڑ دوں
تم بھی چھوڑ دو کیونکہ تمہارے پہلے کے لوگ
ان کے کثرت سوال سے اپنے انبیاء سے
اختلاف کی وجہ ہلاک ہو گئے لہذا میں تم کو
جس بات کا حکم دوں اس کو بجالاؤ جتنا تم
کر سکو اور جس سے میں تم کو منع کر دوں اس سے بچو۔

اور کبھی امر کے متعلق احتمال ہوتا ہے کہ امر نہیں کے معنی میں ہو تو وہ دونوں لازمی ہوں گے
الا نیکہ اس کی دلالت مل جائے کہ وہ دونوں غیر لازمی ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ
فأتوا منه ما استطعتم علیکم^{لہ} کہ اس کو بجالاؤ جس کی تم کو استطاعت ہو
در اصل حکم کا بجالانا ہے ان امور میں جس کی استطاعت ہو کیونکہ لوگ اسی کے مکلف ہیں
جس کی ان کو استطاعت ہو اور فعل میں شے کی استطاعت ہی حقیقی چیز ہے کیونکہ وہ تکلیف سے
کیا جاتا ہے۔ لیکن نہیں سے مراد یہ ہے کہ ہر اس چیز کو چھوڑ دے جس کے چھوڑنے کی استطاعت
ہو کیونکہ وہ کوئی نئی چیز کی تکلیف نہیں دیتا ہے بلکہ وہ ایسی چیز ہے جس سے باز رہنا پڑتا ہے۔
امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اور اہل علم پر لازم ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت اور
سنت کی معرفت کے وقت دلائل کی تلاش کریں تاکہ وہ حتمی اور مباح اور ارشاد (جو امر و نہی
میں حتمی نہ ہوں) میں فرق کر سکیں

اور امام شافعیؒ رسالہ میں فرماتے ہیں کہ نہیں کبھی کسی معنی میں ہوتی ہے اور کبھی کسی معنی میں اور
یہ استدلال کے ایک طریقہ سے معلوم ہوتا ہے۔
اور اس کی کچھ مثالیں بھی دی ہیں جس میں سے ہم بعض بیان کرتے ہیں تاکہ وہ بقیہ مثالوں
پر دلالت کر سکیں۔

حضرات ابی ہریرہ و ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی اپنے بھائی کی منگنی پر منگنی نہ کرے پھر فرمایا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم سے اس کا ثبوت نہ ملتا کہ آپ کا اس بات سے منع کرنا کہ تم میں سے کوئی اپنے بھائی کی

لہ ایک نسخہ میں علیہم ہے یعنی ان پر

منگنی پر منگنی نہ کرے ایک معنی میں ہے اور ایک معنی میں نہیں تو یہ ظاہر ہے کہ یہ بات حرام ہو جاتی کہ اپنے بھائی کی منگنی پر آدمی منگنی کی ابتداء منگنی کے ختم تک نہ کرے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ تم میں سے کوئی اپنے بھائی کی منگنی پر منگنی نہ کرے اس بات کا احتمال رکھتا ہے کہ یہ آپ کی طرف سے جواب ہو جس سے آپ نے حدیث میں کوئی ایک معنی مراد لئے ہوں اور جس شخص سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہو اس نے وہ سبب نہ سنا ہو جس کی بناء پر آپ نے یہ ارشاد فرمایا ہو اس لئے اس نے کچھ حصہ بیان کر دیا ہو اور کچھ چھوڑ دیا ہو یا اس نے بعض حصوں میں شک کیا اور جس میں شک کیا اس کے بیان کرنے سے خاموشی اختیار کر لی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی شخص کے بارہ میں پوچھا گیا جس نے ایک عورت سے منگنی کی اور وہ اس سے راضی ہو گئی اور اس سے نکاح کرنے کی اجازت بھی دیدی پھر ایک اور شخص نے اس عورت سے منگنی کی عورت کے نزدیک دوسرا شخص پہلے شخص سے زیادہ بہتر تھا تو اس نے پہلے کو چھوڑ دیا جس سے نکاح کرانے کی اجازت دی تھی تو آپ نے عورت کی دوسری منگنی کرنے سے منع فرمادیا کیونکہ ایسا ہو سکتا ہے کہ اس عورت نے پہلے جس کو اجازت تھی اس سے پھر کر دوسرے کو اجازت دیدی لیکن اگر دوسرا شخص اس سے نکاح نہ کرے تو اس میں اس عورت کے حق پر بھی خرابی ہوگی اور اس شخص پر بھی جس سے نکاح کرانے کی اس نے اجازت دیدی تھی۔

پھر حضرت فاطمہ بنت قیسؓ کی حدیث بیان کی کہ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا کہ معاویہ بن ابی سفیان اور ابوجہم رضی اللہ عنہما نے دونوں نے ان سے نکاح کا پیغام دیا ہے تو آپ نے فاطمہؓ سے فرمایا کہ ابوجہم تو ہر وقت سفر میں رہتے ہیں اور معاویہ مفلس ہے جن کے پاس کچھ مال نہیں اس لئے تم اسامہ بن زید سے نکاح کرو اس حدیث سے دو باتوں کی دلیل ملتی ہے ایک تو یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ ان دونوں نے جو منگنی کی ہے تو ایک کی منگنی دوسرے کی منگنی کے بعد ہی ہوئی ہے لیکن آپ نے نہ دونوں کو منع کیا اور نہ ان دونوں سے کچھ فرمایا کہ ان دونوں میں سے ایک کو یہ حق حاصل نہ تھا کہ تجھ کو پیغام دیتا جب تک کہ ایک اپنی منگنی نہ چھوڑے اور پھر ان دونوں کی منگنیوں پر آپ نے اسامہ بن زید کے لئے پیغام دیا اس سے ہم کو یہ دلیل ملتی ہے کہ وہ ان سے نکاح کے لئے راضی نہ تھیں اور اگر وہ ان دونوں میں سے کسی کے ساتھ نکاح کے لئے راضی ہوتیں تو آپ ان کو حکم دیدیتے کہ جس سے وہ راضی ہیں ان سے نکاح کر لیں اور یہ کہ فاطمہؓ نے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ کس کس نے ان کی منگنی کی ہے تو یہ

اس بات کی خبر تھی کہ انھوں نے کسی کو اجازت نہیں دی اور ممکن ہے کہ وہ حضور سے اس بارہ میں مشورہ کر ہی ہوں اور یہ ان کے لئے جائز نہ تھا کہ آپ سے مشورہ کرتیں جبکہ وہ ان میں سے کسی ایک کو اجازت دے چکی ہوں پس جب آپ نے ان کو اسامہ کے لئے منگنی کی تو ہم اس سے دلیل کرتے ہیں کہ ان کی جس حالت میں آپ نے منگنی کی وہ اُس سے مختلف تھی جس حالت میں آپ نے اُس کی منگنی کرنے سے منع کیا تھا اور ایسی حالت جس میں ایک شخص کی منگنی درست اور دوسرے شخص کی حرام ہو اُس کی صرف ایک صورت ہے کہ اُس نے ولی کو نکاح کی اجازت دیدی ہو تو شوہر کا یہ حق ہو جاتا کہ اگر ولی نکاح کر دے تو اس نکاح کو قائم رکھے اور ولی اس عورت کو نکاح پر مجبور کرے اور وہ اس کے لئے جائز ہو گئی لیکن اس سے پہلے تو اس عورت کی حالت یکساں ہوتی اور ولی کے لئے یہ جائز نہیں کہ اجازت سے پہلے اس کا نکاح کرے اور اس وقت تک اس کا میلان اور عدم میلان دونوں برابر ہیں امام شافعیؒ نے اس مقدمہ کا جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ یہ ہوا حدیث میں جو ممانعت ہے وہ اُس منگنی کی ہے جو عورت نے ولی کو نکاح کی اجازت دینے کے بعد کی ہو تاکہ ولی کا معاملہ جائز ہو جائے لیکن جب تک ولی کا معاملہ جائز نہ ہو تو عورت کے دونوں حال برابر ہیں۔

بعض فقہاء نے یہ کہا ہے کہ حدیث میں ممانعت سے مراد یہ ہے کہ جب عورت کا اپنی منگنی والے کی طرف میلان ہو تو دوسرے شخص کو منگنی کرنے کا حق نہیں امام شافعیؒ نے جو یہ قید لگائی کہ ممانعت اس صورت میں ہے کہ نکاح کی اجازت دیدی ہو اور یہ مالک بن انس اور ابی حنیفہ رحمہم اللہ کی رائے ہے امام مالکؒ نے موطا میں حدیث کی روایت کے بعد بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کا مطلب ہماری رائے میں یہ ہے کہ تم میں سے کوئی اپنے بھائی کی منگنی پر منگنی نہ کرے کہ کوئی مرد کسی عورت سے پیغام نکاح دے اور عورت اس کو پسند کر لے اور دونوں معینہ ہر پر متفق اور راضی ہو جائیں اور عورت مرد کو اپنے لئے پابند بنالے تو اس صورت میں یہ ممانعت ہے کہ اپنے بھائی کی منگنی پر منگنی نہ کرے اور اس سے یہ مراد نہیں کہ جب مرد کسی عورت سے منگنی کرے اور عورت نے اس کی موافقت نہ کی نہ اس کی طرف مائل ہوئی تو ایسی صورت میں بھی دوسرا شخص نکاح کا پیغام نہیں دے سکتا کیونکہ یہ لوگوں کے فساد کا دروازہ کھولتا ہے۔

دونوں امام مطلق حدیث کو مقید کرنے پر متفق ہیں اگرچہ دونوں کا طریقہ میں اختلاف ہے اسلئے

کہ اس کا فساد کا دروازہ ہے جو لوگوں پر کھلے گا اور شافعی کی قید حدیث حضرت فاطمہ بنت قیس کی حدیث سے استدلال کی بنا پر ہے۔

اور بعض فقہاء نے مانعت کو مطلق رکھا ہے اور کہا ہے کہ کسی کو جائز نہیں کہ وہ کسی عورت سے منگنی کرے جبکہ دوسرے نے پیغام منگنی دیا ہو حتیٰ کہ منگنی کرنے والا اس کو چھوڑ دے۔ لیکن اگر کسی نے اس حدیث کے مخالف نکاح کر لیا تو اس میں ائمہ کا اختلاف ہے جبکہ امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کا تو یہ قول ہے کہ عقد ہو جائے گا کیونکہ مانعت تحریمی نہیں ہے بلکہ کراہت کے لئے ہے اور بعض فقہاء نے کہا ہے کہ عقد نسخ ہو جائیگا اور مالک سے یہ دونوں قول بھی مروی ہیں اور ایک تیسرا قول بھی اور وہ یہ کہ زفاف سے قبل نکاح نسخ ہو جائے گا لیکن زفاف کے بعد عقد قائم رہیگا۔

اور جیسا ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ اختلافات کی بنیاد خود ہی میں اختلاف کے سبب ہے۔ دوسری مثال اس کی کہ وجوب سے مراد فرض ہونا نہیں ہے یہ ہے کہ حضرت ابی سعید خدری سے حدیث کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”جمعہ کے دن کا غسل ہر بالغ پر واجب ہے“ اور حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ تم میں سے جو شخص جمعہ کے دن آئے تو وہ غسل کر لے تو فرمایا کہ گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد روز جمعہ کے غسل کے بارہ میں یہ ہے کہ واجب ہے اور آپ کا حکم غسل کا دو معنی کا احتمال رکھتا ہے ان دونوں میں سے ظاہر اُتو یہ ہے کہ واجب ہے گویا نماز جمعہ کے لئے غسل کے سوا کوئی طہارت کافی نہیں جیسے کہ ناپاک کی طہارت کے لئے بجز غسل کے کوئی صورت نہیں اور اس کا بھی احتمال ہے کہ وہ اختیار اور پاکیزگی اور درستی اخلاق کے لحاظ سے واجب ہے۔ اس کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ حضرت عثمان بن عفان جمعہ کے دن مسجد میں داخل ہوئے اس وقت عمر بن الخطاب خطبہ دے رہے تھے تو حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ یہ کونسی گھڑی ہے تو عرض کیا یا امیر المومنین میں بازار سے پلٹ رہا تھا تو اذان کی آواز سنی اس لئے میں صرف وضو ہی کر سکا حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ صرف وضو ہی حالانکہ تم کو معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غسل کا حکم دیا کرتے تھے امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات یاد رکھتے ہیں کہ آپ جمعہ کے دن غسل کا حکم دیا کرتے تھے اور یہ بھی جان لیا کہ حضرت عثمانؓ کو بھی یہ بات معلوم تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غسل کا حکم دیا کرتے تھے پھر حضرت عمرؓ نے حضرت عثمانؓ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم غسل کا یاد دلایا اور حضرت عثمانؓ کو اس کا علم ہو گیا تو جس شخص کو یہ

وہم ہو کہ حضرت عثمانؓ بھول گئے تو حضرت عمرؓ نے تو ان کو نماز کے قبل یاد دلایا لیکن جب حضرت عثمانؓ نے غسل کے چھوٹنے کی وجہ سے نماز کو نہیں چھوڑا اور حضرت عمرؓ نے غسل کے لئے نکلنے کا حکم نہ دیا تو یہ اس کی دلیل ہے کہ دونوں اس بات کو اچھی طرح جانتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم غسل کے لئے اختیاری تھا نہ اس بات پر کہ اس کے سوا کوئی چیز کافی نہیں ہو سکتی کیونکہ نہ حضرت عمرؓ اپنا حکم غسل کے لئے چھوڑنے والے تھے اور نہ عثمانؓ جب کہ ہم کو معلوم ہو گیا کہ وہ غسل کو چھوڑنا یاد دلارہے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم غسل کے لئے یاد دلارہے ہیں اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ حکم اختیاری تھا۔

خلاصہ یہ ہے کہ وہاں پر فقہاء کے درمیان جو اختلاف تھا وہ امر و نہی سے استنباط احکام کے طریقہ میں تھا کہ کبھی وہ فرض و تحریم پر باقی رکھتے تھے اور کبھی وہ اس کو مستحب و کراہت کی طرف لے جاتے تھے اور کبھی صرف ارشاد کی طرف کچھ قراین سے یا استدلال سے یا رائے سے کرتے تھے ہم یہاں چند مثالیں جو استنباط میں فقہاء کی باریک بینی ظاہر کرتی ہیں درج کرتے ہیں۔

شارع نے معاملات کو اسباب قرار دیا ہے ان کے مسببات کا جیسا کہ بیع کو سبب بنایا کہ بیچنے والے کو فروخت شدہ چیز کی قیمت مل جائے اور خریدنے والے کو چیز کی ملکیت مل جائے اور ہن کو سبب بنایا مرہن کے حق کو ثابت کرنے کا مرہونہ شئی پر تاکہ وہ مقدم ہو جملہ قرض خواہوں پر اسی طرح اور بھی معاملات ہیں جن کو جائز قرار دیا اور اس کو اسباب بنایا ہے اور بعض اوقات شارع سے ان معاملات کی ممانعت صادر ہوتی ہے جبکہ کوئی صفت اس سے متصل ہو جائے جیسے کہ سود میں کہ کسی چیز کی قیمت کو غیر معینہ مدت تک موخر کرنے میں تو کیا یہ معاملات مسببات کا سبب نہیں بن سکتے اور وہ باطل ہو جاتے ہیں کہ ان کے ذریعہ نہ تو ملکیت منتقل ہوتی اور نہ کوئی حق ثابت ہوتا بعض فقہاء کی یہی رائے ہے لیکن امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب نے اس میں بہت باریک بینی سے غور کیا ہے ان کی رائے ہے کہ عقد بیع مثلاً اس کو شارع نے مسبب کے لئے دفع کیا ہے اور وہ ملکیت کا منتقل ہوتا ہے اور مکروہ صفت کے کرنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اس قسم کی بیع حرام ہے مگر دونوں سببوں میں کوئی تناقض نہیں ہے تو ان میں سے ہر ایک کا اثر ساتھ ساتھ ظاہر ہو سکتا ہے اور اس نظریہ سے ایک ایسی بیع کا علم ہوتا ہے جس سے ایک ہی وقت میں انتقال ملکیت بھی ہو جاتا ہے اور حرام بھی ہو جاتی ہے مگر انھوں نے ملکیت کے فائدہ مند ہونے کے لئے قبضہ کے حصول کی شرط لگائی ہے اور

اس شکل میں بیع کا نام "قاسد" رکھا ہے اور کہا کہ خرید و فروخت کرنے والے دونوں فریق پر یہ لازم ہے کہ نہی کے اثر کو زائل کرنے کے لئے بیع کو لوٹا دیں اور اگر انھوں نے ایسا نہیں کیا اور خریدنے والے نے خریدی ہوئی چیز میں تصرف کر لیا تو دراصل وہ اپنی اس ملک میں متصرف ہے جس کو اس نے بیع سے حاصل کیا ہے اور یہ حضرات کہتے ہیں کہ ہم نے صرف اپنی رائے سے یہ مسلک نہیں اختیار کیا ہے بلکہ ہم نے خود شارع کو طلاق کے معاملہ میں اسی طریقہ کو اختیار کئے ہوئے پایا ہے کیونکہ طلاق ان تصرفات شرعیہ میں سے ہے جس سے عقد زوجیت ٹوٹ جاتا ہے اور شارع نے حکم دیا ہے کہ طلاق اس طہر میں ہونا چاہیے جس میں شوہر نے عورت سے صحبت نہ کی ہو اس وجہ سے حایضہ عورت کی طلاق ممنوع ہے لیکن اس کے باوجود حضرت ابن عمرؓ نے جب ایسا کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی بیوی سے رجعت کا حکم دیا اور اس طلاق کا اعتبار کیا جو بیوی کے حایضہ ہونے کی حالت میں دی گئی تھی اور یہ دلیل ہے اس بات کی کہ تصرف شرعی سے مانعت کسی مکروہ صفت کے ساتھ ہونے کی بناء پر اس کی سببیت کو ختم نہیں کرتی ہے اور یہ ان لوگوں کے رد کے لئے بہت دقیق ہے جو ممنوع طلاق کا اعتبار کرتے ہیں لیکن ممنوع بیع کا اعتبار نہیں کرتے کیونکہ دونوں واقعہ نظریہ کے اعتبار سے برابر ہیں لیکن اہل ظاہر کی مخالفت میں اس سے کام نہیں چلتا کیونکہ جملہ تصرفات شرعیہ میں جبکہ اس سے منع کیا جائے تو قول کو رد کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کا کوئی اعتبار نہیں اور اسی لئے حایضہ کی طلاق کا اعتبار نہیں کرتے کہ وہ ممنوع ہے اور اس کی صحت پر اعتراض کرتے ہیں جو پہلے فریق یہ ثابت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طلاق کے اعتبار کرنے کا حکم دیا جو ابن عمرؓ نے دی تھی۔

اس کی ایک مثال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مدت والے قرض کی دستاویز لکھنے کا حکم دیا ہے اور اس کی نہایت تاکید کی ہے جیسا کہ اُن آیت دین کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے لیکن اکثر فقہاء کی رائے ہے کہ قرض کا لکھنا واجب نہیں اور وہ ایک ہدایتی حکم ہے تو جس نے اس پر عمل کر لیا اس نے اپنے نفس کی احتیاط کر لی اور جس نے نہیں کیا تو اس پر کوئی گناہ نہیں صرف یہ کہہ سکتے ہیں کہ اپنے نفس کے لئے احتیاط کو چھوڑ دیا اور اُن کی یہ رائے اللہ تعالیٰ کے اس قول سے ماخوذ ہے جو ختم آیت پر ہے۔

فان امن بعضکم بعضا فلیؤو الذی اؤتمن امانتہ۔
اگر ایک دوسرے کا اعتبار کرتا ہو تو جس شخص کا اعتبار کر لیا گیا ہے اس کو چاہیے کہ وعدہ مرے کا پورا حق ادا کر دے۔

اور اہل ظاہر نے اس میں اختلاف کیا ہے اور کہا ہے کہ قرض کی کتابت فرض ہے مثل اور واجبات کے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے جس نے نہیں لکھا وہ گناہگار ہے اور غالباً وہ اس کو اس وقت مقید کرتے ہیں جبکہ قرض خواہ قرضدار کو حکم نہ دے جیسا کہ آخری آیت سے ظاہر ہے۔ اور امر و نہی کے مسئلہ میں بحث اور اس پر جو خلاف مرتب ہوتا ہے استنباط میں اس قدر طویل دامانی رکھتا ہے کہ جس کا استقصاء ممکن نہیں جس قدر کہ ہم نے یہاں بیان کر دیا یہ جاننے کے لئے کافی ہے کہ وہ نزاع کا میدان ہے اور اختلاف کے اسباب میں سے ایک سبب ہے اور یہی ان لوگوں کے درمیان فرق کو ظاہر کر دیتا ہے جن میں ایک فقہ کی روح کا خیال رکھتا ہے اور دوسرا فریق صرف نصوص کی عبارت و حروف پر نظر رکھتا ہے۔

اصول فقہ کی تدوین

احکام کے اصول میں اختلاف کی وجہ سے فقہاء نے اصول فقہ مدون فرمائے اور یہ وہ قواعد ہیں جن پر ہر مجتہد احکام کے استنباط میں ان کا اتباع کرتا ہے اور حضرات ابو یوسف و محمد بن حسن رحمہما اللہ کی تاریخ میں بیان کیا گیا ہے کہ انھوں نے ان اصول کے بارہ میں کوئی کتاب لکھی تھی لیکن افسوس کہ ان کی کتابوں میں سے کوئی کتاب ہم کو دستیاب نہ ہو سکی۔ لیکن جو کچھ ہم تک پہنچا اور جو اس علم کی صحیح بنیاد اور اس میں نظر کرنے والوں کے لئے دولت عظمیٰ ہے تو وہ وہ رسالہ ہے جس کو محمد بن ادریس امام شافعیؒ کی مصری نے بکھوایا ہے جس میں درج ذیل امور سے بحث کی گئی ہے۔

(۱) قرآن اور اس کے بیان سے (۲) حدیث اور قرآن سے اس کی نسبت کا جو مقام ہے (۳) ناسخ و منسوخ (۴) احادیث کی علتوں سے (۵) خبر واحد (۶) اجماع (۷) قیاس (۸) اجتہاد (۹) استحسان (۱۰) اختلاف۔

فصل اول میں قرآن پاک کی کیفیت اور اس کی مختلف اقسام بیان کی ہیں۔

(۱) جس کو اللہ نے اپنی مخلوق کے لئے حکم قطعی قرار دیا جیسے جملہ فرائض۔

(۲) جس کو اللہ نے اپنی کتاب میں فرض قرار دیا اور اس کی کیفیت اپنے نبیؐ کی زبان بیان کی

ہو جیسے نماز کے رکعات کی تعداد۔

(۳) جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنت قرار دیا جس میں اللہ تعالیٰ کا کوئی

حکم قطعی نہیں ہے۔

(۴) جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر اس کے طلب میں اجتہاد فرض کیا اور اجتہاد سے ان کے طاعت کی آزمائش ہو جیسے اور فرائض میں اطاعت کی آزمائش کی اور ہر قسم کی متعدد مثالیں دیں جو سمجھنے کے لئے کافی ہوں۔

پھر بیان کیا کہ قرآن عربی میں ہے اس میں کوئی چیز زبان عرب کے سوا نہیں ہے اور ان لوگوں سے مناظرہ کیا جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ قرآن میں عربی اور عجمی دونوں زبانوں کے الفاظ اور ان کے اس بات کو ثابت کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اہل عرب قرآن اسی طرح سمجھیں گے جیسے کہ عرب اپنے کلام سے اس کے معانی سمجھتے ہیں اور عربوں کی بول چال کی طریقہ یہ ہے کبھی یہاں لفظ بولتے ہیں جن کا ظاہر بھی عموم ہوتا ہے اور اس سے مراد بھی عموم ہوتی ہے جیسے کہ قرآن مجید میں اس کی مثال یہ ہے

اللہ خالق کل شئی فاعبدوا وہو علی کل شئی وکیل۔
اللہ ہر چیز کا پیدا کر نیوالا تو تم لوگ اس کی عبادت کرو اور وہ ہر چیز کا ساز ہے۔
اور کبھی اس کا بظاہر عموم ہوتا ہے مگر اس سے خاص مراد ہوتا ہے اور اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے۔

الذین قال لھما الناس ان الناس قد جمعوا لکم۔
یہ ایسے لوگ ہیں کہ لوگوں نے ان سے کہا کہ لوگو! تمہارے لئے جمع ہوئے ہیں۔
تو نہ تو تمام لوگوں نے کہا نہ تمام لوگ جمع ہوئے اور کبھی کلام کا ظاہر کسی خاص معنی پر دلالت کرتا ہے اور سیاق کلام اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس سے مراد ظاہر ہی معنی نہیں جیسے اللہ کا یہ ارشاد۔

واسأل القریۃ الی کنا فیھا والعیبر الی اقبلنا فیھا۔
اور اس بستی سے پوچھ لیجئے جہاں ہم موجود تھے اور اس قافلہ والوں سے پوچھ لیجئے

جس میں ہم شامل ہو کر آئے ہیں۔
تو سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد گاؤں والے اور قافلہ والے ہیں اور کبھی قرآن کا ظاہر تو عام ہوتا ہے اور سنت اس کے خصوص پر دلالت کرتی ہے جیسا کہ آیت میراث میں ہے کہ ظاہر تو عام معلوم ہوتا ہے لیکن سنت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے بعض والے

اور بچے اور شوہر بیوی مراد ہیں یعنی وہ والدین اور بچے اور میاں بیوی جن کا دین ایک ہو اور ان میں سے قاتل اور غلام وارث نہ ہوں گے۔

اس کے بعد یہ بیان فرمایا ہے کہ سنت اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے حکم سے اتباع کے لئے فرض کی گئی ہے اور یہی حکمت ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے۔
ويعلمهم الكتاب والحكمة۔ اور انکے (آسمانی) کتاب کی اور حکمت کی تعلیم دیا کریں۔

اور یہ ارشاد

واذکرن ما یتلی فی بیوتکن من آیات اللہ والحکمۃ۔ اور تم ان آیات الہیہ کو اور اس علم (احکام) کو یاد رکھو جس کا تمہارے گھروں میں چرچا رہتا ہے۔

اور انھوں نے سنت کی حجیت پر تفصیلی دلائل قائم کئے ہیں اور پھر فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتیں اللہ عزوجل کی کتاب کے ساتھ دو طریقوں سے متعلق ہیں۔ ایک یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کا اتباع اسی طرح کیا جس طرح اللہ تعالیٰ نے اتارا ہے اور دوسری محفل ہیں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے تشریح بیان اور اس کی وضاحت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو کس طرح فرض کیا ہے اور یہ کہ وہ خاص ہے یا عام ہے اور بتایا ہے کہ بندے ان پر کیسے عمل کریں لیکن ہر دو میں اپنے اللہ تعالیٰ کے کلام کا اتباع کیا ہے پھر فرمایا کہ حدیث کی ایک تفسیری قسم وجہ بھی ہے یعنی وہ حدیثیں کہ جن کے متعلق قرآن مجید کا کوئی حکم صریح نہیں ہے اور اس میں اختلاف ہے بعض نے تو اس کو جائز قرار دیا ہے بعض نے کہا ہے کہ ان کی کوئی ایسی سنت نہیں ہے جس کی اصل قرآن مجید سے نہ ہو تو جو کچھ آپ نے حلال و حرام فرمایا وہ دراصل اللہ تعالیٰ کے حکم کی تفصیل ہے جیسے نماز اور بعضوں نے کہا ہے کہ آپ کے پاس اللہ کا پیغام آیا تو آپ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے حدیثوں کو مسنون فرمایا اور بعضوں نے کہا کہ تمام حدیثیں بذریعہ اہل بیت کے دل میں ڈالی گئیں امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جو کچھ بھی ہو بہر حال اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی اطاعت فرض کر دی اس کے بعد نسخ و منسوخ کے بارے میں آپ نے کلام کیا پھر ظاہر کیا کہ قرآن میں کبھی نسخ ہوتا ہے اپنے مخلوق پر رحم اور توسع کے لئے اور ان پر جو نعمت کی ابتدا کی گئی تھی اس میں زیادتی کے لئے۔ اور ظاہر کیا کہ قرآن مجید صرف قرآن ہی منسوخ ہوتا ہے حدیث سے قرآن کا نسخ نہیں ہو سکتا بلکہ حدیث قرآن کے تابع ہوتی ہے کبھی بعینہ نص قرآن کا اتباع کرتی ہے اور کبھی اللہ تعالیٰ کے محل کلام کے مرادی معنی کی تفسیر کرتی

ہے اسی طرح حدیث بھی حدیث ہی سے منسوخ ہو سکتی ہے۔ اور ان کی دلیل سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کی رائیں جو حدیث سے کم درجہ پر ہیں حدیث کو منسوخ نہیں کر سکتیں مگر وہ قرآن سے منسوخ ہو سکتی ہیں مگر اس کے ساتھ کوئی ایسی سنت بھی ہو جو ظاہر کرے کہ وہ منسوخ ہے اور وہ اس احتیاط کی بنا پر ہے کہ لوگ عموم قرآن کو لے کر کہیں خاص سنتوں کو نہ چھوڑیں اور یہ دلیل پیش کریں کہ عموم قرآن خاص سنت کا نسخ ہے چنانچہ انھوں نے اس کی وضاحت کی ہے پھر بیان کیا کہ کبھی سنت سے یہ دلیل لی جاتی ہے کہ ایک قرآنی آیت دوسری آیت منسوخ کر رہی ہے جیسا کہ وصیت اور میراث کی آیتوں میں۔

کا وصیتہ وارث - وارث کے لئے وصیت نہیں ہے۔
اس حدیث سے دلیل لی گئی ہے کہ میراث وصیت کی نسخ ہے لہذا والدین و اقربا کے لئے وصیت کی ضرورت نہیں مگر طاؤسؓ اور ان کے ساتھ چند لوگوں کا خیال ہے کہ وصیت والدین کے لئے تو منسوخ ہے لیکن غیر وارث اقرباء کے لئے باقی ہے۔
آپ نے پھر کچھ مثالیں ان فرائض کی دیں جن کو اللہ تعالیٰ نے بطور حکم کے نازل فرمایا اور پھر فرائض منصوصہ بیان کئے جن کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ اور وہ فرض منصوص بھی ذکر کئے جس کے لئے سنت نے بتلایا کہ اس سے کوئی خاص چیز مراد ہے پھر فقہاء کے اتفاق کے بارے میں بیان کیا کہ وہ قاتل کو مقتول کی وراثت باوجود عموم قرآن کے نہیں دلاتے یہ ایک ایسی دلیل ہے جو ان کو لازم کراتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں میں سے کسی چیز میں فرق نہ کریں کیونکہ جب وہ اس درجہ پر ہو جس میں اللہ تعالیٰ کا کوئی فرض منصوص ہے تو وہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ بعضوں کے لئے ضروری ہے اور بعضوں کے لئے نہیں تو اس کے مثل قرآن مجید کے اور فرائض کا بھی یہی حال ہوگا اور جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احکام بیان کئے ہیں اور اس میں اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم منصوص نہیں ہے اس کا بھی یہی حال ہوگا اور مناسب یہ ہے کہ عالم اس کے لزوم میں کوئی شک نہ کرے اور جانے کہ اللہ عزوجل کے احکام پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام مختلف نہیں ہیں اور وہ ایک ہی طریقہ پر ہیں۔

اس کے بعد علل احادیث کا بیان کسی نامعلوم شخص کے اعتراض سے شروع کیا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں سے بعض تو ایسی احادیث پاتے ہیں جس کے مثل قرآن مجید

میں نص ہے اور بعض اسی کے مثل قرآن میں مجمل نصوص ہیں۔ اور بعض احادیث وہ ہیں جو قریب قریب قرآن سے ماخوذ ہیں اور بعض ایسی احادیث ایسی ہیں جن کے متعلق قرآن میں کچھ نہیں ہیں اور بعض احادیث متفق الیہ ہیں اور بعض مختلف اور بعض ناسخ و منسوخ اور بعض مختلف کہ جس میں ناسخ و منسوخ کی کوئی دلالت نہیں ہے۔ اور بعض میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ممانعت ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس میں آپ نے جس چیز سے منع کیا ہے وہ حرام ہے اور بعض میں ممانعت ہے تو کہتے ہیں کہ آپ کی ممانعت اور حکم اختیاری ہے نہ کہ حرمت کے طریقہ پر پھر ہم دیکھتے ہیں کہ تم بعض مختلف احادیث کو لیتے ہو اور بعض کو چھوڑ دیتے ہو اور تم لوگ حضور کی بعض احادیث پر قیاس کرتے ہو اور تمہارے اس قیاس میں اختلاف ہو جاتا ہے اور بعض احادیث کو چھوڑ دیتے ہو اس پر قیاس نہیں کرتے تو اس قیاس کے کرنے اور نہ کرنے پر تمہارے پاس کیا حجت ہے پھر تم متفرق ہو جاتے ہو کہ تم میں سے کوئی حدیث میں سے کسی چیز کو چھوڑ دیتا ہے اور جس قدر چھوڑا اسی کے مثل لے لیتا ہے یا سند کے لحاظ سے اس سے ضعیف قبول کر لیتا ہے علل حدیث کی وضاحت کے بعد حضرت معصون علیہ الرحمۃ نے پھر سنت کے ناسخ و منسوخ سے بحث کی اور اس پر بہت سی مثالیں بیان کیں اور مختلف احادیث بیان کیں جو ظاہر میں مختلف ہیں تو اس کے اختلاف کی وجوہ بیان کیں اور یہ کہ مجتہد کا عمل کس طرح ہو گا ان کی تطبیق یا ترجیح دینے کے بارے میں۔

اس کے بعد خبر واحد کے ثبوت میں بحث کی ہے اس کی حجت ہونے کے سلسلہ میں تفصیلی بحث کی ہے۔

پھر جماع کے مسئلہ میں بحث کی ہے اور اس کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات سے دلیل بیان کی ہے جن کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت مسلمین کے لزوم کی ترغیب دی ہے اور کہا کہ اس کے معنی بجز اس کے نہیں ہیں کہ مسلمانوں کی جماعت جس چیز کو حلال و حرام کہتی ہے اُسی کی اطاعت کرنی چاہیے۔

پھر قیاس و اجتہاد پر بحث کرتے ہوئے کہا کہ یہ دونوں ایک ہی چیز کے مختلف نام ہیں اور قیاس کی دو صورتیں ہوتی ہیں

ایک تو یہ ہے کہ چیز اصل کے معنی میں رہے کہ اس میں قیاس مختلف نہ ہو دوسری یہ کہ ایک چیز کے اصول میں متعدد مشابہ چیزیں ہوں اس وجہ سے اس چیز کا قیاس اس سے کیا ہو جو اس سے

زیادہ متعلق ہو اور اس سے مشابہ ہو اور اسی میں قیاس کرنے والے مختلف ہوتے ہیں اور انھوں نے قیاس کی حجت بیان کرتے ہوئے ثابت کیا ہے کہ وہ امور دین سے ہے اور اجتہاد سے جو اختلاف پیدا ہوا اس میں وسعت دی اور حضرت عمرو بن العاص کی حدیث روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب حاکم نے حکم کیا اور اس میں اجتہاد کر کے صحیح فیصلہ کیا تو اس کو دو اجر ملیں گے اور اگر اجتہاد میں خطا کی تو اس کو ایک اجر ملے گا۔

پھر استحسان سے بحث کی اور اس کے قائلین کی تردید کی اور استحسان یہ ہے کہ جو حدیث و قیاس کے بغیر ہو اور یہ بھی بتایا ہے کہ کس کو قیاس کا حق ہے پھر فرمایا کہ قیاس کی کئی وجوہ ہیں جس میں قوی تر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقطور اس احرام بتائیں تو اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس کا قلیل حرام ہوگا تو اس کا کثیر بھی حرام ہوگا کی قلت پر شدت کی زیادتی سے وہ زیادہ حرام ہوگا اور اسی طرح جب تھوڑی سی طاعت کی تعریف اللہ تعالیٰ نے کی ہے تو زیادہ پر تو اس کی تعریف بدرجہ اولیٰ ہوگی اور اسی طرح جب زیادہ چیز جائز ہو تو اس سے اقل بھی چاہیے کہ جائز ہو اور بعض اہل علم تو اس کو قیاس ہی نہیں سمجھتے اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو حلال یا حرام کیا اور تعریف کی یا ایرائی کی اس کا یہی مطلب کیونکہ وہ اس میں داخل ہیں تو وہ بعینہ وہی چیز ہے دوسری چیز پر اس کا قیاس نہیں کیا جو چیز کہ حلال یا حرام کے معنی میں ہیں ورنہ کو حرام یا حلال کر دیا اس کو بھی وہ قیاس نہیں کہتے قیاس صرف اس کو کہتے ہیں جس میں دو مختلف معنوں کی مشابہت ہو اور اس میں اس کا ثبوت دیا جائے کہ اس کا قیاس صرف ایک پر ہو سکتا ہے دوسرے پر نہیں ہو سکتا ان کے علاوہ دوسرے اہل علم کہتے ہیں کہ کتاب و سنت کے سوا جو چیز ان کے معنی میں ہو و قیاس ہے۔

پھر اختلاف کے بارے میں بحث کی ہے اور بیان کیا ہے کہ کس چیز میں اختلاف جائز نہیں ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جس بات کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حجت کے طور پر یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر حکم صریح قرار دیا ہو تو اس میں اختلاف جائز نہیں اس کے لئے جو اس کو جان لے اور جس میں اختلاف جائز ہے اور وہ وہ ہے جس میں تاویل کا احتمال ہے یا قیاس سے معلوم ہو سکتی ہے اور اس کے ساتھ بہت سی مثالیں دی ہیں کہ جن کے احکام انھوں نے قیاس سے مستنبط کئے ہیں اور جو لوگ قیاس میں ان کے مخالف ہیں ان سے مناظرہ کیا ہے جس سے ان کی قوت تعبیر اور کثرت اطلاع کا ثبوت ملتا ہے۔

امام شافعیؒ کی تحریروں میں سب سے بڑی خوبی جو پائی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ جن سے مناظرہ کرتے

ہیں ان کے اقوال پوری حجت کے اور واضح براہین کے ساتھ نقل کرتے ہیں اور حتی الامکان پوری قوت کے ساتھ اس کی تفصیلات درج کرتے ہیں پھر ان کی دلیلوں کا رد کرتے ہیں اور حدیث سے اپنے اور اپنے مخالفین کے لئے ناقابل تردید دلیلیں بیان کرتے ہیں حالانکہ بعض متاخرین نے حدیث سے دلیل لانے میں صرف اس قدر لکھنے پر اکتفا کیا ہے کہ ”حدیث ایک دینی ضرورت ہے“ اس بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان دونوں علموں میں کس قدر فرق ہے۔

یہ رسالہ جیسا کہ ہم نے لکھا ہے اس عہد قدیم کے آثار قدیمہ سے ہے جس سے اس زمانہ کے لوگوں کی بہت سی عادات کا اندازہ ہوتا ہے مثلاً حسن کتابت، حسن ادب اور اپنے مخالفین کا مناظروں میں ادب و احترام اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مناظروں میں کتاب و سنت کے معاملہ میں وہ کس قدر حاضر الذہن رہتے تھے۔

اصطلاحات فقہیہ کا ظہور

قرآن شریف اس بات کو جس کی طلب مقصود تھی ان طریقوں سے طلب کرتا تھا جس کی وضاحت ہم نے دراول میں کی ہے اور کسی اسلوب کو دوسرے اسلوب پر قوت طلب میں کوئی فضیلت نہ تھی بلکہ سب اس معاملہ میں یکساں تھے اور اسی طرح سنت بھی اسی چیز کو طلب کرتی تھی جس کی طلب اس کو مقصود تھی فقہاء کی نظروں کے سامنے جب مطالبات متماثر ہونے لگے تو وہ اس کو اختیاً کرنے پر مجبور ہوئے جو اس کی دلالت کریں اور وہ فرض۔ واجب سنت۔ مندوب مستحب ہیں۔

فرض و واجب دو اسم ہیں اس بات کے جس کی طلب حتمی ہو بجز اس کے کہ فرض حنفیہ کے نزدیک اس چیز کا نام ہے جس کی طلب دلیل قطعی سے ثابت ہو جیسے آیات قرآنیہ اور جو حدیثیں نص ہونے کے ساتھ تو اتر یا شہرت سے ثابت ہوں اور واجب وہ ہے جس کی طلب ایسی دلیل کے ساتھ کی جائے جو نزول یا دلالت یا دونوں طریقے سے ظنی ہو مثلاً ان کے نزدیک ہر نماز کی دو رکعت میں قرآن پاک مکنت تلاوت فرض ہے اور دونوں رکعتوں میں سورہ فاتحہ کی قرأت واجب ہے فرض کے چھوڑنے پر نماز باطل ہوگی اور واجب کو اگر سہواً چھوڑا تو سجدہ سہو واجب ہوگا اور عمدہ چھوڑنے پر نماز کا دہرا نادقت کے اندر واجب ہوگا اور اگر وقت نکل گیا تو گنہگار ہوگا، لیکن غیر حنفیہ کے نزدیک فرض و واجب میں کوئی فرق نہیں ہے بلکہ ہر وہ چیز جو حتماً طلب کی گئی فرض و واجب ہے خواہ یہ دلیل قطعی سے طلب کی گئی ہو یا ظنی سے لیکن

یہ لوگ ان دونوں کے درمیان حج کے مسائل میں فرق کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جس کو شارع نے طلب کیا اس کے نقصان کی تلافی کرنے والی کوئی چیز نہیں وہ فرض و قیود عرفہ اور طواف افاضہ ہے اور جس مطالبہ کے ترک کی تلافی "دم" یعنی قربانی سے ہو سکتی ہے وہ واجب ہے جیسے احرام اور ان کے نزدیک ایک فرض ایسا بھی ہے جس کو فرض کفایہ کہتے ہیں اور وہ اس فعل کو کہتے ہیں جس کو شارع نے طلب کیا ہے یعنی جس میں کرنے والا مقصود یا مخصوص نہیں ہے بلکہ اس کو کوئی بھی مکلف شخص اگر ادا کر دے تو باقی تمام لوگوں کا فرض ادا ہو جائے گا اور اگر اس کو کسی نے بھی ادا نہیں کیا تو سب گناہگار ہوں گے۔

جس مامور بہ پر اس کا غیر موقوف ہو وہ اگر اس کی حقیقت سے خارج ہو تو اس کو شرط کہتے ہیں جیسے نماز کے لئے قبلہ کی طرف رخ کرنا اور اگر وہ اس کا جزو ہو تو اس کو رکن کہتے ہیں جیسے نماز میں رکوع۔

اور حنفیہ کی اصطلاح میں سنت اس کو کہتے ہیں جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ملامت کی ہو اور کبھی اس کو بلا عذر چھوڑ بھی دیا ہو اور مندوب و مستحب وہ ہے جس کی آپ نے پابندی نہ کی ہو بلکہ ترغیب دلانے کے بعد اس کو کیا بھی نہ ہو اور ایک دوسری اصطلاح ہے کہ سنت اور مندوب و مستحب ایک ہی معنی میں ہیں اور وہ یہ ہے کہ اس کا مطالبہ تاکید طوری پر نہ ہو البتہ جس کو حنفیہ سنت کہتے ہیں وہ اس کو سنت مؤکدہ اور وہ جس کو مندوب و مستحب کہتے ہیں اس کو بہ لوگ غیر مؤکدہ کہتے ہیں۔

اور جس نے باز رہنے کا شارع نے مطالبہ کیا اس کو یہ حرام و مکروہ کہتے ہیں چنانچہ حرام حنفیہ کے نزدیک فرض کے مقابل میں ہے اور مکروہ تحریمی واجب کے مقابل میں ہے اور مکروہ تنزیہی سنت کے مقابلہ میں اور ان کے علاوہ دوسروں کے نزدیک حرام فرض و واجب کے مقابل ہے ان کے مترادف ہونے کی وجہ سے اور مکروہ تحریمی سنت مؤکدہ کے مقابلہ میں اور مکروہ تنزیہی سنت غیر مؤکدہ کے مقابلہ میں ہے۔

اور شارع نے جس کے متعلق نہ کرنے کا مطالبہ کیا ہو نہ باز رہنے کا اس کو مباح کہتے ہیں بعض فقہار کے نزدیک فاسد و باطل بھی اصطلاحات فقہیہ ہیں اور وہ دونوں ایک ہی چیز کے نام ہیں اور وہ یہ ہے کہ جس چیز کا کرنا کرنے والے کے لئے کافی نہ ہو اور اس کے کرنے کا کوئی نتیجہ نہ ہو لیکن حنفیہ ان دونوں کے درمیان فرق کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ باطل کا

کوئی اثر ظاہر نہیں ہوتا اور فاسد کا اثر تو ظاہر ہوتا ہے لیکن ناقص اسی طرح اور اصطلاحات ہیں جو کتب فقہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتی ہیں۔ یہاں ہم صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ان میں زیادہ تر اصطلاحات جدید پیدا شدہ ہیں۔

(۸) ان جلیل القدر فقہاء کا ظہور جنکی قیادت کو عوام نے تسلیم کر لیا

گزشتہ دونوں زمانوں کے فقہاء کی شہرت صرف اس حد تک باقی رہی کہ ان کے اقوال کتب اختلاف میں ذکر کئے جاتے رہے باوجودیکہ ان کی تعداد بھی زیادہ تھی اور ان کی شان بھی بڑی تھی ان میں فقہاء صحابہ بھی تھے فقہاء تابعین بھی جن کا شریعت اسلامی میں بڑا اثر تھا کیونکہ وہی سلف صالح تھے اور ان کے بعد آنے والوں کے لئے چراغ ہدایت تھے اس کے باوجود ان کے نام نہ کر کے رکھ دئے گئے اور ان میں سے کوئی بھی جمہور کا مقتدا نہیں مانا گیا کہ ان کے نقش قدم پر چلیں اور تمام رایوں میں ان کی تقلید کریں لیکن اس دور میں ایسے مجتہدین ظاہر ہوئے کہ جمہور نے ان کو ائمہ تسلیم کیا ان کے نقش پر چلنے اور ان کی رایوں پر عمل کرنے لگے حتیٰ کہ ان کی رایوں کو کتاب سنت کے احکام قطعی کا درجہ دینے لگے کہ کسی کو ان سے تجاوز کرنا جائز نہ رہا اور ان کو یہ امتیاز حسب ذیل اسباب نے بخشا۔

(۱) ان کی تمام رائیں مدون کی گئیں اور یہ سلف میں کسی کے لئے نہیں ہوا۔

(۲) ان کے ایسے شاگرد پیدا ہوئے جو ان کے اقوال کو پھیلانے اور ان پر ہونے والے اعتراضات کا جواب دینے اور ان کی مدد کے لئے کھڑے ہو گئے ہیئت اجتماعی میں ان کا ایک مقام تھا جس نے ان کی رائے کو قابل وقعت قرار دیا

(۳) عوام کی خواہش یہ چاہتے تھے کہ قاضی جس مذہب پر چل رہا ہے اس کا ان کو علم رہے تاکہ ان کی آزاد رائے کے متعلق یہ گمان نہ رہے کہ یہ قضا میں خواہش نفسانی کی پیروی کر رہے ہیں اور یہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کا مذہب مدون نہ ہو۔

اب ہم ان فقہاء کے حالات بیان کرتے ہیں جن کے مذاہب مدون ہوئے اور مختلف شہروں میں ان کے متبع موجود تھے ان کی امتیازی شان کے ساتھ ان کا تذکرہ کرتے ہیں۔

۱۔ امام ابوحنیفہؒ | نعمان بن ثابت زوطیؒ میں کوفہ میں پیدا ہوئے عالم شباب میں یعنی دوسری صدی کی ابتداء میں حماد بن ابی سلیمان سے فقہ کی تعلیم حاصل کی اور اکثر علماء تابعین سے

حدیث کی سماعت کی جیسے عطار بن ابی زباج و حضرت ابن عمر کے مولیٰ نافع، ابو حنیفہؒ نے بنی امیہ سے بنی عباس کی طرف خلافت کے منتقل ہونے کا زمانہ پایا اور اس منتقلی میں کوفہ حرکت کبریٰ کا مرکز تھا اور وہیں ابو العباس سفاح کی بیعت مکمل ہوئی اور اس حرکت میں ان کا کوئی ذکر ہم نے نہیں سنا۔ بجز اس کے کہ کہا جاتا ہے کہ یزید بن ہبیرہ نے جو مردان بن محمد کی طرف سے عراق کا والی تھا ان پر ولایت قضا کا عہدہ پیش کیا تھا امدان کے انکار پر ان کی سزا دی تھی ہم اگر اس کو تسلیم کر لیں کہ ایک شخص نے ولایت قضا سے انکار کر دیا تو یہ تسلیم کرنا مشکل ہے کہ اس پر اس کو سزا دی جاسکتی ہے کیونکہ کوڑے سے مارنا انتہا کی حقارت آمیز سلوک ہے جس کو کوئی ماقبل ایسا نہیں کر سکتا کہ کسی انسان کو ایسے منصب کے قبول کرنے کے لئے کہ جو امارت کے بعد اشرف ترین منصب ہے یعنی منصب قضا راہی سزا دے کہ یہ اگر درست بھی ہو کہ وہاں انکار کے علاوہ کوئی بات نہیں تھی تب بھی ہم یہ گمان نہیں کرتے کہ ان کے انکار سے امیر کے دل میں اس قدر کینہ پیدا ہو گیا ہو کہ وہ اس سزا کے جاری کرنے پر مجبور ہو گیا ہو خصوصاً جبکہ کوفہ میں فقہار کافی تعداد میں تھے تو ابن ہبیرہ کے لئے مشکل نہ تھا کہ ان میں سے کسی کا انتخاب کرے جو اس منصب کو قبول کرے۔ میرا خیال یہ ہے کہ اس پیش کش سے اُس کی غرض انکا امتحان لینا تھا کہ حکومت سے ان کی محبت کا اندازہ لگایا جاسکے کیونکہ علماء عام طور سے جس حکومت کو پسند نہ کرتے تھے اس کا کوئی عہدہ قبول نہیں کرتے تھے تاکہ ان کا عمل حکومت کی تائید کا ذریعہ نہ ہو جائے اور یہی ہوا کیونکہ اس زمانہ میں کوفہ میں دو انقلابی شخص پیدا ہوئے ایک زید بن علی بن حسین جنھوں نے ۱۲۱ھ میں ہشام بن عبدالملک کی خلافت کے زمانہ میں یوسف بن عمر ثقفی کی امارت میں بغاوت کی عراق میں قتل ہوئے اور دوسرے عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر جنھوں نے ۱۲۲ھ میں جبکہ حکومت میں بنی ہاشمی ہو رہی تھی بغاوت کی اور جیسا کہ اُن کے سیرت نگاروں نے لکھا ہے ممکن ہے کہ یہی الفاظ انھوں نے عبداللہ بن معاویہ کے زمانہ میں دہرائے ہوں اس لئے ابن ہبیرہ نے ان کی آزمائش کرنی چاہی ہو کہ بنی امیہ سے ان کی محبت کس قدر ہے اسی لئے ان پر قضا کو پیش کیا اور ان کے انکار پر ان کو سزا دی کیونکہ اس کو یقین ہو گیا کہ بنی امیہ سے وہ منحرف ہیں نہ اس وجہ سے کہ انھوں نے عہدہ قضا سے انکار کیا۔

ابو حنیفہؒ کو کوفہ میں پارچہ کے تاجر تھے ریشمین کپڑے فروخت کرتے تھے اور صدق معاملہ اور معاملہ کی خلاف ورزی سے نفرت کرنے میں مشہور تھے خوبصورت اور آداب مجلس سے واقف اور اپنے بھائیوں کے لئے بہترین راہی کرنے والے تھے میانہ قدر گفتگو میں نرم اور شیریں لہجہ

رکھتے تھے جعفر بن ربيع کہتے ہیں کہ میں ابو حنیفہؒ کے پاس پانچ سال رہا ان سے زیادہ خاموش رہنے والا میں نے کسی کو نہیں پایا لیکن جب فقہی مسئلہ ان سے پوچھا جاتا تو خوب خوب علمی نکات بیان فرماتے اور دیر کی طرح بہتے لگتے قیاس کے امام تھے عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں کہ میں نے سفیان ثوری سے پوچھا کہ امام ابو حنیفہؒ غیبت سے اس قدر دور رہتے ہیں کہ میں نے ان کو دشمن کی بھی غیبت کرتے کبھی نہیں سنا تو فرمایا کہ وہ بہت سمجھدار ہیں کہ اپنی نیکیوں پر کسی ایسے کو مسلط نہیں کرنا چاہتے جو اس کو ختم کر دے، بہت سے طالبان علم ان کے پاس پہنچے اور ان سے علم حاصل کیا اور وضع مسائل میں اور ان کے جوابات میں ان کی مدد کی اور استنباط میں ان کا طریقہ جیسا کہ خود انھوں نے بیان کیا ہے یہ تھا کہ میں اول اللہ کی کتاب کو لیتا ہوں اور اس میں سے احکام حاصل کرتا ہوں اور جب اس میں نہ ملے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور صحیح احادیث جو معتبر ذرائع سے لوگوں میں پھیلی ہوں لیتا ہوں اور جب میں کوئی مسئلہ نہ اللہ کی کتاب میں پاتا ہوں نہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تو آپ کے اصحاب کے قول پر غور کرتا ہوں اور اس میں سے جس کو چاہتا ہوں لے لیتا ہوں اور جس کو چاہتا ہوں چھوڑ دیتا ہوں ان کے قول کے علاوہ کچھ نہیں لیتا ہوں لیکن جب معاملہ ابراہیم اور شعبی اور حسن اور ابن سیرین اور سعید بن المسیب تک (اور کسی مجتہدین کے نام بھی لئے) پہنچتا ہے تو جیسا انھوں نے اجتہاد کیلئے مجھے بھی حق ہے کہ میں اجتہاد کروں۔

اور سہل بن مزاحم کہتے ہیں کہ

ابی حنیفہؒ کا امتیاز یہ ہے کہ وہ معتبر لوگوں کے کلام کو اختیار کرتے ہیں اور برائی سے دور رہتے ہیں اور یہ بھی ان کی خصوصیت ہے کہ لوگوں کے معاملات میں اور جس پر وہ قائم رہ سکیں نظر رکھتے ہیں اور اسی وجہ سے ان کے معاملات درست ہیں وہ مسائل میں قیاس کرتے ہیں لیکن جہاں قیاس میں کوئی برائی نظر آتی ہے تو استحسان پر فیصلہ کرتے ہیں اور جب استحسان سے بھی کام نہ چلے تو پھر اس چیز کی طرف رجوع کرتے ہیں جس پر مسلمانوں کا عمل رہا ہے اور وہ پہلے حدیث مشہور کی سند جس پر سب کا اتفاق ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتے پھر قیاس کرتے جب تک کہ قیاس کام دیتا پھر استحسان کی طرف رجوع کرتے اور ان میں جو زیادہ قابل قبول ہوتا اس کو اختیار کرتے۔ محمد بن حسنؒ کہتے ہیں کہ ابو حنیفہؒ اپنے اصحاب سے قیاس کردہ امور میں مناظرہ کرتے اور لوگ ان سے بحث کرتے اور مقابلہ کرتے حتیٰ کہ جب وہ یہ کہہ دیتے کہ میں اس کو مستحسن سمجھتا ہوں تو کوئی

ان میں ان کی گرد کو نہیں پہنچ سکتا تھا کیونکہ وہ استحسان میں بہت سے مسائل لاتے تھے پس وہ انکو چھوڑ دیتے اور ان کی اطاعت کرتے اور ابو حنیفہ اہل کوفہ کی حدیث و فقہ کو خوب جانتے تھے اور ان کے شہر میں لوگ جس طریقہ پر رہتے تھے وہ سختی سے اس کی پابندی کرتے تھے۔

ان کے زمانہ میں کوفہ کے تین بڑے فقہار تھے جو حسب ذیل ہیں۔

(۱) سفیان بن سعید ثوری جو اہل حدیث کے ائمہ میں سے ایک تھے لوگ ان کے دین اور ان کی پرہیزگاری و زہد و ثقہ پر متفق تھے۔ اور وہ ان ائمہ مجتہدین میں سے ایک تھے جن کے لوگ مقلد تھے، سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ حلال و حرام کو جاننے والا ثوری سے زیادہ میں نے کسی کو نہیں پایا ۹۷ھ میں ولادت ہوئی اور ۱۶۱ھ میں وفات پائی۔

(۲) شریک بن عبد اللہ نخعی، بخارا میں ۹۵ھ میں پیدا ہوئے عالم فقیہ، زیرک، سمجھدار، ہوشیار تھے ہمدی کے زمانہ میں کوفہ کے قاضی ہوئے پھر موسیٰ ہادی نے ان کو معزول کر دیا وہ قضا میں عادل تھے اکثر صحیح فیصلے کرتے حاضر جواب تھے ۱۷۱ھ میں کوفہ میں وفات پائی۔

(۳) محمد بن عبد الرحمن بن ابی یعلیٰ ۱۷۱ھ میں ولادت پائی اصحاب رائے سے تھے کوفہ میں قاضی ہوئے اور (۳۳) سال تک حاکم رہے پہلے بنی امیہ کے زمانہ میں حاکم ہوئے پھر بنی عباس کے زمانہ میں فقیہ و مفتی ہوئے ثوری فرماتے ہیں کہ ہمارے فقہار ابن ابی یعلیٰ اور ابن شہرہ ۱۷۱ھ میں وفات پائی۔

اور ان تینوں فقہار اور ابی حنیفہؒ میں برابر لوگ جھونک ہو کرتی تھی پہلے یعنی سفیان، سعید ثوری کے ساتھ تو اس لئے کہ اہل حدیث و اہل رائے کے درمیان غلط فہمی تھی، ابن ابی یعلیٰ سے اس لئے کہ قاضی شہر تھے اکثر اوقات وہ ان امور میں فتویٰ دیتے جن میں ابن ابی یعلیٰ نے فیصلہ کر دیا ہو اور امام ابو حنیفہؒ ان کے خلاف فتویٰ دیتے جس سے ابن ابی یعلیٰ متاثر ہوتے حتیٰ کہ ایک مرتبہ امیر کو اس امر پر ابھارا کہ ابو حنیفہؒ کو فتویٰ دینے سے منع کر دیں اور ان کے اور شریک کے درمیان صرف معاصرانہ چشمک تھی۔

جب ابو جعفر منصور نے شہر بغداد کی بنیاد ڈالی تو مختلف شہروں سے سرکردہ علماء کثیر تعداد میں وہاں پہنچے ابو حنیفہؒ بھی ان میں شامل تھے بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہاں پر بھی دوبارہ محکمہ قضا کی پیشکش ہوئی اور اس سے انکار پر ان کو سزا دی گئی ۱۷۱ھ میں وفات ہوئی اللہ تعالیٰ اُن پر رحم فرمائے۔

امام ابو حنیفہ کے شاگرد جنہوں نے ان سے تعلیم پائی جن کو مسائل کی شاخیں نکالنے اور اس کا جواب تیار کرنے میں مہارت کا ملہ تھی ان میں مشہور شاگرد حسب ذیل ہیں۔

(۱) ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم انصاری جو ۱۳۳ھ میں پیدا ہوئے اور جب جوان ہوئے تو روایت حدیث میں مشغول ہو گئے اور ہشام بن عروہ اور ابوالاسحاق شیبانی اور عطاء بن سائب اور ان کے طبقہ سے حدیث کی روایت کی پھر فقہ کی طرف رجوع کیا اول ابن ابی لیلیٰ کے پاس ایک مستند ہے پھر ابو حنیفہ کے پاس بحیثیت شاگرد تشریف لائے اور ان کے جلیل القدر شاگردوں میں شمار ہوئے اور ان کے زبردست مددگار ہوئے انھوں نے ہی سب سے پہلے ابو حنیفہ کے مذہب پر کتاب تصنیف کی اور مسائل کو کھویا اور اس کو شائع کیا اور ابو حنیفہ کے علوم کو اطراف عالم میں پھیلایا اور ابو یوسف کی تعریف اکثر اصحاب حدیث نے کی ہے حالانکہ وہ اصحاب رائے کی تعریف کی طرف بہت کم توجہ کرتے ہیں، یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ اصحاب رائے میں ابو یوسف سے زیادہ نہ کوئی حدیث بیان کرنے والا ہے نہ رائے پر ثابت قدم رہنے والا اور یہ بھی کہتے ہیں کہ ابو یوسف صاحب حدیث و صاحب سنت ہیں ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۸۳ھ میں وفات پائی۔

(۲) زفر بن ہذیل بن قیس کوئی ۱۸۳ھ میں پیدا ہوئے اولاً اہل حدیث تھے پھر ان پر رائے غالب ہوئی اور اصحاب ابو حنیفہ میں وہ سب سے زیادہ قیس کرنے والے تھے کہتے ہیں کہ ان سب میں حدیث کے زیادہ متبع ابو یوسف تھے اور اکثر مسائل میں تفریع کرنے والے محمدؐ اور سب میں زیادہ قیاس کرنے والے زفر تھے وہ دنیا کے جھگڑوں میں منہمک نہیں ہوئے بلکہ پوری زندگی علم اور تعلیم میں مشغول رہے ۱۵۸ھ میں وفات پائی، اصحاب ابو حنیفہ میں انھوں نے سب سے پہلے وفات پائی (۳) محمد بن حسن بن فرقد شیبانی جو ان کے آزاد کردہ غلام تھے ان کے باپ حسن حرشی گاؤں کے رہنے والے تھے جو مضافات دمشق میں ہے پھر وہ عراق آئے جہاں "واسط" میں ان کی پیدائش ۱۳۲ھ میں ہوئی اور کوفہ میں نشوونما پائی پھر عباسیوں کے زیر سایہ بغداد میں رہے بچپن سے طلب علم میں مشغول ہو گئے چنانچہ حدیث کی روایت کی اور ابو حنیفہ سے اہل عراق کا طریقہ سیکھا لیکن ان کے پاس زیادہ دن نہ رہے کیونکہ محمدؐ بھی نوخیز ہی تھے کہ ابو حنیفہؒ کا انتقال ہو گیا پھر طریقہ کی تکمیل ابو یوسفؒ کے پاس کی کیونکہ عاقل بہت سمجھدار تھے لہذا بہت ترقی حاصل کی اور ابو یوسف کی زندگی میں ہی وہ اہل رائے کے مرجع بن گئے اور دونوں میں نوک جھونک ہونے لگی جو ایک زمانہ تک رہی حتیٰ کہ ابو یوسفؒ کا انتقال ہو گیا۔

محمدؐ سے ہی ابو حنیفہؒ کا مذہب پھیلا ہے کیونکہ حنفیہ کے پاس بحران کی کتابوں کے اور کچھ نہیں ہے جیسا کہ تم فصل تدوین میں دیکھو گے شافعیؒ نے بغداد میں ان سے ملاقات کی امدان کی کتابیں پڑھیں اور اکثر مسائل میں ان سے مناظرہ کیا اور ان کے مناظرے مدون شکل میں موجود ہیں اور اکثر مناظرات خود شافعیؒ کی روایات یا ان کے اصحاب کی روایات سے ہم نے دیکھا ہے۔

محمد بن حسن کی وفات ۱۸۹ھ میں رے میں اس وقت ہوئی جبکہ وہ رشید کے ہمراہ تھے۔
(۴) حسن بن زیاد لولوی کوئی جوانصار کے آزاد کردہ غلام تھے وہ اولاً ابو حنیفہ کے شاگرد تھے پھر ابو یوسف کے شاگرد ہوئے ان کے بعد محمدؒ کے اور ابو حنیفہ کے مذہب پر کتابیں لکھیں لیکن ان کی کتابوں اور رایل کی وہ حیثیت نہیں جو محمدؒ کی کتابوں و رایوں کی ہے، اور اہل حدیث میں ان کا درجہ کمتر ہے ۲۰۰ھ میں وفات پائی۔

یہ چار وہ ہیں جن سے عراقیوں کا مذہب پھیلا اور لوگوں نے ان سے علم حاصل کیا اور ابو یوسفؒ اور خصوصاً محمدؒ کو بنی عباس کے دربار میں جو امتیاز حاصل تھا اُس نے دوسرے اہل حدیث پر ان کے اقوال اور آراء کو اولیت دینے میں مدد کی اور فقہی مسائل کے بتانے اور ان کے جواب دینے میں بھی ان کو بڑی فضیلت حاصل تھی ابو حنیفہؒ کے ساتھ ان کی نسبت ایسی نہ تھی جیسی ایک مقلد کی مقلد سے ہو بلکہ ان کا تعلق شاگرد و استاد کا تھا باوجودیکہ وہ اپنے فتویٰ دینے میں خود اپنا ایک مقام رکھتے تھے اور استاذ کے فتویٰ کی موافقت پر مجبور نہ تھے بلکہ اگر ان کو کوئی سبب اختلاف کا نظر آجائے ان کی تو اور مخالفت کرتے تھے اور اسی لئے احناف کی کتب میں دیکھو گے کہ ایہ اربعہ کے اقوال ان کی دلیلوں کے ساتھ نقل کئے جاتے ہیں اور اکثر اوقات ایک ہی مسئلہ میں آثار یا معانی کے لحاظ سے چار اقوال ہوتے ہیں ایک ابو حنیفہؒ کا ایک ابو یوسفؒ کا ایک محمدؒ کا ایک زفرؒ کا اور بعض حنفیہ نے یہ کوشش بھی کی ہے کہ ان کے مختلف اقوال کو امام کے اقوال قرار دیں کہ ان سے رجوع کر لیا لیکن یہ ان ائمہ کی تاریخ سے اور ان امور سے جو ان کی کتابوں میں درج ہیں سخت غفلت کا نتیجہ ہے کیونکہ ابو یوسفؒ کتاب الخراج میں ابو حنیفہؒ کی رائے لکھتے ہیں پھر اپنی رائے صراحت سے لکھتے ہیں کہ وہ اس کے مخالف ہیں اور خلاف کا سبب یہی بتاتے ہیں اور اسی طرح اس کتاب میں لکھتے ہیں جو ابو حنیفہؒ اور ابن ابی یسلی کے خلاف میں لکھی ہے کیونکہ کبھی دونوں رایوں کے ذکر کے بعد ابن ابی یسلی کے رائے کی موافقت میں لکھتے ہیں اور محمدؒ اپنی کتاب میں امام کے اور ابو یوسف کے اور اپنے اقوال کو صراحت کے ساتھ اختلاف میں تحریر کرتے ہیں تو اگر ان لوگوں کی یہ رائے صحیح ہوتی جو

بیان کرتے ہیں کہ یہ وہ رائیں ہیں جن سے ابوحنیفہؒ نے رجوع کر لیا تو یہ اختلاف روایت ہونا اختلاف رائے نہ ہوتا۔ حالانکہ یہ طے شدہ بات ہے کہ ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کو جب اہل حجاز کی احادیث کا علم ہوا تو امام ابوحنیفہؒ کی بہت سی آراء سے رجوع کر لیا۔ چنانچہ یہ تاریخی حقیقت ہے کہ جن ائمہ حنفیہ کا ذکر ہم نے ابوحنیفہؒ کے بعد کیا ہے وہ ان کے مقلد نہیں تھے اس لئے کہ تقلید تو مسلمانوں میں اس وقت تک رائج بھی نہیں ہوئی تھی بلکہ وہ فتویٰ دینے میں مستقل مفتی تھے اور خود اپنے دلائل کی بنیاد پر فتویٰ دیتے تھے اور اپنے دلائل ہی کی روشنی میں وہ اپنے اساتذہ کی مخالفت یا موافقت کرتے تھے اور ابو یوسفؒ و محمدؒ کی نسبت ابوحنیفہؒ کے ساتھ ایسی ہی تھی جیسی شافعیؒ کی مالکؒ کے ساتھ اور ابوحنیفہؒ کے اصحاب کے وہ شاگرد جنہوں نے ان کی کتابیں نقل کی وہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) ابراہیم بن رستم مروزی جنہوں نے محمد بن حسن سے فقہ حاصل کیا اور مالکؒ سے احادیث سنی جن کے بہت سے نادر مسائل ہیں جن کو انہوں نے امام محمدؒ سے سن کر لکھا ۲۷۷ھ میں وفات پائی۔
(۲) احمد بن حفص جو ابی حفص کبیر بخاری کے نام سے مشہور ہیں محمد بن حسن سے فقہ حاصل کیا اور ان کی کتابیں ان سے روایت کیں اور محمدؒ کی کتاب مبسوط جس کو میں نے دیکھا ہے وہ انہی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے۔

(۳) بشر بن عیاض مرسی جنہوں نے ابو یوسفؒ سے فقہ حاصل کیا اور ان کے مخصوص صحابہ میں سے تھے اگرچہ وہ زاہد و متورع تھے لیکن علم فلسفہ میں ان کی شہرت کی وجہ سے لوگ ان سے اعراض کرتے تھے اور خود ابو یوسفؒ ان کی مذمت کیا کرتے تھے اور ان سے منہ پھیر لیا کرتے تھے۔ ۲۲۸ھ میں وفات پائی ان کی بہت سی تصانیف ہیں امام ابو یوسفؒ سے بہت روایتیں انہوں نے لکھی ہیں اور مذہب میں انہوں نے بڑی عجیب و غریب باتیں لکھی ہیں جن میں سے گدھے کے کھانے کا جواز ہے ان کے اور شافعیؒ کے درمیان اکثر مناظرے ہو کر تے تھے انہیں کی طرف مرجعہ کا ایک فرقہ بھی منسوب ہے جس کو مرسیہ کہا جاتا ہے۔

(۴) بشر بن ولید کنذی جنہوں نے ابو یوسفؒ سے فقہ حاصل کیا اور ان سے ان کے کتابوں کی اور ان کی املا شدہ کاغذات کی روایت کی، معتمد کے زمانہ میں قضا بغداد کے والی ہوئے ۲۳۸ھ میں وفات پائی، محمد بن حسن سے بغض رکھتے تھے اور حسن بن مالک ان کو اس سے منع کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ محمدؒ نے تو بہت کتابیں تصنیف کیں تم ایک مسئلہ تو بتاؤ! اچھے فقیہ اور عبادت گزار تھے۔

(۵) عیسیٰ بن ربان بن صدقہ قاضی محمد اور حسن بن زیاد سے فقہ حاصل کیا اور محدث تھے ۲۲۱ھ میں بصرہ میں وفات پائی۔

(۶) محمد بن سماعہ تمیمی، لیث بن سعد اور ابو یوسف و محمد رحمہم اللہ سے حدیث کی روایت کی اور آخر الذکر دونوں حضرات اور حسن بن زیاد سے فقہ حاصل کیا اور ابو یوسف و محمد سے تاو مسائل سکھے ۱۳۰ھ میں ولادت ہوئی اور ۲۳۰ھ میں وفات پائی۔ مامون کے زمانہ میں بغداد کے قاضی ہوئے اور جب انتقال ہوا تو یحییٰ بن معین نے کہا کہ اہل رستے سے فقہاء کا پھل چلا گیا۔

(۷) محمد بن شجاع ثلجی، حسن بن زیاد سے فقہ حاصل کیا اور علم میں کمال حاصل کیا اپنے وقت میں فقیہ عراق اور فقیہ حدیث میں سب سے مقدم متورع و عابد تھے ۱۳۰ھ میں انتقال ہوا ان کی کتاب تصحیح الآثار اور کتاب النوادر اور کتاب الضاریہ وغیرہ تھی مذہب معتزلہ کی طرف مائل تھے اہل حدیث کے نزدیک وہ ضعیف الروایہ تھے امدان پر بہت جرح کی ہے۔

(۸) ابوسلمان موسیٰ بن سلیمان جوزجانی، محمد سے فقہ حاصل کیا اور مسائل اصول و امانی کی کتابیں لکھیں ۲۰۰ھ کے بعد ان کا انتقال ہوا۔

(۹) ہلال بن یحییٰ بن مسلم الراے بصری، وسعت علم اور کثرت فہم کی بناء پر ان کا نام ہی رائے پڑ گیا جیسے کہ ربیعۃ الراے کہا جاتا ہے ابی یوسف و زفر سے فقہ حاصل کیا ان کی ایک تصنیف شروط اور احکام وقف میں ہے ۲۵۰ھ میں وفات پائی۔

(۱۰) ابو جعفر احمد بن عمران قاضی دیار مصریہ، محمد بن سماعہ سے فقہ حاصل کیا ابی جعفر طحاوی کے استاذ ہیں ۲۸۰ھ میں وفات پائی ایک کتاب تصنیف کی جس کو حج کہا جاتا ہے۔

(۱۱) احمد بن حنبل، ہبیر المشہور بہ خصاف اپنے باپ سے علم حاصل کیا انھوں نے حسن بن زیاد سے علم حاصل کیا علم فرائض کے ماہر حساب داں امام ابی حنیفہ کے مذاہب کے عالم تھے مہدی باللہ کے لئے ”کتاب خراج“ تصنیف کی اور ایک کتاب کتاب الحیل ہے ایک کتاب البصایا اور ایک کتاب کتاب الشروط و کتاب الوقف وغیرہ ہے ۲۶۱ھ میں وفات پائی

(۱۲) بکار بن قتیبہ بن اسد القاضی نصری، بصرہ میں ۱۸۲ھ میں ولادت ہوئی اور ہلال الراے سے فقہ حاصل کیا اور مذہب میں اپنے زمانہ کے لوگوں میں سب سے بڑے فقیہ تھے کتاب شروط، کتاب حاضر، مجملات، کتاب الوثائق و العہد تصنیف کی۔ اور ایک بہت بڑی کتاب امام شافعی کے رد میں اس کتاب کے جواب میں لکھی جو انھوں نے امام ابو حنیفہ پر اعتراض میں

نکھی بھٹی ۲۹۰ھ میں وفات پائی۔

(۱۳) ابو خازم عبد الحمید بن عبد العزیز قاضی عیسیٰ بن ربان اور ہلالؒ سے فقہ حاصل کیا اور ان کی تصانیف میں کتاب حاضر اور سجلات ہے اور ایک کتاب ادب القاضی اور کتاب الفرائض ہے ۲۹۲ھ میں وفات پائی۔

(۱۴) ابوسعید احمد بن حسین بروعی اسماعیل بن حماد بن ابو حنیفہ سے فقہ حاصل کیا انھوں نے اپنے باپ سے انھوں نے ان کے دادا سے حاصل کیا تھا نیز ابی علی وقاق سے جنھوں نے موسیٰ بن نصیر سے فقہ حاصل کیا اور انھوں نے محمدؒ سے واقعہ قرامطہ میں حجاج کے ساتھ ۳۱۷ھ میں مقتول ہوئے داؤد بن علی امام اہل ظاہر سے انکا ایک مناظرہ ہوا تھا۔

(۱۵) اس زمانہ کے متاخرین کے امام ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامہ رزدی طحاوی بہت بڑے امام ہیں ۳۲۳ھ میں ولادت ہوئی اولاً منرقی سے تعلیم پائی جو امام شافعیؒ کے شاگرد اور ان کے ماموں ہیں پھر ابی جعفر احمد بن ابی عمران قاضی کے پاس گئے اور ان سے فقہ حاصل کیا پھر شام میں ابو خازم سے ملے جو وہاں کے قاضی القضاۃ تھے اور احادیث و اخبار میں امام تھے اور اپنی تصانیف کی وجہ سے اپنے معاصرین پر فائق ہو گئے تھے عنقریب ان کا ذکر کیا جائے گا

امام ثانی مالکؒ ان کا اسم گرامی مالک بن انس ابن مالک ابن ابی عامر ہے ان کا نسب یمن کے ذی اصبح قبیلہ تک پہنچتا ہے آپ کے اجداد میں سے ایک صاحب مدینہ آئے اور وہیں مقیم ہو گئے آپ کے دادا ابو عامر اصحاب رسول اللہؐ میں سے تھے جو بجز بندہ کے آپ کے ساتھ تمام غزوات میں شریک ہوئے تھے۔ امام مالکؒ مدینہ میں ۹۳ھ میں پیدا ہوئے تھے۔

علیہ مدینہ کے پاس آپ نے طالب علمی کی اور سب سے پہلے وہ عبد الرحمن بن ہرمز کی خدمت میں گئے اور ان کے ساتھ ایک مدت طویلہ تک رہے اور ان کے سوا اور کسی سے نہیں ملے اور حضرت ابن عمرؓ کے مولیٰ نافع اور ابن شہاب زہری سے علم حاصل کیا فقہ میں آپ کے شیخ ربیعہ بن عبد الرحمن ہیں جو ربیعۃ الراکے کے نام سے مشہور ہیں اور حبیب آپ کے شیوخ نے ان کو حدیث و فقہ کی شہادت دیدی تو روایت اور فتویٰ کی سند پر بیٹھے امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ میں اس وقت تک اس منصب قضا پر نہیں بیٹھا جب تک کہ ستر اہل علم شیوخ سے میرے لئے یہ شہادت نہ دیدی کہ میں اس کا اہل ہوں۔

اس پر تمام لوگ متفق ہیں کہ آپ حدیث میں امام اور اپنی صدق روایت کی بنا پر ثقہ ہیں اپنے

اساتذہ و معصروں اور ان کے بعد آنے والوں کے نزدیک قابل اعتبار ہیں حتیٰ کہ بعضوں نے تو یہ تک کہہ دیا کہ سب سے زیادہ صحیح وہ احادیث ہیں جو مالکؒ، تافعؒ سے روایت کریں اور وہ ابن عمرؓ سے یا مالکؒ زہریؒ سے اور وہ سالمؒ سے وہ ابن عمرؓ سے پھر مالکؒ کی ابی الزنادؒ سے وہ اعرجؒ سے وہ ابی ہریرہؓ سے۔

واقعہ یہ ہے کہ امام مالکؒ کی مجلس وقار و ہم کی مجلس تھی صاحب ہیبت تھے عرب و داب والے تھے ان کی مجلس میں شور و شغب ہوتا تھا نہ ہنگامہ اور نہ آواز بلند ہوتی جب کسی بات کا آپ سے سوال کیا جاتا تو سائل کو جواب دیدیتے اور وہ سائل یہ تک نہ پوچھتا تھا کہ اس مسئلہ کا ماخذ کیا ہے۔ آپ کے پاس ایک کاتب حبیب نامی تھے جو آپ کی کتابیں لکھتے اور لوگوں کو پڑھ کر سنایا کرتے تو حاضرین میں سے کوئی نہ ان کے قریب آتا اور نہ ان کی کتاب میں دیکھنا اور نہ کوئی ان کی ہیبت کی وجہ سے ان سے کچھ دریافت کرتا البتہ اگر حبیب کہیں غلطی کرتے تو خود امام مالکؒ ان کو بتاتے اور ان کی عادت تھی کہ وہ اپنی کتابیں کسی کو پڑھ کر نہیں سناتے تھے لیکن یحییٰ بن بکیر کہتے ہیں کہ میں نے موطا امام مالکؒ سے چودہ بار سنی ہے اور ان کا دعویٰ ہے کہ اکثر مرتبہ تو خود امام مالکؒ نے پڑھا ہے اور بعض مرتبہ خود یحییٰ بن بکیرؒ نے پڑھا ہے۔

بڑے بڑے محدثین نے ان سے حدیث سنی ہے اور کثیر تعداد میں فقہاء نے ان کا اتباع کیا ہے کیونکہ امام مالکؒ میں دو صفتیں تھیں ایک تو یہ کہ وہ محدث تھے دوسرے یہ کہ مفتی تھے اور مجتہد تھے پہلی صفت کی بناء پر تو خود ان کے بڑے بڑے شیوخ نے ان سے روایت کی ہے جیسے ربیعہ اور یحییٰ بن سعید اور موسیٰ بن عقبہ وغیرہم نے اور ان سے ان کے معصروں نے روایت کی ہے جیسے سفیان ثوری اور لیث اور اوزاعی اور سفیان بن عیینہ اور ابو یوسف شاکر و امام ابو حنیفہؒ اور ان کے بڑے شاگردوں نے جیسے محمد بن ادریس شافعی اور عبد اللہ بن مبارک اور محمد بن حسن شیبانی وغیرہ نے ان سے روایت کی ہے۔

اور دوسری صفت کی بناء پر ان سے ان کے مذہب کے بڑے علماء نے ان سے مسائل کو لیا ہے عنقریب ان کا ذکر آئے گا۔

امام مالکؒ اپنے فتاویٰ میں اولاً اعتماد کرتے تھے کتاب اللہ پر احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو ان کے نزدیک ثابت ہو اور اس بارہ میں ان کا اعتماد علماء حجاز کے بڑے محدثین پر تھا اور اہل مدینہ کو جس چیز پر عمل کرتے ہوئے پاتے اس کو بڑی اہمیت دیتے خصوصاً ائمہ

کے تعامل کو جن میں مقدم عمران تھے اور کبھی حدیث کو اس بنا پر چھوڑ دیتے تھے کہ اس پر عمل نہیں ہوا اس بارہ میں اکثر شہروں کے فقہاء نے ان سے بحث کی ہے اور ہم نے اس سلسلہ میں اس سے قبل لیث بن سعد کا خط ان کے نام درج کر دیا ہے اور امام شافعیؒ نے اپنی کتاب ”ام“ میں اور اسی طرح ابو یوسف شاکر و امام ابو حنیفہ نے ان کی تردید کی ہے پھر وہ قیاس پر اعتماد کرتے تھے جبکہ کتاب یا سنت کی نص نہ ہو ان کی طرف ”مصلح مرسلہ پر عمل“ منسوب کیا گیا ہے جیسے حنیفہ کی طرف استھان کا قول منسوب ہے اور انہی مصلح مرسلہ کو استصلاح بھی کہتے ہیں اور مصلح مرسلہ کا مطلب وہ مصلحتیں ہیں جن کی شریعت سے نہ بطلاں کی کوئی دلیل ملتی ہے اور نہ باعتبار نص کے کوئی اعانت ملتی ہے اور اس پر عمل کرنا اس وقت موجب نزاع ہو سکتا ہے جبکہ وہ کسی دوسری دلیل سے ٹکرائے یا کسی نص اور قیاس کے مخالف ہو اور اس کی مثال چوری کا اقرار کرانے کے لئے کسی شخص کو سزا دینے کی ہے جس کے جواز کے امام مالکؒ قائل ہیں لیکن دوسرے لوگ ان کی مخالفت کرتے ہیں کیونکہ یہ ایسی مصلحت ہے کہ جس کی دوسری مصلحت معارض ہے اور وہ اس شخص کی مصلحت ہے جس کو مارا جائے کیونکہ بہت ممکن ہے کہ وہ بری ہو اور گناہگار کو مارنا ایک بری شخص کو مارنے سے آسان ہے کیونکہ اگر یہ کہا جائے کہ اس طرح مال برآمد کرنا دشوار ہو گا تو اس طرح ایک بری کو سزا دینے کا دو واڑہ کھل جائے گا اور اسی طرح مفقود الخیر کا مسئلہ ہے کہ جب اس کے موت و حیات کی خبر معلوم نہ ہو اور وہ کئی سال انتظار کر لیا اور شوہر کی علیحدگی سے نقصان اٹھا لیا اور وہ عورت جس کا حیض کئی سال سے بند ہے اور نکاح کے لئے اس کی عدت رک گئی اور نکاح نہ کر سکی تو امام مالکؒ نے ان دونوں صورتوں میں حضرت عمرؓ کی رائے کو لیا کہ مفقود الخیر کی بیوی خبر نہ ملنے کے چار سال کے بعد نکاح کر لے اور دوسری عورت عدت حمل گزرنے کے بعد تین ماہ عدت میں بیٹھے جو نو ماہ ہیں تو مجموعہ ایک سال ہوا پہلی صورت میں بیوی کی مصلحت کا خیال رکھا اور غایت شوہر کی مصلحت کا خیال نہ رکھا اور دوسری میں بھی زوجہ کی ہی مصلحت کا خیال رکھا یا وجوہ یہ اس نص صریح کی مخالفت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے۔

والمطلقات یتربصن بانفسھن مطلقہ عورتیں ایام ماہواری تک انتظار کریں۔

اور وہ ابھی سن ماس کو نہیں پہنچی کہ مہینوں کے حساب سے عدت کرے۔
خلاصہ یہ کہ مصلحت مرسلہ ایسی مصلحت ہے جو مقصود شرعی کی حفاظت کی طرف رجوع کرتی ہو

جس کا مقصود شرعی ہونا کتاب یا سنت یا اجماع سے معلوم ہو مگر یہ کہ کوئی اصل معین اس کے اعتبار کی شہادت نہ دے اور اس کا مقصود شرعی ہونا کسی ایک دلیل سے نہیں بلکہ جملہ اولہ و احوال کے قرینوں اور متفرق علامتوں سے معلوم ہو اور اسی لئے اس کا نام مصلحت مرسلہ رکھا گیا ہے اور اس کے اختیار کرنے میں اختلاف نہیں ہے بجز اس کے کہ دوسری مصلحت اس کی معارض ہو اور ایسی صورت میں کسی ایک مصلحت کو ترجیح دینے میں اختلاف ہو گا جیسا کہ ہم نے اس کو امتحان کے مسئلہ میں بیان کیا ہے (مصارح مرسلہ کی بحث مستصفی غزالی میں دیکھو کہ اُس میں بہت نفیس بحث ہے) اور ہم کچھ مسائل امام مالکؒ کے اس وقت ذکر کریں گے جبکہ ہم ان کے جب ہم امام مالکؒ کی کتابوں پر بحث کریں گے۔ اس وقت ان کے مسائل کا ذکر کریں گے۔

امام مالکؒ مدینہ میں قیام پذیر رہے وہاں سے کسی دوسرے شہر کو نہ گئے اسی لئے ان کی اکثر حدیثیں وہی ہیں جن کو حجازیوں نے روایت کیا ہے اور اسی لئے موطائیں ان کو حجازیوں کے سوا اور لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے کم پاؤ گے لوگ ان کے پاس آتے جاتے رہتے تھے ان سے علم حدیث اور مسائل سیکھتے تھے انھوں نے ۱۷۹ھ میں وفات پائی۔

ان کے پاس جانے والوں میں اکثریت مصریوں اور مغربی یعنی اہل افریقہ و اندلس تھے اور یہی لوگ پورے شمالی افریقہ اور اندلس میں ان کے مذہب کو پھیلانے کا ذریعہ بنے اس کے علاوہ بصرہ و بغداد و خراسان میں اُن علماء کے ذریعہ اُن کا مذہب پھیلا جن کا ہم عنقریب ذکر کریں گے جو مصری ان کے پاس گئے اور ان کے مذہب کے ستون ثابت ہوئے تھے حسب ذیل ہیں (۱) ابو محمد عبداللہ بن وہب بن سلم قرشی ان کے آزاد کردہ غلام تھے مالکؒ اور لیث بن سعد اور سفیان بن عیینہ اور سفیان ثوری وغیرہم سے روایت کی جو امام مالکؒ کے طبقہ میں تھے اور امام مالکؒ و لیثؒ سے فقہ کی تعلیم حاصل کی اور امام مالکؒ کے پاس ۱۷۹ھ میں پہونچے اور ان کی صحبت میں ان کی وفات تک رہے اور امام مالکؒ ان کو جب خط لکھتے تو یوں لکھتے "عبداللہ بن وہب فقیہ مصری محمد بن مفتی" وہ اس طرح کے الفاظ ان کے سوا اور کسی کو نہیں لکھتے تھے۔ اور ان کے بارہ میں فرماتے کہ ابن وہب بڑے عالم ہیں اور ابن عبدالحکم کہتے ہیں کہ وہ امام مالکؒ کے مذہب میں سب سے زیادہ ثابت قدم اور ثقہ ہیں اور وہ ابن القاسم سے زیادہ فقیہ ہیں لیکن وہ تقویٰ کا درجہ سے فتویٰ نہیں دیتے تھے اور اصیغ کہتے ہیں کہ ابن وہب امام مالکؒ کے اصحاب میں سنن و آثار کے سب سے زیادہ جاننے والے ہیں لیکن انھوں نے ضعیف راویوں سے روایت کی ہے وہ

دیوان علم کہلاتے تھے اور کوئی ایسا نہیں ہے جس کو امام مالکؒ نے توفیق نہ کی ہو بجز ابن وہب کے کہ وہ ان کی تعظیم کرتے تھے اور ان کو بہت عزیز رکھتے تھے اور ابن وہب نے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے مالکؒ اور لیثؒ کے ذریعہ نجات نہ دیتا تو میں گمراہ رہتا، ان سے پوچھا گیا یہ کیسے؟ تو کہا کہ میں نے کثرت سے حدیثیں روایت کی ہیں جس سے میں حیران رہ گیا لیکن میں یہ احادیث امام مالکؒ اور لیثؒ کے سامنے پیش کیا کرتا تو وہ کہا کرتے کہ اس کو اختیار کر لو اور اس کو چھوڑ دو ۱۲۵ھ میں ولادت ہوئی اور مصر میں ۱۹۰ھ میں وفات پائی۔

(۲) ابو عبد اللہ عبد الرحمن بن قاسم عتقی جو ان کے آزاد کردہ غلام تھے امام مالکؒ اور لیثؒ اور ابن ماجہوں اور مسلم بن خالد وغیرہم جمہم اللہ سے حدیث کی روایت کی، ابن وہب کے پاس دس بارہ سال تعلیم حاصل کرنے کے بعد امام مالکؒ کے پاس گئے اور ان کی صحبت میں مدت دراز تک رہے اور امام مالکؒ کے علم کو دوسروں کے علم سے مخلوط نہ ہونے دیا حتیٰ کہ وہ اس میں سب سے زیادہ ثابت قدم ہو گئے، امام مالکؒ سے ان کے اور ابن وہب کے بارہ میں دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ ابن وہب عالم ہیں اور ابن القاسم فقیہ، ابن وہب نے اپنی ثابت سے کہا کہ اگر تم امام مالکؒ کی فقہ چاہتے ہو تو تم ابن قاسم کے پاس جاؤ کہ وہ اس میں منفرد ہیں اور ہم دوسرے اور امور میں مشغول ہو گئے، اور یحییٰ بن یحییٰ کہتے ہیں کہ ابن القاسم ان سب سے زیادہ مالکؒ کا علم جانتے ہیں اور ان سب سے زیادہ قابل اعتماد ہیں انھوں نے مصر میں ۱۹۱ھ میں وفات پائی۔

(۳) شہب بن عبد العزیز القیس العامری الجعدی، امام مالکؒ اور لیثؒ وغیرہ سے حدیث کی روایت کی اور امام مالکؒ اور مدنی، مصری مشائخ سے فقہ حاصل کیا، سخونؒ سے دریافت کیا گیا کہ ابن قاسم اور شہب میں سے کون سب سے زیادہ فقیہ ہے، امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ میں نے شہب سے زیادہ کسی کو فقیہ نہیں پایا اور ابن قاسم کے بعد مصر کے وہی مقتدا مانے گئے اور سخونؒ سے دریافت کیا گیا کہ ابن القاسم اور شہب میں سب سے زیادہ فقیہ کون ہے تو فرمایا کہ وہ مثل ریس کے دو گھوڑوں کے ہیں کبھی یہ بڑھ گیا وہ رہ گیا اور کبھی وہ بڑھ گیا یہ رہ گیا، شہب ۱۲۵ھ میں پیدا ہوئے اور مصر میں ۱۹۰ھ میں وفات پائی۔

(۴) ابو محمد عبد اللہ بن عبد الحکم بن اعین بن لیث امام مالکؒ اور لیث بن سعد اور ابن عیینہ و ابن ابیہ وغیرہم سے حدیث سنی بہت ہی صالح ثقہ اور مذہب مالکؒ کے محقق فقیہ

اور راستہ باز عاقل و حلیم تھے اور اشہب کے بعد انہی کو مصر کی پیشوائی ملی اور بنی عبدالحکم کو مصر میں وہ مرتبہ اور ترقی حاصل ہوئی جو اور کسی کو نہیں حاصل ہوئی تھی اور امام شافعیؒ کے دوست تھے اور جب آئے تو انہی کے پاس ٹھہرے انھوں نے ان کی بڑی عزت اور خاطر داری کی انہی کے پاس ان کا انتقال ہوا امام شافعیؒ سے حدیث کی روایت کی اور ان کی کتابیں اپنے اور اپنے بیٹے کے لئے لکھیں اور اپنے لڑکے محمد کو ان کی خدمت میں چھوڑا اور ابن قاسم و ابن وہب و اشہب نے ابن عبدالحکم کے لئے وصیت کی ۱۵۵ھ میں ولادت ہوئی اور ۲۲۲ھ میں مصر میں وفات پائی۔

(۵) اصبح بن فرج اموی ان کے آزاد کردہ غلام تھے مدینہ کا سفر کیا تاکہ امام مالکؒ سے سماعت حدیث کریں لیکن جس دن وہ شہر میں داخل ہوئے عین اسی دن ان کی وفات ہوئی اس کے بعد ابن قاسم و ابن وہب و اشہب سے علم حاصل کیا اور ان سے سماعت حدیث کی اور انہی سے فقہ حاصل کیا ان کا شمار ابن وہب کے بزرگترین اصحاب میں تھا اور ان کے کاتب اور مخصوص لوگوں میں تھے اشہب سے پوچھا گیا کہ اپنے بعد ہمارے لئے کسے چھوڑے جاتے ہو تو کہا اصبح بن الفرج کو اور ابن الباد نے فرمایا کہ مجھے فقہ کا راستہ اصبح ہی کے اصولوں سے ملا اور اشہب اپنے اساتذہ کے ساتھ فتویٰ دیا کرتے تھے اور ابن معین فرماتے ہیں کہ امام مالکؒ کی راستے کو اللہ کی مخلوق میں سب سے زیادہ جاننے والے اصبح تھے کیونکہ وہ ان کا ایک ایک مسئلہ جانتے تھے۔

(۶) محمد بن عبد اللہ بن عبدالحکم انھوں نے اپنے والد اور ابن وہب اشہب و ابن القاسم وغیرہم اصحاب مالکؒ سے حدیث سنی اور امام شافعیؒ کی صحبت میں بھی رہے اور ان سے بہت کچھ حاصل کیا اور ان کی کتابیں لکھیں ان کے والد نے ان کے پاس چھوڑتے وقت حکم دیا تھا کہ شافعیؒ اور اشہبؒ کے پاس رہ کر تعلیم حاصل کریں اور محمدؒ ان دونوں کے علوم کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے ابن حارث کہتے ہیں کہ وہ علماء فقہاء میں کامل اہل نظر سے تھے اور جس بات کو وہ کہتے تھے اور جس مذہب کی وہ تقلید کرتے تھے اس پر وہ مناظرہ اور محبت بیان کیا کرتے تھے اور ان کے پاس لوگ مغرب ادماندس سے علم و فقہ حاصل کرنے آیا کرتے تھے اور مصر کے پیشوا مانے گئے مصر میں ۱۸۲ھ میں پیدا ہوئے اور وہیں ۲۶۵ھ میں وفات پائی۔

(۷) محمد بن ابراہیم بن زیاد اسکندری المشہور بہ ابن موار، ابن ماحبتون اور ابن عبدالحکم سے

فقہ حاصل کیا اور اصنع پر اعتماد کیا اور ابن القاسم سے بچپن میں روایت کی مصر میں ان کے قول پر اعتماد کیا جاتا تھا فقہ اور فتویٰ میں ان کو رسوخ حاصل تھا شاہد میں ولایت ہوئی اور دمشق میں ۲۶۹ھ میں وفات پائی۔

افریقہ و اندلس میں امام مالکؒ کے حسب ذیل شاگرد تھے۔

(۱) ابو عبد اللہ زیاد بن عبد الرحمن قرطبی الملقب بشبیطون امام مالکؒ سے موطن سنی اور فتاویٰ میں اُن سے سن کر کتاب سماع پر سماع زیاد کے نام سے مرتب کی جو کافی مشہور ہے وہ ایک جماعت سے روایت کرتے ہیں جس میں لیث بن سعد اور ابن حنیہ شامل ہیں اور زیاد نے ہی سب سے پہلے اندلس میں موطن امام مالکؒ کو فقہیانہ حیثیت سے درس میں داخل کیا پھر یحییٰ بن یحییٰ نے ان کا اتباع کیا اہل مدینہ زیاد کو فقیہ اندلس کہا کرتے تھے امام مالکؒ کے پاس وہ دوسرے سفر کر کے گئے تھے ۱۹۳ھ میں وفات پائی۔

(۲) عیسیٰ بن دینار اندلسی حدیث کی سماعت کے لئے سفر کیا اور ابن القاسم کے پاس آئے اُن سے تعلیم حاصل کی اور اُن پر اعتماد کیا اور اندلس واپس گئے اور مشرق سے فتاویٰ انہی کے پاس جاتے تھے ان کے زمانہ میں قرطبہ میں ان سے بڑھ کر کوئی نہیں تھا اور قرطبہ کی پیشوائی انہی کو ملی ابن القاسم ان کی تعظیم کرتے تھے اور ان کو جلیل القدر عالم سمجھتے تھے فقہ و ورع میں ان کی تعریف کیا کرتے تھے اندلس میں ان کے معصروں میں کوئی فقیہ اُن سے بڑھ کر نہیں تھا اور ابن امین کہتے ہیں کہ انھوں نے ہی ہمارے شہر یعنی اہل مصر مسائل سکھائے۔ اور یحییٰ کی جلالت اور شان و شوکت کے باوجود وہ اُن سے زیادہ فقیہ تھے اور جب وہ واپس لوٹنے لگے تو ابن القاسم نے ان کی تین کوس تک مشایعت کی لوگوں نے ان پر اعتراض کیا تو فرمایا کیا تم مجھ کو اس بات پر ملامت کرتے ہو کہ میں نے ایسے شخص کی مشایعت کی جس کے بعد اس سے بڑھ کر فقیہ اور اس سے زیادہ زاہد نہ ہوگا طلیصلہ میں ۲۱۲ھ میں وفات پائی۔

(۳) یحییٰ بن یحییٰ کثیر اللیثی ان کے آزاد کردہ غلام تھے ایتدار میں زیاد بن عبد الرحمن سے موطن امام مالکؒ پر تھی پھر (۲۸) سال کی عمر میں سفر کیا اور امام مالکؒ سے دوبارہ موطن پر بھی کتاب الاعتکاف کے چند ابواب میں ان کو کچھ شک پیدا ہوا تو اس کو زیاد سے روایت کیا امام مالکؒ سے انھوں نے ۲۹ھ میں ملاقات کی اور یہی ان کے انتقال کا سال ہے اس کے بعد دوسرا سفر کیا جس میں صرف ابن القاسم سے ملاقات کی اور ان سے فقہ حاصل کیا اور

اندلس علم کثیر لے کر واپس آئے عیسیٰ بن دینار کے بعد قتاویٰ ان کی رلے اور بھٹی کی رلے سے جاری ہوتے اور عیسیٰ کے ذریعہ ہی اندلس میں امام مالک کا مذہب پھیلا بجی اپنے عمل سے ان کے علم پر فضیلت رکھتے تھے اور ابن سبا نے کہا ہے کہ فقیہ اندلس عیسیٰ ابن دینار ہیں اور اس کے عالم ابن حبیب اور اس کے عاقل بھی ہیں علم میں اندلس کی پیشوائی انہی کو ملی سکتی ہے میں وفات پائی۔

(۴) عبد الملک بن حبیب بن سلیمان سلمیٰ یہ طلیطلہ کے رہنے والے ہیں ان کے دادا سلیمان قرطبہ چلے گئے تھے اور ان کے والد فتنہ الریض میں بیرہ آگئے تھے اندلس میں تعلیم پائی اور ۲۰۸ھ میں سفر کیا اور ابن ماجشوں و مطرف و عبداللہ بن عبدالحکم اور اسد بن موسیٰ وغیرہم سے سماعت حدیث کی اور ۲۱۶ھ میں اندلس گئے اور علم عظیم حاصل کیا پھر بیرہ آئے تو علم و روایت میں ان کا شہرہ ہوا جس پر امیر عبدالرحمن ابن الحکم نے ان کو قرطبہ بلایا اور وہاں کے مفتیوں کے طبقہ میں ان کو شامل کیا یہاں پر یحییٰ بن یحییٰ کے ساتھ جو وہاں کے مشاورۃ و مناظرۃ کے سردار تھے رہے اور دونوں کے درمیان بہت اچھے تعلقات قائم ہو گئے یحییٰ کا انتقال ان سے پہلے ہو گیا ان کے بعد یہ اکیلے مقتدا بن گئے عبد الملک امام مالک کے مذہب کی فقہ کے ماہر اور حافظ تھے مگر ان کو حدیث کا علم نہ تھا اور وہ صحیح و سقیم حدیث سمجھتے تھے فقہ میں امامت کے ساتھ ادب میں بھی ان کو معرفت حاصل تھی ابن موزار نے علم و فقہ میں ان کی تعریف کی ہے کتاب واضحہ فی السنن و الفقہ کے وہ مؤلف ہیں اور اس کے علاوہ بھی ان کی اور مؤلفات ہیں ۲۳۸ھ میں وفات پائی۔

(۵) ابوالحسن علی بن زیاد تونسلی امام مالک و ثوری و بیث ابن سعد وغیرہم سے حدیث سنی ان کے زمانہ میں افریقہ میں ان کا مثل نہ تھا ان سے اسد بن فرات اور سخون وغیرہ نے حدیث سنی امام مالک سے موطا اور دیگر کتب سنیں اور فقہ میں وہ سخون کے معلم تھے افریقہ میں سخون سے کوئی بڑھ کر نہیں تھا اور قیردان میں اہل علم جب کسی مسئلہ میں اختلاف کرتے تو علی بن زیاد کو لکھتے تاکہ ان کو صحیح مسئلہ بتائیں سخون فرماتے ہیں کہ اگر علی بن زیاد کو اتنی علم کی طلب ہوتی جتنی مصریوں کو ہے تو نہ کوئی ان میں سے چھوڑتا اور نہ کوئی ان کے ساتھ رہتا ۲۳۸ھ میں وفات پائی۔

(۶) اسد بن فرات نیشاپور کے ایک خاندان سے تعلق رکھتے تھے بحران میں پیدا ہوئے جو دیار بکر سے تھا اور تونس میں جوان ہوتے پلے اور بڑے ہوئے وہاں علی بن زیاد سے فقہ حاصل کیا پھر مشرق

کی طرف سفر کیا اور امام مالکؒ سے ان کی موٹا سنی پھر عراق گئے اور ابو حنیفہؒ کے شاگردوں ابو یوسف اور محمد بن حسن اور اسد بن عمرو سے ملاقات کی اور ان سے فقہ حاصل کیا اور ابو یوسفؒ نے ان سے موٹا امام مالکؒ پڑھی انھوں نے ”مدونہ“ کی تالیف کی جس کا عنقریب ذکر آئے گا، محاصرہ سرقومہ میں ۱۲۳ھ میں وفات پائی جب کہ وہ اُس کے امیر فوج اور قاضی تھے۔

(۷) عبدالسلام ابن سعید تنوخی ملقب بہ سمحونؒ اصل ان کی شامی ہے حمص کے رہنے والے ہیں ان کے والد حمص کی فوج میں شامل آئے تھے قیروان میں وہاں کے مشائخ سے علم حاصل کیا خصوصاً علی بن زیار سے کیونکہ ان کے پاس تونس سے سفر کر کے گئے تھے پھر مصر گئے اور ابن القاسم و ابن وہب وغیرہا علماء مصر سے حدیث سنی جو امام مالکؒ اور بلاد مغرب کے طلبہ کے درمیان بڑا واسطہ تھے پھر مدینہ کی طرف سفر کیا اور امام مالکؒ کی وفات کے بعد وہاں کے علماء سے ملاقات کی اور ۱۹۱ھ میں افریقہ واپس لوٹے۔

ابو الصرب کہتے ہیں کہ سمحونؒ ثقہ حافظ علم اور اچھے فقیہ تھے انہیں کئی خصلتیں ایسی جمع ہو گئی تھیں جو ان کے علاوہ کسی میں نہیں تھیں، اچھا فقہ، سچا تقویٰ اور حق میں جرأت اور دنیا میں زہد اور کھانے پینے میں سادگی اور جو انہری سلطان سے کوئی چیز قبول نہ کرتے اور بسا اوقات وہ اپنے شاگردوں کو تیس تیس دینار یا اس کے مثل دیتے تھے اور ابن القاسم کہا کرتے تھے کہ افریقہ سے سمحونؒ کے مثل ہمارے پاس کوئی نہیں آیا اور جب وہ افریقہ آئے تو لوگوں نے ان کی طرف نظر کی اور ان کے گردیدہ ہو گئے نئی زندگی اور نئے زمانہ کا آغاز ہوا ان کے شاگرد اہل قیروان کے چراغ تھے انھوں نے ہی ”مدونہ“ تصنیف کی جس پر اہل قیروان کو اعتماد ہے ۱۲۳ھ میں افریقہ کے قاضی مقرر ہوئے اس وقت انکی عمر ۴۷ سال کی تھی زندگی کے آخری لمحہ تک قاضی رہے اور اپنے لئے سلطان سے نہ کوئی روزینہ لیتے تھے نہ صلہ اللہ اپنے مددگاروں اور کاتبوں اور قاضیوں کے لئے اہل کتاب کے جزیہ میں سے لیتے تھے اور اگر کسی نے کسی شخص کو کسی بات کی اذیت پہنچائی یا گواہوں کو بھڑکایا تو اس کو سزا دیتے اور کہتے کہ جب گواہوں کو بھڑکایا گیا تو وہ کیسے گواہی دیں گے اور اگر فریق نے گواہ پر کوئی عیب لگایا یا جرح کی یا اس نے یہ کہا کہ مجھ سے گواہوں کے بارے میں دریافت کیجئے کہ وہ کیسے ہیں تاکہ وہ ان کی جرح کے بارے میں ان سے سوال کرے تو اس کو تنبیہ کرتے تھے اور مدعی سے فرماتے ہیں تجھ سے زیادہ اس بات کا خیال رکھتا ہوں اور وہ تجھ سے بڑھ کر میرے ذمہ ہے۔ طلاق و عقاق کے بارے میں ناجائز قسموں پر تادیب کیا کرتے تھے۔

تاکہ وہ اللہ عزوجل کے سوا کسی اور کی قسم نہ کھائیں اور فسق پر لوگوں کو تنبیہ کیا کرتے تھے اور جو اس کا مجرم ہوتا اس کو بازار سے نکال دیا کرتے تھے لوگ اپنے تمام رقعوں میں لکھ کر دیدیتے تھے جنکو وہ اپنے سامنے رکھ لیا کرتے اور ایک ایک کر کے نمبرداران کو بلاتے بجز اس کے کہ کوئی مجبور یا ستم رسیدہ آجاتا تھے میں وفات پائی اللہ ان پر رحم کرے۔

یہ وہ بزرگ ہیں جنہوں نے بلاد مغرب میں امام مالک کے مذہب کو پھیلایا لیکن بلاد مشرق میں کوئی ایسا شخص نہیں ہوا جس نے امام مالک کو دیکھا ہوا اور ان سے فقہ حاصل کیا ہو البتہ ایسے لوگ تھے جنہوں نے امام مالک کو نہ دیکھا اور نہ سنا۔ جو حسب ذیل ہیں۔

(۱) احمد بن سعد بن عقیل بن عبد الملک بن ماحیشوں اور محمد بن مسلمہ کے شاگردوں میں سے بہترین ادیب۔ فقیہ اور مناظر تھے مالک کے مذہب کے فقیہ تھے صاحب فضیلت و تقویٰ اور دین دار و عبادت گزار تھے امام مالک کے لئے ان سے بڑھ کر اور ان سے اعلیٰ درجہ کا اور اہل حجاز کے مذہب کا ان سے بڑھ کر کوئی عالم نہ تھا اور انہی سے امام مالک کا مذہب بلاد مشرق میں پھیلا۔

(۲) ابواسحاق اسماعیل بن اسحاق بن اسماعیل بن حماد بن زید قاضی بصرہ میں نشوونما پائی اور بغداد کو وطن بنایا اور وہاں حدیث کی سماعت کی اور ابن معزل سے فقہ حاصل کیا وہ کہتے تھے کہ میں بصرہ میں دو شخصوں پر فخر کرتا ہوں ابن المعزل پر جس نے مجھے سکھایا اور ابن المدینی پر جس نے مجھے حدیث سکھائی اور اہل عراق نے انہی سے فقہ مانگی حاصل کیا ابو بکر بن الخطیب کہتے ہیں کہ اسماعیل فاضل عالم ہر فن مولیٰ مالکی مذہب کے فقیہ تھے ان کے مذہب کی شرح بیان کی ان کی طرف سے بحثیں کیں اور مسند و علوم قرآن میں کئی کتابیں تصنیف کیں مالک اور یحییٰ بن سعید انصاری اور ایوب سختیانی کی حدیثیں جمع کیں ابو الولید یحییٰ مجتہدین کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ مختلف علوم کے جامع تھے اور امام مالک کے بعد اس درجہ پر بجز اسماعیل قاضی کے کوئی نہیں پہنچا بغداد کے قاضی ہوئے اور ایک ہی وقت میں ان کے پاس تمام علوم جمع ہوئے ان سے قبل کسی کو یہ جامعیت حاصل نہ ہوئی وہ دین اور نہ روایات کے بھی قاضی ہوئے اور آخرتیا قاضی القضاۃ ہو گئے ابو عمرو دانی کہتے ہیں کہ اسماعیل (۳۲) سال منصب قضا پر متمکن رہے اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ پچاس یا کچھ زائد سال قاضی رہے ان کی کئی تالیفات ہیں جن میں سے بعض کا ذکر کیا جائے گا سنہ ۲۸۲ میں ولادت ہوئی اور سنہ ۳۸۲ میں وفات پائی۔

اہل مدینہ میں امام مالکؒ کے بڑے شاگرد

ابو مروان عبد الملک بن عبد العزیز بن عبد اللہ بن ابی سلمۃ الماحشون جو قریش میں بنی تیم کے آزاد کردہ غلام تھے ماحشون یہ فارسی کلمہ ہے جس کے معنی "گلاب کے پھول یا گلابی کے ہیں" آپ کا یہ نام اس لئے پڑ گیا کہ ان کے چہرہ میں سرخی جھلکتی تھی عبد الملک فقیہ و فصیح تھے ان کے ابتدا زمانہ سے موت تک مسند فتویٰ پر رہے ان سے پہلے ان کے والد کے پاس تمام فتاویٰ آتے تھے جو اپنے زمانہ میں اہل مدینہ کے مفتی تھے اپنے باپ اور امام مالکؒ نے فقہ حاصل کیا اور حبیب امام شافعیؒ اور وہ آپس میں مذاکرہ کیا کرتے تھے تو لوگ اکثر ان کی بات نہ سمجھتے تھے کیونکہ امام شافعیؒ نے دیہات میں ہذیل کے پاس ادب کی تعلیم پائی تھی اور عبد الملک نے اپنے ماموں کے پاس بنی کلب میں بدوؤں سے ادب کی تعلیم حاصل کی تھی یحییٰ بن اکثم کہتے ہیں کہ قاضی عبد الملک ایک دریا کی طرح ہیں جس کو ڈول مکدر نہیں کر سکتے اور سخنوں نے ان کی تعریف کی اور فضیلت بیان کی ہے اور کہا کہ میں نے یادہ کیا کہ ان کے پاس جاؤں اور ان پر ان کتابوں کو پیش کروں کہ وہ اجازت دیں اس کو جائز رکھوں اور جس کو وہ ادا کر دیں میں بھی رد کروں اور ابن حبیب نے ان کی بہت تعریف بیان کی ہے عقل اور سمجھ میں اکثر اصحاب مالک پر ان کو بلند قرار دیتے تھے ان سے ایک بڑی جماعت اور جلیل القدر ائمہ نے جیسے کہ احمد بن معذل اور ابن حبیب و سخنوں نے فقہ حاصل کیا ۲۱۲ھ میں وفات پائی۔

یہ حضرات امام مالکؒ کے جلیل القدر شاگرد اور ان کے مذہب کی اشاعت کرنے والے تھے ان کی نسبت امام مالکؒ کے ساتھ ایسی تھی جیسی شاگرد کی استاد کے ساتھ اور راوی کی استنباط کرنیوالے کے ساتھ لیکن وہ ان کی مخالفت بہت کم کرتے تھے اور اگر کہیں کچھ اختلاف پایا جاتا ہے تو وہ اختلاف خود امام مالکؒ کی روایت کے اختلاف کی بنا پر ہو گا یا ان سے روایت کردہ نصوص کے سمجھنے میں اختلاف کی بنا پر البتہ کبھی کبھی ابن وہب اور ابن قاسم ان سے اختلاف کرتے تھے لیکن جیسا کہ ہم نے بیان کر دیا بہت کم امور ہیں۔

تیسرے امام امام شافعیؒ

ان کا نسب ابو عبد اللہ محمد بن ادیس بن عباس بن عثمان بن شافع شافعی مطلبی بنی مطلب بن عبد منان سے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چوتھی امد امام شافعیؒ کی نویں پشت میں تھے

امام شافعیؒ کی ماں یعنی قبیلہ زرد سے تھیں اور فطرۃ بہت ذکی و ذہین تھیں۔

شافعیؒ عسقلان کے مضافات میں غزوہ میں شہید ہوئے غزوہ اُن کے اجداد کا وطن تھا بلکہ ان کے والد ادریس وہاں کسی ضرورت سے گئے تھے وہیں ان کا انتقال ہوا اور وہاں ان کے لڑکے محمد پیدا ہوئے ان کے پیدا ہونے کے دو سال کے بعد ان کی ماں ان کے جدی وطن مکہ لے آئیں اور وہیں اپنی ماں کے آغوش عاطفت میں بحالت یتیمی پرورش پائی اور بچپن میں قرآن مجید حفظ کیا پھر دیہات میں ہڈیل کے پاس گئے جو عرب کا فصیح ترین قبیلہ تھا وہاں ان کے اشعار خوب یاد کے تھے وہاں سے لوگے نو فصاحت و ادب میں خوب ماہر ہو چکے تھے پھر سلم بن خالد زنجی جو حرم کے شیخ اور وہاں کے مفتی تھے ان سے علم حاصل کیا حتیٰ کہ انھوں نے ان کو اجازت دیدی کہ فتویٰ دیا کریں آپ نے ان سے درخواست کی کہ وہ امام مالکؒ بن انس امام دارالہجرتہ اور وہاں کے دوسرے محدثین کو لکھیں چنانچہ انھوں نے ان کو خط لکھ دیا اس کو لے کر مدینہ منورہ پہنچے اور امام مالکؒ کے پاس حاضر ہوئے اور موطا کو حفظ کیا ان کو پڑھ کر سنایا امام مالکؒ سن کر تعجب کرنے لگے اور بہت پسند فرمایا امام شافعیؒ نے اس مدت میں سلم بن خالد سے فقہ اور دو عظیم المرتبت انسان یعنی سفیان بن عیینہ محدث مکہ اور مالکؒ بن انس محدث مدینہ سے حدیث کی تعلیم حاصل کی اور یہ ان کے سب سے بڑے شیوخ میں سے ہیں لیکن ان کے سوا اور لوگوں سے بھی روایت کی ہے۔

امام شافعیؒ مالدار نہ تھے جس کی وجہ سے وہ ایسے کام کی تلاش پر مجبور ہوئے جس سے وہ رزق حاصل کر سکیں مصعب بن عبداللہ قرشی قاضی یمن کی معاونت سے ایک کام میں لگ گئے اور اس میں ترقی حاصل کرتے رہے یہ اس خلیفہ ہارون رشید کا زمانہ تھا ابدال عباس اور آل علی کے درمیان سخت دشمنی تھی اور رشید علیوں کی اور ان کے معاونین کی حرکات سے بہت ڈرتا اور محتاط رہتا تھا اور ان کو معمولی شبہ پر پکڑ لیتا تھا امام شافعیؒ پر بھی تشیع کی تہمت لگائی گئی اور بلاو یمن اس وقت ان شیعوں کا مرکز بنا ہوا تھا جو بنی عباس کی گھات میں لگے ہوئے تھے اور افراد قہم میں شیعوں کی دعوت کو پھیلا رہے تھے چنانچہ ان شیعوں کا معاملہ ہارون رشید کے پاس پیش کیا گیا امام شافعیؒ بھی ان کے ساتھ تھے ان کو بھی رشید کے پاس جانے کا حکم دیا چنانچہ وہ اُس کے پاس بھیجے گئے یہ ۱۸۴ھ کا واقعہ ہے اور کہا جاتا ہے کہ اُن پر یہ تہمت مطرف بن مازن قاضی صنعاء نے لگائی تھی حاد بربری والی یمن ان کو رشید کے پاس شہر میں لے گئے۔

امام شافعیؒ کو اس تہمت سے شدید خطرہ لاحق ہوا مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی مدافعت کیلیے

رشید کے دربان فضل بن ربیع کو کھڑا کر دیا اس نے ان کی طرف سے مافعت کی حتی کہ ان کی برأت ثابت ہو گئی امام شافعیؒ نے رشید سے اپنی شیعہ تہمت کی مافعت میں جو کہا یہ تھا کہ کیا میں اس کو چھوڑ دوں گا جو اپنے کو ان کا چچا زاد بھائی کہتا ہے (یعنی رشید) اور اس کو قبول کر لوں گا جو اپنے کو ان کا غلام کہتا ہے (یعنی امام شیعہ) اس کلمہ کا رشید کے دل پر بہت بڑا اثر پڑا ان کو چھوڑنے کا اور ان کو انعام دینے کا حکم کیا۔

اس فرصت میں امام شافعیؒ محمد بن حسن شیبانی سے ملے جو امام ابی حنیفہؒ کے شاگرد تھے اور فقہاء عراق کی کتابوں پر مطلع ہوئے اور اس پر طریقہ اہل حدیث پر معلومات کا اضافہ کیا اور انھوں نے محمد بن حسن سے کئی مناظرات کئے جس کی اطلاع رشید کو ملی جس سے وہ بہت خوش ہوا اور شافعیؒ کی کتابیں ان مناظرات سے بھری ہوئی ہیں شافعیؒ عراق سے حجاز کی طرف لوٹے اور مکہ میں مستقل طور پر رہنے لگے۔ اور مدت دراز تک افادہ واستفادہ کا سلسلہ جاری رہا کیونکہ مکہ مکرمہ تمام ملکوں کے علماء کے آمد و رفت کا مقام تھا امام شافعیؒ ان سے ملتے اور ان سے مناظرہ کیا کرتے تھے اور یہ ان سے حاصل کرتے اور وہ لوگ ان سے حاصل کیا کرتے حتی کہ دوبارہ ۱۹۵ھ میں عراق آنے کا ارادہ کیا یہ رشید کی وفات اور عبداللہ الامین کی حکومت کا زمانہ تھا چنانچہ وہاں پر گئے اور اس مرتبہ ان کے آنے پر علماء عراق کی ایک جماعت ننان سے علم حاصل کیا اور وہاں انھوں نے اپنی وہ کتابیں جو عراقی مذہب یا قدیم مذہب کے بارہ میں تھیں نکھوائیں اور اس مرتبہ جب وہ واپس آئے تو محمد بن ابی حسان زیادہ کے پاس اترے اور دو سال تک وہاں مقیم رہے اس دوران محمد بن حسن کی وفات ہو چکی تھی اور ابی حنیفہؒ کے شاگردوں میں اس وقت حسن بن زیاد مولوی تھے لیکن امام شافعیؒ جس طرح محمد بن حسن سے مناظرہ کیا کرتے تھے اُن سے نہیں کیا پھر حجاز کی طرف لوٹے اس وقت تک بغداد میں ان کی شہرت پھیل چکی تھی اور وہاں کے اکثر علماء ان کا طریقہ قبول کر چکے تھے پھر ۱۹۸ھ میں تیسری مرتبہ عراق آئے اور وہاں کئی مہینے ٹھہرے اور عراق سے مصر کے لئے سفر کیا اور فسطاط میں عبداللہ بن عبدالحکم کے پاس محرز مہمان کی حیثیت سے ٹھہرے اس وقت رہا امام مالکؒ کا طریقہ تمام مصر لوگوں میں پھیلا ہوا تھا اکثر علمائے مصر اس کے متبع تھے امام مالکؒ کے شاگردوں میں سے جنھوں نے ان کا کلام سنا تھا عبداللہ بن عبدالحکم اور اشہب باقی رہ گئے تھے جو ان سے روایت کیا کرتے تھے۔

مصر میں امام شافعیؒ کی قابلیت اور قدرت کلام کا خوب اظہار ہوا اور وہاں اپنے مصری شاگردوں

کو اپنی جدید کتابوں کا املا کرایا اور یہ ان کا مصری مذہب یا جدید طریقہ تھا اور پھر وہ اپنی وفات تک وہیں رہے ۲۰۴ء میں ان کی وفات ہوئی اور مقبرہ بنی عبدالعظیم میں مدفون ہوئے اور مصریوں نے ان کو زندگی میں اور وفات کے بعد جلیل القدر مانا اور حجازی ہونے کے باوجود وہ مصری شمار ہوتے تھے اور امام شافعیؒ ہی وہ امام ہیں جنہوں نے بتفسیق نقیس اپنے مذہب کو پھیلانے کے لئے سفر کئے اور اپنی کتابیں اپنے ہاتھ سے خود لکھیں اور اپنے شاگردوں کو کھوائیں اماموں میں ان کے سوا کسی کو یہ بات حاصل نہیں تھی۔

اور مذہب شافعیؒ کی بنیادی باتیں ان کے رسالہ اصولیہ میں درج ہیں کہ اولاً وہ ظوہرا قرآن سے حجت کرتے ہیں حتیٰ کہ کسی دلیل سے یہ بات ثابت ہو جائے کہ اس سے ظاہر قرآن مراد نہیں ہے اس کے بعد وہ سنت کیلئے ہیں اور خبر واحد پر عمل کرنے کے متعلق بہت کافی حمایت کرتے ہیں بشرطیکہ اس کا راوی معتبر اور ثقہ ہو اور حدیث کا سلسلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہو اس کے سوا انہوں نے کوئی عمل تائید حدیث کے لئے شرط قرار نہیں دیا جیسا کہ مالکؒ نے شرط لگائی ہے اور نہ فقہر کی شرط جیسے اہل عراق نے لگائی ہے اور اس حمایت حدیث سے اہل حدیث کے نزدیک انہوں نے بڑا درجہ حاصل کر لیا حتیٰ کہ اہل بغداد ان کو "ناحر السنہ" کہنے لگے اور وہ سنت صحیحہ کو اسی نظر سے دیکھتے ہیں جس نظر سے وہ قرآن کو دیکھتے ہیں کہ ان دونوں میں سے ہر ایک واجب الاتباع ہے حدیث کے بعد پھر اجماع پر عمل کرتے ہیں اور اجماع کا مطلب ان کے نزدیک یہ ہے کہ اس کے خلاف کا علم نہ ہو اس لئے کہ ان کی نظر میں اجماع کا علم ناممکن ہے جیسا کہ ہم نے اس کے پہلے بیان کیا ہے اور جب کوئی منصوص دلیل نہ ملے تو پھر قیاس کی طرف رخ کرتے ہیں اور اس شرط پر عمل کرتے ہیں کہ اس کے لئے کوئی اصل معین ہو اور جس کو عراقی استخوان اور مالکی استصلاح کہتے ہیں اس کی شدت سے تردید کرتے ہیں البتہ وہ استدلال پر اور جو اس سے قریب ہو عمل کرنے میں اور چونکہ شافعیؒ حجازیوں اور عراقیوں کی فقہ کے اور بدوؤں کی فصاحت کے جامع تھے اس لئے وہ مناظرہ اور حسن تحریر میں یگانہ تھے ان کی تحریریں اس زمانہ کے بلیغ ترین شخص حافظ اور اس جیسے لوگوں سے کم نہ تھی۔

شافعیؒ کے شاگرد اور ان کے مذہب کے راوی

شافعیؒ کے شاگرد عراق کے بھی ہیں اور مصر کے بھی۔

عراقی شاگرد حسب ذیل ہیں۔

(۱) ابو ثور ابراہیم بن خالد بن یکان کلبی بغدادی ان کی فقہ کا مدار رائے پر تھا۔ اور شافعی کے آنے سے قبل اہل عراق کے قول پر عمل کرتے رہے جب شافعی بغداد آئے تو ان کے پاس آنے لگے اور ان سے علم حاصل کیا اور وہ ایک فقہار شافعیہ میں گنے جانے لگے اگرچہ وہ شافعی کی تقلید نہیں کرتے تھے بلکہ جب ان کو دلیل مل جاتی تو وہ ان کی مخالفت کیا کرتے تھے انھوں نے اپنے لئے چند آراء منتخب کر لی تھیں اور ان کا ایک خاص ہے مذہب اور ان کے ماننے والے بھی ہیں لیکن یہ مذہب زمانہ دراز تک باقی نہ رہا ابو عمر بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ وہ بالغ النظر اور انہی روایات میں ثقہ تھے لیکن بعض شاذ مسائل میں انھوں نے جمہور سے اختلاف کیا ہے لوگوں نے ان کو ائمہ فقہاء میں سے شمار کیا ہے اور وہ مسائل جس میں انھوں نے جمہور یا امام شافعی سے اختلاف کیا ہے یہ ہیں۔

(۱) تمام فقہاء کے نزدیک دین و وصیت پر مقدم ہے مگر ابو ثور وصیت کو اللہ تعالیٰ کے ظاہر قول کی بناء پر مقدم رکھتے ہیں۔

من بعد وصیتہ یوصی بھا اددین۔ وصیت یا قرض کے بعد۔

(۲) کسی عیب کی بناء پر چیز کے لوٹانے کا اختیار اس وقت تک نہیں ہوتا جب تک کہ کلام سے رضا مندی یا ایسا فعل نہ ہو جس کو لغت میں "رضا" سمجھا جائے اور مذہب شافعی میں رد یا عیب کا اختیار فوراً ہو جاتا ہے۔

(۳) جب کوئی دو شخص قبلہ کی سمت کے بارے میں اجتہاد کریں اور ایک کا اجتہاد دوسرے کے خلاف ہو تو ان میں سے ہر ایک کو دوسرے کی اقتدا جائز ہے اور ہر ایک اپنے قبلہ کی طرف رخ کرے لیکن یہ ان کے علاوہ اور لوگوں کے مخالف ہے اور یہ کھلی ہوئی بات ہے۔

ابو ثور کا انتقال ۲۸۷ھ میں ہوا ابن خلکان کے قول کے مطابق ۲۸۶ھ میں۔

(۲) احمد بن حنبل اور ان کا ذکر عنقریب ان کے ذکر میں کیا جائے گا۔

(۳) حسن بن محمد بن صلیح زعفرانی بغدادی جو مذہب قدیم کے راویوں میں سب سے زیادہ ثابت قدم اور ثقہ ہیں کتاب عراقی انہی کی طرف منسوب ہے اور شافعی کی مجلس میں قرأت کے ذمہ دار نہی ہوتے تھے اور انہی کی قرأت سے احمد اور ابو ثور اور کراچی نے حدیث سنی وہ سواد کے ایک گروں کی طرف جس کا نام زعفرانیہ ہے سے منسوب ہیں پھر بغداد کے بعض راستوں میں بیٹھے تو وہ

راہتے ان کی طرف منسوب ہو گئے۔

زعفرانی نے سفیان بن عیینہ اور شافعی وغیرہ سے حدیث سنی ان سے بخاری وغیرہ ائمہ حدیث نے روایت کی ہے بجز مسلم کے اور شافعی ان کی فصاحت کی بہت تعریف کرتے تھے حتیٰ کہ ان کے بارے میں یہ فرمایا کہ میں نے بغداد میں ایک ایسے بنطی کو دیکھا جو عربی معلوم ہوتا تھا اور میں اس کے مقابلہ میں بنطی سلمہ میں وفات پائی۔

(۴) ابو علی حسین بن علی کراہیسی ادلاء عراقیوں کے مندرجہ پر فرقہ حاصل کیا پھر شافعی سے فرقہ کی تعلیم حاصل کی ان سے اور ان کے علاوہ دوسروں سے بھی حدیث سنی اور ان کو شافعی نے زعفرانی کے کتابوں کی اجازت دی اور لوگوں نے ان سے حدیث کی روایت کرنے سے پرہیز کیا ہے کیونکہ امام احمد بن حنبل نے ان پر طعن کیا تھا کیونکہ مسئلہ لفظ کی بنا پر یعنی ان کے اس کہنے پر کہ ”میرا قرآن کے الفاظ“ پڑھنا مخلوق ہے اور یہ عجیب ہے محمد بن عبد اللہ صبر فی شافعی اپنے شاگردوں سے کہا کرتے تھے کہ عبرت پکڑو اس حسین کراہیسی اور ابو ثور سے کہ حسین کے علم اور حفظ کے مقابلہ میں ابو ثور دسواں حصہ بھی نہیں ہے لیکن امام احمد نے ان کے بارے میں لفظ کی بنا پر طعن کیا تو وہ لوگوں کی نظر سے گر گیا اور ابی ثور کی تعریف کی تو وہ بڑھ گیا۔

(۵) احمد بن یحییٰ بن عبد العزیز بغدادی تسکیم جو شافعی کے بڑے شاگردوں میں سے تھے پھر احمد بن ابی داؤد کے شاگردوں میں شامل ہوئے اور ان کی رائے کا اتباع کرنے لگے ابو عامر نے کہا ہے کہ وہ ان حفاظ میں سے ایک تھے جو زاہد بھی تھے اور مفتی بھی اور شافعی نے ان کو اپنی کتابیں پڑھنے سے منع کر دیا تھا کیونکہ ان کی آنکھوں میں کچھ خرابی تھی اور معتزلہ کے آراء کے اتباع نے ان کے درجہ کو گرا دیا ابن سبکی نے کہا کہ وہ بہت سے قابل اعتراض مسائل کے قائل تھے چنانچہ وہ کہتے تھے کہ طلاق صفات سے نہیں پڑتی اور دلیل یہ تھی کہ جب نکاح منع اس لئے جائز نہیں کہ وہ ایسا عقد ہے جو ایک صفت سے متعلق ہے تو اسی طرح طلاق بالصفہ بھی عقد معلق ہے اس کے بعد ابن سبکی نے کہا کہ یہ قول بالکل باطل اور اجماع کے خلاف ہے اور وہ ظاہر یہ کہ قول کے مثل ہے جیسا کہ ابن حزم نے محلی میں صراحت کی ہے کہ جو شخص یہ کہے کہ جب ہمینہ کی ابتدا ہو تو تجھ پر طلاق ہے یا کوئی اور وقت کا ذکر کیا تو اس کے اس کہنے سے نہ اس وقت طلاق ہوگی اور نہ جب ہمینہ شروع ہوگا غالباً یہ ان مسائل میں سے ایک ہے جس میں ظاہر یہ منفر د ہیں۔

اور شافعی کے عراقی شاگرد جنھوں نے فقہ حاصل کیا

(۱) داؤد بن علی امام اہل ظاہر ہیں جن کا بیان ہم علیحدہ عنقریب کریں گے۔
 (۲) ابو عثمان بن سعید نخاعی جنھوں نے مزنی اور ربیع سے علم حاصل کیا اور یہ وہی ہیں جن سے بغداد میں امام شافعیؒ کی کتابیں مشہور ہوئیں اور انہی سے ابن سیرین نے فقہ حاصل کیا۔
 ۲۸۸ھ میں وفات پائی۔

(۳) ابو العباس احمد بن عمر بن سیرین، حسین زعفرانی وغیرہ سے حدیث کی سماعت کی اور ابی القاسم نخاعی سے فقہ حاصل کیا اور ان کو شافعی کے تمام شاگردوں پر حتیٰ کہ مزنی پر ترجیح دیتے تھے شیخ ابو حامد اسفرائینی کہتے ہیں کہ ہم ظاہر فقہ میں ابی العباس کے ساتھ چلتے ہیں لیکن دقائق فقہ میں نہیں اور وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے مناظرہ کا دروازہ کھولا اور لوگوں کو جدال کا طریقہ سکھایا اور ان کی بہت سی تصنیفات ہیں جن کی تعداد (۴۰۰) تک پہنچتی ہے اور ان کے اور داؤد بن علی ظاہری کے اور ان کے لڑکے محمد کے درمیان بہت سے مشہور مناظرے ہوئے
 ۳۰۶ھ میں وفات ہوئی۔

(۴) ابو العباس احمد بن ابی احمد طبرانی جو ابن القاص کے نام سے مشہور تھے ابن سیرین سے فقہ حاصل کیا اور وہ صاحب تصانیف مشہور تھے جو تلخیص و مفتاح و ادب القاضی وغیرہ ہیں اور اصول فقہ میں ان کی ایک تصنیف ہے امام جلیل تھے ۳۳۵ھ میں وفات پائی۔
 (۵) ابو جعفر محمد بن جریر طبری ہم عنقریب ان کا ذکر مخصوص طور پر علیحدہ کریں گے۔
 امام شافعیؒ کے مصری شاگرد حسب ذیل ہیں۔

(۱) یوسف بن یحییٰ بولطی مصری جو مصر میں شافعی کے بڑے شاگردوں میں سے تھے شافعیؒ سے فقہ حاصل کیا اور ان سے ابو عبد اللہ بن وہب وغیرہما سے حدیث روایت کی اور ان کی ایک مشہور کتاب مختصر ہے جس کو شافعیؒ کے کلام سے مرتب کیا ہے امام شافعیؒ فتاویٰ میں ان پر اعتماد کیا کرتے تھے اور کوئی مسئلہ ان کے پاس آتا تو ان کے پاس بھیجا کرتے تھے اور اپنی موت کے بعد اپنے شاگردوں پر ان کو خلیفہ بنایا جن کی تعلیم و تربیت سے بڑے بڑے ائمہ پیدا ہوئے جو مختلف شہروں میں پھیلے اور امام شافعیؒ کا علم اُطراف عالم میں پھیلا یا فسۃ خلق قرآن کے زمانہ میں بغداد میں قید کی حالت میں ۳۳۳ھ میں وفات پائی۔

(۲) ابوالبرکات اسماعیل بن یحییٰ مزنی مصری ۳۷۵ھ میں پیدا ہوئے۔ اور جب جوان ہو کر علم حاصل کیا اور حدیث کی روایت کی یہاں تک کہ جب امام شافعی ۲۹۹ھ میں مصر آئے تو ان سے فقہ حاصل کیا ابوالاسحاق شیرازی کہتے ہیں کہ زاہد عالم مجتہد اور مناظر تھے صاحب حجت اور معانی دقیقہ پر غور کرنے والے تھے انہی کے حق میں شافعی کہتے ہیں کہ مزنی میرے مذہب کا قاصر ہے اور انھوں نے ایسی کتابیں تالیف کیں جس پر شافعی مذہب کا مدار ہے اور انہی سے اکثر علماء خراسان و عراق و شام نے علم حاصل کیا ۳۶۴ھ میں وفات پائی۔

بعض اوقات مزنی اپنے استدلال کی مخالفت بھی کرتے اور اپنے لئے کوئی نئی راہ اختیار کرتے لیکن شافعی حضرات ان اختیارات کو مذاہب میں جدید اقوال کی حیثیت نہ دیتے تھے اور یہ کچھ زیادہ بھی نہیں ہیں۔

(۳) ربیع بن سلیمان بن عبد الجبار مرادی ان کے آزاد کردہ غلام۔ جو جامع عتیق میں موزن تھے ۳۷۵ھ میں پیدا ہوئے امام شافعی کی خدمت میں رہے اور ان سے بہت علم حاصل کیا اور ان سے حدیث روایت کی اور یہ ان کی کتابوں کے راوی ہیں اور ان سے جو روایات کرتے ہیں ان میں ثقہ اور قابل اعتماد ہیں حتیٰ کہ ان میں اور مزنی میں کسی روایت میں اگر تعارض ہو جائے تو اصحاب امام شافعی ربیع کی روایت کو مزنی پر ترجیح دیتے ہیں اور اطراف عالم سے لوگ ربیع کے پاس امام شافعی کی کتابیں پڑھنے کے لئے آیا کرتے تھے ۳۷۵ھ میں وفات پائی۔

(۴) حرملة بن یحییٰ بن عبد اللہ النجیبی ۳۶۶ھ میں ولادت ہوئی جلیل القدر اور رفیع الشان امام تھے ان کی اکثر حدیثیں ابن وہب سے روایت کردہ ہیں اور شافعی سے فقہ حاصل کیا اور ان کے مذہب میں کتابیں لکھیں اور اشہب ان کے بارہ میں کہا کرتے تھے کہ یہ اہل مسجد کے بہترین لوگوں میں سے ہے ۳۷۳ھ میں وفات پائی۔

(۵) یونس بن عبد الاعلیٰ صدیقی مصری ۳۷۵ھ میں پیدا ہوئے اور سفیان بن عیینہ و ابن وہب وغیرہم سے حدیث سنی اور امام شافعی سے فقہ حاصل کیا۔ اور مصر میں علم کی پیشوائی حاصل کی امام شافعی سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ مصر میں کوئی شخص یونس بن عبد الاعلیٰ سے زیادہ عقلمند میں نے نہیں دیکھا ۳۶۴ھ میں وفات پائی۔

(۶) ابو بکر محمد بن احمد المشہور بابن حداد ان کی ولادت مزنی کے انتقال کے دن ہوئی حنفیہ قرآن میں یگانہ روزگار اور فقہ میں امام عصر لغت میں دریا و ذخائر معانی دقیقہ میں غور کرنے والے

اور فروع کے لئے اس کے حسن استخراج میں کمال رکھنے والے اس پر لوگوں کا اتفاق ہے کہ وہ ان علوم میں یکتائے روزگار تھے کوئی ان تک نہیں پہنچا اور ان کی ایک کتاب فقہ میں الباہر ہے اور ایک کتاب ادب القضاء ہے وہ مصر کی زینت اور علم قضا میں ماہر تھے ۳۴۵ھ میں وفات پائی۔

جن لوگوں کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے وہ براہ راست شافعیؒ کے مشہور شاگردوں میں سے تھے اور جن سے لوگوں نے ان کی تالیفات و تصنیفات کے ذریعہ علم حاصل کیا ان کی بھی بہت بڑی تعداد ہے اور امام مالکؒ کے شاگردوں کی طرح ان لوگوں نے بھی امام شافعیؒ کی بہت کم مخالفت کی ہے۔

چوتھے امام احمد بن حنبلؒ

احمد بن حنبل بن ہلال ذہلی شیبانی مروزی ثم البغدادی ہیں ۱۶۴ھ میں پیدا ہوئے بزرگ محدثین میں سے ہیں اور ہشیم اور سفیان بن عیینہ کے طبقات اور بزرگ ائمہ سے حدیث سنی اور ان سے بخاری و مسلم اور ان کے طبقہ کے لوگوں نے روایت کی اور حدیث کے حاصل کرنے اور اس کے یاد کرنے میں خوب محنت کی حتیٰ کہ اپنے زمانہ میں امام اہل حدیث ہوئے شافعیؒ کہتے ہیں کہ میں بغداد سے نکلا تو وہاں کوئی شخص احمد بن حنبل سے بڑھ کر عالم و فقیہ و افضل عالم کسی کو نہیں چھوڑا امام احمدؒ نے امام شافعیؒ سے جس وقت وہ بغداد آئے علم فقہ حاصل کیا اور وہ ان کے بغداد کے شاگردوں میں سب سے بڑے شاگرد ہیں پھر وہ خود مجتہد ہو گئے اور یہ اہل حدیث کے ان مجتہدوں میں سے ہیں جو بلا شرط و خیر واحد پر عمل کرتے ہیں جبکہ اس کی سند صحیح ہو جیسے شافعیؒ کا طریقہ ہے اور اقوال صحابہ کو قیاس پر مقدم رکھتے ہیں اور احمدؒ کا شمار علمائے حدیث کی نسبت فقہاء میں زیادہ ہوتا ہے مسند کی تصنیف کی جس میں تقریباً (۴۳) ہزار احادیث ہیں ان سے ان کے بیٹے عبد اللہ نے روایت کی ہے اور اصول میں ان کی ایک کتاب "طاعت رسول" ہے اور ایک کتاب ناسخ و منسوخ ہے اور کتاب العلل ہے۔

امام احمد بن حنبل سے ان کے مذہب کی جن مشہور لوگوں نے روایت کی ہے وہ مدینہ قبل ہیں۔ ابو بکر احمد بن محمد بن ہاتمی جو "انزم" کے نام سے مشہور ہیں اپنی کتاب سنن کو جو فقہ میں ہے امام احمدؒ کے مذہب پر تصنیف کیا ہے اور اس میں حدیث سے دلائل لائے ہیں اور ہذا بن ابراہیم

ہیں جو ابن راہویہ مروزی کے نام سے مشہور ہیں اور یہ امام احمدؒ کے مشہور شاگردوں میں سے ہیں انھوں نے بھی فقہ میں کتاب السنن لکھی ہے۔

اور صرف امام احمدؒ بن حنبل ہی تھے جو خلق قرآن کے مسئلہ میں ثابت قدم رہے صرف کیونکہ اکثر اہل حدیث نے مامون رشید کی دعوت خلق قرآن کو قبول کر لیا تھا لیکن وہ ثابت قدم رہے اور لغزش نہ کھائی سلسلہ سے جس میں مامون کی دعوت شروع ہوئی سلسلہ تک جس میں متوکل نے اس دعوت کو ختم کر دیا اور لوگوں کو اپنے مسلک کے اختیار کرنے اور اپنے اعتقاد پر قائم رہنے کی اجازت و آزادی دی اس سے قطع نظر کہ ان کی رائے صائب تھی یا غلط یہ ثابت قدمی امام احمد بن حنبل کو بزرگی عطا کرتی ہے اور علماء کے سامنے ان کے درجہ کو بڑھاتی ہے کہ انھوں نے اپنے اعتقاد کی حفاظت کے لئے مصیبتوں کو اس خندہ پیشانی سے برداشت کیا جو انسان کے شرف کا بہترین زیور ہے سلسلہ میں وفات پائی:

۱ چاروں ائمہ جمہور اسلام کے ائمہ ہیں جن سے ان کے مذاہب مشہور اور مدون ہوئے اور باقی رہے۔

ائمہ شیعہ

اس دور میں شیعہوں کے دو مذاہب مشہور ہوئے اور وہ شیعہ زیدہ اور شیعہ امامیہ ہیں زیدہ کی نسبت زید بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب کی طرف ہوتی ہے جنھوں نے کوفہ میں ہشام بن عبد الملک پر خروج کیا اور ان میں سے بہت سے لوگوں نے خلافت کی طلب میں بنی امیہ و بنی عباس کے خلاف بغاوت اور خروج کیا بعض نے بلاد طبرستان و بلاد یمن میں کچھ کامیابی بھی حاصل کی۔ اور اس مذہب کے اصول کی رو سے ان کے ائمہ میں اجتہاد کی شرط ضروری ہے اور اسی لئے ان میں ائمہ مجتہدین فقہ میں رائے رکھنے والے زیادہ ہوئے اور اس دور میں ان کا سب سے بڑا مجتہد جو مانا گیا وہ داعی ابی اللہ امام ناصر حق حسن بن علی بن حسن بن زید بن عمر بن علی بن حسین بن علی ہیں جنھوں نے مذہب زیدہ پر بہت سی کتابیں لکھیں جو فقہی ابواب پر مرتب ہیں جیسے کتاب الطہارۃ کتاب الاذان وغیرہ۔

اور انہی اماموں میں سے ایک امام داعی الی النجی حسن بن زید بن محمد بن اسماعیل بن حسن بن زید بن حسن بن علی ہیں اور یہ حسن جید علماء میں سے تھے اور بلاد طبرستان میں انھوں نے بغاوت کی

اور شیعہ میں اس پر قابض ہو گئے اور وفات تک یعنی شیعہ تک اس پر قابض رہے اٹھو
نے فقہ میں ایک کتاب الجامع اور کتاب البیان وغیرہ لکھی ہیں۔

اور انہی میں سے قاسم بن ابراہیم ملوی یرسی صاحب معرہ ہیں جو بلادین میں سے ہے ان کا
زمانہ ۲۲۶ھ سے ۲۸۰ھ تک ہے زید یہ قاسم نے انہی کی طرف منسوب ہیں ان کی تصانیف کتاب
الاشربہ اور کتاب الایمان والذکر وغیرہ ہیں۔

اور انہی میں سے ہادی بھی بن حسن بن قاسم بن ابراہیم الم معرہ ہیں ۲۸۰ھ سے ۲۹۸ھ تک
رہے انہی کی طرف زید ہادی منسوب ہیں ان کی ایک کتاب جامع فقہ میں ہے اور اس دور کے
بہت سے علماء اور محدثین مذہب زید یہ کو امامت میں حق سمجھتے تھے۔

اور بلادین کی اکثریت شیعہ زید یہ ہے اور یہ فرقہ شیعوں کے تمام فرقوں سے جمہور کے
مذہب کے زیادہ قریب ہے اس لئے کہ زید یہ شیخین کی تنقیص نہیں کرتے اگرچہ یہ خیال کرتے
ہیں کہ حضرت علیؑ امامت کے معاملہ میں ان سے بہتر تھے۔

شیعہ امامیہ اثنا عشریہ کے اس زمانہ میں سب سے بڑے امام ابو عبد اللہ جعفر صادقؑ ہیں
سادات اہل بیت میں سے تھے اور ہر بات سچ کہنے کی وجہ سے وہ صادق مشہور ہوئے شیعہ
میں پیدا ہوئے ان سے امام مالک بن انس اور امام ابو حنیفہؒ اور اکثر علماء مدینہ نے روایت
کی ہے مگر امام بخاریؒ نے ان سے کوئی حدیث نہیں لی۔ اور ان کے والد ابو جعفر محمد باقرؑ ہیں جن
کا ذکر اوپر آچکا اور ان دونوں بزرگوں پہلی شیعہ امامیہ کے فقہ کا دار و مدار ہے اور اس دور میں
ان کے سب سے بڑے مؤلف ابو النضر محمد بن مسعود عیاشی اور ابو علی محمد بن احمد بن الجندی ہیں
اور جن کو شہرت عظیم حاصل ہے وہ زرارہ بن اعین ہیں جو فقہ و حدیث و معرفت کلام اور تشیع کی بنیاد
شیعہ حضرات میں سب سے بڑے امام ہیں جو ابی جعفر باقر کے شاگردوں میں سے ہیں اور ان کے
لڑکے حسین بن زرارہؒ اور حسن بن زرارہؒ ہیں جو ابی عبد اللہ جعفر صادق کے شاگردوں میں سے ہیں۔

اس فرقہ کی بنیاد ان امور پر ہے کہ ائمہ معصوم ہیں اور علی رضی اللہ عنہ ہی رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے وصی ہیں کہ ان کو شریعت کا ظاہر اور مخفی سب کچھ بتا دیا اور انھوں نے یہ سب
باتیں ان کو پہنچا دیں جو امامت میں ان کے جانشین تھے اور اسی لئے ائمہ کے اقوال ایسے ہیں
جیسے شارع کے نصوص اور یہ کہ احکام رائے اور اجتہاد سے حاصل نہیں ہوتے بلکہ امام معصوم
کی طرف سے حاصل ہوتے ہیں اور اسی لئے ان کے یہاں اجماع تمام اور قیاس کے اصول

نہیں ہیں، اجماع کا تو اس لئے کہ ان کے نزدیک اس شخص کے کہنے کا کوئی اثر ہی نہیں جو ایمہ میں سے نہ ہو اور قیاس اس لئے کہ وہ رائے کا نام ہے اور وہ رائے سے حاصل نہیں ہوتا ہے اور یہ لوگ تقیہ کے قائل ہیں اور تقیہ کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے اعتقاد کے سوا اور بات کا اظہار کرے اس شر سے بچنے کے لئے جو اس کو اس کے مخالفین سے پہنچنے کا اندیشہ ہو اسی لئے ان کی کتابوں میں جب ماموں کی روایتوں میں اختلاف ہوتا ہے تو جو امور جمہور کی رائے کے موافقت میں اس کے متعلق کہہ دیتے ہیں کہ یہ بطور تقیہ کے کہا گیا ہے اور ایسا جب ہوتا ہے جب ان پر اعتراض کیا جاتا ہے۔

ان کے استنباط احکام میں سیاست نے جو اثرات ڈالے ہیں اس کا ثبوت یہ ہے کہ شیعہ امامیہ میراث کے بارے میں اس بات پر متفق ہیں کہ حقیقی چچا زاد بھائی علاقائی چچا پر مقدم ہے باوجودیکہ ان سب کا قول یہ ہے کہ وراثت کا مدار اقربیت پر ہے پس جس قدر انسان کامیت سے قریبی رشتہ ہو گا وہ میراث پانے کا دور کے قرابت والوں سے زیادہ مستحق ہو گا اور اسی لئے چچا زاد بھائی وراثت میں مامل سے متاخر ہے لیکن وہ اس کو چچا سے بڑھا دیتے ہیں اور یہ صرف اس لئے کہ حضرت علیؑ ابن ابی طالب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت میں حضرت عباسؓ پر مقدم کرنا چاہتے ہیں اسی طرح ان کی اور باتیں جس میں وہ جمہور کی مخالفت کرتے ہیں حسب ذیل ہیں۔

(۱) (بھانجی) کا نکاح اس کی خالہ پر اس کی اجانت کے بغیر نہ کیا جائے اور خالہ سے نکاح بھانجی پر اس کی اجازت کے بغیر کیا جاسکتا ہے اسی طرح بھوپھی اور بھتیجی کا حال ہے۔
(۲) نصرانیہ اور یہودیہ سے نکاح حرام سمجھتے ہیں اور وہ نص جس سے یہ نکاح حلال ہے اللہ تعالیٰ کے اس حکم سے منسوخ قرار دیتے ہیں۔
ولا تمسکوا بعصم الکوافر۔

(۳) مریض کو طلاق دینے کا حق نہیں لیکن اس کو نکاح کرنے کا حق ہے اور اگر اس کا نکاح کر لیا اور اس سے صحبت کر لی تو جائز ہو گیا اور اگر صحبت نہ کی حتیٰ کہ اسی مرض میں اس کا انتقال ہو گیا تو اس کا نکاح باطل ہو گیا اور اس عورت کو نہ مہر ملے گا نہ میراث۔
(۴) رضا عت کی حرمت اسی وقت ہوگی جبکہ ایک دن اور ایک رات دودھ پیا یا ایک عورت جس نے ایک ہی مرد کے نطفہ سے بچہ جنا ہوا اس سے پورے پندرہ مرتبہ اس طرح دودھ پئے کہ اس میں اس کے سوا کسی عورت سے دودھ نہ پئے۔

(۵) طلاق جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حکم دیا اور اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ثابت ہے یہ ہے کہ جب عورت کو حیض آئے اور اس کے بعد وہ اپنے حیض سے پاک ہو تو اس سے صحبت سے پہلے اس کو دو عادل گواہوں کے سامنے ایک طلاق دے اس صورت میں جب تک کہ تین حیض پورے نہ ہوں اس سے رجعت کر سکتا ہے اگر اس نے اس کو ٹوٹا لیا یعنی رجعت کر لی تو وہ اس کے پاس رہے گی اس کے بعد اس کو پھر دو طلاق دینے کا حق حاصل ہے گا اور اگر تین حیض گزرنے تک رجوع نہیں کیا تو وہ اپنے نفس کی مالک ہے پھر اگر وہ تنگنی کے اور خواستگاروں کے ساتھ خود بھی تنگنی کا خواستگار ہو کر ناچلے تو کرے اور اگر اس سے نکاح کر لیا تو اب اس کے پاس رہے گی اور اس کو دو طلاق کا حق رہے گا اور اس کے سوا طلاق کا کوئی طریقہ نہیں۔

(۶) جس نے اپنی بیوی سے کہا کہ تو مجھ پر حرام ہے یا اس کو طلاق یا تن یا تہ دی یا اس کو "بریہ" یا "خلیہ" کہا تو یہ سب کچھ نہیں بلکہ طلاق یہ ہے کہ اس سے عدت سے قبل جبکہ وہ حیض سے پاک ہو جائے صحبت سے پہلے کہے کہ تہ مطلقہ ہے یا تو عدت کر اور اسے طلاق سمجھ اور اس پر دو عادل گواہی دیں۔

(۷) تین طلاق ایک مجلس میں ایک ہی سمجھی جائے گی۔ اس کے علاوہ اور بھی آراء ہیں جس کو وہ اپنے ایمہ کے اقوال کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

فتا شدہ مذاہب

فقہائے مذاہب میں بعض ایسے بھی مذاہب ہیں جن کے ماننے والے تھے اور ایک مدت تک اس پر لوگ چلتے رہے پھر ان پر اور مذاہب کا اثر پڑنے سے ختم ہو گئے اور اس کے ماننے والے رخصت ہو گئے ان مذاہب کے مشورائے حسب ذیل ہیں۔

(۱) ابو عمرو عبدالرحمن بن محمد ازاعی، اور ازاع بن کے قبیلہ ذی الکلاع کی ایک شاخ ہے پاکر دمشق میں ایک گاؤں ہے جو باب الفردیس کے راستہ پر واقع ہے ان میں آکر ابو عمرو نے قیام کیا تھا وہ ان کا اصل خاندان سی عین التمر سے تعلق رکھتا ہے اور وہ خود بعلبک میں مشہور ہیں پیدا ہوئے اور جب جوان ہو کر حدیث پڑھنا شروع کیا چنانچہ عطار بن ابی رباح اور نہیری اور ان دونوں کے طبقہ سے حدیث پڑھی اور خود ان سے اکابر محدثین نے حدیث کی روایت کی

اوزاعی انشا پر داز ادیب تھے اور ان کے رسائل بہت مشہور ہیں، ولید بن مرثد نے کہا ہے کہ میں نے کوئی بہتر کلمہ ایسا نہیں سنا کہ اس کے سنتے ولے کو اس کی سند ان سے لینے کی احتیاج نہ ہوئی ہو اور میں نے ان کو بھی قہقہہ مارتے ہوئے ہنستے نہیں دیکھا اور یہ انہی کا قول ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کی برائی کا ارادہ فرماتا ہے تو ان پر جنگ و جدل کا دروازہ کھول دیتا ہے اور عمل سے ان کو روک دیتا ہے اور یہ بھی انہی کا قول ہے کہ وہ فقہاء قابل افسوس ہیں جو عبادت کے علاوہ دوسرے مقاصد کے لئے فقہ حاصل کرتے ہیں اور شیعہ کی وجہ سے جو چیزیں حرام ہیں انہیں حلال کر دیتے ہیں اور ان کی مشہور استقامت وہ گفتگو ہے جو عبداللہ بن علی سے انہوں نے کی جبکہ وہ شام آئے اور بنی امیہ کو قتل کیا اور یہ وہ وقت تھا کہ وہ اپنی فوج میں تھے جن کی تلواریں برہنہ تھیں اس وقت دناغی کو بلا کر ان سے پوچھا کہ بنی امیہ کے قتل کے بارے میں تمہارا کیا فتویٰ ہے آپ نے جواب دیا کہ تمہارے اہل ان کے درمیان معاہدہ تھا جس کا پورا کرنا تم کو لازم تھا تو اس لئے کہا تجھ پر افسوس ہے ایسا فتویٰ دے فرض کیجئے کہ ان کے اور ہمارے درمیان کوئی معاہدہ نہ تھا کہتے ہیں کہ مجھے کچھ ڈر ہوا اور قتل ہو جانے سے گھبرایا مگر پھر میں نے اللہ کے سامنے اپنے کھڑے رہنے کا خیال کیا اور زبان سے کہہ دیا کہ ”ان کے خون تجھ پر حرام ہیں“ اس پر وہ غضبناک ہوا اور اس کی آنکھیں اور رگین پھول گئیں اور کہنے لگا تو ہلاک ہو یہ کیوں؟ تو میں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کسی مسلمان آدمی کا خون بجز تین صورتوں کے جائز نہیں ایک یہ کہ شادی شدہ شخص زنا کرے دوسری یہ کہ جان کے بدلہ میں جان لینا اور تیسری یہ کہ زنی شخص دن کو چھوڑ دے اس نے کہا کہ تجھ پر افسوس ہو کیا یہ امر واقعہ نہیں کہ ہماری حکومت برنی ہے میں نے کہا وہ کیسے؟ تو کہا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی رضی اللہ عنہ کے لئے وصیت نہیں کی تھی میں نے کہا کہ اگر ان کے لئے وصیت کی ہوتی تو دونوں حکم اس کا فیصلہ نہ کرتے“ اس پر خاموش ہو گیا حالانکہ غصہ سے بھرا ہوا تھا اور مجھے اندیشہ ہو رہا تھا کہ عنقریب میرا سر تن سے جدا کر دیا جائے گا پھر اس نے اپنے ہاتھ سے اس طرح اشارہ کر کے حکم دیا کہ اس کو نکال دو، تو میں نکال دیا گیا۔

امام اوزاعیؒ ان اصحاب حدیث میں سے تھے جو قیاس کو برا سمجھتے تھے اور اہل شام ان کے طریقہ پر عمل کرتے تھے اور اوزاعی قاضی شام تھے پھر اوزاعیؒ کا مذہب بنی امیہ کی نسلوں کے ساتھ اندلس میں منتقل ہو گیا پھر شام میں امام شافعیؒ کے مذہب کے مقابلے میں اور اندلس میں

امام مالکؒ کے مذہب کے مقابل سامنے تیسری صدی کے نصف میں اوزاعی کا مذہب ختم ہو گیا اور اوزاعی کا انتقال ۱۵۷ھ میں ہوا۔

(۲) ابوسلمان داؤد بن علی بن صفار صہبانی جو ظاہری کے نام سے مشہور تھے کوفہ میں ۲۰۲ھ میں پیدا ہوئے اور اسحاق بن راہویہ اور ابی ثور وغیرہما سے علم حاصل کیا یہ امام شافعیؒ کے بڑے حامی تھے اور ان کے فضائل اور تعریف میں دو کتابیں لکھیں۔ اور بغداد میں انہی کو علم کی مقتدرائیت ملی پھر انھوں نے اپنے لئے ایک خاص مذہب بنالیا جس کی بنیاد ظاہر کتاب و سنت پر عمل کرنا ہے جب تک کہ ان دونوں سے یا اجماع سے کوئی دلیل ایسی نہ مل جائے جس سے ظاہر کے سوا اور کوئی چیز مراد نہ ہو اور جس بات میں کوئی نص نہ پائی جائے اجماع پر عمل کیا جائے گا اور قیاس کو بالکل چھوڑ دیا اور کہتے تھے کہ کتاب و سنت کی عام نصوص میں ہر ایک کا جواب موجود ہے۔

داؤد نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں جن میں سے بعض کتابیں ان کی فقہ میں ہیں اور بعض اصول میں ایک کتاب تقلید کے رد میں اور ایک کتاب قیاس کے رد میں۔ ایک کتاب خبر واحد کتاب النجر موجب العلم کتاب الحجہ کتاب خصوص و عموم کتاب مفسر و محمل وغیرہ ان کے لڑکے محمد جو فاضل ادیب شاعر اخباری اور ظریفوں اور مستورین میں سے تھے اور بہت سی کتابوں کے مصنف تھے انھوں نے اپنے باپ سے علم حاصل کیا اور ان کے مذہب پر چلے۔

داؤد کے متبعین میں۔ اور ان کے مذہب کے مطابق مؤلفین میں ابوالحسن عبداللہ بن احمد بن محمد بن الغلس تھے اور ان کے زمانہ میں داؤدیوں کی ریاست انہی کو ملی اور ان کے بعد ان کا کوئی مثل نہیں نکلا فاضل عالم جید ثقہ سچے اور تمام لوگوں کے نزدیک مقدم تھے۔ ۳۲۲ھ میں وفات پائی۔

داؤد کا مذہب پانچویں صدی کے نصف تک چلتا رہا پھر وہ مضحکہ منہج ہو گیا اور ان کی بہت سی رائیں ہیں جن میں انھوں نے جمہور کی مخالفت کی ہے جو قیاس رائے کے چھوڑنے اور ظاہر کتاب و سنت پر عمل کرنے کا نتیجہ ہے اور میں نے ابی محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم الاندلسی (جو ۴۵۶ھ میں فوت ہوئے) کی کتاب محلی میں اس قسم کے مسائل بہت سے دیکھے ہیں جن میں سے یہاں چند ذکر کئے جاتے ہیں۔

(۱) طلاق تین الفاظ اور ان کے مشتقات سے پڑتی ہے۔ طلاق۔ تسریح۔ فراق جبکہ

اس سے طلاق کی نیت لی جائے اور اگر وہ ان میں سے کوئی لفظ کہہ کر یہ کہے کہ میں نے طلاق کا ارادہ نہیں کیا تھا تو فتویٰ میں اسی کا کہنا مانا جائے گا اور طلاق اور اس کے مشتقات کے متعلق قضائے میں اعتبار نہ ہوگا اور ان تمام میں قضائے میں بھی اعتبار ہوگا اور ان الفاظ کے سوا اور الفاظ سے طلاق واقع ہی نہ ہوگی مطلقاً اس سے طلاق کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو نہ فتاویٰ میں نہ قضائے میں جیسے کہ کہہ دے تو خلیہ ہے یہ ہے مبراۃ ہے میں نے تجھ کو بری کر دیا تیری رسی تیری گردن پر ہے میں نے تجھے تیرے خاندان کو ہبہ کر دیا یا غیر خاندان کا ذکر کرے اور تحریم و تحییر و تملیک میں (۲) طلاق میں وکالت جائز نہیں۔

(۳) کسی غائب شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی تو طلاق نہ ہوگی اور وہ اس کی اسی طرح بیوی رہے گی جیسے پہلے تھی اگر ان میں سے کوئی مرجائے تو ایک دوسرے کے وارث ہوں گے اور تمام زوجیت کے حقوق دونوں میں برابر رہیں گے اس سے صحبت کی ہو یا نہ کی ہو تین طلاق دے یا کم یہاں تک کہ خبر اس عورت کے پاس پہنچ جائے جب خبر اس کے پاس پہنچ جائے اور وہ تصدیق کرے یا اس کی گواہی فیصلہ میں قبول ہو جائے تو اس وقت اس پر طلاق واقع ہوگی خواہ وہ حاملہ ہو یا اس طہر میں جس میں اس کے ساتھ صحبت کی ہو۔

(۴) جس شخص نے طلاق دیدی لیکن اس کا قصد طلاق کا نہ تھا محض زبان کی غلطی ایسا کہہ دیا۔ اگر اس پر گواہ قائم ہو گئے تو طلاق کا فیصلہ کیا جائیگا اور اگر گواہ قائم نہ ہوں بلکہ وہ فتویٰ طلب کرنے آیا تو اس کو طلاق لازم نہ ہوگی۔

(۵) طلاق کے لئے قسم لازمی نہیں چاہے پورا کرے یا نہ کرے اس سے طلاق واقع نہ ہوگی طلاق صرف اسی طرح ہوگی جس طرح کہ اللہ عزوجل نے رسول اللہ کے ذریعہ حکم دیا ہے اور قسم بھی وہی ہے جیسے کہ اللہ عزوجل نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ حکم دیا ہو۔

(۶) طلاق بالصفت بھی طلاق بالیمین کے مثل ہے اور ان سب سے طلاق نہیں ہو سکتی طلاق اسی طرح ہوگی جس طرح کہ اللہ عزوجل نے اس کا حکم دیا اور اس کی تعلیم دی اور وہ یہ ہے کہ طلاق کا ارادہ کیا جائے اس کے سوا سب باطل ہے اور حد و اللہ سے تجاوز نہ ہے۔

(۷) جس نے اپنی عورت سے کہا کہ جب مہینہ کی ابتدا ہوگی تو تجھ کو طلاق ہے یا اور کسی وقت کا ذکر کیا تو اس سے طلاق واقع نہ ہوگی نہ اب اور نہ اس وقت جب مہینہ کی ابتدا ہوگی۔

(۸) جس نے اپنی عورت کو اس کا اختیار دیدیا کہ وہ خود کو طلاق دے لے تو اس کو طلاق

دینا لازم نہ ہوگا اور خواہ وہ اپنے کو طلاق دے یا نہ دے اس کو طلاق نہ ہوگی۔

(۹) جب عورت کو اپنے شوہر سے انکاری ہو اور اس کو خوف ہو کہ وہ اس کا حق پورا نہ کرے گایا اس کا خوف ہو کہ وہ اس سے بغض رکھے گا اور بوجہ بغض کے اس کا حق پورا نہ کرے گا تو اس کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ فدیہ ادا کر کے اس سے علیحدہ ہو سکتی ہے اور اگر شوہر راضی ہو تو وہ اس کو طلاق دے سکتا ہے ورنہ طرفین کو اس پر مجبور نہیں کیا جاسکتا بلکہ ان دونوں کی رضامندی سے ہی معاملہ طے ہو سکتا ہے اور فدیہ بجز دونوں مذکورہ وجہوں میں سے کسی ایک کے یا دونوں وجہوں کے جائز نہیں اگر ان کے علاوہ کسی اور وجہ سے ہو تو وہ باطل ہے اور جو اس عورت سے مرد نے لیا ہے وہ اس کو واپس کیا جائے گا اور وہ اسی طرح اس کی بیوی رہے گی جیسے پہلے تھی اور فقط شوہر کو اس پر ظلم سے منع کیا جائے گا اور اس کو حق حاصل ہے کہ اپنے جمیع مال سے فدیہ ادا کرے اس طرح طلاق رجعی ہوگی بجز اس کے کہ وہ تین بار طلاق دے یا تین کے آخری ہو یا اس سے صحبت نہ کی ہو اور اگر عدت میں اس سے رجوع کر لے تو جائز ہے وہ پسند کرے یا نہ کرے اور جو کچھ مرد نے اس عورت سے لیا ہے وہ اس عورت کو واپس کر دے۔

(۱۰) طلاق اور رجوع بغیر دو عادل گواہوں کی گواہی کے صحیح نہیں اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بغداد میں رائے اور استنباط کی علماء کو پوری آزادی تھی اور وہ اس سے پوری طرح فائدہ اٹھاتے تھے اور ان کو اپنے علاوہ دیگر فقہاء کی مخالفت سے کوئی ایذا نہیں پہنچتی تھی۔ لیکن اندلس میں علماء کو یہ آزادی نہ تھی اسی لئے ابن حزم کو ان کے شہر کے فقہاء کی ناراضی کی بنا پر جو ان کی آراء کی وجہ سے ان کے مذاہب کی مخالفت میں تھی تکلیف پہنچی اور انھوں نے امرار کو ان کی مخالفت پر ابھارا اور ان سے امرار کو ڈراتے تھے تو امرار نے ان کو دھمکا یا لیکن وہ کسی سے نہ ڈرے نہ اپنی رائے سے ہٹے کیونکہ وہ ایک عظیم المرتبت انسان تھے اور عظیم المرتبت انسان اپنے معتقدات کے سلسلے میں بڑی سے بڑی مصیبتوں کو جھیل لیتا ہے لیکن ہم یہاں اس بحث میں پڑنا نہیں چاہتے کہ ان کی رائے صحیح تھی یا غلط بلکہ ہم گزشتہ زمانوں کی ایک تصویر آپ کو دکھا رہے ہیں۔

میں نے ابن سبکی کی طبقات شافعیہ میں ایک فصل ظاہریہ کے آراء کی دیکھی ہے کہ فروع میں ان کی رائے کا اعتبار کیا جائے گا یا نہیں؟ اس مسئلہ میں تین قول نقل کئے ہیں ایک تو یہ کہ مطلقاً ان کا اعتبار کیا جائے گا اور وہی صحیح ہے اور دوسرا یہ کہ مطلقاً ان کا اعتبار نہ کیا جائے اور استلزاماً ابوسحاق نے اس رائے کو جمہور کی طرف کیا ہے اور تیسرا یہ کہ اعتبار کیا جائے بجز ان امور کے جن میں قیاس

جلی کی مخالفت ہو اور ابن سبکی نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ وہ قیاس جلی کا انکار کرتے تھے بلکہ صرف خفی کا انکار کرتے تھے اور ابن سبکی نے داؤد کے ایک رسالہ سے جس کا نام اصول محقق ایک عبارت نقل کی ہے جو حسب ذیل ہے۔

”اور قیاس سے حکم لگانا واجب نہیں اور استحسان ناجائز ہے۔ پھر کہا اور جائز نہیں کہ جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام کہہ دیا ہو تو کوئی شخص اسی کے مشابہ کسی چیز کو حرام کر دے اور جس کو آپ نے حرام نہ کیا ہو بجز اس کے کہ وہ یہ بتا دے کہ اس کے حرمت کی علت کیا ہے مثلاً یہ کہہ دے کہ گھوڑوں کے بدلے گھوڑوں اس لئے حرام ہے کہ وہ تولد جاتا ہے اور اس پر طرے کو دھوا اس لئے کہ اس میں خون ہے یا اس کو مار ڈال کہ یہ سنا ہے تو اس سے معلوم ہو گا کہ جس وجہ سے حکم دیا ہے وہ بتا بھی دیا اور جو حکم ایسا نہ ہو تو ظاہر ہے کہ اس کی تعمیل ضروری ہے اور جو اس سے تجاوز کر جائے تو اس سے خاموشی اختیار کی گئی اور وہ معافی کے باب میں داخل ہے گویا جس کلمہ کی علت بیان کر دی گئی اس کو قیاس نہیں کہتے۔

(۳) ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید طبریؒ ۲۲۴ھ میں بلرستان کے علاقہ آمل میں پیدا ہوئے علم حاصل کیا اور شہروں کی خوب سیاحت کی اور اس قدر علوم جمع کئے جس میں ان کے زمانہ والے ان کے شریک فن نہ ہو سکے۔ حافظ قرآن اصحاب اور تابعین کے اصول سے واقف لوگوں کا زمانہ اور ان کی تاریخ سے واقف تھے ان کی تصانیف میں ان کی مشہور تاریخ ہے عربی تاریخوں میں اس سے بہتر کوئی تاریخ نہیں اور ان کی ایک کتاب تفسیر ہے جس کی مثل کوئی تفسیر نہیں ان کی ایک کتاب تہذیب آثار ہے جس کو وہ مکمل نہ کر سکے اور ان کی ایک کتاب اختلاف فقہاء ہے ان کا ایک حصہ مصر کے کتب خانہ میں ہم نے محفوظ دیکھا تھا جو ان کے وسیع علم اور زیادتی عقل کی دلیل ہے۔

ابتداءً انھوں نے مصر میں مذہب شافعی کے مطابق ربیع بن سلیمان سے فقہ حاصل کیا اور مالک کی فقہ یونس بن عبد الاغلی اور بنی عبد الحکم سے حاصل کیا اور رے میں ابی مقاتل سے اہل عراق کا فقہ سیکھا یہاں تک کہ ان کا علم اس قدر وسیع ہوا کہ اجتہاد نے انہی کتب فقہیہ میں اپنا ایک مستقل مذہب اختیار کر لیا ان کی تصانیف میں ایک کتاب لطیف القول ہے اور اس میں ان کے منتخب اقوال درج ہیں ایک کتاب خفیف ہے جس کو مکتفی ذریعہ کی فرمائش پر لکھا اس کے بعد کتاب بسیط لکھنا شروع کی جس میں کتاب الطہارۃ اور اکثر احکام نماز لکھے اور اسی میں کتاب الاحکام و محاضرہ سجلات مرتب کیں۔

اور ان کے شاگرد چنچوں نے ان کے منصب کے مطابق فقہ حاصل کیا حسب ذیل ہیں۔
 (۱) علی بن عبدالعزیز بن محمد بن دولاہی ہیں جن کی متعدد تصانیف ہیں ان میں سے ایک کتاب داؤد بن مفلس جو داؤد کے شاگرد ہیں کے رد میں لکھی اور ایک کتاب افعال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

(۲) محمد بن احمد بن محمد بن ابی الثلج کاتب ہیں۔

(۳) ابوالحسن احمد بن یحییٰ متجم تکلم ہیں ان کی تصانیف المدخل الی مذہب الطبری ونصرۃ

مذہبہ اور کتاب الاجماع فی الفقہ علی مذہب الطبری اور کتاب الروعی المخالفین ہیں۔
 (۴) ابوالحسن و قیق حلوانی ہیں۔

(۵) ابوالفرج معانی بن ذکر یا نہروانی ہیں جو ابوجعفر کے مذہب اور ان کی کتابوں کے حفظ کرنے میں یگانہ روزگار ہیں اور ان علوم کے علاوہ بہت سے علوم میں ماہر و یکتا ہیں اور انتہائی ذکی اور بہترین حافظ اور حاضر جوابی میں مشہور ہیں فقہ میں بہت سی کتابیں طبری کی مذہب پر لکھی ہیں۔

اور یہ مذہب پانچویں صدی کے نصف تک مشہور اور معمول بہ رہا۔

یہ وہ مشہور مذاہب ہیں جن پر ایک زمانہ تک عمل ہوتا رہا پھر اس کے بعد ان کے جاننے والے ختم ہو گئے اور صرف کتابوں میں ان کا نام باقی رہ گیا۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سے ائمہ ہیں کہ وہ خود اجتہاد کرتے تھے لیکن ان کے مذہب کے پھیلا نے والے ان کو میر نہ ہوئے جیسے لیث بن سعد امام اہل مصر اور امام مالک کے دوست جن کے بارے میں امام شافعی کا قول ہے کہ وہ امام مالک سے زیادہ فقیہ ہیں لیکن ان کے شاگردوں نے ان کو بلند نہیں کیا اور ان کے علاوہ بہت سے لوگ ہیں جن کے حالات لکھنے کی یہ کتاب متحمل نہیں۔ اور خلاصہ یہ کہ یہ دور اجتہاد کا دور تھا اس میں تقلید کا کچھ اثر نہ تھا اور خصوصاً طبقہ اولیٰ کے ائمہ کے شاگردوں کے دور میں تقلید بالکل نہ تھی بعد کے طبقات میں تقلید شروع ہو چکی تھی لیکن اجتہاد استنباط کے مقابلہ میں جلد ہی ختم ہو جاتی تھی اس زمانہ میں آزادی رائے وسعت سے تھی ہم عنقریب ایک فصل میں چاروں طریقہ کی اشاعت اور جمہور اسلام کا ان پر عمل کے اسباب بیان کریں گے۔

مسائل کی جزئیات

اس دور سے پہلے فقہ بالکل سادہ تھی کیونکہ جن مسائل کا روزمرہ واسطہ رہتا تھا انہی پر حکم

لگانے تک محدود تھی اور فقہاء قضی مسائل پر اپنی رائے کا اظہار نہیں کیا کرتے تھے۔

لیکن اس دور میں فقہاء نے کثرت سے مسائل ایجاد کئے اور ان کے احکام مرتب کئے اس معاملہ میں اہل عراق سب سے آگے تھے کہ انھوں نے قوت تخیل پر اعتماد کر کے لوگوں کے لئے ہزار ہا مسائل نکالے جن میں سے کچھ تو ایسے تھے جن کا وجود ممکن تھا اور بعض وہ ہیں کہ جن کے وجود کی اہمیت محسوس کرنے کے لئے مدتیں درکار ہیں مختلف شہروں کے وہ ائمہ جو قیاس کو فقہ میں ایک اصول سمجھتے تھے اس معاملہ میں وہ فقہاء عراق کے زیر نگرانی تھے۔

اور تعجب انگیز بات یہ ہے کہ انھوں نے تین موضوع کو سینکڑوں مسائل کی بنیاد قرار دیا اور ان کے جوابات نکالتے میں بہت مشقت اٹھائی اور وہ تین جزو یہ ہیں غلام اور اس میں تصرف بیوی اور اس کی طلاق۔ قسم اور قسم شکنی۔

چونکہ غلام ان کے پاس زیادہ تھے اس لئے ان کے خیالات و توجہات اس مسئلہ میں زیادہ مبذول ہوئیں اسی لئے تم ابواب معاملات میں کوئی باب ایسا نہ پاؤ گے کہ غلام اور لونڈی کے احکام پر مشتمل نہ ہوں بیع۔ اجارہ۔ شراکت۔ رہن۔ وصیت۔ آزادی وغیرہ سب میں ہی ان کے متعلق مسائل ضرور ہیں۔

لیکن بیوی اور اس کی طلاق کے مسائل کی اصل وجہ معلوم کرنے کے لئے کہ ان مسائل کی طرف کس بات نے ان کے افکار کو متوجہ کیا کہ طلاق کے مسائل انھوں نے وضع کئے بہت غور کے بعد بھی اصل وجہ معلوم کرنے میں کامیابی نہ ہوئی۔ اور اگر یہ مسائل جن کے وقوع کا تصور اگرچہ کسی ہنریاتی سے آدمی سے ہو سمجھ میں آتا تو ہم یہ سمجھتے کہ اتفاقہ پیش آنے والے واقعات کا جواب دینے کی تیاری کرتے تھے تاکہ کسی مفتی یا قاضی سے اس قسم کا سوال کیا جائے تو وہ متردد نہ ہو، لیکن وہ ایسے مسائل ہیں جن کا تصور بھی مشکل ہے تو تعجب اور افسوس اور زیادہ ہوتا ہے اس وقت پر جو ان مسائل پر صرف کیا گیا۔

میں نے امام محمد بن حسن کی کتاب جامع کبیر میں پڑھا ہے ”اگر کسی شخص کی تین بیویاں ہیں ان میں سے کسی سے صحبت نہیں کی ہے ان میں سے ایک کا نام زینب دوسری کا عمرہ اور تیسری کا حمادہ ہے۔ اور اس نے زینب سے کہا کہ اگر میں تجھ کو طلاق دیدوں تو عمرہ کو طلاق ہو جائے گی اور اس کے بعد عمرہ سے کہا کہ اگر میں تجھ کو طلاق دیدوں تو حمادہ کو طلاق ہو جائے گی اور حمادہ سے کہا کہ اگر تجھے طلاق دوں تو زینب کو طلاق ہو جائے گی تو زینب کو تو اس کے طلاق دینے سے طلاق واقع

ہو جائے گی لیکن عمرہ کو طلاق اس کی قسم شکنی سے ہوگی اور ان دو کے سوا کسی پر طلاق نہ ہوگی۔
 اور اگر اس نے زینب کو طلاق نہیں دی اور عمرہ کو طلاق دی تو عمرہ اس طلاق سے جو اس نے دی
 طلاق پائے گی اور قسم شکنی سے حمادہ کو طلاق ہوگی اور زینب کو مطلقاً طلاق نہ ہوگی اور اگر اس نے
 عمرہ کو طلاق دی لیکن حمادہ کو طلاق دی تو حمادہ کو وہ طلاق ہو جائے گی جو اس نے دی اور زینب
 قسم شکنی کی وجہ طلاق پائے گی اور عمرہ کو بھی دوسری طلاق پڑ جائے گی قسم شکنی کی بنا پر کیونکہ اس
 نے زینب میں عہد شکنی کی تو عمرہ کو طلاق ہوگی زینب میں قسم شکنی کی بنا پر اور اگر اس نے اس میں سے
 کسی عورت کو طلاق نہیں دی لیکن یہ کہا کہ تم میں سے ایک کو طلاق ہے پھر قبل اس کے کہ وہ یہ بتا
 کہ اس میں اس نے کس کو طلاق دی مر جائے تو عمرہ کو نصف مہر ملے گا اور اس کو میراث نہ ملے گی
 اور زینب و حمادہ کو مہر ملے گا ایک مہر پورا اور چوتھائی جو دونوں میں نصف نصف تقسیم ہو جائے
 گا اور ان کو نصف میراث بھی ملے گی جو دونوں میں نصف نصف تقسیم ہوگی اور نصف میراث
 دوسرے ورثاء کو ملے گی کیونکہ عمرہ کو تو ہر حالت میں طلاق ہوگی اور زینب و حمادہ کو ایک حال
 میں تو دونوں کو طلاق ملے گی اور ایک حالت میں ان میں سے ایک کو طلاق ملے گی تو ان دونوں کو
 ایک حالت میں تو مہر ملے گا اور ایک حالت میں پورا مہر و نصف ملے گا اسی لئے ان کو پورا مہر
 اور نصف مہر ملے گا اور یہی میراث تو ایک حالت میں تو ان دونوں میں سے ایک کو ملے گی
 اور ایک حالت میں دونوں کو نہ ملے گی اسی لئے ان دونوں کو نصف میراث دی جائے گی جو ان
 دونوں میں نصف نصف تقسیم کی جائے گی۔

پھر دوسرے مسئلہ میں اپنی بیویوں کا یہ حساب بھی کیا گیا کہ اگر وہ ان میں سے کسی کے ساتھ
 صحبت نہ کرے اور وہ چارہاں تو حساب اور کسور کی اس میں زیادتی ہے۔
 اور میں نے امام محمد بن ادریس شافعی کی کتاب الام میں دیکھا ہے۔

طلاق بالحساب

امام شافعی کہتے ہیں کہ اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ تجھے طلاق ہے ایک اس کے پہلے
 ایک۔ یا ایک اس کے بعد ایک تو یہ دو طلاقیں ہوں گی اور اگر اس نے کہا کہ میرا ارادہ صرف
 ایک طلاق کا تھا اور قبل یا بعد کی طلاق سے میں نے طلاق کا ارادہ نہیں کیا تھا تو حکم میں اس کا
 لحاظ نہیں رکھا جائے گا اور اللہ تعالیٰ اور اس کے درمیان اعتبار کیا جائے گا اور اگر اس نے

اس کو ایک طلاق دی پھر اس سے رجوع کر لیا پھر کہا تجھے طلاق ہے ایک اس کے پہلے ایک پھر کہا میرا ارادہ یہ تھا کہ میں اس کے پہلے ایک طلاق دے چکا تھا تو اس کو قسم دی جائے گی اور فیصلہ میں اس کی بات مان لی جائے گی اور اگر کہا تجھے طلاق ہے ایک اس کے بعد ایک پھر خاموش رہا پھر کہا میں نے ارادہ کیا تھا اس کے بعد ایک طلاق تجھ کو دوں گا یا تجھ کو صرف اسی وقت کے بعد دوسری طلاق دوں گا تو فیصلہ میں اس کی بات نہ مانی جائے گی اور اللہ تعالیٰ کے اور اس کے درمیان مانی جائے گی اور اگر مرد نے اپنی عورت سے کہا کہ تیرا بدن یا تیرا سر یا تیرا پاؤں یا تیرا ہاتھ یا اس کے جسم سے کسی عضو کا نام لیا یا اس کی انگلی یا اس کا ایک طرف تو اس کو طلاق ہے اور اگر یہ کہا کہ تیرے بعض حصوں کو طلاق ہے یا کہا کہ تیرے جز کو طلاق ہے یا ہزار جز میں سے ایک جز کا نام لیا تو اس کو طلاق ہو جائے گی اور طلاق کے حصے نہیں ہوتے اور اگر عورت سے کہا کہ تجھے طلاق ہے نصف طلاق تو اس کو ایک ہی طلاق ہوگی بجز اس کے اس نے دو کا ارادہ کیا ہو یا کہے کہ میں نے ارادہ کیا تھا کہ نصف واقع ہو جائے اس کے حکم سے جو ہو گیا اور نصف اس کے حکم سے ہو گا جو بعد میں دیگا تو دو طلاقیں پڑ جائیں گی اور اگر اس سے کہا کہ تجھے ایک طلاق میں سے تین تہائی طلاق ہے یا ایک طلاق میں سے چار تہائی طلاق ہے تو ان میں سے ہر ایک ایک طلاق ہو جائے گی کیونکہ ہر ایک طلاق دو نصف یا تین تہائی یا چار چوتھائی کا مجموعہ ہوتی ہے الا انیک وہ اکثر کی نیت کرے تو لفظ کے ساتھ نیت کے اعتبار سے پڑے گی اور اگر اس نے کسی عورت کے ساتھ اپنی عورت کو دیکھا اور یہ کہا کہ تم میں سے ایک کو طلاق ہے تو مرد کا قول اس بارہ میں معتبر ہو گا اگر اس نے اپنی بیوی کا ارادہ کیا تھا تو اس کی بیوی کو طلاق ہو جائے گی اور اگر اجنبی عورت کا ارادہ کیا تو اس کی بیوی کو طلاق نہ ہوگی اور اگر وہ کہے کہ میں نے اجنبی عورت کا ارادہ کیا تھا تو قسم دی جائے گی اور اس کی عورت اپنی حالت پر رہے گی اور اس کو طلاق نہ ہوگی اور اگر اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ تجھے طلاق ہے دو میں ایک تو اس سے پوچھا جائے گا کہ ”دو میں“ سے اس کی کیا مراد ہے اگر اس نے کہا کہ اس سے میری مراد کچھ نہ تھی تو اس کو صرف ایک طلاق ہوگی اسی طرح اور خیالی نادروہیں ہیں حالانکہ کتاب الام کا اکثر حصہ خیالی مسائل سے دور ہے۔

اور کتاب المندونہ جو امام مالکؒ سے منقول ہے طلاق کے معاملات اکثر ان مسائل سے بعید نہیں ہے کیونکہ اس کی اصل محمد بن حسن کتب ہیں۔

اب رہا قسموں اور تذرؤں کا معاملہ تو وہ ایک دریائے ناپیدا کنار ہے اس میں ایسی اقسام

نظر آئیں گی جن میں حیرت انگیز تنوع ہے گویا قسموں میں سے ہر وہ چیز جو خیال میں آ سکتی ہے فقہاء نے سامنے رکھ کر اس کا ذکر کیا ہے پھر اس کا جواب لکھا حالانکہ اس میں بہت سی اشیاء ایسی ہیں جس میں اختلاف بلاد کے لحاظ سے معمول مختلف ہوتا ہے۔ کاش میں سمجھ سکتا کہ قسموں اور آزادی اور طلاق کے بارے میں مسائل کی یہ کھینچا تانی کیوں ہوئی؟ ہو سکتا ہے کہ اس بیعت پر قسم لینے کا طریقہ کو جو قرن اول کے آخر میں پیدا ہوا یہ اُسی کا اثر ہو جیسا کہ قرن ثانی کے ایک معاہدہ میں ہے جس کا ایک نمونہ یہ ہے۔

”اگر تم نے ان معاہدہ داروں میں سے کسی کو بدلا یا اس میں تغیر پیدا کیا یا معاہدہ کی خلاف ورزی کی یا تم نے اس حکم کے خلاف کیا جو تم کو امیر المؤمنین دین یا تم پر اس خط میں میں جو ان کی طرف سے ہے تم پر مشروط کیا ہے تو تم سے اللہ کا اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دم ختم ہو گیا اور تمام مومنین اور مسلمانوں کے ذمے ختم ہو گئے اور ہر وہ مال جو آج تمہارے ہر شخص کے پاس ہے یا وہ اس سے فائدہ اٹھا رہا ہے وہ پچاس سال تک مسلمانوں پر صدقہ ہے اور تم میں سے ہر شخص پر بیت اللہ الحرام تک جو مکہ میں ہے پیدل پچاس حج نذر واجب ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کو بغیر پورا کرنے کے اس سے کسی چیز کو قبول نہیں کرے گا اور تم میں سے ہر شخص کا غلام یا جو آئندہ پچاس سال تک وہ کسی غلام کا مالک ہو گا آزاد ہے اور اس کی ہر عورت کو تین طلاق قطعی ہیں کہ جس میں کوئی استثناء نہیں ہے“

اسی طرح دوسرے اقرار نامہ کے یہ الفاظ تھے۔

کہ اگر میں بدل دوں الخ تو اللہ عز وجل سے اور اس کی دلالت سے اور اس کے دین سے بری اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بری ہوں اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے کافر و مشرک ہونے کی حالت میں طوں اور ہر وہ عورت جو آج میری ہے یا جس سے میں آئندہ تیس سال کی مدت تک شادی کروں اس پر طلاق ہے تین طلاق قطعی“ الخ کیا یہ امور بیوی اور غلام اور مال اور نذر وں کو بیعت کے قسموں میں داخل کرنے کی وجہ ان ابواب میں زیادتی مسائل کے باعث نہیں ہیں؟ اس قسم کی قسمیں دلانے والوں نے جملہ ائمہ سے اپنے اغراض میں کوئی مدد نہیں پائی بلکہ امام مالک بن انس نے اور اہل حجاز نے تو یہ کہہ کر کہ ”مجبور کردہ شخص پر قسم کا پورا کرنا واجب نہیں“ ان سے جنگ کی گواہ جعفر منصور کے عہد میں ان کو سزا دی گئی اور یہ یقینی ہے کہ ان کو مارنے کا اصلی سبب یہی تھا اور امام شافعیؒ نے تو اپنے اس قول سے

ان سے جنگ کی کہ کسی ایسی عورت کے طلاق دینے کی قسم جس سے اس نے نکاح نہیں کیا اس کا کوئی اثر نہیں اور ہم کو اس کا کوئی علم نہیں کہ ان کو اس کی وجہ سے کوئی مصیبت پہنچی ہو کیونکہ ان کے زمانہ میں ابی جعفر کے مثل کوئی ظالم نہ تھا اور داؤدؑ نے تو ان سے یہ کہہ کر جنگ کی کہ غیر اللہ کی قسم کی نہ کوئی قیمت ہے نہ اس کا کوئی اثر اور دوسروں نے بھی یہ کہہ کر ان سے جنگ کی کہ قسم میں استثناء جائز ہے اگرچہ چند دنوں کے بعد ہی ہو اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ قسم کھانے کے بعد انشاء اللہ کہہ دے تو قسم کی پھر کوئی قیمت نہیں رہتی اور ایک وقت ایک یہ واقعہ پیش آیا کہ منصور سے کہا گیا کہ ابو حنیفہ تمہارے دادا ابن عباس کی مخالفت کرتے ہیں اس استثناء کی تجویز میں جو قسم میں کی جائے تو ابو جعفر نے ان سے اس بارے میں سوال کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ جو شخص قسم میں استثناء کو جائز رکھتا ہے وہ دراصل یہ کہتا ہے کہ اس کی گردن میں بیعت کا پٹہ نہیں ہے کیونکہ وہ تمہارے سامنے تو قسم کھاتے ہیں پھر وہ باہر نکل کر استثناء کر دیتے ہیں پھر ان کو قسم کا پورا کرنا لازم نہیں رہ جاتا ابو جعفر ابو حنیفہؒ کی اس بات سے بہت خوش ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب سے بیعت کو دیکھو اور اس کلام سے مقابلہ کرو جس کا نام انھوں نے بیعت رکھا ہے تو امت کی دونوں زمانوں کی روح میں بہت فرق پاؤ گے کہ پہلے زمانہ میں صرف یہ کلمہ کہ "میں تم سے بیعت کر رہا ہوں" ہر چیز کو شامل ہوتا تھا اور بیعت کرنے والا اس کے بعد توڑنے کی مجال نہیں رکھتا تھا یا مخالفت کا تصور ہی نہیں کرتا تھا اس لئے کہ وہ شریف اور اس نے اپنے شرف کو وفار پر رہن رکھ دیا ہے اور حجاج اور منصور کے زمانہ میں بیعت کرنے والے ایک ایسی قوم تھی کہ نہ ان کے عہد پر بھروسہ کیا جاسکتا تھا نہ عقد پر بجز اس کے کہ ان کے اموال کے ضائع ہونے اور عورتوں کے طلاق اور غلاموں کی آزادی سے مدد ملی جائے اور اس کے باوجود عجیب و غریب بات یہ ہے کہ ان بیعتوں کا بڑا حصہ جس میں ان مسائل کو استعمال کیا گیا ان کے کرنے والوں نے پورا نہیں کیا اور اصحاب شرط کے لیے جیلان کے پاس موجود تھے جو ان کو اس سنگی سے نکالتے جو ان کو تکلیف دے رہے تھے۔

تم ان مسائل کو دیکھو گے کہ عبادات کے ابواب تک پہنچے ہوئے تھے اس میں اکثر ایسے صورتیں پاتے ہیں جن کا عقل انکار کرتی ہے اور ان کے وجود کی تصدیق نہیں کرتی مگر انھوں نے اللہ ان پر رحمت کرے اپنے بعد والوں کو آرام دینے کی طرف توجہ کی کہ فکر میں نہ پڑیں تو انھوں نے ان کے لئے مسائل کا تصور کر کے ان کے جوابات کھدائے۔

کتاب مبسوط جو محمد رحمہ اللہ کی سہولت تقریباً چھ جلدوں میں ہے اور ہر جلد کے ادراق پانچ سو ہیں اور جو بڑی تقطیع پر ہے اور ان سب میں مسائل کی تفصیل ہے تو غور کرنا چاہیے تو اس کے مسائل کی کتنی تعداد ہوگی جبکہ مختصر قدوری میں جیسا کہ لوگ کہتے ہیں بارہ ہزار مسئلے ہیں تو مبسوط میں کس قدر مسائل ہوں گے حالانکہ مختصر قدوری اس کے دسویں حصہ کے بھی برابر نہیں ہے حق تو یہ ہے کہ یہ بہت بڑی تعداد ہے اور اس سے ان حضرات کی کوشش اور جدوجہد کا پتہ چلتا ہے۔ میں نے امام محمدؒ کی مبسوط اور امام شافعیؒ کی کتاب ام کا ایک جز ایک ہی موضوع کے بارے میں اپنے سامنے رکھا اور دونوں کے ایک ایک نظر دیکھنے سے جو نتیجہ نکلا وہ میں تمہارے سامنے بیان کرنا ہوں شافعیؒ کہتے ہیں تو پڑھنے والوں سے یہ چاہتے ہیں کہ جس اصول سے استنباط کیا ہے وہ اس اصول کو سمجھیں اور ان باتوں کی مدافعت کے طریقے بتاتے ہیں جن پر مجتہد اپنے اجتہاد سے پہنچتا ہے اسی لئے تم دیکھو گے کہ پڑھنے والا اس کے مطالعہ کی طرف زیادہ راغب رہتا ہے جبکہ اس کی غرض جواب کی معرفت نہیں رہتی اور پس لیکن امام محمدؒ شاگرد کے لئے سمجھتے ہیں اور اس کو مسائل کے جواب کھولتے ہیں جس سے وہ فرعی مسائل کی معرفت میں دربار ذخا بن کر نکلتا ہے ان کے دل میں کسی طرح کا تصور نہیں آتا جس کو وہ کھا ہوا نہ پائے اور اس کا جواب اس کی نظر سے نہ گزرے اور اسی لئے اس میں پڑھنے والے کا زیادہ وقت نہیں لگتا صرف اتنا ہی وقت لگتا ہے جس میں جتنا کہ اس کے مسئلہ کا جواب مل جائے میں یہاں ان فقہی فروع کی زبانی کے سلسلہ میں کسی پر صحیح یا غلط کا حکم نہیں لگا رہا بلکہ میں یہ سمجھانا چاہتا ہوں کہ مسائل کی شاخیں نکالنا اس دور کے خواص میں سے ایک خاصیت ہے اور یہ کہ یہ صحابہ کرامؓ اور تابعینؓ کی شان نہیں تھی اور وہ اس کو برا جانتے تھے کسی ایسے مسئلہ کے متعلق جواب دینا جس کا وقوع نہ ہوا ہو تم اس کا نتیجہ آنیوالے دوروں میں دیکھو گے۔

مسائل الحیل

تاریخ کا یہ عجیب و غریب واقعہ ہے کہ ایک مذہبی مسائل مرتب کرنے والا ایسے فرضی مسائل بنائے جس میں لوگوں کو بتائے کہ احکام شرعیہ سے کیسے چھٹکارا پاسکتا ہے ایک وکیل کے متعلق جو انسانوں کے بنائے ہوئے قانون کا پابند ہے یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے کیونکہ وہ مجرم کو چھڑانے کے لئے قانونی حیلوں سے ترکیب نکال لیتا ہے اور کبھی اس کو اس کا کمال سمجھا جاتا ہے لیکن جب

اس میں اتنی وسعت ہو جائے اور لوگ قانونی حیلوں کے ذریعہ دوسروں کے حقوق پر ڈاکہ ڈالنے لگ جائیں تو یہ اُس وکیل کی ذمہ داری کے ضعف کی دلیل ہوگی لیکن وہ بھی ایسی چیز کے باطل کرنے کے لئے حیلہ نہیں کریگا جس کو وہ دین سمجھ لے تو اس وقت ہمارا تاثر کیا ہوگا جب کوئی دیندار دین کے احکام کے ساتھ اس طرح کرے اس دور میں ایک ایسا شخص بھی ہے جس نے لوگوں کے لئے کتاب الحیل کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی اہل حدیث نے اس کا نہایت سختی سے جس کا مقابلہ کیا اور اس کے مصنف کا نام شیطان تجویز کر دیا اور اس کو فاسق و فاجر کہا۔ لیکن اس مصنف کا اصل نام معلوم نہ ہو سکا۔ لوگوں نے یہ الزام اہل عراق میں سے بعض اصحاب البرائے پر لگایا لیکن وہ اس کا تعین نہ کر سکے کہ وہ کون ہے؟ اس کے بعض مسائل اس کے وضع کرنے والے کے ضعف دین پر دلالت کرتے ہیں کیونکہ جو شخص زکوٰۃ جیسے فریضہ دینی کے ترک کو آسان کر دے اور اس کو یہ سکھائے کہ جب سال گزرنے کے قریب ہو تو اپنا مال اپنے بیٹے یا اپنی بیوی کو تھوڑی دیر کے لئے دیکھ لے پھر اس سے اس مال کو واپس لے لے کیونکہ سال کم ہو جائے گا اور زکوٰۃ واجب نہ ہوگی ایسے شخص کے متعلق آپ کیا رائے قائم کر سکتے ہیں مسائل حیل میں جرم کی یہ ایک چھوٹی مثال ہے اور اس میں ایسے ہی بہت سے مسائل ہیں اور شفعہ کا سا قضا کرنے اور قسموں اور اس کے چھپکارے کی مثالیں تو بہت ہی ہیں تھوڑی قسم ایک ایسا مذہب جو مطلقہ عورت کو وراثت دلاتا ہے جس کا شیعہ ہر حالت مرض میں اس غرض سے طلاق دیتا ہے تاکہ اس کو وراثت نہ ملے حیلہ و قریب سے بالکل علیحدہ ہے لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ مسائل کی زیادتی اور اس کے وضع کرنے میں مختلف طریقے نکالنا ہی اس بات کا سبب ہوا کہ دین میں کمزور لوگوں کو کھڑا کرے کہ انھوں نے حیلے تراشے اور اس میں ان کے کلام میں سے مدد لی کہ وہ اپنے مسائل کو ان اغراض یا ان کے مشابہ کاموں کے لئے اہمیت استعمال نہیں کیا کرتے تھے ہم اپنے مقصد یعنی تاریخ سے ہٹ گئے کیونکہ یہ ایک عجیب چیز تھی اور اس کو بیان کئے بغیر اس سے گزر جانا ہمارے امکان سے باہر تھا اور ابن قیم جوزیہ نے اس موضوع پر اپنی کتاب موسومہ "اعلام الموقعین عن رب العالمین" میں خوب بحث کی ہے اگر چاہو تو وہاں دیکھ لو۔

(۱۰) احکام میں کتابوں کی تدوین

یہ تمام ائمہ جن کا ہم نے ذکر کیا ہے ان کی کتابیں مدون ہیں جن سے اُن کے مستنبط شدہ احکام معلوم ہوتے ہیں اور اکثر کتابیں ان کے شاگرد یا شاگردوں کے شاگرد نے مدون کی ہیں اور خود

ائمہ نے بھی بعض کتابیں لکھی ہیں اور اپنے شاگردوں کو لکھوایا ہے یہاں ہم چند ان کتابوں کے نام لکھتے ہیں جو ان مذاہب کی بنیاد سمجھی جاتی ہیں۔

مذہب ابی حنیفہ کی کتب

ابو حنیفہؒ کے شاگردوں میں سب سے پہلے جس نے کتابیں لکھی ہیں وہ آپ کے عظیم شاگرد امام ابو یوسفؒ ہیں، ابن ندیم نے فہرست میں لکھا ہے کہ ان کی کتابوں میں سے اصول، اور مالی میں کتاب الصلۃ اور کتاب الزکاة سے آخر کتب فقہ تک، اور ان کا ایک المار ہے جس کو قاضی بشر بن ولید کا روایت کردہ ہے اور ابو یوسفؒ کی تفریعات پر (۳۶) جلدوں میں ہے اس کے علاوہ حسب ذیل کتابیں اور ہیں۔ کتاب اختلاف امصار۔ کتاب الرد علی مالک بن انس (یعنی مالک بن انس کی رد میں) کتاب الخراج الی الرشید (یہ کتاب بطور خط کے ہے جو انھوں نے ہارون رشید کے نام لکھا ہے۔ کتاب الجوامع (جس کو یحییٰ بن خالد کے لئے لکھا ہے جو چالیس کتابوں پر مشتمل ہے جس میں لوگوں کا اختلاف اور معمول بہ رائے کا تذکرہ ہے۔

لیکن ان کی کتابوں میں ہم کو سوائے کتاب الخراج کے کوئی کتاب نہیں ملی یہ کتاب مصر میں چھپی ہے جس کے شروع میں لکھتے ہیں کہ۔

۱۰ امیر المؤمنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے خواہش کی ہے کہ میں ان کے لئے ایک کتاب لکھوں جو خراج و عشور صدقات و جزئہ وغیرہ مسائل میں غور و فکر کر سکیں اور وصولیابی میں عمل کر سکیں اور اس سے امیر المؤمنین مقصود اپنی رعیت پر سے ظلم کا دور کر لے اور ان کے حالات کا سدھارنا ہے اللہ تعالیٰ امیر المؤمنین کو توفیق دے اور ان کو ٹھیک راستہ پر چلائے اور جس بات کے وہ متولی ہیں اس میں ان کی مدد کرے اور جس سے وہ ڈرتے ہیں اور احتیاط کرنا چاہتے ہیں اس سے ان کو بچائے اور مجھ سے انھوں نے یہ بھی درخواست کی ہے کہ جس بات کی انھوں نے خواہش کی ہے اس میں سے جس پر وہ عمل کرنا چاہیں اس کی وضاحت کروں اور تفسیر اور شرح کروں چنانچہ میں نے اس کی تفسیر اور شرح کر دی ہے۔

اور یہ کتاب ان کی جملہ کتابوں میں بہت عمدہ اور اچھی ہے اور وہ اس زمانہ کی یادگاروں میں سے ایک ہے اس کتاب کا اردو ترجمہ بھی دارالاشاعت کراچی نے شائع کیا جا رہا ہے ۱۲۰۰ھ محمد رفیع۔

اچھا ذخیرہ ہے۔

اور ان کی کتابوں میں سے ایک کتاب ہم کو اور بھی ملی ہے جو کتاب اختلاف ابی حنیفہ و ابن ابی لیلیٰ ہے جس میں بہت سے ان مسائل کا ذکر کیا ہے جس میں ان دونوں ائمہ نے اختلاف کیا ہے وہ خود بھی ابو حنیفہؒ کی موافقت کرتے ہیں اور کبھی ابن ابی لیلیٰ کی رائے لیتے ہیں اس کتاب پر امام شافعیؒ نے بھی بحث کی ہے کہ تینوں ائمہ ابو حنیفہؒ، ابن ابی لیلیٰؒ، ابو یوسفؒ کی رائے لکھنے کے بعد وہ اس میں سے جس رائے کو ترجیح دیتے ہیں لکھتے ہیں اور کبھی ایسا بھی کرتے ہیں کہ ان لوگوں کی رائے لکھنے کے بعد اپنی طرف سے کوئی اور رائے اس کے علاوہ بھی لکھ دیتے ہیں۔

اور اس کتاب سے چند مسائل ہم یہاں درج کرتے ہیں جس سے ظاہر ہوگا کہ استنباط جس کا مدار رائے پر ہے کیسے ہوتا ہے۔

کارگیر کا تاوان

(۱) ایک شخص نے درزی کو کپڑا دیا اور اس نے اس کی شیروانی سی دی کپڑے کے مالک نے کہا کہ میں نے تو تجھ کو قمیض سینے کے لئے کہا تھا اس پر درزی نے کہا کہ تو نے تو مجھے شیروانی سینے کو کہا تھا تو ابو حنیفہؒ کہتے ہیں کہ کپڑے کے مالک کا کہنا معتبر ہے اور درزی کو کپڑے کی قیمت کا تاوان دینا پڑے گا ابو یوسفؒ بھی اسی رائے کو لیتے ہیں اور ابن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ درزی کا قول معتبر ہوگا۔

اور اگر کپڑا درزی کے پاس ضائع ہو گیا تو ابی حنیفہؒ کہتے ہیں کہ اس پر تاوان نہیں ہے اور نہ دھوبی اور نہ نگریز پر اور اسی طرح جتنے کاریگر ہیں بجز اس کے کہ اس میں خود ان کی غلطی ہو۔ اور ابن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ جو چیز ان کے پاس ضائع ہو جائے وہ اس کے ضامن ہیں اگرچہ اھتوں نے غلطی نہ کی ہو اور ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ وہ تاوان کے ذمہ دار ہوں گے لیکن ناگہانی صورت میں نہیں، امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ جو شخص مزدوروں سے تاوان دلواتا ہے تو اس سے عاریت پر بھی قیاس کر کے تاوان دلوا یا جائے گا اور فرماتے ہیں کہ عاریت میں تاوان اس لئے ہے کہ اس میں عاریت لینے والے کا فائدہ ہے اس لئے وہ اس کا ضامن ہے حتیٰ کہ وہ اس کو صحیح سلامت واپس پہنچا دے اور وہ مثل قرض کے ہے اور قاضی شریحؒ بھی دھوبی سے تاوان دلانے کی طرف گئے ہیں کہ اھتوں نے اس دھوبی کو ضامن قرار دیا جس کا گھر جل گیا اور جب اس نے پوچھا کہ آپ

مجھ سے تاوان دلواتے ہیں حالانکہ میرا گھر جل گیا تو شریعہ نے کہا کہ تم دیکھو کہ اگر اس کا گھر جل جاتا تو کیا تم اس کو اپنی اجرت چھوڑ دیتے (یعنی کپڑے والے کا گھر جل جاتا تو کیا تو اپنی مزدوری نہ لیتا) اور جس نے ان لوگوں کو ضامن نہیں قرار دیا۔ انھوں نے اس کا قیاس امانت پر کیا ہے اور عطارؒ سے ثابت ہے کہ کار بیگر اور مزدور پر تاوان نہیں ہے اور مزدور اور کار بیگر نے اگر خود ضائع کر دیا ہو تو اس کے متعلق کوئی سوال نہیں ہے اور وہ ضامن ہے جیسے امانت رکھنے والا ضامن ہے جس کو خود اس نے ضائع کر دیا ہو اسی طرح یہ بھی ضمانت دیں گے اور غلطی کا جرم کسی سے معاف نہ ہوگا اسی طرح اگر انھوں نے تعدی سے کام لیا تو بھی ضامن ہوں گے، بیع کہتے ہیں کہ جہاں تک میرا خیال ہے شافعیؒ کا بھی مذہب یہی ہے کہ کار بیگر پر تاوان نہیں ہے بجز اس کے کہ ان سے غلطی سرزد ہوئی ہو لیکن کار بیگروں کے خوف سے وہ اپنی رائے کا ہر نہیں کرتے تھے۔

زمانہ اختیار میں خریدار کے پاس فروخت شدہ چیز کا ضائع ہونا

(۲) اگر کسی شخص نے کوئی چیز اس طرح پر خریدی کہ بیچنے والے کو ایک دن تک واپس لینے کا اختیار ہے اور خریدار نے والے نے وہ چیز لے لی پھر وہ چیز اس کے پاس سے ضائع ہو گئی تو امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں کہ خریدار قیمت کا ضامن ہے کیونکہ اس نے خریدنے کی نیت سے وہ چیز لی ہے ابو یوسفؒ کی بھی یہی رائے ہے لیکن ابن ابی لیلیٰؒ فرماتے ہیں کہ وہ اس چیز کا امین ہے اور اگر اختیار خریدنے والے کو تھا اور چیز اس کے پاس ضائع ہوئی تو اس کا تاوان دونوں کے نزدیک اسی قیمت پر ہے جس قیمت پر اس نے خریدنا اور شافعیؒ کہتے ہیں کہ وہ اصل قیمت کا ضامن ہے ہم اس کو ثمن کا ضامن اس لئے نہیں قرار دیتے کہ اس میں بیع کی تکمیل نہیں ہوئی ہے اور تاوان اس لئے اس پر نہیں قرار دیتے کہ اس نے اس کو بیع پر ہی لیا ہے کہ خریدار سے اس کا عوض لے گا تو ہم فروخت شدہ چیز کا تاوان ہی دلوائیں گے اور اس میں اس کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ اس کو امین قرار دیا جائے کیونکہ آدمی اس چیز کا امین ہو سکتا ہے جس کا مالک نہ ہو اور جس سے کوئی نفع فوری یا دیر حاصل نہ کرے بلکہ وہ اس کا مالک ہے مالک کے فائدہ کے لئے نہ کہ اپنے نفع کے لئے اور خواہ اس میں اختیار بیچنے والے کا ہو کہ خریدنے والے کا کیونکہ اس میں بیع مکمل نہیں ہوئی اور چیز ضائع ہو گئی۔

بیع جبری

(۳) جب آدمی قرض کے بارے میں قید ہو گیا اور قاضی نے اس کو مفلس قرار دیا اور جیل میں اس نے کوئی چیز بیچی اور خریدی اور آزاد کیا یا کوئی صدقہ خیرات کیا یا کوئی ہبہ کیا تو امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں کہ یہ سب کچھ جائز ہے اور کوئی چیز اس کے مال سے قرض میں نہیں لی جائے گی قاضی کے مفلس قرار دینے کے بعد اس پر کچھ واجب نہیں۔ کیونکہ کچھ پتہ نہیں کہ انسان کب مفلس ہو جائے اور کب مالدار اور ابن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ تطہیس کے بعد نہ اس کی خرید و فروخت جائز ہے اور نہ ہبہ و صدقہ نہ آزاد کرنا کہ وہ کوئی مال بیچے اور قرضخواہوں کو دے اور ابو یوسفؒ کا قول مثل قول ابن ابی لیلیٰ کے ہے بجز آزاد کرنے کے اور شافعیؒ کہتے ہیں کہ جب قرضدار پر دعویٰ کیا جائے اور اس پر کوئی چیز ثابت ہوئی یا اس نے کسی چیز کا اقرار کیا تو قاضی کو چاہیے کہ اس کا مکان روک دے اور کہدے کہ میں نے تیرا مکان اس وقت تک کے لئے روک دیا جب تک تو اس کا دین ادا کر دے اور قاضی اس کو مفلس قرار دیدے پھر اس کے مال کا حساب کرے اور اس کو حکم دے کہ وہ حصہ اس کو فروخت کر دے اور اس کو حکم دے جو اس کی قیمت لگائے پھر قاضی اس کو جس قدر زیادہ قیمت میں مکن ہو فروخت کرے پھر اس سے اس کا قرض ادا کرے پھر مکان کی رکاوٹ اس سے اٹھالے۔

شفعہ کے مسائل

ایک شخص نے گھر خریدا اور اس میں کچھ عمارت بنائی پھر شفیع آیا اور اس کا شفیعہ طلب کیا تو ابوحنیفہؒ کہتے ہیں کہ شفیع گھر سے لے گا اور عمارت بنانے والا کھنڈر لے گا اور یہی ابو یوسفؒ کی رائے ہے اور ابن ابی لیلیٰ گھر اور عمارت دونوں شفیع کو دلو اتے ہیں اور عمارت کی قیمت اور گھر کی قیمت جس قیمت پر اس نے خریدا ہے اس پر لازم قرار دیتے ہیں ورنہ اس کو شفیعہ نہ ملے گا اور شافعیؒ کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص گھر کا ایک حصہ خریدے پھر اس میں تقسیم کر لے اور نئی عمارت بنالے پھر شفیع نے شفیعہ طلب کیا تو اس سے کہا جائے گا کہ اگر تو چاہتا ہے تو وہ قیمت جس قیمت پر اس نے یہ حصہ مکان خریدا اور عمارت بنائی تھی جو قیمت آج کی ہوگی وہ ادا کر اور اگر چاہے تو شفیعہ چھوڑ دے اس کے سوا کوئی صورت نہیں کیونکہ اس نے عمارت کے بنانے میں تعدی سے کام نہیں لیا لہذا اس کی عمارت منہدم نہیں کرائی جاسکتی۔

پڑوسی کا شفعہ

(۴) امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں کہ شفعہ پہلے اس شریک کا ہے جس نے تقسیم نہیں کی ہے اس کے بعد اس کو ہے جس نے تقسیم کی ہے اور دونوں میں طسریقاً ایک ہی ہے اس کے بعد اس پڑوسی کو جو متصل ہے اور اگر کئی پڑوسی جمع ہو جائیں اور ان کا اتصال برابر برابر ہو تو وہ سب شفعہ میں شریک ہوں گے اور ابن ابی لیلیٰؒ بھی ابو حنیفہؒ کی رائے سے متفق تھے مگر حبيب امیر المؤمنین ابو العباس نے ان کو لکھا کہ شفعہ کا حق اسی شریک کو دینا جس نے تقسیم نہیں کی ہے تو انھوں نے اس قول کو اختیار کر لیا اور اس کے بعد وہ فیصلہ اسی شریک کے حق میں کرتے تھے جس نے تقسیم نہیں کی ہے یہی قول اہل حجاز کا ہے اور یہی شافعیؒ کی رائے ہے۔

افکار کی صلح

(۶) ابو حنیفہؒ کہتے ہیں کہ جب مدعی علیہ کسی بات کا انکار کر دے تو اس کے بعد بھی صلح جائز ہے اور ابو یوسفؒ کی بھی یہی رائے ہے اور ابن ابی لیلیٰؒ اس کو جائز نہیں قرار دیتے ہیں ابو حنیفہؒ کہتے تھے کہ کیوں جائز نہیں اور حالانکہ صلح انکار کی ہی حالت میں جائز ترین چیز ہے کہ جب اقرار ہو تو صلح کی ضرورت نہیں اور شافعیؒ کہتے ہیں کہ قیاس تو یہ ہے کہ یہ صلح باطل ہو اس وجہ سے کہ ہم صلح اسی وقت جائز قرار دیتے ہیں جبکہ بیوع میں جائز ہو حلال و معروف قیمتوں کے بارے میں تو اگر یہ ہو تو ہمارے نزدیک اسی طرح ہوگی اور جس نے انکار کی حالت میں صلح کو جائز قرار دیا ہے تو یہ عوض ہوگا اور عوض کل کا کل قیمت ہے اور عوض اس وقت تک ٹھیک نہیں ہو سکتا جب تک کہ عوض دینے والا اور عوض لینے والا اس پر متفق نہ ہو جائیں بجز اس کے کہ اس میں کوئی حکم ہو جو لازم ہو تو اثر قیاس سے ادلی ہے اور میری نظر سے ایسی کوئی حدیث نہیں گزری جو اس جیسی بات کو لازم قرار دے۔

کتاب ظاہر روایت

ان میں پہلی کتاب جامع الصغیر ہے جس میں وہ مسائل درج ہیں جن کو امام محمدؒ سے ان کے

۱۵ اصل کتاب کے مصنف نے کئی صفحات میں کچھ اس قسم کے غیر دلچسپ اور طویل مسائل نقل کئے ہیں اسلئے یہاں چند صفحات کا ترجمہ چھوڑ دیا گیا ہے۔ مترجم

شاگرد علی بن ابان اور محمد بن سماع نے روایت کئے ہیں اور یہ مسائل کتب فقہ کی چالیس کتابوں میں ہیں جن میں پہلی کتاب الصلوٰۃ ہے اور اس کی ہر کتاب میں ابواب قائم نہیں کئے گئے تھے اور اس کتاب کو قاضی ابوطاہر محمد بن محمد بامس نے لے کر اس کی تبویب و ترتیب کی تاکہ پڑھنے والوں کے لئے اس کا یاد کرنا اور پڑھنا سہل ہو جائے امام محمدؒ نے اس کتاب کے مسائل ابی یوسفؒ سے روایت کرتے ہیں اور وہ ابی حنیفہؒ سے اور اس کتاب میں دلائل سے کام نہیں لیا گیا ہے۔

۲۔ جامع کبیر وہ بھی پہلی جیسی ہے البتہ اس سے زیادہ طویل ہے۔

۳۔ کتاب مبسوط جو "اصل" کے نام سے مشہور ہے اور وہ محمدؒ کی تمام کتابوں میں بڑی اور طویل ہے جس میں ہزاروں وہ مسائل درج ہیں جن کے جوابات ابو حنیفہؒ کے استنباط کا نتیجہ ہیں جن میں سے بعض کی ابو یوسفؒ اور محمدؒ نے مخالفت کی ہے اور اس کتاب میں انھوں نے یہ روش اختیار کی ہے کہ وہ ابتداءً ایک مسئلہ کے متعلق جس قدر احادیث ہوتی ہیں وہ درج کر دیتے ہیں پھر اس کے مسائل بیان کرتے ہیں اور اکثر ان مسائل پر ختم کرتے ہیں جن میں ابو حنیفہؒ و ابن ابی لیلیٰؒ کا اختلاف ہے اور ان کے ایک شاگرد احمد بن حفصؒ ہیں جنھوں نے ان سے اس کتاب کی روایت کی ہے۔ اس میں احکام کی علت بیان نہیں کی گئی ہے۔

۴۔ کتاب میر صغیر یہ کتاب جہاد کے مسائل میں ہے۔

۵۔ کتاب سیر کبیر اور یہ فقہ میں آخری تصنیف ہے اور اسی لئے اس کتاب کو ان سے ابو حفص احمد بن حفص نے روایت نہیں کیا ہے جو ان کی کتب کے راوی ہیں کیونکہ انھوں نے اس کتاب کو ابی حفص کے عراق سے جانے کے بعد تصنیف کیا ہے اور اسی لئے امام ابو یوسفؒ کا نام بھی اس کے کسی مسئلہ میں نہیں ہے کیونکہ یہ تصنیف اس وقت کی ہے جب ان دونوں میں سخت نفرت پیدا ہو چکی تھی اور جب کبھی ابو یوسفؒ سے کسی روایت کی ضرورت پڑی ہے تو یوں لکھا ہے کہ مجھ سے معتبر شخص نے بیان کیا اور جہاں اس طرح کے الفاظ بولتے ہیں اس سے امام ابو یوسفؒ کی ذات مراد ہوتی ہے اور امام محمدؒ سے ابوسلمان جوزجانی اور اسمعیل بن ثور یہ نے اس کتاب کی روایت کی ہے۔

چوتھی صدی کے اوائل میں ابوالفضل محمد بن احمد مروزی المعروف بہ حاکم شہید نے ایک کتاب تالیف کی جس کا نام "کافی" ہے جس میں محمد بن حسن کی کتابوں کے معانی و مطالب ہیں اس میں سے مکرر مسائل کو حذف کر دیا یہ بہت عمدہ کتاب ہے جو کتب خانہ مصر میں قلمی موجود ہے۔

اور امام محمدؒ بن حسن کی ایک کتاب ہمیں ملتی جس میں اہل مدینہ پر رد کیا گیا ہے اس کتاب کی روایت

امام شافعیؒ نے کتاب "ام" میں کی ہے اور اس کے ہر مسئلہ پر یا تو اہل مدینہ کی مدد کے لئے اور یا اپنی حنفیہ کے رائے کی موافقت کے لئے اعتراض کئے ہیں اس کتاب میں وہ مسائل درج ہیں جس میں ابو حنیفہؒ نے اہل مدینہ سے اختلاف کیا ہے جس کا ایک مسئلہ یہ ہے۔

باب اس شخص کے بارے میں جو کسی شخص کے لئے کسی شخص کو اسلئے

پکڑے تاکہ وہ اس کو قتل کرے

ابو حنیفہؒ اس شخص کے بارے میں جو کسی شخص کو کسی شخص کے لئے اس لئے پکڑے کہ وہ ہتھیار سے اس کو قتل کر دے اور وہ اسی جگہ مرجائے کہتے ہیں کہ پکڑنے والے پر قصاص نہیں ہے بلکہ قصاص قاتل پر ہے لیکن پکڑنے والے کو سخت مرادی جائے گی اور جیل میں رکھا جائے گا لیکن اہل مدینہ کہتے ہیں کہ اگر اس نے اس کو پکڑا اور وہ جانتا ہے کہ وہ اس کو قتل کرنا چاہتا ہے تو اس کے بدلے میں دونوں قتل کئے جائیں گے۔

محمد بن حسن کہتے ہیں کہ پکڑنے والے کو کیسے قتل کیا جائیگا جبکہ اس نے قتل نہیں کیا ہے۔ اور جبکہ اس نے اس کو پکڑا اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ وہ اس کو قتل نہیں کریگا تو کیا تم پکڑنے والے کو قتل کرو گے؟ اگر انھوں نے کہا کہ نہیں بلکہ ہم تو اس کو اس وقت قتل کریں گے جبکہ وہ یہ گمان رکھے کہ وہ اس کو قتل کرنا چاہتا ہے تو پھر ان سے کہا جائیگا کہ ایسی صورت میں تمہارے قول کے مطابق پکڑنے والے پر قصاص واجب نہیں ہے لیکن اس صورت میں کہ اگر اس کو گمان ہو اور گمان کبھی خطا کرتا ہے کبھی ٹھیک ہوتا ہے مثلاً تمہارے خیال میں اگر کسی شخص نے کسی شخص کا پتہ بتا دیا اور اس نے اس کو قتل کر دیا اور جس نے پتہ بتایا اس کو یقین تھا کہ وہ اگر اس پر قادر ہوگا تو اس کو قتل کر دیکھا تو کیا تم پتہ بتانے والے کو اسی طرح قتل کر دو گے جیسے کہ پکڑنے والے کو دیکھو اگر کسی شخص نے کسی کو کسی کے قتل کرنے کا حکم دیا اور اس نے اس کو قتل کر دیا تو کیا قتل کرنے والا اور حکم دینے والا دونوں پکڑے جائیں گے؟ یا اگر کسی شخص نے کسی عورت کو روک رکھا تاکہ وہ اس کے ساتھ زنا کرے تو کیا دونوں کو حد لگائی جائے گی یا صرف اسی کو حد لگائی جائے گی جس نے کہ فعل کیا اور اگر وہ دونوں شادی شدہ ہیں تو کیا دونوں کو رجم کیا جائیگا اسی طرح اس شخص کو جو یہ کہتا ہے کہ پکڑنے والے کو قتل کیا جائے گا یوں کہنا چاہیے کہ دونوں پر حد جاری کی جائے گی؟ یا اگر

کسی شخص نے کسی کو شراب پلا دی تو کیا دونوں پر شراب کی سزا جاری کی جائیگی یا صرف پینے والے پر حد جاری کی جائے گی؟ یا اگر کسی شخص نے کسی کو حکم دیا کہ کسی شخص پر بہتان باندھے اور اس نے اس پر بہتان باندھا تو کیا دونوں پر سزا جاری کی جائے گی یا صرف تہمت باندھنے والے کو سزا دی جائے گی؟ تمہارے قول کے مطابق تو دونوں کو سزا دی جانی چاہیے۔

ہم کو اسمعیل بن عیاش حمصی نے خبر دی کہ عبد الملک بن جریج نے عطار بن ابی رباح سے روایت بیان کی وہ کہتے ہیں کہ علی بن ابی طالب نے اس شخص کے بارے میں جس نے کسی شخص کو عمدہ قتل کیا اور دوسرے شخص نے اس کو پکڑا تھا یہ فرمایا تھا کہ قاتل کو قتل کیا جائے اور دوسرے کو جیل میں مرنے تک بند کھا جائے۔

شافعی کہتے ہیں کہ اللہ کی حد لوگوں پر نفس فعل پر ہے اور اسی میں قصاص بھی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

کتب علیکم القصاص فی القتل
ومن قتل مظلوما فقد جعلنا
لولیہ سلطانا۔
مقتولین کے سلسلہ میں تم پر قصاص فرض کیا گیا۔
جو شخص مظلوم قتل کیا گیا ہم نے اس کے ولی کو
اقتدار عطا کر دیا۔

جو لوگ اس آیت کے مخاطب ہیں ان کے نزدیک یہ بات مسلم تھی کہ مقتول کے ولی کو صرف قاتل پر اقتدار حاصل ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت ہے کہ جس شخص نے کسی مسلمان کا خون بہا کر قتل کیا اس کا قصاص خود اس کے ہاتھ میں ہے اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔
الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل
واحد منهما مائة جلدۃ۔
زانی اور زانیہ دونوں کو ایک ایک سو کوڑ
مارو۔

اور ارشاد فرمایا۔

والذین یرمون المحصنات
ثم لہما تو اباسر بعة شہداء
فاجلدوہم ثمانین جلدۃ۔
جو لوگ بغیر چار گواہ پیش کئے پاک دامن
عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں ان کے اسی
کوڑے مارے جائیں۔

لیکن میں نے مخلوق خدا میں کسی رہبر کو نہیں دیکھا کہ اُس نے کسی ایسے شخص پر جس نے نہ وہ
فعل کیا ہو نہ اقدار اس کے باوجود حد جاری کی ہے تو اگر کسی شخص نے کسی کو پکڑ رکھا کسی شخص کے لئے
پھر اس نے اس کو قتل کر دیا تو اس کے بدلہ میں قاتل کو قتل کیا جائے گا اور روکنے والے کو سزا دی جائیگی

کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حکم میں یہ تبدیلی جائز نہیں کہ جب قاتل کو قتل کے بدلے میں قتل کیا جائے تو کھٹنے والے کو بھی پکڑنے کے جرم میں قتل کیا جائے حالانکہ پکڑنا اور قتل کرنا دو الگ چیزیں ہیں اور جس نے اس کو قتل کیا تو اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم میں تبدیلی کر دی کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرما دیا کہ

کتب علیکم القصاص فی القتل۔ مقتولین کے بارے میں تم لوگوں پر قصاص واجب ہے

تو قصاص تو یہی ہے کہ آدمی کے ساتھ وہی کام کیا جائے جو اس نے کیا۔ تو کیا اس نے قتل کیا ہے کہ اس کے بدلے میں قتل کیا جائے۔ اس نے تو پکڑا ہے اور پکڑنا ایسا گناہ ہے جس میں قصاص نہیں ہے بلکہ اس میں تعزیر کی جائے گی خواہ اس نے اس کو پکڑا ہو کہ اس کو قتل کرے یا قتل نہ کرے۔ اور اگر پکڑنا قتل کا قائم مقام ہوتا جبکہ روکنے والا اس کی نیت کرے کہ مجھ کو قتل ہو تو کیا اگر اس نے اس کو قتل نہیں کیا تو ہم اس کو قتل کریں گے کیونکہ اس نے وہ فعل کیا ہے جو قتل کے قائم مقام ہے نیت کے ساتھ لیکن یہ قول ہمارے امام مالکؒ اور امام محمدؒ کے خلاف ہے اور امام محمد بن حسنؒ نے جو ہمارے امام مالک بن انسؒ پر اعتراضات کئے ہیں وہ عام طور پر خود ان پر وارد ہوتے ہیں لیکن امام محمدؒ بھی دوسرے موقع پر غافل نہیں رہتے جس کی وجہ اکثر وہ باتیں انہی پر وارد ہوتی ہیں جو وہ ہمارے امام پر کرتے ہیں تو وہ تمام اعتراضات جو وہ اس جگہ ہمارے امام پر کرتے ہیں انہی پر وارد ہو جاتے ہیں اور اگر کوئی شخص کہے کہ اس کی دلیل کیا ہے تو جواباً کہا جائے گا کہ امام محمدؒ کا خیال ہے کہ اگر ایک جماعت نے ڈاکہ ڈالا اور قتل کیا اور ان کے مدد کرنے کے لئے ایک جماعت ہے جو آواز تو سنتی ہے لیکن ان لوگوں نے جو قتل کیا ہے اس کو نہیں دیکھتی تو قاتلوں کو تو قتل کرنے کے بدلے میں قتل کیا جائے گا اور مددگاروں کو اس لئے کہ ان کی قوت پا کر انھوں نے قتل کیا، شافعیؒ کہتے ہیں کہ میں نے امام محمد بن حسن سے پوچھا کہ کیا آپ نے اس بارہ میں کسی روایت کا ذکر ہے تو انھوں نے کسی روایت کو نہیں بیان کیا۔ تو میں نے ان سے کہا کہ دیکھئے اگر کسی طاقتور آدمی کو کسی کمزور شخص نے قتل کا ارادہ کیا اور ایک طاقتور شخص سے کہا کہ اگر میں کمزور نہ ہوتا تو فلاں کو قتل کرتا اس نے کہا میں اس کو تیرے لئے پکڑ دوں گا پھر اس نے اس کو پکڑ دیا اور اس کے سینہ پر بیٹھ کر اس کے گلے کو اٹھایا تاکہ اس کے زرخہ کو نمایاں کر دے پھر ضعیف کو چھری دی اور اس نے اس کو ذبح کر دیا تو کیا آپ کا خیال ہے کہ صرف ذبح کرنے والے کو قتل کیا جائے کیونکہ وہی قاتل ہے اور اس شخص کی مدد کا کچھ خیال نہ کیا جائے گا جو اس قتل کا سبب ہے کیونکہ سبب غیر فعل ہے اور اللہ تعالیٰ لوگوں کا فعل پر مواخذہ فرماتا ہے کیا یہ شخص اس کے قتل پر زیادہ مددگار

تھایا وہ زیادہ مددگار تھے جو راستہ سے گزر رہے تھے قتل پر پھر آپ ان مددگاروں کے بارے میں کیا کہتے ہیں جو آواز کو نہ سنتے تھے لیکن وہ قاتلوں کو دیکھ رہے تھے اور ان کو قوت پہنچا رہے ہوں ان پر بجز تعزیر کے اور کچھ نہ ہوگا تو پھر ان پر حد کیوں جاری ہوگی جہاں سے وہ آواز سنتے ہوں تو امام محمدؒ نے فرمایا کہ امام مالکؒ بھی اس مسئلہ میں میرے ساتھی ہیں کہ وہ بھی مددگاروں کے بارے میں یہی کہتے ہیں کہ وہ قتل کے جائیں گے میں نے کہا کہ تمہارے لئے تو اس سے تمہارے غیر رحمت آجاتی ہے اگر آپ کا قول حجت نہ ہو تو کیا ہمارے استاذ کا قول جس پر تم اعتراض کرتے ہو اس طرح حجت ہوگا؟ فرمایا تو پھر کیا تمہارا یہ قول نہیں ہے؟ میں نے کہا نہیں اور میں کسی عقلمند کو ایسا کہتے نہیں پاتا اور جس نے یہ کہا تو وہ قیاس معقول کے حکم سے نکل گیا اور اس پر بہت سے وہ اعتراضات وارد ہو جائیں گے جو تم کرتے ہو اور اگر تم نے کسی بارے میں استدلال کیا یا ان پر نکتہ چینی کی اور خود اس سے بچ گئے تو یہ ہو سکتا ہے۔

شافعیؒ کہتے ہیں کہ علی بن ابی طالب سے مروی ہے کہ قاتل کو قتل کیا جائے اور روکنے والے کو قید میں رکھا جائے حتیٰ کہ وہ مرجائے۔ لیکن امام محمدؒ اس کو عمر قید کی سزا نہیں دیتے اس لئے میرے ان کے استدلال کے خلاف ہے۔

پوری کتاب اسی طرح دونوں فریقوں کے پُر زور دلائل سے بھری پڑی ہے اور وہ اس قابل ہے کہ قانون کے طالب علم اس کو پڑھیں اور امام محمدؒ کی ایک کتاب "کتاب الآثار" ہے جس کا ابن ندیم نے ذکر نہیں کیا ہے اس کا قلمی نسخہ کتب خانہ مصر میں موجود ہے جس میں وہ تمام حدیثیں جمع کر دی ہیں جس سے ائمہ احناف استدلال کرتے ہیں ان کی بہت سی کتابیں ہیں جو "لوادر" کے نام سے مشہور ہیں اور یہ کتابیں قابل اعتماد طریقوں سے مروی نہیں ہیں اور وہ یہ ہیں۔

(۱) امالی محمد فقہ میں اور یہ یکساں نیاں کے نام سے مشہور ہے۔

(۲) کتاب الزیادات۔

(۳) کتاب زیادة الزیادات۔

(۴) کتاب الفوائد

(۵) روایۃ ابن رستم

اور امام محمدؒ ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے مولیٰ امام مالکؒ بن انس کی روایت کی ہے اور اس میں ان احادیث کو بیان کیا ہے جن پر احناف کا موافق یا مخالف عمل رہا ہے اور ان اسباب

کو بھی بیان کیا ہے جس کی وجہ سے اختلاف ہے۔
 اور امام ابی حنیفہؒ کے شاگردوں میں ایک مصنف حسن بن زیاد ثوئوی بھی ہیں جنہوں نے
 کتاب ”مجرد“ لابی حنیفہؒ روایت ”اور کتاب ادب القاضی۔ کتاب الخصال“ کتاب الشفقات،
 کتاب الخراج، کتاب الفرائض، کتاب الوصایا، لکھی ہیں لیکن حسن بن زیاد کی روایات اعتماد کے
 لحاظ سے محمد بن حسن کی روایات سے مؤخر ہیں کیونکہ امام محمدؒ بن حسن پر پورا بھروسہ کیا جاتا ہے۔
 اور انہی میں سے ایک عیسیٰ بن زبان ہیں جو امام محمدؒ بن حسن کے شاگرد ہیں ان کی تصنیفات
 حسب ذیل ہیں۔

(۱) کتاب الحج۔

(۲) کتاب خبر واحد۔

(۳) کتاب الجماع۔

(۴) کتاب اثبات قیاس۔

(۵) کتاب اجتہاد الرائے۔

اور انہی میں ایک ہلال بن امیہ جو ہلال الرائی کے نام سے مشہور ہیں اور ابو عبد اللہ محمد بن سماعۃ
 ہیں جنہوں نے امام محمدؒ بن حسن سے ان کی کتابوں کی روایت کی ہے۔
 اور انہی میں سے ایک احمد بن عمر بن ہبید ہیں جو خصاف کے نام سے مشہور ہیں جنہوں نے
 بہت سی کتابیں لکھی ہیں اور ان کی کتابوں میں سے بہترین کتاب اوقاف میں ہے اور وہی مشہور
 و متداول ہے۔

اور اس دور کا اختتام ایک ماہر امام کبیر اور مصنف عظیم پر ہوا اور آپ کا نام نامی ہے ابو جعفر
 احمد بن محمد بن سلمہ از دی طحاوی مصری جنہوں نے اختلاف فقہاء میں ایک بہت بڑی کتاب لکھی ہے
 جس کو وہ تمام نہ کر پائے اور کتاب شرح مشکل احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے جو تقریباً
 ایک ہزار ورق کی ہے اور کتاب شرح معانی الآثار کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ وہ ایک ایسے
 شخص کی تصنیف ہے جس کو علم پر پوری دسترس حاصل ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی
 احادیث کا حافظ ہے اندر اسی کے ساتھ فقہاء کے اختیار کردہ مذہب اور ان کے متعلق ان کے اقوال
 اور سندوں سے پوری طرح واقف، ان کی اور کتابیں بھی ہیں جن کی تفصیل ابن ندیم نے اپنی فہرست
 میں دی ہے۔

اس زمانہ میں بھی کتابوں کی تصنیف کا کام ہوا لیکن ان سب میں امام محمدؒ کی کتابیں ہیں جو ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کے مذہب کی بنیاد ہیں اور اور انہی کتابوں کی علماء حنفیہ نے آخری زمانہ میں شرح اور تفسیر کی ہے اور اسی پر ان کا اعتماد ہے اور اسی چشمہ سے وہ سیراب ہوئے۔

امام مدینہ مالکؒ بن انس کے مذہب کی کتابیں

امام مالکؒ نے اپنی کتاب مومسومہ بہ موطا لکھی اور ان سے ان کے بہت سے شاگردوں نے اس کی روایت کی لیکن ان کی روایات میں کمی اور زیادتی کا اختلاف ہے موطا کی مشہور روایت یحییٰ بن یحییٰ لیبی کی ہے اور مصر کا چھپا ہوا یہ وہی نسخہ ہے جس کو آج کل ہم پڑھتے ہیں اور ایک موطا وہ ہے جس کی روایت امام محمدؒ بن حسن کرتے ہیں یہ بلاد ہند کا مطبوعہ ہے۔

اس کتاب میں امام مالکؒ کی عادت یہ ہے کہ موضوع کے مقدمہ میں جو کچھ احادیث ہیں اس کو درج کرتے ہیں پھر اس میں صحابہ اور تابعین سے جو منقول ہے اس کو درج کر دیتے ہیں اور غیر اہل مدینہ کا بہت کم ذکر کرتے ہیں اور کبھی اس پر اہل مدینہ کے عمل اور اہل مدینہ کے متفق الیہ کا بھی ذکر کرتے ہیں چنانچہ ان کی کتابوں کا نمونہ یہ ہے۔

بیمار کی طلاق

مالک نے ابن شہاب سے روایت کی وہ طلحہ بن عبد اللہ بن عوف سے روایت کرتے ہیں جنہوں نے بیان کیا جو اس مسئلے کے سب سے زیادہ جاننے والے تھے اور ابی سلمہ بن عبد الرحمن بن عوف سے بھی روایت کرتے ہیں کہ عبد الرحمن بن عوف نے مرض کی حالت میں اپنی بیوی کو طلاق قطعی دیدی تو عثمان بن عفان نے اس عورت کو اس کی عدت گزرنے کے بعد ان کا وارث قرار دے کر میراث دلائی۔

امام مالکؒ نے عبد اللہ بن الفضل سے اور وہ اعرج سے روایت کرتے ہیں کہ عثمان بن عفان نے ابن مکمل کی عورتوں کو وارث بنایا حالانکہ انہوں نے بحالت مرض ان کو طلاق دیدی تھی۔
 لے موطا امام مالکؒ کے متعدد اصل نسخے اور مشرور و حواشی کے ساتھ ہندو پاکستان میں بھی شائع ہو چکے ہیں یہاں پر زیادہ تر وہی رائج ہیں نیز اردو فارسی ترجمے بھی چھپ چکے ہیں ۱۲ منہ رضی۔

امام مالکؒ کہتے ہیں کہ انھوں نے ربیعہ بن ابی عبدالرحمن سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ مجھے خبر ملی ہے کہ عبدالرحمن بن عوف کی بیوی نے ان سے اپنی طلاق مانگی تو انھوں نے فرمایا کہ جب تجھے حیض آئے اور پھر تو پاک ہو جائے تو مجھے اطلاع دینا لیکن ان کو حیض عبدالرحمن بن عوف کے بیمار ہونے کے وقت حیض آیا پھر جب وہ پاک ہوئیں تو انھوں نے ان کو اس کی خبر دیدی پھر انھوں نے ان کو طلاق قطعی دیدی یا وہ ایک طلاق دی جو ان کی اس عورت پر باقی تھی اور عبدالرحمن اس وقت مریض تھے تو عثمان بن عفان نے ان کو ان کی عدت پوری ہونے کے بعد ان کا ورثہ دلایا۔

امام مالکؒ یحییٰ بن سعید سے روایت کرتے ہیں اور وہ محمد بن یحییٰ بن حبان سے کہ میرے دادا حبان کی دو بیویاں تھیں ایک ہاشمیہ ایک انصاریہ انھوں نے انصاریہ کو طلاق دیدی جو دو دھپلا رہی تھی اور اس پر ایک سال گزر گیا اس کے بعد وہ انتقال کر گئے لیکن اس وقت تک عورت کو حیض نہیں آیا اس لئے اس نے دعویٰ کیا کہ میں اس کا ورثہ لے لی کیونکہ مجھے حیض نہیں آیا دونوں عورتیں عثمان بن عفان کے پاس گئیں آپ نے اس کے لئے ورثہ دینے کا حکم دیا اس پر ہاشمیہ نے عثمانؓ کو ملامت کی تو آپ نے فرمایا یہ فیصلہ تو تیرے چچا زاد بھائی کا ہے آپ نے اس سے اشارہ ہماری طرف کیا یعنی علی ابن ابی طالب پر (جو ہاشمی تھے)

امام مالکؒ کہتے ہیں کہ انھوں نے ابن شہاب کو یہ کہتے سنا ہے کہ جب کوئی شخص بحالت بیماری تین طلاق دیدے تو وہ عورت اس کی وراثت میں حصہ دار ہوگی۔

امام مالکؒ کہتے ہیں کہ اگر اس نے بحالت مرض قبل صحبت طلاق دی ہے تو اس کو نصف مہر ملے گا اور میراث ملے گی اور اس پر عدت واجب نہیں اور اگر صحبت کرنے کے بعد طلاق دی تو اس کو کل مہر بھی ملے گا اور میراث بھی ملے گی اور اس پر عدت نہ ہوگی اور اگر اس کے ساتھ صحبت کی پھر اس کو طلاق دی تو اس کو کل مہر بھی ملے گا اور میراث بھی اور اس معاملہ میں ہمارے نزدیک باکرہ و ثیبہ دونوں برابر ہیں، موطا دراصل ان احادیث کا مجموعہ ہے جو امام مالکؒ کے نزدیک صحیح ثابت ہوئیں اور وہ تقریباً پانچ سو احادیث کا مجموعہ ہے۔

لیکن جن مسائل کا انھوں نے جواب دیا ان کو ان کے شاگردوں نے مرتب کر دیا سب سے پہلے جس نے اس کو کھادہ اسد بن نرات ہیں جنھوں نے ان مسائل کو مرتب کیا ہے جو انھوں نے امام محمد بن حسن فقیہ عراق سے حاصل کئے جیسا کہ شیخ عیش نے متن خلیل پر جو شرح لکھی ہے اس میں درج کیا ہے پھر ان مسائل کے متعلق عبدالرحمن بن قاسم سے پوچھا تو انھوں نے مالکؒ کی

رائے کے مطابق جواب لکھا پھر اس تحریر کو قیرواں لائے تو اس کو ان سے سحنونؒ نے لکھا اور اس کا نام اسدیہ تھا پھر اس کو سحنونؒ ابن قاسمؒ کے پاس ۱۸۸ھ میں لائے اور ان مسائل کو ان پر پیش کیا انھوں نے مسائل کی اصلاح کی اور پھر قیرواں ۱۹۱ھ میں واپس لے گئے اور اس کو کتابی شکل میں تو سب سے پہلے اسد بن فرات نے اس طرح جمع کیا تھا لیکن مسائل غیر مرتب شکل میں تھے اور عنوانات کی تفصیل بھی نہ تھی پھر سحنونؒ نے اس کے اکثر مسائل کو مرتب کیا اور سحنونؒ نے اس کے بعض مسائل پر ان احادیث کی رو سے اعتراض کیا جو موطا ابن وہب وغیرہ کی روایت سے ان کو ملے تھے اور اس میں کچھ ایسے حصے باقی رہ گئے جن کو سحنونؒ مکمل نہ کر سکے۔ (یہ سب کچھ قاضی عیاض نے لکھا ہے)

اہل صلاح و اہل بدعت کے پیچھے نماز کا مسئلہ

(کہا) اور مالکؒ نے فرمایا کہ قوم کی امانت جو ان میں سب سے زیادہ عالم ہو اور اس کی حالت اچھی ہو اور فرمایا کہ عمر کا بھی کچھ حق ہے تو میں نے کہا جو ان میں سب سے اچھا قاری ہو وہ کیسا ہے تو فرمایا کبھی یہ قاری ایسا ہوتا ہے کہ جو نہیں (اس نہیں سے انکایہ مطلب تھا کہ اس کی حالت اچھی نہیں ہوتی) اور مالکؒ نے فرمایا اور کہا جاتا ہے کہ سواری پر آگے بیٹھنے کا مستحق سواری کا مالک ہے اور امامت کا مستحق گھر والا ہے جبکہ اس کے مکان میں نماز پڑھیں البتہ اگر وہ اجازت دیدے تو دوسرا بھی امام ہو سکتا ہے میں نے امام مالکؒ کو دیکھا کہ وہ اسی کو پسند کرتے تھے میں نے ابن قاسمؒ سے کہا کہ امام مالکؒ کا قول اس شخص کے بارے میں کیا ہے جو غلط قرآن پڑھنے والے کے پیچھے نماز پڑھے حالانکہ وہ خود اچھا پڑھ سکتا ہے تو کہا کہ امام مالکؒ نے فرمایا کہ جب امام لوگوں کو نماز پڑھائے اور قرأت چھوڑ دے تو اس کی اور اس کے پیچھے نماز پڑھنے والوں کی بھی وہ نماز باطل ہوگئی دوبارہ نماز پڑھیں اگرچہ وقت چلا جائے اس کے بعد فرمایا تو جو شخص قرآن مجید اچھا نہیں پڑھتا اس کا معاملہ اس سے بھی زیادہ سخت ہے میرے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے کہ کوئی اس کے پیچھے نماز پڑھے جو قرآن مجید کو اچھا نہیں پڑھتا پھر کہا کہ میں نے امام مالکؒ سے پوچھا قدر یہ فرقہ کے امام کے پیچھے نماز کے بارے میں کیا رائے ہے؟ تو فرمایا کہ اگر تم کو یقین ہو تو اس کے پیچھے نماز نہ پڑھو میں نے کہا اور نہ جمعہ؟ فرمایا اگر تجھے یقین ہو تو نہ جمعہ انھوں نے کہا اور میں مناسب جانتا ہوں کہ اگر تجھے اس سے ڈر ہو اور اس سے اپنے نفس کی حفاظت مقصود

ہو تو تو اس کے ساتھ نماز پڑھ لے لیکن احتیاطاً پھر بھی ادا کر لو امام مالکؒ نے فرمایا کہ اس بدعت بھی قدریہ کے مثل ہیں۔ اور کہا کہ میں نے امام مالکؒ کو دیکھا کہ جب اس بدعت کے پیچھے نماز پڑھنے والے کو نماز کے اعادہ کے متعلق ان سے پوچھا گیا تو وہ توقف کرتے تھے اور اس کا کوئی جواب نہیں دیتے تھے، ابن قاسم کہتے ہیں کہ میں اس بارہ میں اسی وقت اعادہ کر لینا مناسب سمجھتا ہوں اور کہا کہ مالکؒ سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو ابن مسعودؓ کی قرأت سے پڑھنے والے کے پیچھے نماز پڑھے تو فرمایا کہ وہ نکل جائے اور اس کو چھوڑ دے اور اس کی اقتدار نہ کرے انھوں نے کہا کہ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اہل بدعت کے ساتھ نہ اپنی لڑکیوں کا نکاح کرے نہ ان کی لڑکیوں سے نکاح کرے اور نہ ان کو سلام کرے اور نہ ان کے پیچھے نماز پڑھے اور نہ ان کے جنازوں پر حاضری دے اور کہا کہ امام مالکؒ نے فرمایا کہ جو شخص ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھے جو ابن مسعودؓ کی قرأت پڑھتا ہے وہ نکل جائے اور اس کو چھوڑ دے میں نے کہا کہ کیا اگر وہ اس کے پیچھے نماز پڑھے تو کیا اس پر اعادہ واجب ہے بقول امام مالکؒ ابن قاسم نے کہا کہ جب انھوں نے کہا ہے کہ نکل جائے تو میری رائے یہ ہے کہ وہ وقت میں بھی اور اس کے بعد بھی نکل جائے ”مدونہ“ کے مسائل چونتیس ہزار تک پہنچتے ہیں۔

اور یہی ”مدونہ“ امام مالکؒ کے متبعین کے نزدیک علم کی بنیاد ہے اور امام مالکؒ کے مقلدین میں سے کھٹنے والے عبداللہ بن عبدالحکم مصریؒ میں جنھوں نے مختصر کبیر تالیف کی ہے جس کے ذریعہ سے کتب الشہب کا اختصار کیا اور مختصر اوسط اور مختصر صغیر لکھی اور صغیر کو تو صرف موطا تک محدود رکھا اور اوسط کی دو قسمیں ہیں۔ جو قرطبیسی کی روایت کردہ ہے اس میں آثار کی زیادتی ہے برخلاف اس کے جہان کے لڑکے محمدؒ اور سعیدؒ بن حسان کی روایت سے ہے کہا جاتا ہے کہ مختصر کبیر کے مسائل کی تعداد (۱۸۰۰۰) مسئلوں تک پہنچتی ہے اور اوسط میں (۴۰۰۰) اور صغیر میں (۱۲۰۰)۔

اور انہی میں سے ایک اصبح بن فرجؒ میں جنھوں نے کتاب اصول تصنیف کی اور ابن القاسمؒ سے اپنے سماعؒ کی (۲۲) کتابیں لکھیں اور محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم نے کتاب احکام القرآن اور کتاب الوثائق والشروط اور کتاب آداب الفقہاء اور کتاب الدعوی والبیانات تالیف کی۔

اور محمد بن احمد عینی قرطبیؒ نے مستخرج تالیف کی اور اس میں زیادہ تر وہ مسائل درج ہیں جو شاذ اور نادر ہیں اور ان کے پاس جب کوئی شاذ مسئلہ لایا جاتا اس میں جو مسئلہ ان کو پسند آتا فرماتے کہ اس کو مستخرج میں داخل کر لو ابن وضاح کہتے ہیں کہ مستخرج میں بہت اغلاط ہیں اور محمد بن حکم کہتے

ہیں کہ اس کے مسائل اکثر چھوٹے ہیں اور ایسے مسائل ہیں جن کے کوئی اصول نہیں اور ابو محمد بن حرم ظاہری کے سامنے مستخرج کا ذکر کیا گیا تو کہا کہ افریقیہ میں اہل علم کے نزدیک اس کا درجہ بلند ہے اور بڑی شہرت ہے، یحییٰ بن عمر کتانی نے اس کا اختصار کیا ہے اور اس کا نام مستخرج رکھا ہے اور محمد بن یحییٰ نے اپنی کتاب موسومہ "جامع" تالیف کی جس میں علم فقہ کی بہت سی شاخیں جمع کی ہیں اور اس میں بہت سی کتابیں ہیں جو تقریباً ساٹھ ہیں۔

اور محمد بن ابراہیم بن عبدوس نے ایک کتاب تالیف کی جس کا نام مجموعہ ہے جو امام مالک اور ان کے متبعین کے مذہب کے مطابق ہے لیکن وہ اس کے مکمل کرنے سے قبل ہی انتقال فرما گئے۔ اور اس دور میں مذہب مالکیہ کے دو بڑے مصنفین تھے۔ مشرق میں قاضی اسماعیل بن اسحاق ہیں جنہوں نے اپنی کتاب مبسوط فقہ میں لکھی اور ایک کتاب محمد بن حسن اور ابی حنیفہ اور شافعی کی رد میں لکھی اور دوسرے مصر میں محمد بن ابراہیم بن زیاد اسکندری المعروف بہ ابن موزہ ہیں جن کی کتاب فقہ میں بڑی زبردست کتاب ہے اور مالکی مذہب کی تمام کتابوں میں اس کو امتیاز حاصل ہے جس میں صحیح ترین مسائل درج ہیں جو کلام میں مبسوط ہے اور تمام مسائل پر حاوی ہے اور قابل ہے اس کو تمام اصولی کتابوں پر مقدم رکھا ہے۔

امام محمد بن ادریس شافعیؒ کے مذہب کی کتابیں

شافعیؒ ہی وہ امام ہیں جن کے متعلق یہ معلوم ہوا ہے کہ انھوں نے بذات خود کتابوں کی تصنیف کیں لیکن جو ان کے مذہب کے ماننے والوں کے لئے بنیاد کا کام دیتی ہیں اور خود انھوں نے اس کو اپنے شاگردوں کو عراق و مصر میں بکھوایا اور عراق کی کتابیں ان کا مذہب قدیم ہیں اور مصر کی کتابیں ان کا معتدل جدید مذہب ہے اور ان کی کتابیں یہ ہیں۔

(۱) رسالہ اولہ احکام یہ اصولی رسالہ ہے جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے۔

(۲) کتاب الام اور یہ وہ عظیم کتاب ہے جس کے مثل اس کے زمانہ میں نہیں لکھی گئی عمدہ طرز تحریر

اور وقت تعبیر اور قوت مناظرہ میں لا جواب کتاب ہے یہ کتاب ایسی نہیں ہے جس میں صرف مسائل

بیان کرتے چلے جائیں جیسے کہ امام محمدؒ کے کتابوں کا طرز ہے بلکہ وہ ہر مسئلہ کے ساتھ اس کی دلیل

بھی بیان کرتے ہیں اور اکثر اپنے فی الفین کا ذکر کرتے ہیں اور ان پر دلیل قائم کرتے ہیں اور اس کتاب

کا نام "قدیم" بھی تھا اس کی تحریر کا نمونہ حسب ذیل ہے۔

نماز کے متعلق کلام

شروع میں تین حدیثیں مع ان کی سند کے روایت کرتے ہیں۔

(۱) عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ ہم حبشہ جانے سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں سلام کیا کرتے تھے اور آپ اس کا جواب حالت نماز میں دیا کرتے تھے پھر جب ہم حبشہ سے واپس آئے میں آپ کے پاس بغرض سلام حاضر ہوا تو میں نے آپ کو نماز پڑھتے پایا اور میں نے آپ کو سلام کیا آپ نے جواب نہ دیا تو میرے دل میں بہت سے نزدیک و دور کے خیالات پیدا ہونے لگے میں بھٹا رہا حتیٰ کہ آپ نے نماز پوری کر لی پھر میں آپ کے پاس آیا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے حکم میں جو چاہے تبدیلی فرما دیتا ہے اور انہی امور میں سے جو اللہ تعالیٰ تبدیلی فرماتا ہے یہ بھی ہے کہ تم نماز میں بات نہ کیا کرو۔

(۲) ابی ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو رکعت پڑھ کر واپس ہوئے تو آپ سے ذوالبیدین نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ نماز کم ہو گئی یا آپ بھول گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا ذوالبیدین صحیح کہہ رہا ہے تو لوگوں نے عرض کیا ہاں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے اور دو آخری رکعتیں پڑھ لیں پھر آپ نے سلام کیا پھر تکبیر کہی پھر آپ نے سجدہ کے مثل سجدہ کیا یا کچھ طویل سجدہ کیا پھر سر اٹھایا پھر تکبیر کہی پھر آپ نے سجدہ کے مثل سجدہ کیا یا کچھ طویل پھر سر اٹھایا اور ابی ہریرہؓ سے ایک دوسری روایت میں ہے کہ یہ عصر کی نماز تھی۔

(۳) عمران بن حصین سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی تین رکعتیں پڑھیں پھر کھڑے ہو گئے اور حجرہ میں داخل ہو گئے جس پر خریاق رہا کھڑے ہو گئے جن کے ہاتھ چوڑے تھے اور انھوں نے آواز دی یا رسول اللہ کیا نماز کم ہو گئی تو آپ غصہ کی حالت میں اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے نکلے پھر آپ نے پوچھا تو آپ کو خبر دی گئی پھر آپ نے وہ رکعت ادا کی جو آپ نے چھوڑ دی تھی پھر آپ نے سلام پھیرا پھر دو سجدے کئے پھر سلام پھیرا۔

امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ ہم ان سب احادیث کو لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ لازمی ہے کہ کوئی شخص نماز میں عمداً کلام نہ کرے جبکہ اس کو یہ یاد ہو کہ وہ نماز کی حالت میں ہے اور اگر اس نے ایسا کیا تو اس کی نماز باطل ہو گئی اور اس کو دوسری نماز حدیث ابن مسعودؓ کی بتا رہے پڑھنا چاہیے میرے علم کے مطابق کسی اہل علم نے اس مسئلہ میں مخالفت انہیں کی اور جس شخص نے نماز میں بات کر لی اور اس کا

خیال یہ رہا کہ نماز پوری ہو گئی ہے یا وہ بھول گیا کہ وہ نماز میں ہے تو وہ اپنی نماز پوری کرے اور سجدہ سہو کر لے کیونکہ ذی البیدین کی حدیث اسی کے مطابق ہے اور جس نے اس حالت میں بات چیت کر لی اور اس کا خیال تھا کہ وہ نماز کے علاوہ دوسری حالت میں ہے غیر نماز میں بات کرنا مباح ہے اور ابن مسعودؓ کی حدیث ذی البیدینؓ کے حدیث کی مخالف نہیں ہے اور ابن مسعودؓ کی حدیث کلام کے بارہ میں اجمالی ہے اور ذوالبیدین کی حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمداً کلام کرنے اور بھول کے کلام کرنے والے کے بارہ میں فرق کیا ہے کیونکہ وہ نماز میں ہے یا بات کر رہا ہے جو یہ خیال کرتا ہے کہ اس نے نماز کو پورا کر لیا۔

شافعیؒ فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں نے نماز میں کلام کرنے کے بارہ میں ہم سے اختلاف کیا ہے اور اس مسئلہ میں ہمارے مخالف اس قدر دلائل جمع کئے ہیں کہ اس کے سوا بجز مسئلہ یحییٰ کے مع الشاہد کے کسی مسئلہ میں اس قدر دلائل جمع نہیں کئے اچنانچہ میں نے ان کو یہ کہتے سنا ہے کہ ذوالبیدین کی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور اس حدیث اور حدیث اجماع جبار سے زیادہ مشہور کوئی حدیث ثابت نہیں۔ لیکن ذوالبیدین کی حدیث منسوخ ہے تو میں نے کہا کہ اس کو کس حدیث نے منسوخ کیا ہے تو کہا ابن مسعودؓ کی حدیث نے تو میں نے ان سے کہا کہ جب دو حدیثیں مختلف ہوتی ہیں تو ان میں سے آخری ناسخ ہوتی ہے۔ فرمایا ہاں تو میں نے ان سے کہا کہ آپ کو ابن مسعودؓ کی یہ حدیث یاد نہیں کہ ابن مسعودؓ مکہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا کہ میں نے آپ کو صحن کعبہ میں پایا تھا اور ابن مسعودؓ نے پہلے ملک حبشہ کی طرف ہجرت کی پھر مکہ کی طرف لوٹے تھے پھر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کر کے گئے تھے اور بدر میں حاضر تھے تو فرمایا ہاں تو میں نے ان سے کہا کہ جب ابن مسعودؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہجرت سے پہلے آئے پھر عمران بن حصین روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مسجد کے پچھلے حصہ میں ایک شہتیر کے پاس آئے تو کیا تم یہ نہیں جانتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مسجد میں مکہ سے ہجرت کے بعد نماز پڑھی تو کہا کہ ہاں تو میں نے کہا تو عمران بن حصین کی حدیث تم کو یہ بتاتی ہے کہ ابن مسعودؓ کی حدیث اور ذوالبیدینؓ کے حدیث کی ناسخ نہیں ہے۔ ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو نماز پڑھائی تو فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ ابی ہریرہؓ کی صحبت کتنی ہے اس پر میں نے کہا کہ ہم اتنا ہی زمانہ بیان کرتے ہیں جو اس مسئلہ کے سمجھنے کے لئے کافی ہو جو عمرانؓ کی حدیث میں بیان ہوا ہے تاکہ تم کو مشکل نہ پڑے کہ ابو ہریرہؓ بخیر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی صحبت میں آئے اور خود ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ میں مدینہ منورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں تین یا چار سال رہا (ربیع کو شک ہے) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں کئی سال رہے سو ان ایام کے جو مکہ میں ابن مسعودؓ کے آنے کے بعد آپ نے قیام کیا ابو ہریرہؓ کی صحبت سے پہلے تو کیا یہ جائز ہے کہ ابن مسعودؓ کی حدیث اس کے بعد کے حدیث کی تاریخ ہو تو فرمایا نہیں امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ پھر میں نے ان سے کہا کہ اگر ابن مسعودؓ کی حدیث ابی ہریرہؓ و عمران بن حصین کے حدیث کی مخالف ہوتی جیسا کہ تم کہتے ہو اور اس حالت میں عہد کلام کرنا کہ تم جانتے ہو کہ تم نمازیں ہو بعینہ ایسا ہو کہ تم یہ سمجھتے ہو کہ گویا تم نے نماز پوری کر لی یا تم نماز کو بھول گئے تو ابن مسعودؓ کی حدیث منسوخ ہوگی اور نماز میں بات کرنا مباح ہے لیکن نہ وہ تاریخ ہے نہ منسوخ بلکہ اس کی وجہ وہی ہے جو میں نے بیان کر دی اور وہ یہ کہ نماز میں یہ معلوم ہوتے ہوئے کہ ہم نماز میں ہیں بات کرنا جائز نہیں ہے اور جب اس طرح ہو تو نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر نسیان ہو سے بات کر لے اور وہ سمجھتا ہے کہ بات کرنا جائز ہے اس طرح کہ وہ خیال کرے کہ نماز کو اس نے پورا کر لیا ہے یا اس میں بھول گیا تو نماز فاسد نہ ہوگی تو فرمایا اور تم جانتے ہو کہ ذوالحجین بدر میں شہید ہو گئے تو میں نے کہا تم اس کو جیسے چاہو بنا لو لیکن کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا مدینہ میں عمران بن حصین کی حدیث میں ذکر نہیں ہے کہ رسول اللہ نے مدینہ میں نماز پڑھی تھی اور مدینہ میں مسعود کی حدیث کے بعد ہے تو فرمایا کیوں نہیں تو میں نے کہا کہ پھر تمہارے لئے کسی قسم کی حجت قائم کرنے کا کوئی حق نہیں ہے کیونکہ بدر کا واقعہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ آنے کے چھ ماہ بعد ہوا تو فرمایا کہ کیا ذوالحجین جس سے تم روایت کرتے ہو وہی ہیں جو بدر میں شہید ہوئے تو میں نے کہا نہیں عمران ان کا نام خضریٰ بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کے ہاتھ چھوٹے تھے یا بتاتے ہیں کہ دراز دست تھے اور بدر میں جو شہید ہوئے وہ ذوالشمالین تھے اور اگر دونوں ذوالحجین ہوں تو گویا ایک ایسا نام ہوا جو ممکن ہے کہ رسم کے موافق ہو گیا ہو جیسے کہ بہت سے لوگوں کے اسماء ایک ہو جاتے ہیں تو جو لوگ ان کے فریب کو اختیار کئے ہوئے ہیں ان میں سے ایک نے کہا تو ہمارے لئے ایک دوسری حجت ہے ہم نے کہا وہ کیا تو کہا کہ معاویہ بن حکم کے متعلق مشہور ہے کہ انھوں نے نماز میں بات چیت کی تھی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز میں انسان کی کوئی بات ٹھیک نہیں تو میں نے کہا کہ یہ دلیل تو تمہارے قاعدہ کی نہیں بلکہ تمہارے نقصان کی ہے اور یہ یا سکل ابن مسعودؓ کی طرح روایت کرتے ہیں اور وجہ اس میں وہی ہے جو میں نے بیان کیا ہے

تو فرمایا کہ اگر تم کہو کہ یہ اس کے خلاف ہے میں نے کہا تو یہ تمہارے حق میں مفید نہیں ہے اور تم سے اس حدیث کی بناء پر کلام کرتے ہیں اگر معاویہؓ کا معاملہ ذوالیدین سے پہلے ہو تو وہ منسوخ ہے اور تمہارے قول کے مطابق لازم آتا ہے کہ نمازیں مات کرنا دلیسے ہی ٹھیک ہو جیسے غیر نماز میں خواہ اس کے ساتھ ہو یا اس کے بعد جیسا کہ تم بیان کرتے ہو انھوں نے بات کر لی اور ان کو یہ معلوم نہ تھا کہ کلام کرنا نماز میں حرام نہیں ہے اور وہ یہ نہیں بیان کرتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نماز دہرانے کا حکم دیا ہو تو وہ ذوالیدین کی حدیث کے مثل ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اس لئے کہ انھوں نے اپنی حدیث میں بیان کیا کہ انھوں نے عملاً کلام کیا البتہ وہ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے ایسی حالت میں بات کی کہ ان کو معلوم نہ تھا بات کرنا نماز میں حرام ہے تو فرمایا کہ یہاں حدیث میں وہی ہے جو تم نے بیان کیا تو میں نے کہا اگر جیسا کہ میں نے اس کو بیان کیا ہے ویسا ہی ہے تو تمہارے فائدہ کی نہیں بلکہ تمہارے نقصان کی بات ہے اگر ویسے ہی ہو جیسے کہ ہم نے بیان کیا وہ تمہارے لئے مفید نہیں تو فرمایا کہ پھر تم کیا کہتے ہو؟ تو میں نے کہا کہ میں کہتا ہوں کہ یہ ابن مسعود کی حدیث کے مثل ہے اور ذوالیدین کے حدیث کی مخالف نہیں ہے تو فرمایا کہ جس وقت تم نے ذوالیدین کے حدیث کی تفریع کی تو تم نے مخالفت کی میں نے کہا کہ کیا ہم نے ان کی مخالفت اصل میں کی ہے؟ تو فرمایا نہیں لیکن فرع میں۔ تو میں نے کہا کہ پھر آپ نے تو نص میں ان کی مخالفت کی اور جس نے نص میں مخالفت کی تو آپ کے نزدیک اس کا حال اس سے برا ہے جس کی نظر کمزور ہو اور تفریع میں غلطی کرے انھوں نے فرمایا ہاں اور ہر ایک معذور نہیں ہے تو میں نے ان سے کہا کہ پھر آپ نے تو اصل و فرع دونوں میں ان کی مخالفت کی لیکن ہم نے تو اس کی فرع اور اصل میں ایک حرف کی بھی مخالفت نہیں کی تو اس کے اختلاف کی تم پر ذمہ داری ہے اور تم جو یہ کہتے ہو کہ ہم نے اس میں ان کی مخالفت کی حالانکہ ہم نے ان کی مخالفت نہیں کی تو انھوں نے فرمایا کہ میں تم سے ایک سوال پوچھتا ہوں تاکہ مجھے علم ہو جائے کہ تم نے اس کی مخالفت کی یا نہیں؟ میں نے کہا پوچھئے تو فرمایا تم اس امام کے بارے میں کیا کہتے ہو جو دو رکعت پڑھ کر نماز ختم کر دے اور جن لوگوں نے اس کے ساتھ نماز پڑھی ان میں سے کسی نے ان سے کہا کہ تم نے صرف دو رکعت نماز پڑھی اور اس نے دوسروں سے سوال کیا تو دوسروں نے بھی اس کی تصدیق کی تو میں نے کہا کہ جس مقتدی نے امام کو خبر دی اور جنھوں نے گواہی دی کہ اس نے سچ کہا ہے اور وہ اچھی طرح یہ جانتے ہیں کہ امام نے نماز پوری نہیں پڑھی تو ان کی نماز فاسد ہے تو فرمایا کہ تم تو روایت کرتے ہو کہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پوری کی اور تم کہتے ہو کہ جو لوگ آپ کے ساتھ تھے انھوں نے بھی نماز پوری کی اگرچہ تم اس کا ذکر حدیث میں نہیں کرتے میں نے کہا ہاں تو فرمایا کہ پھر تم نے اسکی مخالفت کی میں نے کہا نہیں لیکن ہمارے امام کا حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حال سے جدا ہے انھوں نے کہا کہ نماز اور امامت میں ان دونوں کا حال کس طرح جدا ہے؟ تو میں نے ان سے کہا کہ اللہ عزوجل کے فرائض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یکے بعد دیگرے فرض ہوتے جا رہے تھے تو جو چیز آپ پر فرض نہیں ہوتی تھی وہ آپ پر فرض فرمایا جاتا تھا اور بعض فرائض میں تخفیف فرمادیتا تھا انھوں نے فرمایا ہاں ٹھیک ہے تو میں نے کہا کہ ہم اہم اور کوئی مسلمان اس میں شک نہیں کرتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جب ہی ختم کی جبکہ آپ نے یہ سمجھ لیا کہ آپ نے نماز پوری کر لی تو فرمایا ہاں تو میں نے کہا جب آپ نے ایسا کیا تو ذوالبیدین یہ نہ جان سکے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی حکم کی بنیاد پر نماز کم ہو گئی یا آپ بھول گئے اور یہ بات ان کے سوال سے ہی ظاہر تھی جبکہ انھوں نے کہا کہ نماز کم ہو گئی یا آپ بھول گئے اور یہ بات ان کے سوال سے ہی ظاہر تھی جبکہ انھوں نے کہا کہ نماز کم ہو گئی یا آپ بھول گئے تو انھوں نے فرمایا ہاں درست ہے تو میں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالبیدین کا کہنا قبول نہیں کیا اسی لئے تو آپ نے ان کے غیر سے سوال کیا فرمایا بیشک اس پر امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سوا اور شخص سے پوچھا تو اس بات کا احتمال ہے کہ آپ نے اس شخص سے پوچھا ہو جس نے ان کا کلام نہ سنا ہو تو پھر تو اسی کے مثل ہو گا اور یہ بھی احتمال ہے کہ آپ نے اس سے سوال کیا ہو جس نے ان کا کلام سنا ہو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ سنا ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کا اعادہ کیا ہو پس جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں سنا اس نے آپ پر اعادہ کیا تو وہ ذوالبیدین کے معنی میں ہو گا کہ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی دلیل اپنے قول سے نہیں بتائی اور اس نے نہ جانا کہ نماز کم ہو گئی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھول گئے تو آپ نے اس کو جواب دیا اور اس کا معنی ذوالبیدین کے معنی میں ہوں گے کہ ان کا فرض آپ کو جواب دینا تھا کیا تم نہیں دیکھتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب انھوں نے خبر دی تو آپ نے ان کے قول کو قبول کر لیا اور نہ آپ نے بات کی نہ انھوں نے بات کی بلکہ اپنی پہلی نماز پر ہی اس نماز کی بنیاد رکھی اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو اللہ تعالیٰ کے فرائض ختم ہو گئے کہ اس میں ہمیشہ کے لئے نہ زیادتی کا امکان رہا نہ کمی کا تو فرمایا ہاں میں نے کہا یہی ہمارے اور ان کے درمیان فرق ہے تو جو لوگ ان کے پاس اس وقت حاضر تھے کہنے

لگے کہ یہ فسق بین ہے جس کو کوئی عالم رد نہیں کر سکتا فرمایا کہ تمہارے اصحاب میں سے بعض وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ جب آدمی خود نماز کے بارے میں کلام کرے تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی تو میں نے کہا کہ ہم پر اعتراض تو ہمارے ہی قول سے ہوتا ہے نہ کہ ہمارے غیر کے قول سے اور فرمایا اور میں نے تمہارے اکثر شاگردوں سے گفتگو کی تو کسی نے اس سے استدلال نہیں کیا اور انھوں نے کہا کہ عمل اسی پر ہے تو میں نے ان سے کہا کہ میں نے تم کو بتا دیا کہ غل کے کوئی معنی نہیں اور نہ ہمارے خلاف تمہارے پاس کوئی دلیل ہمارے غیر کے قول سے ہو سکتی ہے انھوں نے فرمایا ہاں تو میں نے کہا جس میں تمہارے پاس دلیل نہ ہو اس کو چھوڑ دو اور میں نے ان سے کہا کہ ذوالمیدین کے حدیث کی مخالفت میں تم نے غلطی کی حالانکہ اس کا ثبوت تھا اور تم نے اپنے ادھر پر ظلم کیا کہ تم نے خیال کیا کہ اھ جو اس بات کے قائل ہیں ان کے نزدیک نماز میں کلام اور جماع اور گنا حلال ہے حالانکہ ہم نے اور انھوں نے اس میں سے کسی بات کو جائز نہیں قرار دیا حالانکہ تمہارا یہ خیال ہے کہ نماز نے جب نماز پوری کرنے کے پہلے سلام پھیر دیا اور اس کو یہ اچھی طرح یاد ہے کہ اس نے نماز پوری نہیں کی ہے تو اس کی نماز فاسد ہوگئی کیونکہ تمہارا خیال ہے کہ سلام اس کے غیر محل میں کلام ہے اور اگر اس نے اس خیال سے سلام پھیر دیا کہ اس نے نماز کو مکمل کر لیا ہے تو پھر اسی نماز کو پوری کر لے تو اگر تمہارے مخالف اس کے سوا کوئی دلیل نہ ہو تو یہی دلیل تمہارے لئے کافی ہے اور ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ تم حدیث کے خلاف کرنے کو غیب سمجھتے ہو اور تم اکثر اس کے خلاف کرتے ہو۔

اور یہ کتاب پوری کی پوری اسی انداز تشریح و نقد کی واضح تصویر قلب کے سامنے پیش کرتی ہے اور اس زمانہ میں جو کتابیں لکھی گئیں ان میں اس کتاب سے زیادہ کوئی کتاب ہم کو اپنی طرف متوجہ مطالعہ کی دعوت نہیں دیتی۔

اس کتاب کے ساتھ چند اور کتابیں بھی ملحق کر دی گئی ہیں جس میں ایک کتاب وہ بھی ہے جس میں امام ابوحنیفہؒ اور ابن ابی لیلیٰؒ کے اختلافی مسائل درج ہیں اور اس کی اصل ابو یوسفؒ کی ہے جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے۔

اور ان میں ایک کتاب علیؒ اور ابن مسعودؒ کے اختلافی مسائل کی ہے اس کتاب میں امام شافعیؒ نے ان مسائل کا ذکر ہے جن میں ابوحنیفہؒ اور ان کے شاگردوں نے عراق کے صحابی ابیہ سے اختلاف کیا ہے جو علیؒ و ابن مسعودؒ ہیں۔

اور کتاب ام میں ذکر کیا ہے کہ اس کا نام "اختلاف علیؒ و ابن مسعودؒ" رکھا غلط ہے اور اپنی فہرست

میں ابن ندیم نے اس کا نام یوں رکھا ہے ”وہ مسائل جس میں عراقیوں نے علیؑ و عبداللہ رضی اللہ عنہما سے اختلاف کیا ہے“ اور یہی ٹھیک ہے۔

اور اسی میں ایک کتاب ”اختلاف مالک و شافعی“ ہے اور یہ کتاب عمل بالسنت سے ہے اس میں امام مالکؒ کے شاگردوں سے مناظرہ ہے کیونکہ انھوں نے حدیث کی تائید کے لئے ائمہ کے عمل کو شرط قرار دیا ہے اور امام شافعیؒ کی رائے کی تائید کی ہے کہ جب ثقہ نے ثقہ سے حدیث بیان کر دی حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک اس کا سلسلہ پہنچا دیا تو وہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی حدیث کو ہم اس وقت تک نہ چھوڑیں گے جب تک کہ ہم کو کوئی حدیث ایسی نہ مل جائے جس سے اس حدیث کا خلاف معلوم ہو اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث آپ سے اس کی مخالفت میں نہ ملے اور اس سے کتر شخص کسی ایسی حدیث کی روایت کرے جو اس کی موافق ہو تو اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں کسی قوت کا اضافہ نہیں ہوتا وہ خود بنفسہ مستغنی ہے اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کم درجہ کے شخص کی حدیث ایسی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حدیث کی مخالفت کرتی ہے تو ہم اس کی مخالفت کی طرف توجہ نہیں کر لیں گے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث اس بات کی زیادہ مستحق ہے کہ اس پر عمل کیا جائے اور جس سے روایت کی گئی کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف عمل کیا اور یہ ثابت ہو گیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے تو میں انشاء اللہ اس کا اتباع کروں گا۔ اس کے بعد اس اصل کی مخالفت انھوں نے اس کی تفصیل کی ہے کہ امام مالکؒ نے اس اصل پر جو مخالفت کی ہے اس پر اعتراض کیا ہے اور ان سے اس بارہ میں بحث کی ہے۔

اور اسی میں سے ایک کتاب ”جماع علم“ ہے اور اس میں حدیث اور عمل بالحدیث کی تائید کی اور اسی میں کتاب ”ابطال استحسان“ ہے جس میں فقہار اہل عراق پر ان کے قول ”استحسان“ کی تردید کی ہے۔

اور اسی میں سے ایک کتاب امام محمد بن حسن پر رد میں ہے اور اس کی اصل وہ کتاب ہے جس میں امام محمد بن حسن نے اہل مدینہ پر رد کیا ہے اور شافعیؒ نے ان کی طرف سے جوابات دے دیے ہیں جس میں شافعیؒ نے محمد بن حسن پر ان مناظرات میں جو ان دونوں کے درمیان اس کتاب میں درج ہیں یہ اعتراض بھی کیا ہے کہ ہم ہمیشہ کتاب میں یہ سمجھتے ہیں کہ ”اہل مدینہ نے ایسا کہا“ حالانکہ وہ

قول تمام اہل مدینہ کا قول نہیں ہوتا بلکہ وہ امام مالکؒ بن انس کا قول ہے اور اکثر اہل مدینہ اس کی مخالفت کرتے ہیں۔

ایک کتاب سیر اوزاعیؒ ہے اور اس کی اصل ابو یوسفؒ کی وہ کتاب ہے جس میں اوزاعیؒ پر انھوں نے اعتراض کیا ہے اور شافعیؒ نے اوزاعیؒ کی طرف سے جواب دیا ہے اس کتاب کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

اور شافعیؒ کی کتابوں میں عظیم الشان اور سب سے بڑی تصنیف "اختلاف الحدیث" ہے جس کو شافعیؒ نے سنت کی جماعت میں عموماً اور خبر واحد کی حمایت میں خصوصاً لکھا ہے اور اس میں اختلاف حدیث پر بحث کی ہے اور یہ کتاب ان لوگوں کا مرکز ہے جنہوں نے مطلقاً سنت کو رد کیا ہے یا حدیث پر عمل کے لئے راوی کے ثقہ ہونے کے علاوہ اور شرطیں لگائی ہیں اس کتاب میں امام شافعیؒ نے اولاً اس اختلاف پر بحث کی ہے جو ہر مروی فعل کے مباح ہونے کا سبب ہوتا ہے جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ وضو کیا اور یہ بھی روایت ہے کہ آپ نے دو دو مرتبہ وضو کیا اور یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے تین تین بار وضو کیا ایسی حدیثیں بکثرت مروی ہیں پھر ان احادیث کا ذکر کیا جو ایک دوسری کی نسخہ ہیں اور وہ احادیث ذکر کی ہیں جو ایک دوسری کی تفسیر کرتی ہیں اور بہت سی باتیں جو شریعت کے قواعد بتانے میں سنت کے معاملہ میں زیادہ مفید ہیں یہ کتاب بیش بہا مناظرات پر بھی مشتمل ہے جو انھوں نے اپنے مخالفین خصوصاً امام محمد بن حسنؒ کے ساتھ جو مناظرے کئے ہیں وہ اس میں درج ہیں۔ ان کی ایک کتاب سند ہے جس میں وہ احادیث درج ہیں جو "کتاب الام" کا ماخذ ہیں۔

اور حرمہ بن بحیی کی بھی ایک کتاب فقہ میں ہے جس کو امام شافعیؒ نے لکھوایا ہے اور ابو یوسفؒ کی ایک کتاب مختصر کبیر اور مختصر صغیر اور کتاب الفرائض ہے اور مزنی کے بھی دو مختصر ہیں ایک تو مختصر کبیر جو متروک ہے دوسری مختصر صغیر جس پر شافعیؒ کے شاگردوں کا اعتماد ہے اور اسی کو پڑھا کرتے تھے اور اسی کی شرح کیا کرتے تھے اس کی مختلف روایات ہیں۔

اور انہی کی دو جامع ہیں ایک جامع کبیر دوسری جامع صغیر اور اس کے علاوہ اور کتب بھی ہیں۔

اور شافعیؒ کے شاگردوں کے مقلدین میں جن لوگوں نے کتابیں لکھی ہیں ان میں ابو اسحاق ابراہیم

بن احمد مرندی شاگرد مرینی ہیں جنہوں نے مختصر مرینی کی دو مشرحتیں لکھی ہیں اور ان کی ایک کتاب
فصول فی معرفۃ الاصول ہے اور کتاب الشروط والوثائق ہے اور کتاب وصایا وحساب الدرو
اور کتاب خصوص و عموم بھی ان کی تصانیف ہیں۔

اور ابن سرتج نے ایک کتاب امام محمد بن حسن اور عیسیٰ بن ابان کی رد میں لکھی ہے اور ان کی
ایک کتاب التقریب بین المرینی والشافعی ہے اور ایک کتاب فقہ میں مختصر بھی ہے۔
اور ابی بکر محمد بن عبداللہ صیرفی (المتوفی ۲۳۳ھ) کی ایک کتاب البیان فی دلائل الاعلام
علی اصول الاحکام ہے اور رسالہ شافعی کی شرح اور کتاب الفرائض ہے۔
اور جن شافعی حضرات نے اس اور میں کتابیں لکھی ہیں وہ بہت زیادہ ہیں مگر ہم ان کی کتابوں
پر زیادہ واقفیت حاصل نہیں کر سکے۔

اور دوسرے مذاہب کی کتب کا ذکر ہم نے ان کے ائمہ کے اور ان کے قابل ذکر لوگوں کے
ذکر کے ساتھ کر دیا ہے کیونکہ ہم نے اس میں سے کوئی کتاب نہیں دیکھی ہے۔

پانچواں دور

چوتھی صدی کی ابتدا سے سلطنت عباسیہ کے زوال تک

یہ زمانہ خاص خاص مذاہب کی پابندی اور ان کی تائید اور مناظرہ و جدال کی اشاعت کا زمانہ ہے

سیاسی پس منظر

اس دور میں اسلامی سلطنتوں کے سیاسی تعلقات منقطع ہو گئے چنانچہ اگر تم مغرب کے اس کی ابتدا کردہ تو اندلس میں بنی امیہ کو پاؤ گے جن کا پیشوا عبدالرحمن ناصر ہے جس نے دولت عباسیہ کی مرکز دبی کو دیکھ کر امیر المومنین کا لقب اختیار کر لیا اور شمال افریقہ میں شیعہ اسماعیلیہ کو پاؤ گے کہ جنہوں نے ایک سلطنت کی بنیاد عید اللہ مہدی فاطمی کے نام سے رکھی ہے جو امیر المومنین کہلاتے ہیں اور جنہوں نے اپنا دار الخلافہ تونس کے قریب شہر "مہدیہ" کو بنایا اور مصر میں محمد اشید کو پاؤ گے جو بنی عباس کے لئے دعوت دے رہا ہے اور موصل و حلب میں بنی حمدان کو پاؤ گے کہ وہ بھی اسی طرح بنی عباس کی دعوت دے رہے ہیں اور یمن میں شیعہ زیدیہ کو پاؤ گے جنہوں نے وہاں مضبوطی کے ساتھ قدم جماتے ہیں اور بغداد میں دولت دلیم پاؤ گے جو دولت بنی بوریہ کے نام سے مشہور تھی جو عملاً صاحب اختیار تو خود ہے لیکن بنی عباس کا صرف نام ہی نام ہے اور مشرق میں دولت سامانیہ کو پاؤ گے جو ایک عظیم الشان سلطنت تھی جس کا دار الخلافہ ماوراء النہر میں بجا رہا تھا اس طرح تمام عالم اسلامی کے جوڑ کٹے ہوئے ایک دوسرے الگ تھلک تھے جن کی کوئی سیاسی شیرازہ بندی نہ تھی۔ متعلبین میں سے ہر ایک فریق دوسرے کا دشمن تھا اور اس کے لئے مکرو فریب سے کام لیتا تھا سب سے بڑے مکرو فریب اور داؤ تہج بغداد میں مغلوب بنی عباس کے اور فاطمین کے ساتھ ہوتے تھے جن کا مرکز شام اور مصر پر ان کے قبضہ سے قوی ہو گیا تھا یہ لوگ تو اپنے مبلغین اطراف عالم اسلامی میں اپنی دعوت کے پھیلاؤ کے لئے نہایت مستعدی سے بھیجا کرتے تھے اور بنو العباس اپنی مجالسوں میں فاطمین کے نسب

پر طعن کرتے اور شجرہ فاطمہ زہرا سے ان کو خارج کرنے کے لئے محضرائے نکھوایا کرتے تھے جس پر اشراف اور علماء کے طوعاً و کرہاً دستخط کرایا کرتے تھے اور بنو بویہ صاحب اقتدار تھے اور اگرچہ شیعہ تھے لیکن انھوں نے بنی عباس کو باقی رکھا تاکہ ان کا اقتدار سلامتی سے باقی رہے کیونکہ اگر وہ خلافت کو علویہ کی طرف منتقل کرتے تو ان کا اقتدار ختم ہو جاتا اس لئے کہ عقیدہ کے لحاظ سے ان کو علویہ کی طرف ہٹا دیتا اور اس طرح سیاست عقیدہ پر غالب آگئی اور تھوڑا بھی زمانہ نہ گزرا تھا کہ مشرق سے آل سلجوق حرکت میں آئے جو اس بات کی نشانی تھی کہ حکومت ترکی عنصر کی طرف منتقل ہو رہی ہے پناچہ سلجوقیوں کے سامنے جس قدر متغلبین آئے انھوں نے ان کو پامال کر دیا اور تمام مشرق پر قابض ہو گئے اور بغداد سے بنی بویہ کی حکومت ختم کر دی اور ان کے قائم مقام ہو کر بنی عباس کو انھوں نے بھی قائم رکھا کیونکہ تشیع میں ان کا کوئی حصہ نہ تھا پھر ان کا تسلط بغداد کے مغربی حصہ پر بھی ہو گیا پھر وہ جزیرہ اور وسط ایشیا پر قابض ہو گئے پھر انھوں نے فاطمین سے ملک شام لے لیا اور تمام اسلامی ممالک میں علاوہ مصر کے اور اس کے عقب میں بلاد مغرب کے ان کا کلمہ بلند ہو گیا اور جب ان میں بھی اختلاف پھیلنے لگا تو وہ بھی آپس میں لڑنے لگے اور اختلاف ہی ان قدیم امراض میں سے ہے جو اجسام بیوت ممالک کو لگا کرتا ہے اور مصریوں کے ساتھ بلاد شام میں یہی جنگ اور ضعف ان میں صلیبی ہوا پھیلنے کا سبب بنا کہ وہ پانچویں صدی کے آخر میں آئے اور بیت المقدس پر غالب ہو گئے اور وہ وہیں تک نہیں ٹھہرے رہے جیسا کہ ان جنگوں کی تاریخ میں مشہور ہے۔

بہر حال سلجوقیوں کی جماعت کے منتشر ہوتے ہی ان کے بعد دوسری ترکی حکومت قائم ہو گئی جو دولت اتاکیہ کے نام سے مشہور ہے اور وہ ان خاندانوں سے تھی جو سلجوقیوں کی طرف منسوب ہیں کیونکہ اس کے روسا سلجوقیوں کے قایداور ان کے لڑکوں کے مربی تھے اسی لئے ان کو اتاکیہ کہا جاتا تھا اور حکومت اتاکیہ مشرق و مغرب میں پھیل گئی اور انہی کی نسلوں میں سے ایک شخص کے ہاتھ پر جس کا نام محمود نور الدین تھا دولت مصریہ فاطمیہ کا خاتمہ ہوا اور مصر پر دوبارہ دعوت عباسیہ غالب آگئی اور اس کے بعد ہی دولت صلاح الدین یوسف بن ایوب قائم ہو گئی جو محمود نور الدین کا سپہ سالار تھا۔

لیکن اقصیٰ مشرق میں چھٹی صدی کے آخر میں خوارزم شاہ کی حکومت قائم ہوئی اور اس قدر با عظمت ہو گئی کہ بغداد کے قریب تک پہنچ گئی۔ تھوڑے ہی زمانہ کے بعد عظیم الشان دیوار بھی ٹوٹ

گئی اور مغلوں کا بے پناہ سیلاب اُمنڈ آیا ان کا سالار اور وحدت تاتار کا بانی چنگیز خاں تھا اس تاتاری سیلاب نے ساتویں صدی کے شروع میں ہراس طاقت کو جو ان کی راہ میں حائل ہوئی ختم کر دیا۔ چنگیز خاں کو اس کی پوری پوری امیدیں لگی ہوئی تھیں کہ آخر کار پوری دنیا اس کے اور اس کی اولاد کے زیرِ نگیں آجائے گی اس لئے اس نے پوری دنیا کو چار حصوں میں اپنے چاروں لڑکوں کے درمیان تقسیم کر دیا۔

لہذا اس نے اپنے ایک بیٹے شجطائی کو مغربی حصہ دریا تک دے دیا اور دوسرے بیٹے قوی کو مشرقی حصہ چین تک دے دیا اور شمال اپنے تیسرے بیٹے جو جی کو دے دیا اور اپنی اصلی سلطنت اپنے بیٹے اوجطائی کو دے دی۔

اور اس طرح اس نے یہ حساب لگایا کہ اس کے بیٹے اقصیٰ مشرق میں سواحل چین سے اور اقصیٰ مغرب میں بحیرہ مد کے سواحل تک مالک بن جائیں گے۔

اس پر زیادہ زمانہ نہیں گزرا تھا کہ ہلاکو خاں چنگیز خاں کا پوتا بغداد میں اس کی فوج کا سپہ سالار مقرر ہوا جو عالمِ اسلامی کا دارالخلافت تھا اور اس نے آخری عباسی خلیفہ کو جس کا نام اکثم اسلامی منبروں پر لیا جاتا تھا قتل کیا اور تمام ہلاکت و خرابی کے بعد بغداد ایک ایسی حکومت کا دارالسلطنت بن گیا جس کا کوئی آسمانی مذہب نہیں تھا جس کے قوانین خود اس کے دادا چنگیز خاں کے وضع کئے ہوئے تھے جو "کاسہ" کے نام سے مشہور تھے اور یہ تاریخِ اسلامی قدیم تاریخ اور تاریخِ اوسط کے درمیان حد فاصل سمجھی جاتی ہے اور اس زمانہ میں مصر میں دولتِ ایوبیہ کا خاتمہ ہو چکا تھا اور ان کی جگہ صالح نجم الدین کی مدد سے ترکی نسل کے غلاموں نے لی لی تھی۔

چنانچہ ان کے چوتھے بادشاہ ملک ظاہر بیرس بند قذاری نے عباسیوں کی نسل میں سے ایک شخص کے ہاتھ پر بیعت کر لی جو اس کے زمانہ میں مصر سے آیا تھا اور اس نے اس کو عباسی خلیفہ تسلیم کیا اور اس خلیفہ نے اس کو مصر کا اور اس کے ملحقات کا بادشاہ قرار دیا اور اسی وقت سے قاہرہ نے بغداد کی جگہ سلو جس میں ایک برائے نام عباسی خلیفہ تھا اور ایک سلطان جو صاحبِ حکم تھا جیسا کہ بنی ہودہ وال سلجوق کے زمانہ میں بغداد کا حال تھا۔

اس زمانہ میں اسلامی سیاسی صورتِ حال کا یہ ایک مختصر سا ڈیباچہ تھا۔ لیکن علمی حالت ان انقلابات میں سیاسی حالات کے تابع نہ رہے بلکہ وہ ترقی کرتے رہے خصوصاً مشرق میں سلجوقیوں کے زمانے میں اور مصر میں قاظمی حکومت کے زمانے میں کہ اس میں بڑے بڑے علماء پیدا ہوئے اور عظیم الشان

مفکر بیدار ہوئے اور شریعت اسلامی میں ان کے وہ کارنامے ہیں جن کو ہم آئندہ امتیازات کے سلسلہ میں تفصیل داریں گے۔ البتہ اس کا اعتراف ضروری ہے کہ شریعت میں استقلال کی روح سیاسی ضعف کی وجہ سے کمزور ہوتی گئی۔ اور وہ روح عالیہ جو امام ابی حنیفہؒ امام مالکؒ امام شافعیؒ امام احمدؒ و داؤد ابن علیؒ و محمد بن جریر طبریؒ اور ان کے ساتھیوں میں کام کر رہی تھی۔ اس میں سے عجز معمولی اثرات کے کچھ باقی نہ رہا وہ روح جو ابی حنیفہؒ میں کام کر رہی تھی اور انہوں نے اپنے اسلاف کے متعلق یہ کہنا سکھایا تھا کہ وہ بھی آدمی تھے ہم بھی آدمی ہیں اور وہ روح جو مالکؒ میں کام کر رہی تھی جنہوں نے کہا کہ بجز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی ذات ایسی نہیں کہ جس کے قول کو ہم قبول کریں یا رد کریں اور ان کے غیروں میں بھی جو روح کام کر رہی تھی جس کی بنا پر وہ اسی قسم کے اقوال کہتے تھے ان کی جگہ وہ روح آگئی جس کو ہم روح تقلید کا نام دیتے ہیں۔

۱۔ روح تقلید

تقلید سے ہماری مراد کسی معین امام کے احکام کو لینا اور اس کے اقوال کا ایسا اعتبار کرنا گویا کہ وہ شارع کے نصوص ہیں جن کا اتباع مقلد کے لئے لازمی ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ گزشتہ ہر دور میں مجتہد اور مقلد موجود تھے۔ مجتہد وہی فقہار ہوتے تھے جو کتاب و سنت کو پڑھتے تھے اور ان کو اتنی قدرت ہوتی تھی کہ ظاہری نصوص یا اس کے مفہوم سے احکام کا استنباط کر لیتے اور مقلد وہ عام لوگ ہوتے جو کتاب و سنت کی تعلیم میں ایسے مشغول نہ ہوتے جس سے وہ استنباط کے اہل ہو سکیں اسی لئے ان لوگوں کو جب کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو اپنے شہر کے فقہاء میں سے کسی ایک فقیہ کے پاس جانے پر مجبور ہوتے جو ان کے پوچھنے پر فتویٰ دیتا لیکن اس زمانہ میں روح تقلید عام طور پر جاری ہو گئی اور اس میں جمہور کے علاوہ علماء بھی شریک ہو گئے۔ حالانکہ پہلے ایسا نہ تھا بلکہ جو فقہ کی معلومات حاصل کرنا چاہتا تو ان بعید اور احادیث کی روایات پڑھنے کی کوشش کرتا جو استنباط کی بنیاد ہیں لیکن اس زمانہ میں معین امام کی کتابیں پڑھنے لگے اور اس کا وہ طریقہ معلوم کرنے لگے جس کے ذریعہ اس نے مذکورہ احکام کا استنباط کیا تھا جب وہ اس کام سے فارغ ہو لیتا تو وہ علماء و فقہاء سے ہو جاتا تھا اور ان میں سے بعض جوان بہت لوگ اپنے امام کے احکام کی کتابیں بھی مرتب کرتے یا تو کتاب کا اختصار کرتے جو اس کے پہلے کسی نے لکھی یا اس کی شرح یا جو متفرق کتابوں میں ہے اس کا مجموعہ اور

ان میں سے کوئی بھی اپنے کو اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ ان مسائل میں سے کسی مسئلہ میں کوئی ایسا قول کہے جو اس فتوے کے مخالف ہو اس کے امام نے دیا ہو گویا کہ حق اسی کے امام کی زبان اور دل پر اتر رہا ہے یہاں تک کہ اس زمانے میں فقہاء حنفیہ کے سرگرم اور بلا اختلاف ان کا امام یعنی ابوالحسن عبداللہ ابکر خلیفہ انہوں نے کہا کہ ہر وہ آیت جس کی ہمارے اصحاب مخالفت کرتے ہیں یا تو تاویل شدہ ہے یا منسوخ اور اس طرح سے انہوں نے اپنے سامنے اختیار کے دروازے بند کر لئے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ اس دور کے فقہاء میں جلیل القدر ائمہ بھی تھے جن میں سے بعض کا ذکر عنقریب آئے گا جن کے متعلق ہم یہ گمان نہیں کر سکتے کہ وہ اصول فقہ کے جاننے اور طریقہ ہائے استنباط کے معلوم کرنے میں اپنے اسلاف سے کم تھے لیکن ان کے پاس وہ آزادی نہ تھی جس سے ان کے اسلاف نے فائدہ اٹھایا۔ چنانچہ امام شافعی رحمہ اللہ کو یہ آزادی تھی کہ جو رائے وہ آج کہہ سکتے تھے تو کل اگر اس کے خلاف ان کو کوئی دلیل مل گئی تو اس کے بدلنے میں ان کو کوئی چیز مانع نہیں ہو سکتی تھی۔ اسی طرح ان کے دیگر بھائی ائمہ اور اسی طرح ان کے اسلاف صحابہ و تابعین کا بھی یہی حال تھا۔ چنانچہ حضرت عمر بن خطاب نے ایک سال یہ فیصلہ کیا کہ حقیقی بھائی اخیاں بھائی اور ماں اور شوہر کی موجودگی میں وراثت سے محروم ہیں تو دوسرے سال تمام بھائیوں کو ثلث مال میں شریک کر رہے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہ فیصلہ ہم نے کیا تھا جو پہلے حالات کے لحاظ سے صحیح تھا اور اب جو فیصلہ کر رہے ہیں اس وقت کے حالات کے لحاظ سے صحیح ہے لیکن اس دور کے علماء نے ایک معین مذہب اختیار کر لیا ہے کہ وہ اس سے تجاوز نہیں کر سکتا اور اس کو جو کچھ قدرت حاصل ہے وہ اس مذہب کی مدد میں اجمالاً و تفصیلاً صرف کر رہا ہے۔ باوجودیکہ وہی نو نہالوں کے دل میں کسی امام کے متعلق اپنے اجتہاد میں معصوم ہونے کے ثبوت کا خیال بھی نہیں گزرا بلکہ خودیہ ائمہ ان سے خطا کے سرزد ہونے کا اعتراف کرتے تھے اور اس امر کو جائز سمجھتے تھے کہ ممکن ہے کوئی حدیث ایسی ہو جس پر وہ اطلاع نہ پاسکے ہوں حتیٰ کہ اکثر ائمہ سے یہ قول منقول ہے کہ جب حدیث صحیح مل جائے تو اس کو ہمارا مذہب سمجھو اور ہمارے قول کو دیوار پر مار دو لیکن اس کے باوجود کفری کا یہ قول ہے کہ ہر وہ حدیث جس کی ہمارے اصحاب مخالفت کرتے ہیں یا تو تاویل شدہ ہے یا منسوخ اور میں نے ابن سبکی کے حالات میں دیکھا ہے جو ابی محمد عبدالمدین یوسف جو بنی والا امام حرمین نے لکھا ہے کہ انہوں نے ایک کتاب شریع کی جس کا نام محیط تھا جس میں انہوں نے یہ عزم کیا تھا کہ کسی خاص مذہب سے بنو مقید نہ رکھیں گے صرف احادیث کے پابند ہوں گے اور اس سے تجاوز نہ کریں گے اور مذہب میں سے کسی کی حمایت

جانب داری اختیار نہ کریں گے اس کے تین اجزاء حافظ ابو بکر بیہقی کو مل گئے تو اس پر انھوں نے تنقید کی اور چند اہم حدیث پیش کر کے بتایا کہ حدیث پر عمل کرنے والے شافعی ہیں اور یہ کہ جن احادیث کو شیخ ابو محمد نے پیش کیا ہے اس کو انھوں نے ان عل کی بنا پر چھوڑا ہے جس کو وہی شخص جان سکتا ہے جو محدثین کے فن سے اچھی طرح واقف ہو جب یہ رسالہ شیخ ابو محمد کو ملا تو فرمایا کہ یہ علم کی برکت ہے اور بیہقی کے لئے دعا کی اور تصنیف کو مکمل کرنے کا خیال ترک کر دیا پھر ابن سبکی نے بیہقی کے رسالہ کو پورا نقل کیا ہے امام شافعی اس اعتراض پر توجہ کرتے تو اپنے لئے اجتہاد نہ کرتے کیونکہ وہ احادیث کی صحت میں ان رجال حدیث پر اعتماد کرتے تھے جو صرف اسی کے لئے مخصوص ہو گئے تھے جو اس کے صحیح اور سقیم میں فرق کر سکتے تھے اور جو بیہقی نے جس کتاب کو شروع کیا تھا اس کے چھوڑنے کا سبب وہ نہیں ہو سکتا جس کو بیہقی نے بیان کیا ہے جب کہ ان کو استنباط پر قدرت تھی اور ان کا نفس استقلال پر مطمئن ہو، لہذا اس روح تقلید کے سرایت کرنے کے لئے کچھ اسباب ہوتے چاہئیں جن میں سے ہم جس قدر معلوم کر سکے اس کی تفصیل بیان کرتے ہیں۔

(پہلا باب) شاگردان رشیدیہ، کسی عالم کی روح جمہور کے دلوں میں سرایت کرنے کا سبب اس سے زیادہ قوی نہیں ہو سکتا کہ اس کے شاگرد قوی ہوں اور اس کے طریقہ سے متاثر ہو چکے ہوں اور جمہور کے نزدیک ان کی قدر و منزلت امام کے طریقہ سے متاثر ہونے کی اس طرح ہو کہ ان کو تعجب کی حد تک پہنچا دے اس کے احکام کی تدوین کرتے ہوں اور اس کی طرف سے مدافعت کرتے ہوں اور جمہور کے پاس ان کا درجہ ایسا ہو کہ ان سے احکام کے قبول کرنے اور ان کے فتاویٰ پر عمل کرنے کی دعوت دے کیونکہ جمہور اس بات کے لئے مجبور ہیں کہ ان کے ایسے ائمہ ہوں جن پر وہ اعتماد کر سکیں اور وہ ان سے احکام شریعت حاصل کر سکیں اور ان مشہور ائمہ کو جن کے غائب باقی ہیں ان کو یہ موقع مل گیا کہ ان کے شاگرد اپنے درجہ کے ہوتے اور واضح حجت والے تھے اور قوم ملت اور بادشاہوں کی نظروں میں وہ اعلیٰ مراتب رکھتے تھے انھوں نے اپنے ائمہ سے جن احکام کو حاصل کیا ان کو مدون کیا اور ان سے ان کے شاگردوں کی کثیر تعداد نے حاصل کیا جس کو انھوں نے ان لوگوں میں پھیلا دیا جو ان سے فتویٰ طلب کرنے والوں میں ثقہ تھے اور ان ائمہ کے شاگردوں پر بادشاہوں کے اعتبار نے ان کو قضا کا مستولی بنادیا کہ قضا کے لئے ان کو مشورہ دیتے تھے اور وہ مجازان جن پر ان کو اعتبار تھا اور کسی کے متعلق رائے نہ دیتے تھے اور سب سے زیادہ قابل بھروسہ وہی شخص ہو سکتا ہے جو ہم سے متاثر ہو اور اس کی رائے ہماری رائے کے موافق ہو۔ اس لئے یہ معاملہ بڑا

مؤثر ہا مذہب کی بنیاد مضبوط کرنے کے لئے جس مذہب کو اس قسم کے شاگرد ملے انھوں نے اس مذہب کی بنیاد مضبوط کر دی اور ان ائمہ کے ذریعہ جمہور کے قلوب میں اعتبار راسخ ہو گیا تو پھر اس کے بعد مشکل ہو گیا کہ کوئی شخص نیا مذہب قائم کرے جو لوگوں کو اپنے اتباع کی دعوت دے کیونکہ وہ اس کو جماعت سے خارج سمجھتے تھے اور جب حسد پیدا ہوتا تو اس کے حریف اس کے ساتھ کس کس قسم کے حیلے اور چالیں اختیار کرتے تھے جو قابل بیان تھے اور یہ ایک قابل افسوس بات اور یہ ایسا سبب ہے کہ جس کی آگ کسی زمانہ میں نہیں بھی اسی لئے ہم کوئی فقیہ جس نے اجتہاد کا درجہ حاصل کیا ہو نظر نہیں آتا جو اس لباس میں ظاہر نہ ہوا بلکہ اجتہاد درجہ پر وہ کسی ایک مذہب کا مجتہد ہو جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے پاس جو مسائل آئیں اور اس میں اس کے امام کا حکم موجود نہ ہو تو وہ اس میں فتویٰ دے یا کسی مسئلہ میں اپنے امام کی دو رایوں میں سے کسی ایک رائے کو ترجیح دے اور اس دور میں اس قسم کے لوگ بہت تھے۔

(دوسرا سبب) قضات ہے خلفاء اپنے قاضی گزشتہ زمانہ میں ان لوگوں کو بتایا کرتے تھے جن میں قرآن مجید اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم نظر آتا تھا اور ان سے احکام کے استنباط کی ان میں قدرت سمجھتے تھے اور ان سے یہ عہد لے لیتے کہ جس معاملہ میں نص موجود ہو سب سے پہلے اُس پر عمل کریں گے یا اس رائے پر جو ان نصوص سے قریب ہو عمل کریں چنانچہ عمرؓ نے اپنے قاضی ابو موسیٰ اشعریؓ کو لکھا تھا کہ۔

”قضا نام ہے حکم فرق کا یا سنت متبعہ کا“ اس لئے جو چیز کتاب و سنت میں نہیں ہے جب اس

کے متعلق تمہارے دل میں تردد ہو تو اس نظر اور مثال سے پہچاننا اور قیاس سے کام لو

اولان میں سے جو اقرب الی اللہ ہو اور حق سے مشابہ ہو اس کو اختیار کرو“

اور قاضی کو اگر کسی معاملہ میں کوئی ٹھیک بات نہ معلوم ہوتی تو ان کے شہر میں جو مفتی ہوتے ان سے مشورہ کرتے اور ایسا اوقات اپنے خلفاء بعض مسائل میں ان کی رائے لیتے اور جمہور کا اعتماد ان قضا پر بہت تھا لیکن امتداد زمانہ کے باعث حالت اجتماع میں تغیر پیدا ہو گیا تو ایسے قضا بھی پائے گئے جن پر یہ اعتماد باقی نہ رہا یا ان کے شہر میں ایسے علماء پیدا ہو گئے جن میں فتویٰ طلب کرنے والوں کو اپنے قاضیوں میں جو غلطیاں نظر آتی تھیں جس کی وجہ سے ان کا اعتماد ضعیف ہو گیا ابن ابی لیلیٰ قاضی کو قہ کو ان کے شہر کے فقہار سے اس قسم کے واقعات پیش آئے اور جب قاضی کے ساتھ جمہور کا اعتماد کم ہو گیا تو ان کے دل میں اس بات کی رغبت پیدا ہونے لگی کہ وہ اپنے فیصلہ میں احکام

معروفہ کا پابند رہے تاکہ اس کو فواد پر عمل کرنا آسان نہ رہے کہ کبھی اپنے مقصد کے موافق کسی مفتی کی رائے پر عمل کر لے اور کبھی کسی دوسرے مفتی کی رائے پر عمل کرے جو اس کا مخالف ہو اور اس کے ساتھ ہی مجتہدین کی پیروی کرنے والوں نے اپنے امام سے جو احکام حاصل کئے تھے اس کو مدون کر دیا اور اسلامی شہروں میں سے ہر شہر میں شاگردوں کی متعدی نے اس کی خوب اشاعت کی لہذا لوگ اس بات کی طرف مائل ہونے لگے کہ ان کا قاضی مشہور مذہب کا ہو کہ وہ اپنی قضاوت میں اس کا اتباع کرے اور اس سے تجاوز نہ کرے اور یہ کہ وہ مذہب مدون ہو اور معروف ہو اور اس طریقہ سے ان مذاہب کا خاتمہ ہو گیا جس کے پیروں نے اس کی تدوین و تہذیب کی طرف توجہ نہیں کی تاکہ اس کا اختیار کرنا آسان ہو سکے اور جب ان مذاہب میں سے کسی مذہب کی کسی حاکم یا بادشاہ نے تقلید کی اور قضاۃ اور عمدۃ قضاہ اس مذہب کے ماننے والے پر محدود کر دیا تو اس کے پھیلنے کا یہ بھی ایک سبب عظیم بن گیا اور اسی سبب سے اُس مذہب کے علماء زیادہ پیدا ہوئے جیسے کہ امام شافعیؒ کے مذہب کے لئے بلاد مشرق میں محمود بن سبکتگین اور نظام الملک اور مصر میں صلاح الدین یوسف بن ایوب کی حمایت حاصل ہوئی اور جیسے امام ابو حنیفہؒ کے مذہب کے لئے ترکی عنصر کی مدد شامل حال ہوئی کہ ان میں کوئی علاوہ حنفی مذہب کے کوئی مذہب قبول نہ کرتا تھا اور جب کوئی صاحب اقتدار شخص کسی مدرسہ کو قائم کرتا تھا یا کئی مدارس قائم کرتا اور ان میں کسی مذہب کی یا معینہ مذاہب کی تدریس کو محدود کر دیتا تو یہ اس کا نیا مددگار ہوتا۔

شاہ ولی اللہ دہلوی نے اپنے رسالہ "انصاف فی بیان سبب الاختلاف" میں بیقینی کے شاگرد ابو زرہ کا قصہ بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ ہم نے اپنے استاد امام بیقینی سے پوچھا کہ شیخ تقی الدین سبکی اجتہاد کے درجہ سے کیوں رہ گئے حالانکہ انھوں نے اپنی استعداد مکمل کر لی تھی اور وہ کیوں تقلید کرتے ہیں؟ وہ کہتے ہیں کہ میں نے خود شیخ بیقینی کا نام نہیں لیا کیونکہ میں اس سے جو اس کا نتیجہ نکالنے والا تھا اس کی وجہ سے مجھے شرم آتی تھی) وہ خاموش رہ گئے تو میں سلطان سے کہا کہ میرے نزدیک ان کے رکنے کا سبب بجز ان وظائف کے کچھ نہ تھا جو فقہاء اربعہ کو ملتا کرتے تھے اور یہ کہ جو اس دائرہ سے نکل گیا اور اجتہاد کیا اس کو کچھ نہ ملتا۔ اور وہ ولایت قضاء سے بھی محروم ہو جاتا اور لوگ ان سے فتویٰ پوچھنے بھی نہ آتے اور ان کی طرف بدعت کی نسبت کر دی جاتی تو وہ مسکرائے لگے اور مجھ سے اس بات پر اتفاق کیا۔ لیکن باوجودیکہ بیقینی نے اس بات سے اتفاق کر لیا جو ابو زرہ نے ظاہر کیا مصنف "انصاف" نے اس کی موافقت نہیں کی کیونکہ وہ اس بات

کو بعید سمجھتے تھے جس کا ابوزرعہ نے ذکر کیا کہ ان بزرگوں نے اجتہاد کو چھوڑ دیا تھا اور شیعہ مذہب میں سیوطی کی عبارت نقل کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اجتہاد مطلق اگر کوئی ایسا مجتہد کرے جو کسی امام کی طرف منسوب ہو تو یہ اس انتساب کے منافی نہیں ہے جو کسی امام کی طرف ہو جس کی اس کی طرف نسبت ہو جیسا کہ ابی اسحاق شیرازی اور ابن صبلغ اور امام حرّین وغزالی کا تھا اور امام کی طرف نسبت کے یہ معنی ہیں کہ وہ اجتہاد میں اس کے طریقہ پر چلتا ہے اور دلائل کا استقراء اور بعض کی ترتیب بعض پر اسی کے موافق کرتا ہے اور اس کا اجتہاد پڑ جاتا ہے اور کبھی وہ اختلاف کر جاتا ہے تو وہ اختلاف کی پیدا نہیں کرتا اور اس کے طریقے سے بجز چند مسائل کے نہیں نکلتا اور یہ اس کے مذہب شافعی میں داخل ہونے سے مانع نہیں ہے۔

اور یہ بات جس کو شاہ ولی اللہؒ نے نقل کیا ہے وہ ابوزرعہ کے بیان کی صحت کے منافی نہیں ہے اگرچہ کہ ہم اس کو عموماً قبول کرنے کی اجازت نہیں دیتے کہ یہی بات تمام فقہاء کو تقلید پر آمادہ کر رہی ہے۔

(تیسرا سبب) تدوین مذہب کے جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے تو جس مذہب کو مدونین قابل اعتبار مل گئے تھے وہ تو کامیاب ہو گیا اور جمہور نے اس کو قبول کر لیا دیکھو شافعیؒ کا قول کہ لیثؒ مالکؒ سے زیادہ فقیہ تھے مگر ان کے شاگرد ان کے مذہب کو قائم نہ رکھ سکے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ انھوں نے ان کی آراء کو مدون کرنے اور اس کو جمہور میں پھیلانے کی طرف توجہ نہیں کی جیسے کہ وہ خود مالکؒ کے آراء کی تدوین کے لئے کھڑے ہوئے لیثؒ بن سعد کو فقہ میں کمال حاصل تھا لیکن ان کو اعلیٰ مرتبہ کے شاگرد میسر نہ ہونے کی وجہ سے کوئی قائم نہیں پہنچا اسی لئے ان کا نام بحیثیت مفتی مجتہد کے مٹ گیا اگرچہ محدثین کی زبانوں پر ان کا نام اس حیثیت سے باقی رہا کہ وہ ایک قابل اعتماد اور ثقہ راوی ہیں لیثؒ کے مثل بہت سے ائمہ صحابہ و تابعین ہیں جن کی راویں اور ان کے استنباط ان کے بعد کے آنے والوں کے لئے مشعل ہدایت تھے جن کا ہم اس سے قبل تذکرہ کر چکے ہیں۔

اس زمانہ میں علماء کی نسبت ان کے ائمہ کی طرف صرف تقلید محض تک نہ بھتی بلکہ ان کے بہت سے ایسے اعمال بھی تھے جو ان کے درجہ کو بلند کرنے اور ان کی شان اونچی ہوتی جن میں سے بعض یہ ہیں۔

(۱) ان کے ائمہ نے جن احکام کا استنباط کیا تھا ان کی علتوں کے ظاہر کرنے کے لئے ان کا

کھڑا ہونا اور یہی وہ علماء ہیں جن کو علماء تخریج کہا جاتا ہے اور تخریج مناط کا مطلب یہ ہے کہ حکم کی علت سے بحث کی جائے اور علماء حنفیہ کا بکثرت اسمیں شغل رہا کیونکہ بہت سے احکام جس کو انھوں نے اپنے ائمہ سے روایت کیا ہے ان کی علتیں بیان نہیں کی گئی تھیں تو انھوں نے ان اصول کے بیان کرنے میں اجتہاد کیا جس پر ان کے ائمہ نے استنباط کی بنیاد رکھی اور ان علتوں کی تخریج میں علماء مختلف ہیں، اور علت کے بیان کرنے کی وجہ سے وہ ان چیزوں کے متعلق بھی فتویٰ دیتے ہیں جن کے متعلق ان کے امام کی کوئی تصریح نہیں ہے جب کہ وہ اس علت کو پہچان لیں جس پر اس نے حکم لگایا ہو اور انہی اصول کا نام انھوں نے اصول فقہ رکھا ہے جو ان کی اجتہاد ہے کہ یہ ان کے ائمہ کے اصول ہیں جس پر ان کے استنباط کی بنیاد ہے اور اسی بات کو میں نے اپنی کتاب موسومہ اصول فقہ میں صراحت کی ہے اس کے بعد پھر میں نے شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی مذکورہ رسالہ میں جس کا میں نے اد پر ذکر کیا ہے یہ عبارت ملی فرماتے ہیں۔

اصحاننا چاہیے کہ میں نے اکثر لوگوں کو پایا ہے کہ امام ابی حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے درمیان اختلاف کی بناو (اور اسی پر ابی حنیفہؒ اور ان کے شاگردوں کے اختلاف کا بھی اضافہ کیا جاتا ہے) انہی اصول پر ہے جو بزودی وغیرہ کی کتابوں میں موجود ہیں اور صحیح تو یہ ہے کہ اس کے اکثر اصول ان کے قول پر بنے ہوئے ہیں اور میرے نزدیک تو یہ راجح ہے کہ مسئلہ جس کو خاص ظاہر کیا جاتا ہے اس کو بیان کی ضرورت نہیں اور یہ کہ زیادتی نسخہ ہے اور یہ کہ عام خاص کی طرح قطعی ہے اور کثرت روزہ سے ترجیح نہیں ہوتی اور یہ کہ غیر فقہ کی حدیث پر عمل واجب نہیں اس طرح رائے کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ اور مفہوم شرط اور وصف کا کوئی اعتبار نہیں اور امر کا موجب صرف وجوب ہے اور اسی کے مثل اصول جو ائمہ کے کلام سے نکالے گئے ہیں۔ اور یہ کہ اس سے روایت ابی حنیفہؒ اور ان کے شاگردوں سے صحیح نہیں اور یہ کہ وہ محفوظ نہیں اور ان کے اوپر جو اعتراضات ہوتے ہیں ان کے جوابات میں تکلف متقدمین کی ان کے استنباط میں ضعف ہے جیسا کہ اس کو بزودی وغیرہ نے کیا ہے جو حفاظت کے زیادہ حقدار ہیں اس کے خلاف سے اور اس پر جو اعتراض ہو اس کے جواب سے

پھر موصوف رحمۃ اللہ علیہ نے ان قوانین سے ہر قاعدہ کی مثال بتائی اور حنفیہ پر جو

اعتراضات ہوتے ہیں اور ان اعتراضات کے جوابات میں انھوں نے جو تکلف کیا اس کو بیان کیا ہے۔

اور شافعیہ نے اس موضوع پر کم توجہ کی کیونکہ ان کے امام نے اصول کو خود مدون کیا اور اپنے اصحاب کو نکھوایا جیسا کہ مالکی اور حنبلی کیا کرتے تھے کیونکہ وہ مناظرہ اور بحث کے میدانوں سے بہت دور رہا کرتے تھے جیسا کہ عنقریب اس کی تفصیل بیان کی جائے گی۔

(دوم) مذہب میں مختلف راویوں کے درمیان ترجیح اور یہ ترجیح دو قسم پر ہے۔

(۱) روایت کے لحاظ سے ترجیح (۲) روایت کے لحاظ سے ترجیح۔

روایت کے لحاظ سے ترجیح اس وجہ سے ہے کہ بعض مسائل کے نقل میں ایسے مذاہب سے بہت اختلاف واقع ہوا کیونکہ ان کے مذاہب کی نقل ان سے ایک سے زیادہ اشخاص نے کی ہے جیسے کہ امام ابو حنیفہؒ کے اقوال کو محمد بن حسن نے نقل کیا جن میں سے بعض تو خاص ان سے حاصل کئے ہیں اور بعض امام ابو یوسفؒ کے واسطے سے نقل کئے ہیں اور ابو یوسفؒ سے امام محمدؒ کے علاوہ اور لوگوں نے بھی جیسے حسن بن زیاد اور عیسیٰ بن ابان وغیرہ نے بھی روایت کی ہے اور محمدؒ کی کتب کو بھی اسی طرح ان سے ایک سے زیادہ لوگوں نے نقل کیا ہے اور تم دیکھو گے کہ نقل میں ان کا اختلاف ہے اور اس کی وجہ یا تو بعض نقل کرنے والوں کی غلطی ہے اور یا خود امام کا مسائل میں تردد تھا کہ آج ایک رائے لگاتے ہیں پھر اس کو کل بدل دیتے ہیں اس لئے شخص دوسرے کے مخالف روایت کرتا تھا اسی طرح امام شافعیؒ کو دیکھتے ہیں کہ ان سے ربیع بن سلیمان اور عزنی اور حریزہ اور بویطی وغیرہم نقل کرتے ہیں اور نقل میں بوجہ دونوں اسباب کے اختلاف کرتے ہیں اور اسی طرح امام مالکؒ کے ان سے ابن القاسم اور ابن وہب اور ابن ماجشوں اور اسد بن قریب وغیرہم روایت کرتے ہیں اب علماء کا کام مذاہب کے قرار پانے کے بعد ہو گیا کہ وہ راویوں کا اظہار اس بات پر کریں کہ کون سی روایت زیادہ ترجیح کے قابل ہے تو انھوں نے اس روایت کو ترجیح دی جس پر اعتماد ہونے کی وجہ سے ان کا نفس مطمئن ہو گیا جیسا کہ حنفیہ نے امام محمدؒ کی روایات کو مدسکے اصحاب پر ترجیح دی ہے اور خود امام محمدؒ کی روایتوں میں ان کی کتابوں کو ترجیح دی جن کی روایت ان سے ثقہ ترجیحیہ ابی حفص کبیر اور جوز جانی نے کی ہے اور اس کو ظاہر الروایۃ کا نام دیا اور اسی طرح شافعیہ نے اس کو ترجیح دی جس کو ربیع بن سلیمان نے روایت کی ہے حتیٰ کہ ان میں اور عزنی میں کسی بات میں معارضہ ہوتا تو وہ ترجیح کی روایت کو مقدم کرتے ہیں

باوجود اس اعتراف کے مزنی کا فقہ میں اونچا درجہ ہے اور وہ فقہ میں ربیع پر ترجیح رکھتے ہیں اور حرمہ کی روایت اگر ان دونوں کے خلاف ہوتی ہے تو اس کو ضعف قرار دیتے ہیں اور اسی طرح مالکیہ نے ان روایات کو ترجیح دی ہے جو ابوالقاسم امام مالک سے بیان کریں خود ابن القاسم سے جو روایتیں کی گئی ہیں وہ مختلف ہیں اس لئے وہ راویوں کے قابل اعتماد ہونے کی بنا پر ان کو ترجیح دیتے ہیں۔

ترجیح کی دوسری قسم وہ مختلف روایتیں ہیں جو خود ائمہ سے ثابت ہوں یا امام اور اس کے شاگردوں کے اقوال میں ترجیح دی جاتی ہے اور یہ ترجیح یا تو ان فقہاء سے ہوتی ہے جو اپنے ائمہ کے اصول جانتے ہوں اور ان کے استنباط کے طریقوں سے واقف ہوں اس لئے وہ ان اقوال کو ترجیح دیتے ہیں جو ان اصول کے ساتھ متفق ہوں یا جو فقہ کے اصلی دلائل یعنی قرآن و حدیث و قیاس سے قریب ہوں طبعاً ان ترجیح دینے والوں کی ترجیح میں اختلاف واقع ہو جاتا ہے اور مذہب میں ترجیح دینے والوں میں اس عالم کا اعتبار ہوتا ہے جس کے اطلاق و قدرت کا اعتراف کیا جائے۔

(سوم) ہر فریق نے اپنے مذہب کی عملاً اور تفصیلاً نصرة و تائید کی اجمالاً یہ کہ اس مذہب کا امام جس قدر وسیع اور ورع صادق اور حسن استنباط میں کامل تھا اور کتاب اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا جس قدر اتباع کرتا تھا اس کی اشاعت کی اور ہر فریق نے اس سلسلہ میں بہت کچھ لکھا ہے چنانچہ علماء مذہب میں تم سے بہت کم پاؤں گے جنہوں نے اپنے امام کی یہ توصیف نہ کی ہو کہ وہ ائمہ کا امام ہے جس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا اور اس کی ایسی صفات بیان کیں جو اس کو میدان فقہ و استنباط میں شہسوار ثابت کریں اور اس میں بعض نے حد سے تجاوز کیا اور ائمہ مخالفین پر عیوب لگائے لیکن ایسے لوگ زیادہ نہیں ہیں اور ہر مذہب تفصیلاً اس طرح تائید کی کہ ہر اختلافی مسئلہ میں اپنے مذہب کو ترجیح دی اور اس کے لئے اختلافی کتابیں لکھیں جن میں اختلافی مسائل کا ذکر کرتے ہیں۔ اور ہر حالت میں اس امام کے مذہب کو ترجیح دیتے ہیں جس کی طرف وہ منسوب ہوئے لیکن اس میں اکثر اوقات کھلا تکلف ظاہر ہوتا تھا اور دوسری طرف زبانی مناظرات کئے میں عنقریب آپ کے سامنے ایک فصل ان مناظرات کی رکھوں گا کیونکہ اس دور میں اس کی بڑی اہمیت تھی۔

مناظرے اور جدل کی اشاعت

گزشتہ زمانہ میں بھی مناظرات ہوا کرتے تھے چنانچہ امام شافعیؒ اکثر مناظروں کا ذکر کرتے ہیں جو محمد بن حسن نفقیہ عراق اور ان کے درمیان ہوتے تھے لیکن وہ علماء کے درمیان شائع نہ تھے اور اس سے سوائے اس کے اور کوئی غرض نہ تھی کہ حکم صحیح کے استنباط تک پہنچیں اور جب ان پر حق ظاہر ہو جاتا تو وہ فوراً اپنی پہلی رائے سے رجوع کر لیا کرتے کیونکہ وہ اپنی رائے میں آزاد تھے اور ان میں سے کوئی کسی مذہب کا مقید اور پابند نہ تھا اس دور میں مناظرہ کے نتائج اور محرکات کے متعلق حالات بالکل تبدیل ہو گئے۔

اس قسم کے مناظروں کی تعداد کا یہ حال تھا کہ ہر بڑے شہر خصوصاً عراق و خراسان میں مناظروں کی مجلسیں جہتیں جس میں دو بڑے عالم مناظرہ کرتے۔

اور یہ مجلسیں وزراء اور بڑے لوگوں کے سامنے ہوا کرتی تھیں جس میں اکثر اہل علم حاضر ہوا کرتے تھے اور ان کا انعقاد مجالس عزائم میں بھی ہوا کرتا تھا اردیکھو طبقات شافعیہ ذکر شیخ ابوالاسحاق شیرازی میں) ابوالولید باجی کہتے ہیں کہ بغداد میں ہر رواج تھا کہ اگر کسی ایسے شخص کی وفات ہوتی جو اس شخص کو عزیز ہوتا تو وہ اپنے گھر کی مسجد میں چند روز کے لئے بیٹھ جاتا جہاں اس کے پڑوسی اور بھائی بند بھی اس کے ساتھ بیٹھتے اور جب کچھ روز گزر جاتے تو اس کی تعزیت ادا کرتے اور اس کو صبر و تسلی دیتے اور اپنے گھر کے کام کاج حسب عادت چلانے کی طرف توجہ دلاتے تھے لیکن جن ایام میں وہ اپنی مسجد میں اپنے بھائی بندوں اور پڑوسیوں کے ساتھ عزائم کے لئے بیٹھتا تو اکثر اوقات یا تو قرآن مجید کی تلاوت کرتا یا مسائل میں فقہاء سے مناظرہ کرتا رہتا۔

مناظرہ کے قواعد میں کتابیں تصنیف کی گئیں اور اس کا نام علم آداب بحث رکھا گیا اور مناظرہ کی مجلسیں اولاً علم کلام میں ہوا کرتی تھیں حتیٰ کہ اس نے ان کو قاحش تعصبات بالکل کھلی ہوئی شمول اور خون بہانے اور شہروں کے برباد کرنے تک پہنچا دیا جس کی وجہ سے بعض امراء نے فقہ میں مناظرہ کی طرف توجہ کی اور اس بات کا مناظرہ شروع کرایا کہ شافعی اور ابی حنیفہ کے مذہب میں سے کونسا مذہب اولیٰ ہے چنانچہ لوگوں نے علم کلام پر مناظرہ ختم کر دیا اور فنون علم پر بحث چھوڑ دی اور خصوصیت کے ساتھ امام شافعی اور امام ابی حنیفہ رحمہم اللہ کے اختلافی مسائل پر بحث شروع کر دی اور امام مالکؒ اور سفیان اور امام احمد رحمہم اللہ کے اختلافات کو چھوڑ دیا۔

لیکن ان کا اصل محرک امرار کے خواہشات کی پابندی اور خوشنودی تھی اگرچہ ان میں سے اکثر اپنے نفس کو یہ دھوکہ دیتے تھے کہ ان کی غرض دقالت شرع کا استنباط اور علل مذاہب کی حقیقت کا اظہار اور اصول فتاویٰ کی تمہید ہے اس کو حجۃ الاسلام ابو حامد غزالی نے ثابت کر دیا ہے اور وہ اس بارہ میں حجت ہیں کیونکہ وہ ان کے رئیسوں میں سے تھے افسان کے قادر الکلام اور مناظر میں دقیق النظر تھے پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر حقیقت کا پردہ اٹھا لیا اور انھوں نے دلفریب مظاہر اور چھوٹی شہرت کو چھوڑ کر اللہ کی طرف رجوع کیا اور ہم کو انسانی عیوب کے ظاہر کرنے والا اس سے زیادہ بہتر کوئی شخص نہیں مل سکتا جو خود پہلے اس میں ڈوبا ہوا رہا ہو پھر اس کو چھوڑ دے غزالی فرماتے ہیں کہ یہ قوم اپنے اوپر تو اس قول کا لباس ڈال لیتی ہے کہ طلب حق پر تعاون کرنا دین ہے لیکن اس کے لئے آٹھ شرطیں ہیں۔

(۱) کوئی شخص اس میں مشغول نہ ہو (کیونکہ یہ فرض کفایہ میں سے ہے) جو فرض عین سے فارغ نہ ہو چکا ہو اور جس پر فرض عین باقی ہو اور وہ فرض کفایہ میں مشغول ہو جائے اور یہ دعویٰ کرے کہ اس کا مقصد حق ہے تو وہ جھوٹا ہے اور اس کی مثال ایسی ہے کہ جو شخص نماز کو تو چھوڑ دے اور کپڑوں کے حاصل کرنے اور اس کے مینے میں مشغول ہو جائے اور کہے کہ میری غرض یہ ہے کہ میں اس سے اس شخص کی ستر پوشی کروں جو نماز ننگا پڑتا ہے اور کپڑا نہیں پاتا کیونکہ اکثر ایسا اتفاق ہوتا ہے اور اس کا وقوع ممکن ہے کیونکہ فقہیہ کا دعویٰ ہے کہ ان نوادر کا وقوع جن سے بحث ہوتی ہے اختلاف میں ممکن ہے اور مناظرہ میں مشغول رہنے والے ان امور کو چھوڑے ہوئے ہیں جو باتفاق فرض عین ہے جو شخص امانت کو فوراً واپس کرنے کے لئے کھڑا ہوا اور نماز کے لئے نیت باندھ لی جو اللہ تعالیٰ کی سب عبادتوں میں مقدم ہے تو اس نے اس کی نافرمانی کی تو کسی شخص کے مطیع ہونے کے لئے یہ کافی نہیں ہے کہ اس کا فعل جنس طاعات سے ایسا ہو کہ اس میں وقت و شرط و ترتیب کا لحاظ نہ رکھے۔

(۲) فرض کفایہ کو مناظرہ سے اہم نہ سمجھے کیونکہ جس چیز کو اہم سمجھے اور اس کے علاوہ کوئی فعل کرے تو اپنے فعل سے وہ نافرمان ہو گا اور اس کی مثال ان لوگوں کے مثل ہوگی جس نے پیاسوں کی ایک جماعت کو دیکھا کہ وہ ہلاکت کے قریب پہنچ چکے ہیں اور لوگوں نے ان کو چھوڑ دیا ہے اور وہ ان کے زندہ رکھنے پر اس طرح قدرت رکھتا تھا کہ ان کو پانی پلا دے لیکن وہ حجامت کے سکھانے میں مشغول ہو گیا اور خیال کیا کہ وہ فرض کفایہ ہے اور اگر شہر اس

فن سے خالی ہو جائے گا تو لوگ مرجائیں گے، اور جب اس سے کہا جائے کہ شہر میں حجاموں کی جماعت موجود ہے اور ان کے لئے کافی ہے تو وہ کہے کہ یہ بات فرض کفایہ سے خارج نہیں کرتی تو جو شخص یہ کام کرے اور اس شغل کو چھوڑ دے جو مسلمانوں کی پیاسی جماعت پر واقع حال کو چھوڑ دیتا ہے اس کا حال اس شخص کے حال کے مثل ہے جو مناظرہ میں مشغول ہو اور شہر میں بہت سے فرض کفایہ چھوٹے ہوئے ہیں جس پر کوئی قائم نہیں اور ان میں اقرب طب ہے اور اسی طرح امر بالمعروف و نہی عن المنکر۔

(۳) مناظر کو مجتہد ہونا چاہیے کہ وہ اپنی رائے سے فتویٰ دے نہ کہ مذہب شافعی واپی حنیفہ وغیرہ پر فتویٰ دے یہاں تک کہ اس کو اگر مذہب ابو حنیفہ کی کوئی بات صحیح معلوم ہو تو وہ شافعی کے رائے کی موافقت ترک کر دے اور اسی کا فتویٰ دے جو اس کو حق معلوم ہو۔ اور جس کو اجتہاد کا رتبہ حاصل نہیں اور وہ عام لوگوں کی طرح ہو تو اس سے مناظرہ میں کو نسا فائدہ ہوگا؟ کہ اس کا مذہب معلوم ہے اور وہ اس مذہب کے خلاف فتویٰ نہیں دے سکتا۔

(۴) مناظرہ کرے تو اسی مسئلہ میں کرے واقع ہوا ہو یا قریب الوقوع ہو لیکن لوگ ان مسائل کے اہتمام کی کوشش نہیں کرتے جن کی یہ اہتمام نہیں کرتے ان مسائل کے عام طور پر ضرورت ہوتی ہے بلکہ ان طبویات کی جستجو کرتے رہتے ہیں جو عام طور پر سنے جاتے ہیں اور اس میں جدال کا میدان وسیع ہوتا ہے خواہ معاملہ کیسا ہی کیوں نہ ہو اور اکثر اوقات ان مسائل کو چھوڑ دیتے ہیں جن کا وقوع زیادہ ہوتا ہے اور کہتے ہیں کہ یہ مسئلہ خبریہ ہے یا یہ کہ وہ کوئی میں پڑے رہنے والے مسئلوں میں سے ہے ان مسائل میں نہیں جن کا ہنگامہ ہوتا رہتا ہے۔

(۵) مناظرہ کا خلوت میں ہونا اس سے زیادہ بہتر ہے کہ ان کے پاس محبوب تھا اور محافل سے اہم تھا وہ امر اور سلاطین کے سامنے ہو کیونکہ تنہائی میں عقل اور رائے انتشار کا شکار نہیں ہیں اور ادراک حق کے لئے بہت ہی موزوں ہے اور جماعت کی موجودگی میں اسباب ریا کو حرکت پیدا ہوتی ہے اور ہر شخص اپنی نصرت کے لئے حرص کو واجب کر لیتا ہے خواہ وہ حق پر ہو یا باطل پر اور تم خوب جانتے ہو کہ مجبوں اور محفلوں میں ان کی حرص اللہ کے لئے نہیں ہوتی اور جب ان میں سے کوئی اپنے حریف کے ساتھ خلوت میں مدت طویل تک رہتا ہے تو اس سے بات نہیں کرتا اور بسا اوقات اس کو جواب تک نہیں دیتا لیکن جب کوئی مجمع ہوتا ہے تو ہر تدبیروہ کام میں لاتا ہے جس سے اس کو گفتگو کا موقع ملے۔

(۶) یہ کہ وہ حق کے طلب کرنے میں ایسا ہو جیسا کہ وہ کسی کھوئی ہوئی چیز کو تلاش کر رہا ہو اس بات میں کوئی فسوق نہیں کرتا کہ کھوئی ہوئی چیز اس کے ہاتھ آئے یا اس کے ہاتھ پر جو اس کی مدد کر رہا ہے اور اپنے رفیق کو اپنا مددگار سمجھے نہ کہ دشمن اور اس کا شکر یہ ادا کرے جبکہ وہ اس کی خطا بتا دے یا اس کے لئے حق کو ظاہر کر دے لیکن ہمارے زمانہ کے مناظرین کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے جبکہ اس کے مخالف فریق کی زبان سے حق ظاہر ہو جائے اور شر مند ہوتا ہے اور اپنے انکار میں جھلن تک ہو سکے کوشش کرتا ہے اور عمر بھر اس کی مذمت کرتا رہتا ہے جس نے اس کو خاموش کر دیا۔

(۷) مناظرہ میں اپنے رفیق کو ایک دلیل سے دوسری دلیل کی طرف جانے سے منع نہ کرے۔ ایک مثال سے دوسری مثال میں جانے سے روکے اور اس کے کلام سے جدال کی تمام باریکیاں نکالے جو نکل سکتی ہوں خواہ اس کے فائدہ کی ہوں یا اس کے نقصان کی جیسے اس کا یہ کہنا کہ مجھے اس کا ذکر کرنا لازم نہیں اور یہ بات میرے پہلے کلام کی تفصیل ہے تو مجھ سے یہ بات قبول نہ کی جائے گی کیونکہ حق کی طرف رجوع کرنا باطل کے خلاف ہے اور اس کا قبول کرنا واجب ہے اور تم دیکھو گے کہ تمام مجلسیں واقعات اور مجادلات میں ختم ہوتی ہیں۔

(۸) یہ کہ اس سے مناظرہ کرے جس سے فائدہ حاصل کرنے کی امید ہو جو کہ علم میں مشغول ہو لیکن یہ لوگ اکثر بوڑھوں اور تجربہ کاروں سے مناظرہ کرنے میں اس خوف سے احتراز کرتے ہیں کہ ان کی زبان سے ہی حق ظاہر ہوگا لہذا ان سے کمتر لوگوں سے مناظرہ کرنے میں رغبت رکھتے ہیں تاکہ ان پر باطل کو دواج دیدیں۔ (یہ مختصراً ہے)

پھر امام غزالیؒ نے اس کے ساتھ ایک فصل ملحق کی ہے جس میں مناظرہ کی آفات بیان کی ہیں اور ان میں سے چند کی تعداد بیان کی ہے جو حسب ذیل ہیں۔

(۱) حسد۔

(۲) تکبر اور لوگوں پر بڑائی ظاہر کرنا یہاں تک کہ وہ ان مجلسوں میں سے کسی مجلس میں جس میں بلندی وستی اور صدا کی مسند سے قرب اور بعد اور تنگ راستوں سے پہلے داخل ہونے میں اولیت وغیرہ پر جنگ کرتے ہیں اور بسا اوقات غبی اور مکار فریبی لوگ اس کی چمکت بتاتے ہیں کہ وہ عزت علم کی حفاظت کرنا چاہتا ہے مومن کو منع کیا گیا ہے اپنے نفس کو ذلیل کرنے سے اس لئے تواضع کی تعبیر ذلت سے اور تکبر کی عزت دین سے تعبیر کرتے ہیں جو محض رسم کو بدلنا ہے

اور اس سے مخلوق کو گمراہ کرنا ہے۔

(۳) کینہ کہ اس سے کوئی مناظرہ کرنے والا خالی نہیں۔

(۴) غیبت کیونکہ وہ اپنے دشمن کے کلام کی لازماً نقل کرے گا اور اس کی مذمت بیان کرے گا اور بہت زیادہ حفاظت کرے گا۔ حکایت و نقل میں جھوٹ نہ کہے گا لیکن لا محالہ ایسی باتیں بیان کرے گا جس سے اس کے کلام کا قصور اور اس کا عجز اور اس کے فضیلت کا نقصان ظاہر ہو اور یہی غیبت ہے۔

(۵) تحس اور لوگوں کی برائیوں کی ٹوہ لگانا اور کوئی مناظرہ کرنے والا اپنے ہم عصروں کی لغزشوں کی تلاش کرنے اور اپنے فریق کی برائیوں کی ٹوہ لگانے سے خالی نہیں ہوتا حتیٰ کہ اگر اس کو خیر ہوتی ہے کہ کوئی مناظرہ کرنے والا اس کے شہر میں آگیا ہے تو وہ اس کی تلاش کرنے لگتا ہے جو اس کے اندرونی حالات کی اس کو خبر دے اور وہ سوال کر کے ایسے نتیجہ نکالتا ہے جس کو اپنے لئے ایک سرمایہ اس کی فضیلت اور بروقت اس کو شہر مندہ کرنے کے لئے ایک ذخیرہ شمار کرتا ہے حتیٰ کہ اس کے بچپن کے حالات معلوم کرتا ہے اور اس کے بدن کے عیوب معلوم کرتا رہتا ہے تو اگر اس کو کسی بدگوئی کا اس کے متعلق علم ہوتا ہے یا اس کے بدن کے کسی عیب کا مثلاً گنچ پن وغیرہ کا تو اگر اس کو اسی فریق کے کسی ادنیٰ غلبہ کا بھی احساس ہونے لگتا ہے تو وہ اس کو اشارۃً پیش کرتا ہے اگر وہ مخاطب آدمی ہے تو تعریضاً اس کو ظاہر کرتا ہے اور یہ تعریض مستحسن خیال کی جاتی ہے اور عمدہ پیرایہ کی گائیوں میں سمجھا جاتا ہے اور اگر وہ کینہ اور پچھے درجہ کا آدمی ہو تو صاف الفاظ میں کہنے سے نہیں رکتا جیسا کہ بڑے مناظرین سے ان کے زمانہ کے نوجوانوں نے کیا ہے۔

(۶) لوگوں کے رنج و غم پر خوشی اور ان کی خوشیوں پر غم تو ہر وہ شخص جو فضیلت کے اظہار پر فخر محسوس کرتا ہے اس کے لئے لازمی ہے کہ جو بات اس کے اقراں و ہم عصروں کے لئے بری ہو جو فضیلت میں اس کے برابر ہیں تو اس کو خوشی حاصل ہوگی اور ان میں اسی طرح بغض ہوگا جیسے کہ سوکھوں میں ہوتا ہے جیسے کہ کوئی سوکھ اپنی سوکھ کو اگر دور سے بھی دیکھ لیتی ہے تو اس کی رگیں کانپنے لگتی ہیں اور اس کا رنگ زرد ہو جاتا ہے اسی طرح تم مناظرہ کرنے والے کو دیکھو گے کہ جب وہ کسی مناظرہ کرنے والے کو دیکھتا ہے تو اس کا رنگ متغیر ہو جاتا ہے اور اس کے افکار مضطرب ہو جاتے ہیں گویا کہ اس نے کسی شیطان سرکش کو دیکھ لیا ہے یا

کسی موزی درندہ کو۔

(۷) نفاق جس کے لئے یہ مجبور ہیں کیونکہ وہ اپنے مخالفین اور ان کے حریفوں اور ساتھیوں سے ملتے ہیں اور وہ اس کے سوا کچھ چارہ نہیں پاتے کہ زبان سے ان کے ساتھ محبت کا اظہار کریں اور شوق و اشتیاق بتائیں اور ان کے لئے ان کے مرتبہ اور ان کے احوال کا خیال کریں اور یہ بات اس کا مخاطب بھی جانتا ہے اور ہر وہ شخص جو ان کی باتوں کو سنتا ہے جانتا ہے کہ یہ سب جھوٹ و نفاق اور فجور ہے کیونکہ یہ لوگ زبان سے محبت کرتے ہیں اور دل سے بغض رکھتے ہیں۔

(۸) حق سے روگردانی کرنا اور اس سے ناراضی اور اس کے متعلق جھگڑنا یہاں تک مناظر کرنے والے کو سب سے مغضوب چیز یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس کے خرق کی زبان پر حق ظاہر ہو اور جب ایسا ہوتا ہے تو وہ اس کے انکار پر کمر بستہ اور دھوکہ فریب دیتا اور جھگڑنا اس کی مادہ طبعی بن جاتی ہے کیونکہ جب کوئی بات کرے گا تو اس کی طبیعت میں اعتراض کا داعیہ پیدا ہو گا حتیٰ کہ یہ اس کے قلب پر آداب قرآن و الفاظ شرع میں غالب آئے گا کہ وہ ان میں سے بعض کو بعض کے مخالف بنا دے گا۔

(۹) ریا اور مخلوق کی طرف خیال اور ان کے قلوب کو مائل کرنے کی کوشش اور ان کے رخ کو مائل کرنے کی کوشش اور ریا ایسا ہلک مرض ہے جو بڑے کبار کی دعوت دیتا ہے اور مناظرہ کرنے والا بجز اس کے کہ مخلوق کے پاس اس کی بڑائی ظاہر ہو اور لوگوں کی زبان اس کی ثناء پر کھلیں اور کچھ نہیں چاہتا۔

اور یہ وہ بڑے نتائج ہیں جو فقہار کی جماعت کو اس مقام سے گرا دیتی ہیں جو ان کا اصل مقام تھا کیونکہ وہ شریعت کے حامی اور دین کے محافظ تھے لہذا چاہیے تھا کہ وہ ادب کے لحاظ سے بہترین حالت میں رہتے لیکن یہ مناظرات نے جس سے اللہ تعالیٰ کی رضا مندی مقصود نہ تھی ان میں سے بہت لوگوں کو اس حالت پر پہنچا دیا جس کی شرح انہی میں سے ایک شخص نے جو اس بلا میں مبتلا تھا بیان کی ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ نے عافیت دے دی۔

ابن سبکی نے طبقات میں لکھا ہے کہ ابو حیان توحیدی نے بیان کیا کہ میں نے شیخ ابو حامد غزالی سے سنا ہے کہ وہ طاہر عبادانی سے کہتے تھے کہ تم ان باتوں کو زیادہ نہ لکھو جو تم مجھ

محاسن مناظرہ میں سنو کیونکہ اس میں تو گفتگو صرف فریق کو حکمہ اور مخالطہ دینے اور اس کی مدافعت اور اس پر غلبہ حاصل کرنے کی نیت سے ہوتی ہے اور ہم خالصاً لوجہ اللہ گفتگو نہیں کرتے اور اگر ہم اس کا مادہ رکھتے تو گفتگو زیادہ کرنے کی بجائے خاموشی کی طرف تیز رو ہوتے اور ہم میں سے بہت سے اس گفتگو کی وجہ سے اللہ کا غضب لے کر لوٹتے ہیں لیکن اس کے باوجود ہم اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وسعت کی بھی طمع رکھتے ہیں۔

مذہب اسماعیلی

اس دور کی خصوصیت ہے کہ اس میں مصر اور اس سے متصل شہروں میں مذہب اسماعیلی ظاہر ہوا۔ اور مذہب اسماعیلی شیعہ مذاہب ہی کی ایک شاخ ہے جنہوں نے اسماعیل بن جعفر صلوق کو مستولی امامت قرار دیکر ان کے بھائی موسیٰ بن جعفر کاظم کو چھوڑ دیا اور اس لحاظ سے عالم اسلامی میں ان کے تین مذہب ہو گئے۔ زیدیہ۔ امامیہ اثنا عشریہ اور اسماعیلیہ میں یہ مذاہب اگرچہ ایک دوسرے کے مخالف ہیں مگر یہ سب عشرت کے شیرازہ میں جکڑے ہوئے ہیں جب محرز الدین اللہ قاہرہ آیا جس کی بنیادیں پہلے ہی ڈالی جا چکی تھیں وہ اس کے نام سے منسوب ہوا تو اس کے ساتھ اس کا عالم کبیر اور فقیہ اسماعیلی تھا اور کچھ ہی دنوں بعد مصر میں قاضی القضاۃ مقرر ہو گیا اور اس سے مصر میں سب سے پہلے اس لقب کا رواج ہوا۔ کیونکہ اس کے پہلے بڑے دار الخلافہ بغداد میں وہ صرف قاضی ہی کے عہدے پر تھا اور یہ قاضی لوگوں میں میراث کے بارے میں مذہب اسماعیلی کے مطابق فیصلے کیا کرتا تھا اور دوسرے مسائل میں اذعورت کی میراث کے بارے میں اس کے فیصلے اکثر مسائل میں جمہور کے مخالف ہوا کرتے تھے جن میں سب سے اہم یہ تھا کہ ان کے پاس نہ عصبہ تھا نہ عول اور عصبہ کے بدلے اقربیت کا لحاظ رکھ کر میت سے جو زیادہ قریب ہوتا اس کا لحاظ رکھتے اس کے بعد ترتیب وار قرابت کا لحاظ رکھتے خواہ مرد ہو یا عورت تو ان کے پاس اول درجہ والدین اور اولاد کا تھا اور دوسرا درجہ اجداد اور بھائی بہنوں کا تھا اور اسی طرح اور نزدیک کے قرائینداروں کے ساتھ بعید وراثت نہ ہوتا تھا جیسے اگر میت نے ایک لڑکی چھوڑی جس کے ساتھ اس کے والدین میں سے کوئی نہ ہو تو وہ سب مال لے لیتی آدھا تو فرض کی بنا پر اور آدھا رد ہو کر اور اسی طریقہ پر قاطبہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے باپ کی میراث میں ان کا کوئی شریک نہ

تھا اور ماں کے ساتھ کوئی بھائی یا بہن وارث نہ ہوتا اور عترت کے اس قول کے باوجود کہ میراث کے قاعدہ میں اقربیت ہے وہ سگے چچا زاد بھائی کو سوتیلے چچا پر مقدم رکھتے ہیں باوجودیکہ چچا چچا زاد بھائی سے اقرب ہے اور یہ حجت بیان کرتے ہیں کہ اس پر طائفہ محققہ کا اجماع ہے اور اسی اصول کی بنیاد پر ان کے بہت سے مسائل ہیں جس میں جمہور کی مخالفت ہوتی ہے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کو لیا کہ اولاً اہل فرائض کو ان کے حقوق ادا کرو پھر جو باقی رہ جائے وہ قریب ترین مرد کو دواؤ بعض اہل فرائض پر نقصان داخل کر کے عول سے بچ گئے۔

اس مذہب پر قضا مصر کی ترتیب کے ساتھ ان کے علماء جامع ازہر میں تدریس کے فرائض بھی انجام دیتے تھے جس کی بنیاد انہوں نے رکھی تھی اور اس کے لئے کتابیں تالیف کی گئیں اور وہ علماء اور طالبان علم کو ماہانہ وظیفے دیا کرتے تھے اور اس کو تبلیغ کا ایک ذریعہ بنا لیا تھا اور اس پر داعی دعاۃ اور اس کے مددگاروں کا عمل مستنصر تھا کیونکہ وہ جمہور کو اسماعیلی مذہب میں لانے کی انتہائی جدوجہد میں مصروف تھے لیکن یہ تمام کوششیں مطلوبہ نتیجہ نہ نکال سکیں کیونکہ امام مالک و امام شافعیؒ کا مذہب جمہور کے دل میں عزت حاصل کر چکا تھا تو ان کے باطل کرنے یا ضعیف کرنے میں کوئی موثر عمل جاری نہ کیا جاسکا اور دونوں مذاہب کے علماء کے حلقہائے درس مصر کی جامع عتیق میں قائم تھے۔

اور ابوالواحمہ بن افضل وزیر مستنصر آخر میں اس بات پر مجبور ہو گیا تھا کہ نرمی سے کام لے اور چار قاضی مقرر کرے جن میں سے ہر ایک اپنے مذہب کے مطابق حکم کرے اور اپنے اپنے مذہب کے مطابق اسماعیلی قاضی اور امامی قاضی اور مالکی قاضی اور شافعی قاضی وراثت کے معاملات طے کریں اور یہ پہلا موقع تھا کہ مصر میں متعدد قاضی مقرر ہوئے اور ایسا ۵۲ھ میں ہوا اور جب حکومت میں زیادہ ضعف ہوا تو قاضی القضاۃ کا منصب ابوالمعالی نجلی بن جمیع شافعی صاحب ذخائر کو ملا اور یہ ۵۴ھ کا واقعہ ہے۔

اور جب صلاح الدین، عاصد کا وزیر ہوا تو اس نے اسماعیلی حکومت کے تمام امتیازات کو ختم کر دیا اور اس کے قاضی جلال الدین بن ہبۃ اللہ بن کامل صوری کو ہٹا کر صدر الدین عبدالملک بن دیا س کر دی شافعی کو قاہرہ میں ۵۶۶ھ میں قاضی القضاۃ بنا دیا اور صلاح الدین نے مذہب اسماعیلی سے مصر میں اس وقت تک مقابلہ کیا کہ اس کا کوئی اثر باقی نہیں رہا

اور ہمارے اور ان کے درمیان تعلقات ختم ہو گئے یہاں تک کہ ہم ان کی کتابیں بھی مطالعہ نہیں کر سکتے نہ فقہ کی نہ اس کے علاوہ اور شواہخ میں قصائد ظاہر بمیرس کے آنے تک باقی رہی حتیٰ کہ اس نے تعدد قصار کی بدعت کو دہرایا البتہ صرف مذاہب جمہوریوں سے ہی ان کو مقرر کیا یعنی شافعی و مالکی حنفی و حنبلی۔

ہم اس کا اندازہ نہیں کر سکتے کہ مصر میں مذہب اسماعیلی کس حد تک مایاب ہوا اور امت کے مخصوص افراد میں سے کن لوگوں نے اس کو قبول کیا مگر ہم یہ ضرور جانتے ہیں کہ ان کا اثر عوام میں بہت ہی کم تھا کیونکہ اسماعیلی امتیازات سے ان کی نفرت عام طور پر مروی ہے اور اسی طرح ان کے عقائد سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ فقہاء کی جماعت نے اس کو قبول نہیں کیا اور اس کو کفر و الحاد کی نشانی قرار دی جس کی وجہ سے جمہور ان سے نفرت کرنے لگے اور ان کی نفرت ان کے پوشیدہ دعوت کی وجہ سے بھی زیادہ ہونے لگی جس سے ان کے اعتقاد کی تائید ہونے لگی کہ وہ دین سے خارج ہیں جس کو اپنے ائمہ اور علماء سے انھوں نے میراث میں پایا ہے۔

۳۔ مذاہبی تعصبات کا شروع

گزشتہ زمانہ میں جس مسامحت و بے تعصبی کے جھونکے چلتے تھے اور اس کی روح غالب ہو گئی تھی اس کا مقصد تو یہ تھا کہ اختلاف مذاہب کا کوئی اثر مختلف مذاہب والوں کے آپس میں نہ ہو کیونکہ ایک ہی شہر میں دو مجتہد ہوا کرتے تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ اور ہر شخص اپنے رفیق کو اجتہاد کو جائز قرار دیتا تھا اور اس پر کوئی عیب نہیں لگاتا تھا اور بہت زیادہ جو بات ان سے معلوم ہوتی وہ یہ تھی کہ ان میں ایک دوسرے کی مسائل میں سے کسی مسئلہ میں غلطی نکالتا اور کبھی اپنی تنقید پر اس کو تحریری اطلاع دیتا یا اس سے زبانی گفتگو کرتا لیکن یہ سب انتہائی احترام کے ساتھ ہوتا اور اس سے محبت کرتا اور اس کی تعریف کرتا جیسا کہ ہم نے اس کے پہلے بیٹ بن سعد کا خط بنام امام مالک بن انس نقل کر دیا ہے و نیز شافعی نے ابو حنیفہ کے مسائل پر تنقید کھی اور یہ بھی فرمایا کرتے کہ لوگ فقہ میں ابو حنیفہ کے بچے ہیں اور اکثر محمد بن حسن کی تعریف کیا کرتے حالانکہ وہ ان سے بڑا مناظرہ کیا کرتے تھے اور اپنے شاگرد احمد بن حنبل سے فرمایا کرتے کہ تمہارے نزدیک جب حدیث صحیح آجائے تو مجھے خبر کرنا اور فرمایا کرتے کہ جب حدیث کا ذکر آتا تو فرماتے مالک روشن ستارہ ہیں اسی قسم کے اور اقوال ہیں جن سے معلوم

ہوتا ہے کہ ان فقہاء میں اور ائمہ اہل ہادی اور محبت کی روح غالب تھی اور وہ اس بارہ میں اپنے اسلاف صحابہ اور تابعین کی پیروی کرتے تھے لیکن اس دور میں جس میں روح تقلید سرائے گئی جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ان کو اپنے ائمہ کے مسائل کی طرف سے مدافعت کی ضرورت واقع ہو گئی اور ائمہ نے ان سے خواہش کی کہ ان کے سامنے مناظرہ کے میدان گرم کریں جس پر وہ نتیجہ ظاہر ہوا جن سے امام غزالیؒ کو ناراضی پیدا ہوئی اور ہر فریق جن مسائل کی مدافعت و مناظرہ کرتا اس کے متعلق آپس میں تعصب کرنے لگا اور دوسرے فریق کو جیسا کہ وہ خصم کے الفاظ سے تعبیر کرتا تھا دشمن سمجھنے لگا اور ان میں سے ہر ایک فریق دشمنی پر اتر آیا اور عوام نے اس بارہ میں ان کا اتباع کیا اور معاملہ اس حد تک پہنچ گیا کہ نماز میں ایک فریق اپنے مخالف مذہب والے کی اقتدا کو حرام سمجھنے لگا اور ہمیں نہیں معلوم کہ یہ قاعدہ کب وضع کیا گیا۔ اس قاعدہ پر اعتماد کرتے ہوئے جو ہم نہیں جانتے کہ کب وہ نکالا گیا کہ اقتدار میں اعتبار مقتدی کے مذہب کا ہے نہ کہ امام کے مذہب کا البتہ ہمیں یہ معلوم ہے کہ شافعی کی اکثر نماز حنفی کی نظر میں صحیح نہیں ہوتی کیونکہ شافعی جسم سے نکلنے پر وضو نہیں کرتا کیونکہ یہ ان کے امام کے نزدیک ناقص وضو نہیں ہے اور اسی طرح حنفی اجنبی عورت کو چھونے سے وضو نہیں کرتا کیونکہ یہ اس کے نزدیک ناقص وضو نہیں ہے اور حنفی سورہ فاتحہ کی قرأت کے وقت بسم اللہ الرحمن الرحیم نہیں پڑھتا۔ الا انکہ شافعی کی نظر میں یہ سورہ فاتحہ کی آیت ہے جس کے بغیر نماز صحیح نہیں ہوتی اور یہ اور اسی قسم کے اور مسائل مقتدی کے دل میں شک پیدا کرتی ہیں جب کہ وہ اپنے مخالف مذہب کی اقتدا کرے اور ہم نہیں جانتے کہ انھوں نے یہ کس طرح کہا باوجودیکہ ائمہ کی اجتہاد اور اختلاف میں رواداری اور محبت تھی اور یہ اعتبار کیا جاتا تھا کہ مجتہد کا اجتہاد جس امر کی طرف پہنچا دے اس کے حق میں اس پر عمل کرنا واجب ہے اور اس کو جائز نہیں کہ اس کے غیر کی طرف تجاوز کرے تو اس نظریہ کا مقتضا تو یہ تھا کہ ہر مجتہد کی نماز صحیح سمجھی جاتے اور اس سے یہ قاعدہ نکل جاتا ہے کہ اقتدار میں امام کے مذہب کا اعتبار ہے نہ کہ مقتدی کے مذہب کا لیکن تعصبات مذہبی نے چاعتو میں فصل پیدا کیا اور مستقل مناقشہ قائم ہو گیا اور بعض فقہاء نے معاملہ کو بڑھا دیا کہ ایک دوسرے پر یہ تہمت لگائی کہ ان کے ائمہ نے کتاب و سنت کے بعض صریح مسائل میں مخالفت کی اور اسی پر اس مسئلہ کی بنیاد رکھی کہ اگر کوئی قاضی ان کے مطابق کوئی فیصلہ کرے تو اس کا حکم منسوخ ہو جائے گا لیکن یہ مسائل اجتہادی نہیں ہیں بہر حال ہم اس موضوع پر غور

طویل نہیں کرنا چاہیے بلکہ ہم نے تو اس کا ذکر محض اس لئے کیا ہے کہ آثار تقلید میں اس کے اثر طبعی کا اعتبار کیا جائے۔

اگر کوئی کہے کہ تم یہ دعویٰ کس طرح کرتے ہو کہ یہ تقلید کے آثار ہیں حالانکہ ابن حزم اندلسی نے جو پانچویں صدی میں تھے تقلید کو ترک کر دیا تھا اور اپنے نفس کے لئے ایک طریقہ اختیار کر لیا اور اجتہاد مطلق کا دعویٰ کر لیا تھا اور اس کے باوجود ہم نے کسی فقیہ کو ان سے تیز زباں اور اپنے مخالفین پر سخت بات کرنے والا نہیں دیکھا اور اس کا ثبوت ان کی دونوں کتابوں "احکام لا اصول الاحکام" اور مخلی کو جو فقہ کی معتبر کتابیں ہیں دیکھنے سے اندازہ کر سکتے ہو تو ہم یہ کہیں گے کہ وہ باوجود اپنے دعویٰ اجتہاد کے حقیقت تقلید سے باہر نہ تھے کیونکہ وہ مذہب داؤد بن علی کے مبلغ اعظم تھے اور ان کے مذہب کی تائید میں سو گرم تھے اور ان کے دل کو تنگ کرنے کے لئے یہ امر بہت کافی تھا کہ ان کے شہر کے علماء ان کی دشمنی اور عداوت کے لئے کھڑے ہوئے جس پر انھوں نے اپنے قلم کی باگ چھوڑ دی اور ان پر سخت حملے کئے جس پر ان کو یہ گمان تھا کہ وہ ان پر غالب ہو جائیں گے اور واقعہ یہ ہے کہ انھوں نے اس سے خود کو اور اپنی رالیوں کو تباہ کر دیا جس کی وجہ سے ان کا کوئی اثر نہ ان کی حیات میں قائم ہو سکا نہ موت کے بعد باقی رہا باوجودیکہ ان کی وسعت علم اور قوت فکر کا انکار نہیں کیا جاسکتا

اس دور کے فقہاء

اس دور کے فقہاء نے اپنے ائمہ سے مروی مختلف روایات میں ترجیح ظاہر کی اور اس کی علتوں کو ظاہر کیا اور ان ائمہ سے جن امور میں حکم لقیسی نہ ہو ان علل کی بناء پر اس کے متعلق قیاس کر کے فتویٰ دیا اس لئے ان کو اپنے ائمہ کے مذاہب کا مکمل کرنے والا سمجھا جاتا ہے اس لئے ہم نے ضروری سمجھا کہ ہم ان میں سے ان مشہور علماء کے حالات بیان کریں جنھوں نے کتابوں کی تدوین و تصنیف کا کام انجام دیا اور جو کچھ انھوں نے لکھا وہ بعد میں آنے والے لوگوں کے لئے بنیاد ثابت ہوئی۔

اور ہم پہلے علماء حنفیہ کو شروع کرتے ہیں جن میں سے بیس فقیہ ہم نے منتخب ستم میں جو یہ ہیں (۱) ابوالحسن عبید اللہ بن حسن کرخی عراقی رئیس الحنفیہ اور ان کے اکابر اساتذہ میں تھے مختصر اور شرح صغیر و کبیر لکھی جو محمد بن حسن کی ہے ستم میں پیدا ہوئے اور ان کی وفات

سلسلہ میں ہوئی وہ اس زمانہ کے بڑے فقہار میں سے تھے ان کا شمار مجتہدین میں ہوتا ہے۔
 (۲) ابو بکر احمد بن علی رازی حصباص جو کرخی کے شاگرد ہیں اور ان کے بعد ہی سردار ہوئے
 مختصر کرخی اور مختصر طحاوی اور محمد کے جامع کی شرحیں لکھیں اصول فقہ میں اور ادب القضاۃ میں
 ان کی ایک ایک تصنیف ہے سلسلہ میں وفات پائی۔

(۳) ابو جعفر محمد بن عبد اللہ بنجی ہندوستانی جن کو ابو حنیفہ صغیر کہا جاتا تھا ائمہ بلخ سے تھے
 بخارا میں سلسلہ میں وفات پائی۔

(۴) ابو اللیث نصر بن محمد سمرقندی بولمام ہدی کے نام سے مشہور تھے ہندوستانی کے شاگرد
 ہیں، نوازل اور عیون اور فتاویٰ اور خزانۃ الفقہ اور شرح جامع صغیر بھی سلسلہ میں وفات پائی۔
 (۵) ابو عبد اللہ یوسف بن محمد حبرجانی جو کرخی کے شاگرد تھے خزانۃ الاکمل چھ جلدوں
 میں لکھی اور زیادات اور جامع کبیر اور مختصر کرخی کی شرحیں لکھیں اور خزانۃ الاکمل اکثر تصنیفات
 کی جامع ہے حاکم کی کافی سے شروع کی اور جامعین زیادات مجرد اور منتقی اور مختصر کرخی اور
 شرح طحاوی اور عیون المسائل کو اس میں جمع کیا۔ سلسلہ میں وفات پائی۔

(۶) ابو الحسن احمد بن محمد قدوری بغدادی اور وہ مشہور کتاب مختصر کے مصنف ہیں اور مختصر
 کرخی کی شرح لکھی اور کتاب تجرید تصنیف کی جس میں ابو حنیفہ اور شافعی کے اختلافی مسائل غیر
 مدلل طور پر درج ہیں لیکن دیکھنے میں اس کی عبارت اچھی ہے اور شیخ ابو حامد اسفراہینی شافعی
 سے مناظرہ کیا کرتے تھے سلسلہ میں وفات پائی۔

(۷) ابو زید عبد اللہ بن عمر ابوبوسی سمرقندی جنھوں نے سب سے پہلے علم اختلاف کی بنیاد رکھی
 اور ان کی سب سے بڑی تصنیف "اسرار" ہے اور نظم فی الفتاویٰ اور کتاب تقویم الادلۃ ہے
 مناظرہ میں اور دلیلوں کے استخراج میں وہ ضرب المثل تھے اور سمرقند و بخارا میں ان کے
 بڑے بڑے لوگوں کے ساتھ مناظرات ہوا کرتے تھے سلسلہ میں وفات پائی۔

(۸) ابو عبد اللہ حسین بن علی صیمری جو فقہار حنفیہ کے بڑے لوگوں میں سے تھے اچھی عبارت
 والے اور مناظرہ میں اچھے تھے سلسلہ میں وفات پائی۔

(۹) ابو بکر خواہر زادہ محمد بن حسین بخاری جو ماوراء النہر کے بڑے لوگوں میں سے تھے مختصر
 تجنیس اور مبسوط نامی کتابیں لکھیں سلسلہ میں وفات پائی اور خواہر زادہ آپ کو اس لئے کہا
 جاتا ہے چونکہ وہ قاضی ابی ثابت محمد بن احمد بخاری کے بھانجے تھے۔

(۱۰) شمس الائمہ عبدالعزیز بن احمد حلوانی بخاری جو مبسوط کے مصنف تھے اور وہ اہل بخاری کے اسنے وقت میں امام تھے ۳۲۸ھ میں وفات پائی۔

(۱۱) شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی جو حلوانی کے شاگرد تھے مجتہدین میں ان کا شمار تھا امام علامہ صاحب حجت متکلم و مناظر اور صاحب اصول اور مجتہد تھے مشہور کتاب انھوں نے مبسوط روز جند کے ایک کنویں میں قید کی حالت میں تھے پندرہ جلدوں میں املا کرائی۔ خاقان کو ایک نصیحت کرنے کے جرم میں ان کو پسزادی گئی تھی اور بغیر کسی کتاب کے مطالعہ کے اپنے حافظہ سے کنویں میں سے لکھواتے تھے اور ان کے شاگرد کنویں کے اوپر بیٹھ کر لکھتے تھے۔ اصول فقہ میں ان کی ایک کتاب سیر کبیر کی شرح ہے اور مختصر طحاوی کی شرح لکھی اور ان کی مبسوط دراصل کافی کی شرح ہے جو حاکم اور شہید نے لکھی ہے اور یہ مصر میں چھپ چکی ہے پانچویں صدی کے آخر میں وفات پائی۔

(۱۲) ابو عبداللہ محمد بن علی دامغانی عراق میں احناف کی ریاست ان پر ختم ہوئی اور وہ صیبری اور قدوری کے شاگرد تھے اور بغداد میں تضارعت ان کو ملی دامغان میں ۳۳۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۳۸۸ھ میں وفات پائی، ابو الطیب شافعی ان کی تعریف کیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ دامغانی ہمارے اکثر اصحاب سے زیادہ مذہب شافعی کو جاننے والے ہیں اور وہ شیخ ابواسحق شیرازی شافعی سے مناظرہ کیا کرتے تھے۔

(۱۳) علی بن محمد بزودی جنھوں نے گیارہ جلدوں میں مبسوط لکھی اور جامع کبیر و جامع صغیر کی شرح لکھی اور کتاب اصول بزودی کے مصنف ہیں اور فقہ میں ان کی ایک کتاب غبار الفقہاء ہے ۳۸۳ھ کے حدود میں پیدا ہوئے اور ۴۲۳ھ میں وفات پائی۔

(۱۴) شمس الائمہ بکر بن محمد زنجری زبردست امام اور مذہب کی حفاظت میں ضربا مثل تھے ۴۲۴ھ میں پیدا ہوئے اور حلوانی سے علم حاصل کیا ۴۵۲ھ میں وفات پائی۔

(۱۵) ابواسحاق ابراہیم بن اسماعیل صفار جو قاضی خاں کے استاد تھے اور ان کے آباؤ اجداد سب کے سب بڑے فقہاء تھے بخارا میں ۴۵۴ھ میں وفات پائی۔

(۱۶) طاہر بن احمد بن عبدالرشید بخاری صاحب خلاصۃ الفتاویٰ ما وراء النہر میں حنفیہ سے شیخ اور مسائل میں اجتہاد کرنے والوں میں بڑے مشہور لوگوں میں سے تھے ان کی تالیفات میں خزائنہ الوقعات ہے ۵۲۲ھ میں وفات پائی۔

(۱۷) ظہیر الدین عبدالرشید بن ابی حنیفہ بن عبدالرزاق ولوالحی ان کی فتاویٰ کی ایک کتاب ہے جو ولوالحیہ کے نام سے مشہور ہے ۵۴۰ھ کے بعد وفات پائی۔

(۱۸) ابو بکر بن مسعود بن احمد کاسانی جو ملک العلماء کے لقب سے ملقب تھے کتاب بدائع کے مؤلف ہیں جو ایک اچھی ترتیب کی کتاب ہے اور کتاب تحفۃ الفقہاء کی شرح بھی ہے جو ان کے شیخ علاء الدین محمد بن احمد سمرقندی نے لکھی تھی ۵۸۷ھ میں وفات پائی۔

(۱۹) فخر الدین حسن بن منصور اور جذری فرغانی جو قاضی خاں کے نام سے مشہور بہت بڑے امام ہیں فتاویٰ کی مشہور کتاب لکھی جس میں اور عام طور پر پیش آنے والے مسائل درج ہیں اس کے علاوہ واقعات امالی محاضر آپ کی تصانیف ہیں اور زیادات جامع صغیر اور ادب القضاۃ مصنفہ حضاف کی شرح لکھی اور اس کے علاوہ اور کتابیں بھی لکھیں ۵۹۳ھ میں وفات پائی ان کا شمار مسائل میں اجتہاد کرنے والوں میں ہے اور قاسم بن قطلوبغا نے قدوری کی تصحیح میں لکھا ہے کہ قاضی خاں کی تصحیح دوسروں کی تصحیح پر مقدم ہے کیونکہ وہ خود فقیہ ہیں۔

(۲۰) علی بن ابی بکر بن عبد الجلیل فرغانی مرغینانی صاحب ہدایۃ امام و فقیہ و حافظ تھے اور ان کی تصانیف کتاب مفتی نشر المذہب تجنیس مناسک الحج مختارات الفوازل کتاب الفرائض میں ۵۹۳ھ میں وفات پائی۔

مالکی مذہب کے بڑے فقہاء

(۱) محمد بن یحییٰ بن لیا بہ اندلسی جو اپنے زمانہ میں مذہب کے بہت بڑے حافظ شروط باندھنے کے عالم اور اس کی علتوں کے ماہر تھے وہ فتویٰ اور فقہ میں مذہب کی پابندیوں سے آزاد رہا کرتے تھے فقہ میں ان کی کئی تالیفات ہیں جن میں سے ایک منتخبہ اور ایک کتاب الوثائق ہے ابن حازم فارسی کا قول ہے کہ ان کی کتاب منتخبہ کے مقابلہ میں ہمارے اصحاب کی کوئی کتاب نہیں ہے اس کتاب کی تصنیف کا مقصد مسائل مدونہ کی شرح ہے ۳۳۶ھ میں وفات پائی۔

(۲) ابو بکر بن علاء قمیشی اصل میں بصرہ کے رہنے والے تھے پھر مصر کی طرف منتقل ہوئے قاضی اسماعیل کے شاگردوں سے فقہ حاصل کیا اور بڑی کتابیں تالیف کیں جن میں سے ایک کتاب الاحکام ہے جو اسماعیل بن اسحاق کی کتاب کا خلاصہ اور اس پر کچھ اضافہ ہے اور کتاب الاعلیٰ المرنی کتاب اصول فقہ اور کتاب قیاس وغیرہ بھی آپ کی تصانیف ہیں ۳۴۲ھ میں

وفات پائی۔

(۳) ابواسحاق محمد بن قاسم بن شعبان عتسی جو مصر میں اپنے وقت میں مالکی فقہاء کے رئیس اور ان میں سب سے زیادہ مالک کے مذہب کے حافظ تھے لیکن ان کی کتابوں میں مالک کے نادرا اقوال اور قوم کے ایسے شاذ اقوال تھے جو ان کے شاگردوں میں مشہور نہ تھے نہ ان کے ثقات اصحاب نے روایت کی انھوں نے مذہب امام مالک کا استقرار کیا اور کتاب زاہی شعبانی فقہ میں تالیف کی ۳۵۰ھ میں وفات پائی۔

(۴) محمد بن عارث بن اسد خثنی جنھوں نے قیروان میں فقہ حاصل کیا پھر اندلس آئے اور وہاں کے علماء سے علم حدیث حاصل کیا اور قرطبہ کو وطن بنا لیا فقہ کے حافظ اور اس فن میں سبقت لے جانے والے فتاویٰ کے عالم اور مسائل میں بہتر قیاس کرنے والے تھے اور امام مالک کے مذہب میں اتفاق و اختلاف پر ایک کتاب لکھی ایک اور کتاب جس میں امام مالک کے اصحاب نے ان سے اختلاف کیا تصنیف کی اس کے علاوہ فتادی کی کتاب اور دوسری کتابیں لکھیں ۳۶۱ھ میں وفات پائی۔

(۵) ابو بکر محمد بن عبداللہ معیطی اندلسی فقہ کے حافظ اور امام مالک اور ان کے اصحاب کے مذہب کے عالم تھے وہ یہ وہی ہیں جنھوں نے ابی عمر اشبلی کے ساتھ امیر المومنین حکم کے لئے کتاب استیعاب مکمل کی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ کتاب حکم کے پاس پہنچی جس کو قاضی اسماعیل کے بعض اصحاب نے شروع کیا تھا اور اس کی باب بندی کی اور اس کو ایک ایسی جامع کتاب مخصوص اقوال مالک کی بنائی گئی جس میں ان کے کسی شاگرد کا قول ان سے روایات کی اختلاف میں شریک نہ تھا اور مؤلف اس کے پانچ جز پر لکھ چکے تھے کہ ان کا انتقال ہو گیا جب اس کتاب کو حکم نے دیکھا تو اس کو پسند آگئی اور اس کے تکمیل کی خواہش پیدا ہوئی اور اس کے لئے معیطی اور ابو عمر کو منتخب کیا جس کو ان دونوں نے ایک سو جلدوں میں مکمل کیا معیطی کا ۳۶۷ھ میں انتقال ہوا۔

(۶) یوسف بن عمر بن عبدالبر جو علماء اندلس کے شیخ تھے اور اپنے وقت میں ان کے بڑے محدثین سے تھے انھوں نے ایک کتاب جس کا نام "استذکار بمذہب علماء الامصار فیما تضمنہ الموطأ من معانی الآثار" ہے تصنیف کی جس میں موطأ کی ترتیب کے مطابق اس کی شرح اور فقہ میں ایک کتاب کافی لکھی اس کے علاوہ اور کتابیں بھی لکھیں جو ان کے ماہر فن ہونے پر دلالت کرتی ہیں ۳۷۰ھ

میں وفات پائی۔

(۷) ابو محمد عبد اللہ بن ابی زید عبد الرحمن نقری قیردانی جو اپنے وقت میں مالکیوں کے امام اور ان کے رئیس تھے اور مذہب مالک کے جامع اور ان کے اقوال کے شارح تھے اور اطراف عالم سے لوگ ان کے پاس آیا کرتے تھے ان کے برگزیدہ شاگردوں کی تعداد بہت تھی اور انھوں نے مذہب کو ملخص کیا وہ چھوٹے امام مالک کے نام سے مشہور تھے ان کی بہت سی تالیفات تھیں جن میں سے ایک نوادہ ہے اور ایک زیادات تھی مدونہ اور ایک مدونہ کا خلاصہ ہے اور ایک عتبہ کی تہذیب ہے اور کتاب الرسالہ مشہور ہے اس کے علاوہ اور کتابیں ہیں ۳۸۶ میں وفات پائی۔

(۸) ابو سعید خلف بن ابی القاسم ازدی جو برادعی کے نام سے مشہور ہیں ابی محمد بن ابی زید اور قاسمی کے بڑے شاگردوں میں سے ہیں اور مذہب کے حفاظ میں سے ہیں اور اس مذہب میں ان کی کئی تالیفات ہیں جن میں سے ایک کتاب التہذیب ہے جو مدونہ کا اختصار ہے جس میں ابو محمد کے اختصار کی طرز اختیار کی ہے لیکن انھوں نے اس کی ترتیب مدونہ کے طرز پر رکھی ہے اور جو ابو محمد نے اس کتاب میں اضافہ کیا تھا اس کو حذف کر دیا ہے یہ کتاب مغرب اور اندلس معمول یہ رہی ہے۔ اور ان کی تالیفات میں کتاب التہذیب بھی ہے جو مدونہ کے مسائل ابو محمد کے اختصار اور ان کی زیادات کے طرز پر ہیں اور ان کی ایک کتاب اختصار الواضح ہے۔

(۹) ابو بکر محمد بن عبد اللہ ابہری جن کی کئی تصنیفات مذہب امام مالک کے دلائل اور شرح میں ہیں اور مخالفین پر رد کی کتابیں بھی ہیں اور اپنے وقت میں اپنے اصحاب کے امام اور ثقہ ثابت قدم مشہور تھے بغداد میں فقہ حاصل کیا اور عبد الحکم کی مختصر کبیر اور مختصر صغیر کی شرح حسین نکھیں جو ان شہروں میں انہی کی وجہ سے امام مالک کا مذہب پھیلا اور عراق میں اپنے وقت میں امام مالک کی رائے کو قائم رکھنے والے تھے جامع منصور میں ساٹھ سال درس اور فتویٰ دیتے رہے اور مالک کے تلامذہ میں عراق میں قاضی اسماعیل کے بعد ابہری کے مثل کوئی شاگرد پیدا نہیں ہوا اسی طرح ان دونوں کے طبقے میں دنیا کے کسی خطے میں سحنون کے سوا ان دونوں کا کوئی مد مقابل نہ تھا بلکہ ان کے شاگرد سب سے زیادہ تھے اور اتباع کے لحاظ سے ان کے شاگرد دوسرے لوگوں سے افضل تھے اور ان کے طلباء سب سے زیادہ ممتاز تھے اور ابہری کی تالیفات میں مذکورہ بالا تالیفات کے علاوہ مزنی پر رد کی کتاب ہے اور

کتاب الاصول اور کتاب اجماع اہل مدینہ وغیرہ میں ان کی موت کے بعد امام مالکؒ کا مذہب عراق میں کمزور ہو گیا بغداد میں ۳۹۵ھ میں انھوں نے وفات پائی۔

(۱۰) ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ المعروف بابن ابی زینب المیری بڑے فقہار اور محدثین سے تھے "المغرب فی المدونہ" تصنیف کی اور اس کے اشکال کی شرح کی اور اس کے نکات میں جو تفقہ تھا اس کی وضاحت کی اور اس کے الفاظ پر غور و فکر کے بعد اس کی مرویات کو ضبط کیا مدونہ کی مختصرات میں اس کے مثل کوئی نہیں اور کتاب منتخب فی الاحکام اور کتاب مہذب وغیرہ تصنیف کیں ۳۹۹ھ میں وفات پائی۔

(۱۱) ابو الحسن علی بن محمد بن خلف المعافری جو ابن قاسمی کے نام سے مشہور تھے وسیع الروایۃ اور عالم بالحدیث تھے اور اس کے علل اور اس کے رجال کو جانتے تھے فقیہ اور صاحب اصول تھے کئی مفید تالیفات کیں جن میں سے ایک کتاب المہدی فی الفقہ اور احکام دینیہ اور کتاب مختصر موطا ہے ۴۰۳ھ میں وفات پائی۔

(۱۲) قاضی عبد الوہاب بن نصر بغدادی مالکی مناظرہ میں بہترین عمدہ تعبیر کرنے والے تھے ابہری کے بڑے شاگردوں سے فقہ حاصل کیا پھر بغداد میں جب ان کی مخالفت ہوئی تو مصر چلے گئے وہاں ان کی عزت کی گئی ان کی بہت سی تالیفات ہیں جن میں ایک کتاب النصر لمذہب امام دارالہجرۃ اور المعونۃ لمذہب عالم المدینہ اور ایک کتاب الادلہ لمسائل الخلاف ہے اور رسالہ ابن ابی زید اور مدونہ کی شرحیں بھی لکھیں ۴۲۲ھ میں وفات پائی۔

(۱۳) ابو القاسم عبد الرحمن بن محمد الحضرمی المعروف بلبیدی افریقہ کے مشہور علماء سے ہیں ابن ابی زید اور ابو الحسن قاسمی سے فقہ حاصل کیا مذہب میں بہت بڑی کتاب تالیف کی جو بڑی بڑی دوسو جلدوں میں تھی جس میں مدونہ کے مسائل اور اس کی تفصیلات میں تھی اور اس کی شاخیں نکلنے اور اصولی مسائل کی زیادتی اور نادر روایتوں میں ہے اور ایک کتاب مدونہ کے اختصار میں ہے جس کا نام ملخص ہے ۴۲۴ھ میں انھوں نے وفات پائی۔

(۱۴) ابو بکر محمد بن عبد اللہ بن یونس صقلی امام و فقیہ علم فرائض کے عالم اور ہمیشہ جہاد میں مشغول رہتے بہت شجاع تھے علم فرائض میں ایک کتاب لکھی اور ایک کتاب جامع مدونہ لکھی جس میں اور اصولی مسائل درج کئے ۴۶۱ھ میں وفات پائی۔

(۱۵) ابو الولید سلیمان بن خلف باجی اندلس میں علم حاصل کیا پھر مشرق کی طرف گئے اور

وہاں بہت علم پھیلا یا پھر اپنے وطن کو واپس ہوئے لیکن حرم کے معاصر تھے اور ان کے ساتھ ان کے مناظرات ہیں اور ابن حزم اپنی کے بارہ میں کہا کرتے تھے کہ مالکی مذہب کے اصحاب میں قاضی عبدالوہاب کے بعد ابوہاب کے بعد ابوالولید باجی کے مثل کوئی نہ تھا اور ان کی بہت سی تالیفات ہیں جیسے الموطا فی شرح الموطا اور کتاب المنتقی ہے کہ وہ بھی اسی کی شرح ہے دراصل وہ کتاب استبقار کا خلاصہ ہے۔ کتاب السراج فی علم الحجاج اور کتاب مسائل الخلاف اور کتاب المہذب مدونہ کے اختصار میں ہے اور ایک کتاب شرح مدونہ ہے اور کتاب احکام الفصول فی احکام الاصول وغیرہ ۹۲۷ھ میں وفات پائی۔

(۱۶) ابوالحسن علی بن محمد ربیع جو نحوی سے ملقب ہیں قیروان کے رہنے والے صفا فسق میں آئے فقیہ و فاضل تھے مدونہ پر بڑی تعلیق لکھی تھی جس کا نام تبصرہ رکھا جو بہت مفید اور اچھی ہے لیکن اس میں اکثر اختیار و تخریج سے کام لیا ہے اس لئے مذہب کے اختیارات سے نکل گئے ۹۸۸ھ میں وفات پائی۔

(۱۷) ابوالولید محمد بن احمد بن محمد بن اسد قرطبی جو اپنے زمانہ میں فقہاء اندلس مغرب کے سربراہ اور وہ سردار تھے ان کی صحت نظر اور عمدہ تالیف اور فقہ میں باریک بینی کا اعتراف کیا جاتا تھا ان پر روایت سے بڑھ کر روایت غالب تھی، کتاب البیان والتحصیل لما فی المستخرجة من التوجیہ والعلیل اور کتاب المفدمات لا وایل کتب المدونہ لکھی اور یحییٰ بن اسحاق کی مؤلفہ کتابوں کا اختصار اور طحاوی کی کتاب مشکل الآثار کی تہذیب کا خلاصہ لکھا ۱۰۲۷ھ میں وفات پائی۔

(۱۸) ابو عبد اللہ محمد بن علی بن عمر تلمیذ مازری صقلی، جواہل افریقہ اور اس کے علاوہ مغرب کے امام تھے اور شیخ افریقہ میں تحقیق فقہ اور رتبہ اجتہاد اور باریک بینی کا شغل رکھنے والوں میں آخری تھے فقہ اور اصول میں شروح لکھیں اور کتاب سلم کی شرح اور قاضی عبدالوہاب کی کتاب تلقین کی شرح لکھی۔ مالکی لوگوں کے لئے اس کتاب کی مثل کوئی کتاب نہیں اور امام حرمین کے کتاب برہان کی شرح لکھی جس کا نام محصول من برہان الاصول رکھا ۱۰۵۳ھ میں وفات پائی۔

(۱۹) ابو بکر محمد بن عبداللہ جو ابن عربی کے نام سے مشہور تھے معافری شبیلی، جنھوں نے اپنے شہر میں تعلیم حاصل کی پھر بلاد مشرق کی طرف طویل سفر کیا اور بہت سے علماء سے ملاقات کی جن میں امام غزالیؒ بھی ہیں اور ان سے بہت فائدہ حاصل کیا اور مسائل اختلاف اور اصول و کلام کو عمدہ طور پر حاصل کیا پھر علم سے مالا مال ہو کر اندلس کو واپس ہوئے بہت سی تصانیف

کیں ان کی تصنیفات سے کتاب احکام القرآن اور کتاب المسالک فی شرح موطا مالکؒ ہے اور ایک کتاب محمول فی اصول الفقہ ہے ۱۵۴۳ھ میں وفات پائی۔

(۲۰) قاضی ابوالفضل عیاض بن موسیٰ بن عیاض یحییٰ سبکی جو حدیث و تفسیر میں اپنے وقت کے امام تھے فقہ صاحب اصول اور ان احکام کے بڑے واقف تھے جو شروہ کو منعقد کرتی ہیں مذہب امام مالکؒ کے حافظ تھے۔ ان کے استادوں میں ابن رشد بھی ہیں جن کی بہت سی مفید تصنیفات ہیں جن میں سے ایک اكمال المعلم فی شرح صحیح مسلم اور شفا بتعريف حقوق المصطفىٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور مشارق الاوارق فی تفسیر غریب الموطا و بخاری و مسلم ہے اور کتاب ترتیب مدارک اور تقریب المسالک لمعرفة اعلام مذہب مالک وغیرہ میں ۱۵۴۳ھ میں وفات پائی۔ (۲۱) اسماعیل بن علی عوفی، حضرت عبدالرحمن بن عوف کی اولاد میں سے ہیں جن کا خاندان سرحد اسکندریہ میں بڑا اور علم میں مشہور ہے اور وہی شرح تہذیب کے مؤلف ہیں جس کا نام عوفیہ ہے جس کی (۳۶) جلدیں ہیں۔ مؤلف دیبلج اس کی ایک جلد پر واقف ہوا جو اس سے نقل کی گئی تھی کہا جاتا ہے کہ وہ پچاس جلدوں کا ایک ٹکڑا ہے جو بڑی سائز میں ہیں جس کے سارے پانچ کراسے (۲۷) سطری سطر سے ہیں جس میں صرف سجدہ تلاوت کی بحث تھی (۲۹، ۴۰) سطر میں تھی انھوں نے ۱۵۸۱ھ میں وفات پائی۔

(۲۲) محمد بن احمد بن محمد بن احمد بن احمد بن رشد جو ”کے نام سے مشہور تھے ان پر روایت سے بڑھ کر روایت غالب تھی اندلس میں کوئی شخص ان کے مثل کمال و علم و فضل میں پیدا نہیں ہوا اور ان کی عمدہ تالیفات میں سے کتاب بدایۃ المجتہد اور فقہ میں نہایت المقتصد ہے جس میں اختلاف کے وجوہ اور ان کی علتیں بیان کیں اور نہایت عمدہ اور مفید معلومات جمع کی ہیں اس لئے ان کے وقت میں ان سے زیادہ مفید اور بہتر طرز کی کوئی کتاب نظر نہیں آتی اصول میں المستصفیٰ کا خلاصہ کہا ۱۵۹۵ھ میں وفات پائی۔

(۲۳) ابو محمد عبداللہ بن نجم بن شاس، جذامی سعدی، جنھوں نے مذہب امام مالکؒ میں ایک نفیس کتاب تصنیف کی جس کا نام ”الجواہر الثمینۃ فی مذہب عالم المدینہ“ رکھا اس کی ترتیب انھوں نے غزالیؒ کی ”و حیز“ کی ترتیب پر رکھی مصر میں مالکی حضرات اس کے حسن اور کثرت فوائد کی بنا پر اسی کتاب کی طرف مائل تھے ۱۶۱۱ھ میں وفات پائی۔

اور یہ وہ شافعی حضرات ہیں جنھوں نے اس زمانہ میں مذہب شافعیؒ تالیف اور ان کے مذہب

کو پھیلائے اور ان کے کتابوں کی اصلاح میں مشغول رہے اور اس میں امتیاز حاصل کیا وہ اکثر اہل عراق اور خراسان اور ماوراء النہر سے تعلق رکھتے ہیں درج ذیل ہیں۔

(۱) ابواسحاق ابراہیم بن احمد مروزی فتویٰ اور تدریس میں اپنے زمانہ کے امام تھے فقہ ابن سرتج سے حاصل کیا اور اس میں کمال حاصل کیا اور عراق میں ابن سرتج کے بعد ریاست انہی کو ملی بہت سی کتابیں تصنیف کیں اور مزنی کی شرح لکھی اور بغداد میں ایک زمانہ تک درس و فتویٰ دیتے رہے اور ان کے اصحاب میں بہت سے برگزیدہ اکابر پیدا ہوئے پھر آخر عمر میں مصر کی طرف چلے گئے اور وہیں ۳۴۰ھ میں وفات پائی اور حضرت امام شافعیؒ کے مزار کے قریب دفن ہوئے۔

(۲) ابوالحمد محمد بن سعید بن ابی القاسمی خوارزمی جو اہل علم کے خاندان سے تھے ابوبکر صیرفی اور ابواسحاق اور ان دونوں کے طبقوں کے علماء سے فقہ حاصل کیا اور وہ کتاب حادی اور عمدۃ القدریین کے مصنف ہیں مائیدی اور فورانی نے یہ دونوں کتابیں خود انہی سے پڑھی ہیں اور اصول میں ان کی ایک کتاب ہدایہ ہے ۳۴۰ھ کے چند سال بعد وفات پائی۔

(۳) ابوبکر احمد بن اسحاق خیمعی نیشاپوری فقہ میں بلند درجہ حاصل کیا اور کتاب الاحکام تصنیف کی ۳۴۳ھ میں وفات پائی۔

(۴) ابوعلی حسین بن حسین معروف بہ ابن ابی ہریرہ مشائخ شافعیہ اور ان کے ائمہ میں سے تھے ابن سرتج سے فقہ حاصل کیا اور مختصر کی شرح کی ۳۴۵ھ میں وفات پائی۔

(۵) ابوالسائب عتیب بن عبید اللہ بن موسیٰ القاضی جو علماء ائمہ میں سے تھے اور شوافع میں سب سے پہلے بغداد کے قاضی القضاۃ ہوئے ۳۵۰ھ میں وفات پائی۔

(۶) قاضی ابو حامد احمد بن بشر مروزی ابی اسحاق کے شاگردوں میں سے تھے کتاب جامع تصنیف کی جو اصول و فروع پر محیط ہے جس میں نصوص اور وجوہ مذکور ہیں شافعی حضرات کے نزدیک یہ قابل اعتبار اور بہترین کتاب ہے مختصر مزنی کی شرح کی ۳۶۲ھ میں وفات پائی۔

(۷) محمد بن اسماعیل معروف بہ قفال کبیر شاشی جو ماوراء النہر میں شافعیوں کے بڑے فقہاء میں سے تھے ان کی ایک کتاب اصول فقہ میں ہے اور سالہ کی شرح کی ہے اور انہی کے ذریعہ ماوراء النہر میں فقہ شافعی کی اشاعت ہوئی ۳۶۵ھ میں وفات پائی۔

(۸) ابوہل محمد بن سلیمان معلوکی ابی اسحاق مروزی سے فقہ حاصل کی پھر نیشاپور واپس گئے

وہاں وہیں دفعتی دیتے رہے ۳۶۹ھ میں وفات پائی۔

(۹) ابوالقاسم عبدالعزیز بن عبداللہ بغدادی کی جنہوں نے نیشاپور میں تعلیم حاصل کی ادبی سحر مروجی سے فقہ حاصل کیا اور انہی سے امام مشائخ بغداد نے علم حاصل کیا ۳۷۵ھ میں وفات پائی۔

(۱۰) ابوالقاسم عبدالواحد بن حسین صیری، مذہب کے حافظ بہترین اور قابل مصنف تھے انہی سے ایک جماعت نے علم حاصل کیا مادر دی نے بھی ان سے علم حاصل کیا ان کی تصنیفات میں الانصاف فی المہذب اور کتاب الکفایۃ اور کتاب فی القیاس والعلل اور آداب مفتی و مستفتی ہیں ایک کتاب الشروط میں ہے ۳۸۶ھ میں وفات پائی۔

(۱۱) ابوعلی حسین بن شعیب سنجی، خراساں کے بڑے عالم تھے سب سے پہلے انہوں نے ہی عراق اور خراساں کے دونوں طریقوں کو جمع کیا اور وہ قاضی حسین قتال کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں مختصر کی شرح لکھی اور اسی کا امام جرین نے مذہب کبیر نام لکھا ابن القاص کی لمبھی اور ابن الحداد کے فروع کی شرح لکھی اور ۳۹۲ھ میں وفات پائی۔

(۱۲) ابو حامد بن محمد اسفرائینی طریقہ عراق کے شیخ مذہب کے حافظ اور امام تھے مدنی سے سے فقہ حاصل کیا اور ائمہ کبار میں شمار ہوتے اور دین و دنیا کی ریاست بغداد میں انہی کو ملی مزی کی شرح میں ان کی طرف سے تعلیقات لکھی گئی ہیں یہ ابو عبداللہ صیری کے معاصر تھے جو اپنے زمانہ میں اصحاب ابو حنیفہ کے امام تھے اور قدوری نے انہی کے حق میں لکھا ہے کہ وہ شافعی سے زیادہ فقیہ اور صاحب نظر تھے ۳۹۸ھ میں وفات پائی۔

(۱۳) ابوالحسن احمد بن محمد ضبی المعروف بہ ابن المالکی شیخ ابو حامد کے بڑے شاگردوں میں سے تھے مجموع اور مقنع اور لباب وغیرہ تصنیف کیں اور شیخ ابی حامد کی طرف سے ان کی ایک تعلیق ہے جو ان کی طرف منسوب ہے ۴۱۵ھ میں وفات پائی۔

(۱۴) عبداللہ بن احمد المعروف بہ قتال صغیر خراساں کے بڑے فقہار میں سے ہیں اور ان کا طریقہ مذہب شافعی میں تہذیب کیا ہوا ہے جس کو ان کے شاگردوں نے ان سے لکھا جو نہایت مضبوط اور تہذیباً واضح اور کثرت تحقیق کا ہے اور وہ خراساں میں ایسے بھی تھے جیسے ابی حامد اسفرائینی عراق میں تھے۔ ۴۱۷ھ میں وفات پائی۔

(۱۵) ابوالحاتی ابراہیم بن محمد اسفرائینی جو ائمہ شافعیہ کے بڑے لاموں میں سے ہیں اصول فقہ میں اپنی تعلیق تصنیف کی نیشاپور میں ۴۱۸ھ میں وفات پائی۔

(۱۶) ابو الطیب طاہر بن عبداللہ طبری بڑے امام ہیں بغداد میں علمی ریاست کا ان پر خاتمہ ہوا عراقیوں نے انہی سے علم حاصل کیا۔ مزنی کی شرح کی اختلاف اور مذہب اور جدال کے بارے میں بہت سی بے نظیر کتابیں تصنیف کیں قاضی صیری کے بعد منع کرنا کے قاضی ہوئے ابی الحسن طالقانی اور قدوری کے ساتھ ان کے بہت سے مناظرے ہوئے ۴۵۰ھ میں وفات پائی۔

(۱۷) ابوالحسن علی بن محمد اور دی مصنف حادی، واقائع فقہ میں احکام سلطانیہ وغیرہ بصرہ میں صیری کے پاس فقہ حاصل کی پھر شیخ ابی حامد اسقرانی کے پاس گئے اور دونوں شہروں میں درس دیا اور ۴۵۰ھ میں وفات پائی۔

(۱۸) ابو حاتم محمد بن احمد ہروی عبادی مصنف زیادات و مبسوط و ہادی و ادب قضاۃ جو مشکل عبارت اور پیچیدہ بات کرنے میں مشہور تھے اور اس میں وہ اپنے استاد ابی اسحاق کے نقش قدم پر تھے ۴۵۸ھ میں وفات پائی۔

(۱۹) ابوالقاسم عبدالرحمن بن محمد فورانی مروزی مصنف ابانہ و عمدہ وغیرہ تصانیف بھولانی مکر فقال کے بڑے شاگردوں میں سے تھے اور اہل مرو کے شیخ تھے ۴۶۱ھ میں وفات پائی۔

(۲۰) ابو عبداللہ قاضی حسین مردودی، جنہوں نے فقال سے فقہ حاصل کیا حرمین میں استاد تھے ۴۶۲ھ میں وفات پائی۔

(۲۱) ابوالاسحاق ابراہیم بن علی قزوینی شیرازی جو فقہ میں تہذیب و ہند کے مصنف تھے اور اختلاف میں مکتب اور منع اور اس کی شرح کے اور اصول فقہ میں بصرہ کے اور جدال میں مخص اور معونہ کے مصنف تھے اور فصاحت اور مناظرہ میں ضرب المثل تھے کہتے ہیں کہ وہ فقہ کے اصول بتانے اور اس کی فروغ نکالنے میں ابن سرتج کے قائم مقام تھے اور طلباء کی کثرت میں بھی انہی کی طرح تھے ابوالحسن عبداللہ دلعانی عسفی کے ساتھ مناظرے کیا کرتے تھے ۴۶۷ھ میں وفات پائی۔

(۲۲) ابونصر عبداللہ بن محمد ابن صباغ کے نام سے مشہور تھے اور شامل کامل، عدۃ الاحکام طریق السالم، کفایۃ المسائل اور فتاویٰ کے مصنف تھے بغداد میں شافعیوں کی ریاست ان کو ملی اور وہ ابوالاسحاق شیرازی کے مثل تھے اور سب سے پہلے انھوں نے ہی نظامیہ بغداد میں درس دیا ۴۷۷ھ میں وفات پائی۔

(۲۳) ابوسعید عبدالرحمن بن ماموں متولی مصنف تمہ جس کو اپنے شیخ فورانی کی کتاب ابانہ

پر تصنیف کیا جس میں حدود تک پہنچے اور فرائض میں ان کی ایک مختصر کتاب ہے اور اختلاف میں ایک کتاب ہے شیخ ابی اسحاق کے بعد انھوں نے نظامیہ میں درس دیا ۸۸ھ میں وفات پائی۔

(۲۴) ابوالعالی عبدالملک بن عبداللہ جو بنی مشہور امام الحرمین اپنے والد سے فقہ حاصل کیا ورنیشاپور کے بلکہ پورے مشرق کے فقہ اور اصول اور کلام میں امام مانے گئے اور مکہ میں چار سال مجاورت کی اور یہیں سے آپ کو امام الحرمین کا لقب حاصل ہوا نیشاپور واپس گئے تو نظام الملک نے ان کے لئے مدرسہ نظامیہ بنایا اور ان کی تصنیفات میں سے فقہ میں نہایت یہ ہے ابن کثیر کی کہ قول کے مطابق مذہب میں اس کی مثال نہیں اور اصول فقہ میں برہان احمدیہ شافعی کی ترجیح میں مضبوط الخلق تصنیف کی جس پر ان کے معاصر ابواسحاق شیرازی نے بہت تعریف کی ۸۸ھ میں وفات پائی۔

(۲۵) ابوالحسن عبدالواحد بن اسماعیل روہانی مصنف بحر جوائیہ مذہب میں سے ایک امام ہیں حفظ میں ضرب المثل تھے اور نظام الملک ان کی بہت تعظیم کرتے تھے اور طبرستان اور اس کے دیہات میں سے روایان کے قاضی ہوئے ۵۰۲ھ میں قتل کئے گئے ان کی تصنیف بحر سے ماوردی کی حادی مراد ہے البتہ اس کے ساتھ کچھ فروع جو اپنے والد اور دادا سے انھوں نے حاصل کیا تھا شامل کی ہیں۔

(۲۶) حجة الاسلام ابو حامد محمد بن محمد بن محمد غزالی طوس میں ۵۰۵ھ میں پیدا ہوئے امام الحرمین سے فقہ حاصل کی اور خوب کوشش کے بعد مذہب اختلاف اور جدال اصول فقہ و حدیث و منطق میں کمال حاصل کیا اور حکمت و فلسفہ پڑھا امام الحرمین ان کی تعریف بحر ذخار کے نام سے کرتے تھے امام الحرمین کی وفات کے بعد بغداد گئے اور نظامیہ کے متولی ہوئے وہ مذہب میں بسیط و وسیط و وجیز و خلاصہ اور اصول فقہ میں مستصقی اور متحول اور بدایۃ الہدایۃ اور خلافاً ہیں مآخذ اور مسائل تعلیل کے بیان میں شفا را لعلیل اور اس کے علاوہ مختلف علوم میں کتب تصنیف کیں طوس میں ۵۸۵ھ میں وفات پائی امام غزالی کے بعد ان کا مثل پیدا نہیں ہوا۔

(۲۷) ابواسحاق ابراہیم بن منصور بن مسلم عراقی فقیہ مصری شلوخ مذہب امام و خطیب جامع عتیق مصر طلب علم میں پہلے عراق گئے پھر مصر آئے اسی لئے وہ عراقی مشہور ہوئے اور قاہرہ میں

۱۱۱۱ھ معلوم نہیں مصنف نے امام غزالی کی مشہور ترین کتب حیار العلوم اکسیر ہدایت منہلج العابدین کا ذکر کیوں مناسب نہیں سمجھا حالانکہ یہ دنیا کی مشہور ترین کتب اہلی کی تصانیف میں سے ہیں ۱۲۱۱ھ محمد رضی۔

ہدایت معظم و محترم سمجھے جاتے تھے وہاں کے فقہاء نے ان سے علم حاصل کیا ۵۹۶ھ میں وفات پائی۔
 (۲۸) ابوسعید عبداللہ بن محمد بن مہیۃ اللہ المعروف بہ ابن ابی عصیر وں تمیمی موصلی دمشق میں
 آئے اور وہاں کے قاضی القضاۃ ہوئے موصل میں فقہ حاصل کی پھر بغداد میں پھر موصل میں
 درس دیا اور اخیر میں دمشق منتقل ہوئے اور وہاں ۵۷۳ھ میں قاضی مقرر ہوئے بہت سی
 کتابیں تصنیف کیں جن میں سے صفوۃ المذہب علی ہدایۃ المطلب سات جلدوں میں ہے اور
 کتاب الانتصار و مرشد و ذریعہ فی معرفۃ الشریعۃ اور اختلاف میں تیسبہ ہے اور ایک کتاب
 الاذیت و فی نصرۃ المذہب جس کی انھوں نے تکمیل نہیں کی اس کے علاوہ اور تصنیفات
 بھی ہیں

(۲۹) ابوالقاسم عبدالکریم بن محمد قزوینی رافعی تھوں نے العزیز فی شرح الوجیز لکھی جس کو
 بعض لوگ فتح العزیز بھی کہتے ہیں ائمہ محرم تصنیف کی اور سند شافعی کی شرح لکھی اور اس
 کے علاوہ اور کتابیں لکھیں۔ ان کی کتاب فتح العزیز ہی ان کے شرف کے لئے کافی ہے کیونکہ
 وہ ان کتابوں میں سے ہے جس کی مثال نہیں واقعی رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانہ کے یگانہ لوگوں میں
 سے تھے اور فقہ میں عمدۃ المحققین تھے درجہ اجتہاد تک پہنچے ہوئے تھے ان کی وفات
 ۶۲۳ھ میں ہوئی۔

(۳۰) محی الدین ابو زکریا یحییٰ بن شرف بن مری نووی ۶۳۱ھ نبوی میں پیدا ہوئے اور
 وہ محققین میں سے آخری تھے۔ اور شافعی کے اصحاب میں ان کا درجہ اجتہاد کا ہے اللہ تعالیٰ
 ان پر رحمت کرے انھوں نے کتاب روضہ تصنیف قرمانی جو رافعی کے شرح کبیر کا اختصار ہے
 اور اس سے اپنی کتاب منہاج کا خلاصہ کیا۔

چھٹا دور

بغداد کی فتح سے جوہلا کو خان کے ہاتھوں ہوئی اب تک
اور یہ دور تقلید محض کا ہے

سیاسی پس منظر

ترکی یا طہدانی اقوام بہت بڑی قومیں اور مختلف قبائل سے مرکب ہیں اسلامی بلاد میں ان کے داخل ہونے کے اسباب یہ ہیں کہ وہ اصلی شہروں کے علاوہ بہترین اسلامی مقامات پر قابض ہو گئے کوئی طاقت انکی پیش قدمی کو نہ روک سکی حتیٰ کہ وہ بلاد شام تک پہنچ گئے پھر مصریوں نے عین جاہلیت پر ان کا مقابلہ کیا جن کی قیادت منظر قطر کر رہا تھا جو مالیک بحریہ کے بادشاہوں کا تیسرا بادشاہ تھا اس نے ان کو بری طرح شکست دی جس کی وجہ سے مصر و شام ان کے غلبے سے محفوظ رہا باوجود ان کی مکمل فتح مندلیوں اور اکثر اسلامی شہروں پر ان کے قبضہ کے قیوت اسلام نے ان کو اپنا مطیع بنالیا اور وہ مسلمان ہو گئے مسلمان ہونے میں ان کی شمالی قسم جو نہرا تیل میں سرائے میں تھی اور قسم شمالی جو بغداد اور بلاد فارس میں تھی اور قسم غوی بغداد و ایران میں تھی مگر قسم اول اسلام کی طرف ایک صدی پیشتر سبقت کر چکی تھی اور مصر و شام پر جو عنصر غالب تھا وہ بھی ترکی عنصر ہی تھا اور وہی مالیک کے نام سے مشہور تھے اور اسی بنا پر تمام بلاد اسلامیہ میں بحر بلاد مغرب کے جہاں مغربی براہرہ کی حکومت تھی ترکوں کی سلطنت ہو گئی اور آٹھویں صدی کے شروع میں ترکی ایشیا میں ایک شخص عظیم الہمتہ اور بہادر پیدا ہوا جس کا نام عثمان کحقی تھا جو ترک قبیلہ کا سردار تھا اس نے اپنی قوم کے لئے آل سلجوق کے دیرانوں پر جو وسط ایشیا میں موجود تھے ایک حکومت کی بنیاد ڈالی اور وہ اور اس کی اولاد اس کے بعد اپنے پردوس کے چھوٹے مالک پر غالب ہوتے رہے حتیٰ کہ ان کی ایک بڑی حکومت قائم ہو گئی پھر وہ بذات خود یورپ پر حملہ آور ہوئے اور اس کے بڑے حصہ پر قابض ہو گئے اور نویں صدی کے نصف پر ان کے ہاتھ پر شہر قسطنطنیہ فتح ہو گیا جو بعد میں ان کی حکومت کا دار الخلافہ بنا پھر انھوں نے اسلامی بڑی حکومتوں پر حملہ کیا جن میں سب سے بڑی حکومت مصر کی تھی جو خلافت اسلامیہ عباسیہ کا دار الخلافہ تھا اس پر بھی غالب آ گئے اور آخر

خلفاء عباسیہ کو انھوں نے ہٹا دیا اور اس کے بعد ان کے بادشاہ خلفاء کہلانے لگے اور اس طرح خلافت قاہرہ سے قسطنطنیہ منتقل ہو گئی اور مصر عثمانی حکومت کے تحت ہو کر ایک دم اپنے مقام سے سیاسی و علمی طور پر گر گیا لیکن دولت عثمانیہ بڑھنے لگی اور قوت اس کو مدد دینے لگی حتیٰ کہ اس کی سلطنت کے تحت بڑی اسلامی حکومتیں آگئیں اور اپنی عظمت کے بڑے زمانہ میں اسلام کا چراغ بلاد اندلس میں بجھ گیا جبکہ وہ تقریباً آٹھ صدی تک اس کو علم و ادب سے منور کر رہا تھا اور تیرھویں صدی کے شروع میں تضاد قدر نے مصر کے لئے ایک مرد مہیا کر دیا جو مرتبہ کے لحاظ سے بھی بڑا تھا اور انتہائی صائب الرائے تھا وہ محمد علی تھا مصر نے اس کو اپنا حاکم منتخب کر لیا اور اپنی کشتی کا ناخدا تجویز کر لیا اور اس وقت سے وہ اپنی طاقت کو واپس حاصل کرنے اور اپنی جگہ لوٹانے کی کوشش میں مصروف ہے اسی زمانہ میں یورپ نے اسلام کے غلبہ کا مقابلہ شروع کیا اور علم نے اکثر اس کے ارادوں کو کامیاب کر دیا اور اس جنگ کا سلسلہ جاری ہے اور ہم نہیں جانتے کہ آخری کامیابی کس کو حاصل ہوگی۔

اس زمانہ میں اجتہاد

اس زمانہ میں سمجھنے کے لئے کوئی چیز بھی صاف اور واضح نظر نہیں آتی۔ یہ واضح نہیں ہے کہ میں اس دور میں اجتہاد کی ہوائیں اس زمانہ میں رکی ہوئی ہیں اور اس میں وہ باتیں نہیں ملتیں جو سمجھنے والے سے لکھوائیں اور یا کہنے والا اس کو کہے کیونکہ یہ واقعہ ہے کہ پہلے دور میں تو اللہ تعالیٰ اپنی شریعتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر نازل فرما رہا تھا اور وہ ان احکام کی جو اللہ تعالیٰ نازل فرما رہا تھا تبلیغ فرما رہے تھے اور لوگوں کے سامنے کھول کھول کر بیان فرما رہے تھے اور دوسرے دوسرے دور میں صحابہ اور تابعین استنباط کے طریقے اللہ کی کتاب اور سنت رسول اور رائے صحیح سے ظاہر کر رہے تھے اور چوتھے زمانہ میں بڑے بڑے علماء اور چوٹی کے فقہاء اس پھل کو چن رہے تھے اور احکام شریعت کو مفصل طریقہ پر مدون کر رہے تھے اور پانچویں دور میں ترتیب و تہذیب اور اختصار و ترجیح ہو رہی تھی تو اس دور کے متعلق جو آخری ہے کہنے والا کیا کہے۔ اور اس میں اختیار کی کوئی چیز نہیں لیکن جب ہم نے اس دور کو دیکھا کہ ہم کو اس میں اٹھنے اور اپنے سلف صالح کے اقتدار کی ضرورت ہے تو ہم نے یہ ارادہ کیا کہ اس میں جو عیب ہیں ان کو ظاہر کر دیں اور جب عیوب ظاہر ہوں تو صاحبان فکر و قدرت کے لئے ممکن ہو گا کہ اس کے علاج کے لئے کھڑے ہوں۔

اس زمانہ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ علماء کے نفوس میں تقلید محض کی روح

بیٹھ گئی ہے ان میں ایسا کوئی نہیں دیکھا جاتا جس کے نفس نے اس کو اجتہاد کے رتبہ پر پہنچایا ہو بجز چند کے اور وہ بھی اس دور کے پہلے نصف میں تھے اور یہ وہ زمانہ ہے جبکہ قاہرہ نے بغداد کی جگہ لی اور مملکت اسلامیہ کا مستقر اور خلافت عباسیہ کا دار الخلافہ بنا تو اس زمانہ میں نہ وقت ایسے لوگ پیدا ہوتے تھے جو اس رتبہ پر پہنچنے لیکن اس کے باوجود وہ مشہور و معروف ائمہ کی طرف منسوب ہونے سے آگے نہ بڑھ سکے لیکن نصف ثانی میں جو دسویں صدی کی ابتداء سے اس وقت تک کا ہے حال بدل چکے ہیں اور نشانات میں تغیر واقع ہو گیا اور اعلان کر دیا گیا کہ کسی فقیہ کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ کوئی بات پسند کرے یا کسی کو ترجیح دے ان کا زمانہ گزر گیا اور لوگوں کے اور متقدمین کی کتابوں کے درمیان حوالہ قائم ہو چکی ہے اور ان کو صرف ان کتابوں پر اکتفا کرنا چاہیے جو ان کے سامنے ہی مقرب ہم ذیل میں ان کا حال بیان کریں گے۔

جب ہم اس حالت کی طرف رجوع کرتے ہیں جب مصر اپنی بلکت کے سقوط اور اس سے خلافت منتقل ہونے کے پہلے تھا تو ہم کو حسب ذیل نام ملتے ہیں عز ابن عبد السلام۔ ابن حاجب۔ ابن قتیب العید۔ ابن رفقہ۔ ابن تیمیہ سبکی اور ان کے فرزند اور ابن قیم اور بلقینی اور اسنوی اور کمال ابن ہمام اور جلال الدین محلی اور جلال الدین سیوطی یہ چاروں مذاہب کے ممتاز لوگوں میں سے تھے۔ پھر ہم اس کے بعد نظر ڈالتے ہیں تو نہ صرف یہ کہ کسی بڑے عالم یا بڑے فقیہ یا محترم مولف کو ہی نہیں پاتے بلکہ ہم ایک قوم کو پاتے ہیں جس پر فقہ میں قناعت نے غلبہ حاصل کیا اس میں بہت ہی کم ایسے لوگ ملیں گے جو اپنے مذہب کے علاوہ مشغلہ رکھتے ہوں اور جب اپنے مذہب کا مشغلہ رکھے گا تو انہی کتابوں پر اکتفا کرے گا جو اس قدر مختصر ہیں گویا کہ وہ سمجھنے کے لئے ہی نہیں لکھی گئیں گویا سیاسی سقوط علم پر گرا اور خصوصاً دینی علم کو انتہائی گہرے غار میں گرا دیا اور جب مصر اپنی بزرگی واپس لینے لگا تو اس کو وہ موقع پیش آئے جو ہم عنقریب بیان کریں گے۔

اسلامی شہروں کے علماء کے درمیان تعلقات کا انقطاع اگر مشتمل زمانوں میں کسی فقیہ کو فقیہ کا لقب پورے طور پر نہ ملتا تھا اور نہ اس کا کامل احترام ہوتا تھا جب تک کہ وہ سفر نہ کرے اور اپنے شہر کے علماء کے علاوہ دوسرے شہروں کے علماء سے ملاقات نہ کرے اور بہت کم لوگ ایسے ہیں جن کو ان کے شہروں میں رہنے کے باوجود ان کی جلالت قدر علمی بجز اعتراف کیا گیا ہو دیکھو جلیل القدر ائمہ و محدثین کو کہ تم ان سب کو سیاحان عالم میں سے پاؤ گے آج کسی شہر میں ہیں تو کل حدیث و فقہ حاصل کرنے کے لئے دوسرے شہر میں ہیں غرض علم کی پیاس بجھانے کے لئے شہر شہر پھرتے مکہ مکرمہ ان کو موسم حج میں جمع کر دیتا

تھا تا کہ ہر ایک دوسرے سے اس کے پاس جو کچھ حدیث و فقہ اور رائے کا علم ہے حاصل کر سکے اور اسی بنا پر ایک زمانہ کے تمام علماء میں تعارف مکمل ہو جایا کرتا تھا اور یہ ان کے معلومات میں اضافہ کا اور آپس میں محبت کی تقویت کا باعث ہوتا باوجودیکہ اس میں ان کو سفر کی شدتیں برداشت کرنا پڑتیں لیکن اس دور میں خصوصاً آخری زمانہ میں تمام شہروں کے علماء میں تعلقات کٹ گئے چنانچہ ایک مصری عالم ہندوستانی عالم کا نام نہیں سن سکتا تھا اور یہ مغربی عالم کو نہیں جانتا تھا اور اسی طرح ہر شخص البتہ ان میں سے جسکی کتاب نقل کی جائے تو اس وقت وہ اس کا نام سننا بعض اوقات ان کی کتاب مشہور ہو جاتی اور بہت زیادہ واقعات موسم حج میں اس کے ہوتے کہ بعض علماء جو مختلف شہروں کے ہوتے وہ ایک دوسرے ملاقات کا اہتمام نہ کرتے یا اس سے روایت کی پروا نہ کرتے اور اس طرز عمل نے علوم اسلامیہ شرعیہ پر بلکہ متقدمین کے ان علوم پر جن میں روایت اور ملاقات کی ضرورت ہوتی ضعف ڈال دیا یہ کافی نہیں کہ کسی عالم کی کتاب کوئی فائدہ حاصل کر سکے اس لئے کہ کتاب خاموش اور بیجان چیز ہے لیکن ملاقات ذہن کو تیز اور فکر کو بار آور کر دیتی ہے کیونکہ اس میں بحث اور گفتگو کرنے کا موقع ملتا ہے ہم اس وقت دس صدی پہلے کی حرکت علمیہ کا وہ حال جانے ہیں جس سے کم مثلاً اس وقت ہندوستان میں نہیں جانتے۔

ہمارے اور ائمہ کی کتابوں میں تعلقات کا انقطاع

یہ بڑی کتابیں جن کو قضا و قدر نے باقی رکھا ہے یہ اسلاف کی کتابیں ہیں اور یہ آثار قدیمہ کی ایک نشانی رہ گئی ہیں کہ زمانہ قدیم سے نہ کوئی اس کی پروا کرتا ہے اور نہ اس کا درس دیا جاتا ہے یہ کتب محمد بن حسن اور محمد بن ادریس شافعی اور مالک بن انس جیسے ائمہ اور ان کے شاگردوں کی کتابیں ہیں بلکہ پانچویں دوں تک کے ائمہ کی کتابیں ہیں اور یہ کتابیں وہ ہیں جو روح کو غذا پہنچاتی ہیں اور ہمت کو بلند کرتی ہیں اور فقیہ کو کامل بناتی ہیں بہت کم کسی عالم کو پاؤ گئے کہ وہ اس کے درس کا انتظام کرتا ہو یا اس کی اطلاع بھی رکھتا ہو بلکہ تم بڑے علماء کو پاؤ گئے کہ ان کے نام بھی نہیں جانتے اور ان کتابوں میں سے کوئی کتاب اگر تمہارے ہاتھ میں آ بھی جائے تو ان میں سے کوئی بہت کم اس کے پڑھنے کا اہتمام کریگا اور انھوں نے ان کتابوں پر قناعت کر لی جو تنزل کے زمانہ میں لکھی گئی ہیں اس لئے ہمارے اور ان علماء کی کتب کے درمیان انقطاع تعلق ہو گیا صحیح و مفید روایت کے حاصل کرنے میں سوائے اس کے کہ کسی انسان کو اس کی ہمت و توجہ دلائے کہ وہ عام یا خاص کتب خانوں میں ان سے واقفیت حاصل کرے حالانکہ جب تم ان کتابوں اور متداول کتابوں کو ملا کر دیکھو گے تو تم عبارت کے سلیس ہونے اور تحریر کی پاکیزگی اور ماضی کی سہولت میں بہت بڑا فرق پاؤ گے لیکن ہمتوں کے فتور اور ارادوں کے ضعف نے ہم کو بٹھا دیا اور عجب نہیں کہ ہم کو یہ امر

تباہ کر دے۔

مجھ سے شیخ محمد محمود بن تلامیہ ترکی شنیعی نے جبکہ میں نے ان سے پہلی بار ملاقات کی سوال کیا تھا کہ تم نے کس سے ادب عربی سیکھی تو میں نے انکو جواب دیا کہ یاسیدی کتابوں سے تو فرمایا کہ کتابیں معلم ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتیں تو میں نے ان سے کہا یاسیدی میں کیا کروں کیونکہ ہمارے اور ہمارے اسلاف کے درمیان تعلقات منقطع ہو گئے ہیں تو اب نہ کوئی معلم رہا اور استاد کا پہنچانے والا لیکن جب کہ میں نے آپ کو دیکھا تو آپ کو کافی سمجھا تو شیخ کا چہرہ میرے جواب سے چمک اٹھا اور فرمایا انشاء اللہ انشاء اللہ اور اگر شیخ رحمۃ اللہ تھوڑا سا غور فرما لیتے تو ہمارے لئے اس مذکر کو قبول فرما لیتے اس لئے کہ انہیں کلامانہ ہمارے اور ہمارے اسلاف کے علم کے درمیان حائل ہو گیا ہے بجز اس تلچھٹ کے جو ہم پر یا کہ کو بھجنا نا ہے اور نہ بیماری کو شفا دیتا ہے لہذا ہم کس قدر اس ہمت کے محتاج ہیں جو ان کتب کو ان کی خواب گاہوں سے اٹھائے اور رخ ان کی طرف پھیر دے تاکہ علوم اسلامیہ میں ہمارے مدارج بلند ہوں اور اگر ہم سے یہ ہو سکا تو ہم کہہ سکیں گے کہ ہم میں علماء ہیں۔

اختصار کی وجہ سے مطالب میں خلل

اختصار صرف اسی زمانہ کی بدعتوں میں سے نہیں ہے بلکہ یہ چوتھے دور میں بھی موجود تھی کیونکہ ان کے شاگردوں نے ان کے کلاموں کا اختصار کیا اور اختصار کا طریقہ یہ اختیار کیا تھا کہ ان مسائل کو جن زیادہ ضرورت نہ ہوتی انکو حذف کر دیا اور انہوں نے جن مسائل کو غیر مرتب لکھا تھا اس کو مرتب کر دیا اور جلیل القدر علماء نے ہی اس معاملہ میں ان کی تقلید کی لیکن اسی دور کے آخر میں اختصار کی ایک نئی شکل پیدا ہو گئی تھی۔ اور وہ شکل یہ تھی کہ بہت سے مسائل کو تھوڑے الفاظ میں جمع کر دیا جاتا۔ چونکہ عربی کلام کا ان کو پورا سلیقہ نہ تھا اس لئے ان کا کلام ایک معمہ یا چستان بن کر رہ گیا گویا مولیٰ ان مسائل کو اس لئے نہیں جمع کرتا تھا کہ سمجھا جائے بلکہ محض اس لئے کہ مال جمع کر دے اور اس اختصار کا نمونہ دکھانے کے لئے میں ایک فصل تین کتابوں سے ایک ہی موضوع پر نقل کرتا ہوں یہ تینوں کتابیں ان مشہور کتابوں سے ہیں جو طالبان علم فقہ کی مشہور امداد متداول رہی ہیں اور یہ موضوع اس پانی کے متعلق ہے جن سے طہارت جائز ہے یا نہیں۔ خلیل اپنی مختصر میں لکھتے ہیں "نایابی اور نجاست کا حکم مطلق سے اٹھ جاتا ہو اور وہ وہ ہے جس پر پانی کا نام صاف آجائے بغیر کسی قید کے تو اگر شبنم سے جمع کرے یا اس کے جننے کے بعد گھل جائے یا جانور کے

حائضہ کا یا ناپاک کا جھوٹا ہو یا ان دونوں کی طہارت سے بچا ہوا ہو یا بہت ہو اور ایسی نجاست سے مل گیا ہو جس نے اس کو بدل نہ دیا ہو یا اس کے بدلنے والے میں اس کا شک ہو کہ وہ نقصان کرتا ہے یا نہیں یا چکنے والے تیل کی قربت سے بدل گیا ہو یا تارکول کی بوسے جو کسی مسافر کا برتن ہو یا اس سے پیدا ہونے والی کسی چیز سے یا اس کے نشین میں یا کسی ڈالی ہوئی چیز سے خواہ وہ قصداً ہی کیوں نہ ہو مٹی یا نمک سے اور زیادہ راجح نمک سے "سلب" ہے نہ اس چیز سے جو رنگ یا مزہ یا بو کو بدلنے والی ہو اس چیز سے جو غالباً اس سے جدا ہو خواہ ظاہر ہو یا نجس جیسے ملا ہوا تیل یا کسی کا دھواں اور اس کا حکم مثل اس کے بدلنے والے کے ہے اور اس کو نقصان کرتا ہے آب کشی کے اونٹ کی سی سے بدلتا جیسے حوض جانور کے گوبر سے یا کنواں درخت کے پتوں یا گھاس سے اور جنگل کے کنویں میں ان دونوں سے جواز ظاہر ہے اور موافق ملنے والے کو مخالف کے مثل بنانے میں تامل ہے اور اس پانی سے پاکی میں جو منہ میں ڈالا گیا ہو و قول میں اور حدیث میں جو پانی استعمال کیا گیا ہے اس سے پاکی کرنا مکروہ ہے اور اس کے غیر میں تردد ہے اور تھوڑا پانی جیسے غسل و وضو کا برتن ایسے نجس سے جس نے تغیر نہ کیا ہو یا اس میں کتے نے منہ ڈال دیا ہو اور ٹھیرا ہوا پانی جس میں غسل کیا جاتا ہو اور شراب پینے والے کا جھوٹا اور جس میں اس کا کھانا ہو گیا ہو اور جو نجس پانی سے بے میل نہ ہو اس سے بچنا مشکل ہو تو نہیں یا وہ کھانے کی قسم سے ہو جیسے کشمش اور اگر اس کے استعمال کے وقت اس کے منہ پر سیرابی حاصل کی جائے تو اس پر عمل کیا جائیگا اور اگر جنگلی جانور جس کا خون بہتا ہو کسی ٹھیرے ہوئے پانی میں مرجائے اور وہ پانی متغیر نہ ہو تو ان دونوں کے برابر پانی کا نکلنا مستحب ہے اگر وہ مرنے کے بعد گرے اور اگر نجاست کا تغیر زائل ہو جائے نہ کہ مطلق کثرت کی وجہ سے تو طہارت اس سے مستحسن ہے لیکن اس سے طہارت نہ کرنا زیادہ ترجیح رکھتا ہے۔ اور خیر واحد قبول کی جائیگی اگر اس کی وجہ ظاہر کرے یا یہ کہ دونوں متفق المذہب ہوں ورنہ کہا کہ اس کا ترک مستحسن ہے اور نجاست پر پانی کا آنا اس کے عکس کے مثل ہے۔

اور زکریا انصاری اس مسئلہ کو اپنی منہج میں اس طرح لکھتے ہیں۔ بہنے والے مطلق پانی سے طہارت کی جائے گی اور وہ ہے جس کو پانی کہا جائے بغیر کسی قید کے تو جو پاک ملنے والی چیز سے تغیر ہو جائے جس سے تغیر مستغنی عنہ ہو تو وہ نام کو بدل دیگا اور پاک کرنے والا نہ ہو گا نہ کہ مٹی اور پانی کا نمک اگرچہ اس میں ڈال دئے جائیں اور مکروہ ہے سخت گرمی اور سردی والا اور دھوپ کا پانی اس کے شروط کے ساتھ اور فرض میں مستعمل پاک کرنے والا نہ ہو گا اگرچہ قلیل ہو۔ اور پانی کے دو قلعے نجس

نہیں ہوتے ہیں اور وہ دو قلعے تقریباً پانچ سو رطل بغدادی ہیں کسی نجس کے ملنے سے تو اگر وہ اس کو متغیر کر دے تو نجس ہے تو اگر اس کا تغیر بنفسہ زائل ہو جائے یا کسی پانی سے تو پاک ہو جائیگا۔ اور ان کے سوائے نجس ہوگا۔

مرنے سے جس کا خون نہ بہتا ہو اور نہ ڈالا گیا ہو۔ یہ وہ تین کتابیں ہیں جو ہمارے زمانے کے تینوں مذاہب میں سے کسی ایک میں طالب علم کو عالم بنانی ہیں جن کو تعبیر کے لحاظ سے دیکھو تو وہ خود تنہا سمجھ میں نہیں آتیں۔ اسی لئے وہ شرح کی محتاج ہو گئیں اور شرح حاشیہ کی محتاج ہوتی اور تمہارے دل میں یہ خیال نہ گزرے کہ اس موضوع کو دو ہفتوں سے کم میں پڑھا جاسکتا ہو اور یہ قسط بھی مصنف کے مقاصد کے سمجھنے میں صرف ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ کتابیں دلائل سے خالی نہیں اسی لئے تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ میں سولے اس فرق کے کچھ نظر نہیں آتا کہ تعلیم یافتہ وہ مسائل جانتا ہے جو غیر تعلیم یافتہ نہیں جانتا لیکن یہ کہ امام نے مسئلہ کس دلیل سے لیا ہے تو اس وہ کورے پر ہیں گے۔ حالانکہ فقہ اس کے بغیر مکمل نہیں ہوتی اور بلحاظ ضرورت ان میں کوئی اثر کام آئے کہ خلاف کے لئے نہ پاؤ گے اور یہ چیز طالب العلم پر جس فہم کا دروازہ بند کر دیتی ہے اور اسی چیز نے فقہ کو ہمارے درمیان کم درجہ کر دیا ہے بلکہ وہ عوام سے قریب ہو گئے ہیں حنفیہ کی بعض متداول کتابیں جیسے ہدایہ اور اس کی شرح ہدایہ ان میں بلاشبہ دلائل اور اختلافات سے بحث کی گئی ہے۔ لیکر شوافع اور مالکی مذاہب کی کتابوں میں یہ بات نہ ملے گی۔

کہنے والا یہ کہہ سکتا ہے کہ جب ہم تقلید کی حد پر پھر گئے تو اس سے آگے بڑھنے کا موقع نہیں رہا اور فقہ کی تعلیم پانے والے کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ کتنا ہی عالی مرتبت کیوں نہ ہو لیکن اپنے امام سے بڑھ سکے اور مذہب میں اگر دو قول ہوں تو کسی کو ترجیح دے سکے کیونکہ ترجیح دینے والوں کا بھی زمانہ گزر چکا تو پھر دیلیوں میں مشغول ہونے یا دوسرا کتبہ کی رایوں پر اطلاق حاصل کرنے سے کیا فائدہ۔

ہم اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ اس وقت بہتر ہوتا جبکہ طالب معرفت عوام سے ہوتا جو اس میں سے کسی حکم کو جاننا چاہیں لیکن جو لوگ فقہاء بننا چاہیں تو ان کا درجہ یہ ہے کہ وہ جان لیں کہ ان کے امام نے حکم کہاں سے لیا اور اگر وہ اپنے مخالف کی رائے اور ماخذ اور استنباط کا طریقہ

۱۔ یہ بالکل غیر مفہوم اور غلط عبارتیں ہیں اس لئے ہم یہاں بقیہ ایک کتاب کا ترجمہ چھوڑ رہے ہیں۔ مترجم۔

بھی معلوم کر لیں تو اس طرح ان کی معلومت اور علم میں بھی ترقی ہوگی تو ان کا درجہ ان کے سلف سے کون کم کر سکتا ہے جو اپنے لئے اپنی اقوال کو منتخب کر لیا کرتے تھے جس کو اس مذہب کے لوگوں نے کہا جس کی وہ تقلید کرتے اور فقیہ کا درجہ جب اس مرکز پر پڑ گیا جس پر عوام ہیں تو وہ یقیناً قانون شرعی کے ضعف کی دعوت دے گا اس لئے کہ ایسی فقہ کو جاننے والوں کی نہ کوئی فکر ہوگی نہ رائے اور یہ بات جیسا کہ ہم آثار دیکھ رہے ہیں اس کے حقیقت کی گواہی دیتے ہیں کیا یہ عجیب بات نہ ہوگی اگر وہ تمام کتابیں جو اسلامی رفعت کے زمانہ میں لکھی گئی ہوں یعنی جو چوتھے اور پانچویں دور میں لکھی گئی ہوں وہ گم ہو گئی ہوں اور طالبان کے ہاتھوں میں کچھ نہ باقی رہے سوائے ان کتابوں کے جو زوال اور زبان عربی کے ضعف کے زمانہ میں لکھی گئی ہوں تو طلباء کے لئے اس کی اصلاح ضروری ہوگی جبکہ وہ خلوص سے کام لیں جس کے لئے ان کو چاہئے کہ وہ سب سے پہلے اپنے اسلاف کے آثار سے استفادہ کے لئے بیدار ہوں اور ایسے آثار الحمد للہ بہت ہیں اور ان میں سے اکثر ترقی یافتہ زبان میں لکھا ہوا موجود ہے جو طالب علم کو اپنے ہجہ کے درست کرنے اور اپنے فکر کی ترقی کے لئے مرد دیں گے۔ قلم اس وقت حیران و پریشان ہو کر ٹھیر جاتا ہے جبکہ اس سے ان برے آثار کو واضح کرنے کا ارادہ کیا جائے جو طالب العلم کے دل میں فقہ کی موجودہ متبادل کتابوں سے پیدا ہوتے ہیں۔

ہمارے نزدیک اس وقت دو مانع ہیں جو ہمارے میں فقیہ کو پیدا کرنے میں حائل ہیں۔ اول تو یہی کتابیں جو ہمارے ہاتھوں میں ہیں جن کا ہم نے تفصیلاً ذکر کر دیا ہے۔ دوم۔ طریق تعلیم کیونکہ پہلے زمانوں میں جو فقہ حاصل کرنا چاہتا اس کا سب سے بڑا مقصد یہ ہوتا تھا کہ کتاب التذکرہ اور سنت رسول میں جن باتوں سے احکام کا استنباط کیا جاتا اس کا احصار کر لے پھر اس کا زیادہ وقت اس میں گزرتا کہ اس کے امام نے اس بابہ میں کیا فتویٰ دیا اور جب وہ تعلیم میں آگے بڑھتا تو اس بات سے واقفیت حاصل کرتا کہ اس کے مذہب کے ائمہ کی وہ رائیں کیا ہیں جن میں ان کے امام کی مخالفت کی گئی اور اس مخالفت کے وجوہ کیا ہیں۔ اور جب یہ مکمل کر لیتا تو دوسرے ائمہ کے رایوں کے متعلق بحث کرتا تاکہ وہ دونوں میں متقابلہ کر سکے اس تیسرے درجہ کے گزرنے کے بعد ہی وہ صاحب اقتدار فقیہ اور صاحب ترجیح عالم ہوتا۔ لیکن ہمارے یہاں مبتدی اور منشی میں بجز کثرت مسائل و قلت کے کچھ فرق نہیں اور یہی وہ بات ہے جو مذہب شافعی میں ابو شجاع کے منہج کی

امتیازی خصوصیت ہے لیکن کثرت مسائل ہی وہ چیز نہیں کہ انسان میں فقہ کی روح پیدا کر سکے۔
 تیسرے درجہ کا طالب فقہ جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کر دیا یہ درجہ منتہی کا ہوتا تھا کیونکہ
 وہ سوائے فقہ کے اور کسی علم میں مشغول نہ ہوتا تھا۔ اور دوسرے علوم کو فقہ کے ساتھ مخلوط
 نہ کرتا تھا۔ لیکن ہمارا نظام ایسا ہے کہ جس میں مبتدی و منتہی برابر ہیں جیسا کہ پہلا بیٹھنے مبتدی،
 بہت سے علوم کی ابتدائی کتابوں میں مشغول رہتا ہے دوسرا بھی اسی میں مشغول ہو گیا پس جب آخر
 میں میدان امتحان میں اس کو کامیابی حاصل ہو جاتی تو نہ وہ فقیر رہتا ہے نہ ادیب اور نہ فلسفی
 بلکہ اس نے تو ہر علم کی ابتدائی کتابیں پڑھ لیں کہ فقہ کو نحو اور حساب سے کچھ زیادہ نہیں
 جانتا اور اس میں تمام ادارے جو دینی تعلیم میں مشغول ہیں برابر ہیں۔ اور یہ خیال نہ کر لینا چاہیے
 کہ ان میں سے جب کوئی سند حاصل کر لیتا ہے تو اس کے بعد وہ اپنے علم میں اضافہ اور اختلافات
 فقہاء کے جاننے کی کوشش کرتا، سو بلکہ وہ اس حالت پر قائم رہتا ہے جو اس کی امتحان کے
 وقت تھی اور یہ ایک بہت بڑا عیب ہے۔

میں اس وقت مورخ کی حیثیت میں ہوں جس کا کام حقائق کا نقشہ پیش کرنا ہے لیکن
 اگر مجھے کسی مطالبہ کے پیش کرنے کا موقع ملتا ہے تو میں دینی تعلیم کے لئے حسب ذیل مطالبہ
 پیش کرتا۔

(۱) ابتدا کی تعلیم صرف ان احکام کی تعلیم کی حد تک محدود رہے جس کو امام مذہب نے قرار
 دیا ہو اور یہ کسی آسان کتاب سے ہو جو اس کے لئے منتخب کر لی جائے۔

اور دوسرے درجہ میں ایسی مبسوط کتاب رکھی جائے جس میں مذہب کے دوسرے ائمہ کی رائے
 درج ہوں جنہوں نے ان کے امام کی مخالفت کی ہو یا کسی رائے کو ترجیح دی ہو یا کسی قول کو
 اختیار کیا ہو ہر فرق کی دلیلیں اس کے ساتھ قائم کی جائیں اور اس کے لئے مذہبی اختلاف کی
 کتابوں میں سے کوئی کتاب منتخب کر لی جائے۔ اور ایسی کتابیں ہر مذہب میں بہت ہیں
 اور ساتھ ہی تفسیر و حدیث بھی پڑھائی جائے۔

اور منتہی کی تعلیم فقہ اور اس کے اصول اور کتاب و سنت سے جو احکام کے ساتھ متعلق
 ہوں ان تک محدود رکھی جائے اور اس میں ائمہ کے اختلافات اور ان کے استدلال
 کے طریقے کی بھی تعلیم دی جائے۔

اور فقیہ کی سند صرف اس کو دی جائے جو دو چار مسئلوں پر ایک تحریر میں ان مسائل

کے متعلق فقہاء کے اختلافات کی تشریح کرے اور اختلافات کے اسباب اور وہ اصولی قواعد بتائے جن پر اس کے قائل نے اپنے قول کی بنیاد رکھی ہے۔

اور یہ کام اس وقت تک پورا نہیں ہو سکتا جب تک علماء درس کے لئے ان کتب کے انتخاب پر آمادہ نہ ہوں جو جو تھے اور پانچویں دور کے علماء نے تصنیف کی ہیں۔

اس طرح دلوں میں حقہ کی روح اور اس میں وسعت پیدا ہوگی۔ اور ہم اسلاف کے قدم بقدم چلیں گے اور دین میں تہفہ کاملہ حاصل کر لیں گے اور ہم میں سے مستقبل میں ایسے فقہاء نکلیں گے جن پر ہم بھروسہ کریں گے اور ان کے اقوال اعتبار کے قابل ہوں گے۔ اور جب ہم ہر سال اس طرز کے محوڑے علماء پیدا کر لیں گے تب یہ ممکن ہوگا کہ ہم سابقہ زمانوں پر اپنے علماء و فقہاء سے فخر کر سکیں۔

اور جن بڑے علماء کو ہم جانتے ہیں ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ اگر وہ اخلاص سے کام کریں تو اپنی قوم کو اس منزل پر پہنچا سکتے ہیں لیکن ہم کو ان کے ناموں کے ذکر کی ضرورت نہیں ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ ہم سب کو اپنے دین اور اپنے شریعت کے خدمت کی توفیق دے تاکہ وہ اپنی حیات عالیہ کا فائدہ حاصل کرے۔ اس کے کوئی معنی نہیں کہ ہم ہر چیز کو دائمی ترقی میں دیکھیں اور کھڑے رہیں اور سولے قیل و قال کے ہمارا کوئی مقصد زندگی نہ ہو ہمارے لئے یہ بہت ضروری ہے کہ ہم اپنے ماضی کی طرف لوٹیں۔ اور شوق اور انگ کی شمع سے اپنے مستقبل کو روشن کریں۔

ہر متفقہ فی الدین کی خدمت میں

میں نے یہ کتاب آپ کے لئے لکھی ہے اور اس سے میرا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ آپ کو سلف صالح کی زندگی کی تصویر دکھا کر انکی تعلیم و اتباع پر آپ کو آمادہ کروں۔ اس کتاب کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ ایک اور کتاب لکھنے کا ارادہ ہے جن میں تفصیلی مسائل اور ان کے اختلاف کی مکمل تاریخ کا ذکر کروں گا کیونکہ اس کتاب میں جو کچھ لکھا ہے وہ صرف مثال اور نمونہ کے لئے لکھا گیا ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے میں درخواست کرتا ہوں کہ مجھ کو اور آپ کو نیکی کی اور اسلاف کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دے کیونکہ وہی دعاؤں کو سننا اور قبول کرتا ہے۔

تم

ہماری چند بہترین
اسلامی مطبوعات

۱۲/۰	اخبار الاخبار از عبدالحق محدث دہلوی	۱۲/۰	امام ابو حنیفہؒ کی تدوین قانون اسلامی
۸/۰	رسول اکرم کی سیاسی زندگی از ڈاکٹر محمد حمید اللہ	۸/۰	از ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب
۴/۵	کشکول۔ از مولانا مفتی محمد شفیع	۲/۰	مقالات ابوالکلام آزاد
۸/۰	جدید ذبذبة المناسک از مولانا شیر محمد	۲/۰	مضامین ابوالکلام آزاد
۳/۴۵	ہمارے عالمی مسائل از مولانا محمد تقی عثمانی	۲/۵	خطبات الاحکام یعنی خطب بارہ ماہی
۲/۵	آلات جدیدہ کے شرعی احکام		از مولانا اشرف علی تھانویؒ
	از مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ	۱/۵۰	کرامات صحابہ از " " " "
۶/۴۵	شہید کربلا " " " " مجلد ۲۵/۱ بلا جلد	۳/۵۰	تاریخ اسلام از مولانا محمد میاں صاحب
۲/۰	سیرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم		مجلد تین حصے کامل
۲/۰	از مولانا محمد شفیع۔ بلا جلد۔ ۱/۵ مجلد	۰/۴۵	حصہ اول
۳/۳۴	خلفائے راشدین از مولانا عبد الشکور لکھنوی	۱/۵۰	حصہ دوم
۱/۵۰	قرآن میں نظام زکوٰۃ مجلد از مولانا محمد شفیع صاحب	۰/۶۲	حصہ سوم
۳/۵۶	روح تصوف از محمد شفیع صاحب	۰/۴۵	سیرت الرسول از شاہ ولی اللہ
۲/۲۵	علماء سلف اور نابینا علماء	۳۰/۰	المنجد اردو مجلد
	از مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی	۳۰/۰	فتاویٰ دارالعلوم دیوبند مجلد
۳/۰	سیرت عمر بن عبدالعزیز رضی		فقہی ترتیب والا جدید ایڈیشن
	از مولانا عبد السلام ندوی	۱۲/-	الادب المفرد مترجم اردو مجلد
			آیات بینات از نواب حسن الملک سید محمد علی خاں مجلد

دارالاشاعت نزد مولوی مسافر خانہ کراچی

تاریخ فقہ اردو

ترجمہ اردو
مولانا محمد رفیع صاحب عثمانی
مولانا حبیب احمد ہاشمی

تالیف عربی
علامہ شیخ محمد حنفی بک
پروفیسر جامعہ مصر و مصریہ

جس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر آج تک ہر دور کے فقہ اسلامی کی مکمل تاریخ اور خصوصیات نہایت جامعیت کے ساتھ بیان کی گئی ہیں اور ساتھ ہی چاروں ائمہ یعنی حضرت امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور ان کے شاگردوں کے حالات اور ان کے علمی کارنامے اور تصانیف کا مفصل تذکرہ کیا گیا ہے

Ahmad
Khan
Nasim
M.A.

ناشر

دارالاشاعت

مقابلہ مولوی مسافر خانہ، کراچی